نہ دیکھا - وہ جو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی تحریر کی طرز خاص ہے - اور جو الگ پہچان
پڑتی ہی - اس زور سے تو نہیں مگر پھر بھی ان کے لکچروں سے ٹپکی پڑتی ہی ان کو اردو
فارسی اور عربی زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہی اور عربی انگریزی کے الفاظ بلکہ
جملے کے جملے وہ ایسے بے تکلفی کے ساتھ بولتے چلے جاتے ہیں کہ گویا ان کی اپنی زبان
ہی - قوم اور ملک نے صرف طرز بیان اور زور بیان ہی کی وجہ سے ان کے لکچروں کی
قدر نہیں کی - بلکہ ان کے مطالب اور مضامین ایسے ضروری اور مفید ہیں کہ ان کے
لکچر ان کی تصنیفات پر فایق اور مرجح نہیں تو دلچسپ ہونے میں کسی سے ہیٹے بھی نہیں
انہوں نے بہت سے معرکۃ الآرا مضامین پر نہایت آزادی اور متانت اور استواری
سے اپنی رائے ظاہر کی ہی اور وہ ایسی محکم اور مدلل ہی کہ چار و ناچار اس سے اتفاق
کرنا پڑتا ہی - مذہب اسلام اور تعلیم دونوں کیسے ضروری مضمون ہیں اور مولوی محمد نذیر احمد
خاں صاحب نے ان پر ایسی موشگافی کے ساتھ بحث کی ہی - کہ کوئی پہلو بچنے نہیں پایا -
اسلام کی تائید میں ان کے دلائل ایسے تشفی بخش اور یقین دلانے والے ہیں کہ علم کلام
کی کسی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی - نوجوان انگریزی خوان جو سائینس اور مذہب
کی کشمکش میں ثابت قدم رہ نہیں سکتے ان کو دین اسلام پر جمے رہنے کے لیئے ان
لکچروں سے سہارا لینا ضرور ہی -

سب سے پہلے فضل الدین صاحب تاجر کتب لاہور نے مولوی محمد نذیر احمد خاں
صاحب کے لکچروں کو جمع کر کے چھپوایا - مگر اس وقت تک خود لکچر تھوڑے سے ہوئے
تھے اور جو ہوئے وہ بھی ان کو پورے دستیاب نہیں ہوئے یا انھوں نے کسی وجہ سے
سب کو لینا نہیں چاہا - چونکہ لکچروں کا سلسلہ جاری ہی اب وہ کتاب ادھوری اور ناتمام

ہے۔ فضل الدین صاحب نے حجم بڑھانے کو یا پڑھنے والوں کی خاطر سے لکچرار کے سوانح عمری
سب نہیں اکثر نہیں۔ تھوڑی برائے نام شروع میں بڑھا دیئے ہیں۔ مگر جو شخص حی و قائم
و زندہ موجود ہو اپنا دل تو اس کے حالات قلمبند کرنے کو گوارا نہیں کرتا۔ اول تو معلوم
نہیں کہ آخر تک اس کے مزاج میں۔ عادات میں۔ حالات میں کیسے کیسے تغیر واقع ہوں
دوسرے کوئی بندہ بشر ایسا ہوا ہے یا اب ہے یا آئندہ ہونا ممکن ہے جو بے عیب ہو ہم اسی کو
بے عیب سمجھتے ہیں۔ جس کے ہنر اس کے عیوب پر غالب ہوں۔ بہرکیف جس طرح ہر تصویر
میں دو رخ ہوتے ہیں۔ روشن اور تاریک۔ ہر انسان میں دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔
بعض قابل مدح اور بعض مستوجب ملامت۔ اور مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب بھی اس
کلیے سے کیوں مستثنی ہوں اگر ہم ان کی نری مدح ہی مدح کریں تو وہ بے جا خوشامد کے
علاوہ جھوٹ بھی ہوگا اور اگر ان کے نقصان اور عیب بھی ظاہر کریں تو بیٹھے بٹھائے ان کا
اور ان کے اقارب و احباب کا دل دکھائیں۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اپنے میں کسی نقصان
کے ہونے سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مگر ایسے بہت بلکہ سب ہیں جو ان نقصانات کے ظاہر
کیئے جانے سے ضرور آزردہ ہو جاتے ہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے مزاج
میں کوئی نہ کوئی تو خرابی ہے کہ وہ بلا رضامندی نہیں بلکہ خلاف مرضی نوکری سے الگ
ہو کر بیٹھے بے کاری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی خطاب ہے نہ وہ شریک کونسل
ہیں اور نہ کسی سوسائٹی کے ممبر۔ فرض کرو کہ ہم اپنے زعم کے مطابق اس خرابی یا ان
خرابیوں کو بیان کریں تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو برا لگے پر لگے۔ اور کہیں اس سے
ان کو پیدا ہو بے دلی۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کی تصنیفات اور لکچروں کے
سلسلے کے انقطاع یا کمی کے ہم باعث ہوں۔ اور پبلک ہم کو کوسیں اور بد دعائیں دیں۔ اس لئے

ہم اس پہلو ہی پر نہیں آئے ورنہ ہم کو تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے اتنے حالات
معلوم ہیں کہ اتنے ان کے سب لکچر ل کر نہ ہوتے جتنی ان کی سوانح عمری مگر ہم نے
اس کمی کی تلافی اس طرح پر کر دی ہے کہ اوّلاً ان کے کل لکچر شروع سے تا تاریخ امروزہ جمع
کر دیئے ہیں اب لکچروں کی قسم سے کوئی حرف متروک نہیں ثانیاً ہم نے کل لکچروں کا
ایک انڈکس[1] بنا دیا ہے تاکہ ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ ان لکچروں میں کس کس قسم
کے مطالب ہیں اور وہ کس جگہ ملیں گے۔ ثالثاً عربی اور انگریزی عبارتوں کا ترجمہ
اور جہاں ضرورت معلوم ہوئی حاشیہ بطور فٹ نوٹ کے بڑھا دیا ہے تا فہم مدعا میں سہولت
ہو۔ غرض ہمارا خیال یہ ہے کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا مجموعہ اس
سے بہتر کسی نے اس وقت تک ترتیب نہیں دیا۔ رہی مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب
کی سوانح[2] عمری ہمارے پاس اس کا اتنا سامان مہیا ہے کہ جب ہم اس کو پبلک کے روبرو
کتاب کے پیرائیے میں پیش کر دیں گے تو لوگ دیکھ لیں گے کہ سوانح ایسے تو ہوں فقط

---

[1] یہ انڈکس (فہرست) جو بہت طول اور بے سود تھی میں نے خارج کر دی اور مختصر سی فہرست لگا دی ہے ۱۲

[2] مولوی سید افتخار عالم صاحب مارہروی نے "حیات النذیر" کے نام سے لکھی ہے ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ ثانی

جامِ جہاں نما ہی سخن آبدار ہے — لطفِ نگار خانۂ چینی شمار ہے
ہر دل کو تازگی ہی وہ رنگ آشکار ہے — مجلس ہی گر چمن تو یہ فصلِ بہار ہے

ڈائس[1] پہ جا کے اوج سخنور کو مل گئے — مصرعہ پڑھا تو غنچۂ دل سب کے کھل گئے

کیا کیا بہم ہوئے ہیں ریاضِ سخن کے پھول — اس رنگ کے نہ ہوں گے میسر چمن کے پھول
الفاظ ہیں کہ جھڑتے ہیں گویا دہن سے پھول — گلچیں کہاں ہیں آ کے چُنیں انجمن سے پھول

پژمردہ کوئی گُل ہی نہ کانٹے کا نام ہے — گر غور کیجئے تو یہ گنجِ کلام ہے

کیا بات ہی سخن کی ثنا کیا کروں بیاں — یہ فیض ہی اسی کا جو ممتاز ہی زباں
ہوتا ہی اس سے نامِ جہاں میں کہاں کہاں — ہی جنس بے بہا جو کریں قدر نکتہ داں

عسرت میں بھی غنی ہیں بشر گر بہم ہے یہ — صدقے جواہر اس پہ ہوں ایسی رقم ہے یہ

ہی طبع باغ باغ جو اس پر رہے نظر — رہبر ہی یہ تو سامنے ہی لطف بحر و بر
گر یہ نہیں تو خانۂ ظلمت ہی دل کا گھر — اس میں کلام کیا کہوں جانِ جہاں اگر

نام اس سے زندہ رہتا ہی ادنیٰ سی بات ہی — ہو ہیوں نہ جستجو کہ یہ آبِ حیات ہی

باعث جو آبرو کا ہی وہ کام ہی یہی — جس کا سرور کم نہ ہو وہ جام ہی یہی

[1] چبوترہ جس پر کھڑے ہو کر لکچر دیتے ہیں ۱۲

راحت رسان و دافعِ آلام ہے یہی — دل میں جگہ ہو اس کی دل آرام ہے یہی

پوچھو سخنوروں سے جو کہتے ہوں ہم غلط — ہوتا ہے فکر میں اسی ہمدم سے کم غلط

خلوت کے وقت ہے سخن اک طرفہ دل ربا — مطلوب ہو کہ پاس سے اک دم نہ ہو جدا

رغبت ادھر ہو جنھیں اُن کا گلہ ہو کیا — میرا سا دل ہو گر تو ہر اک ہو یونہیں فدا

سوئے حسین نگاہ ہو مفتوں کی آنکھ سے — لیلےٰ کو کوئی دیکھے تو مجنوں کی آنکھ سے

میرے باپ جناب مولوی نذیر احمد صاحب برد اللہ مضجعہ کے لکچروں کا مجموعہ دو جلدوں میں نذیر حسین صاحب تاجر کتب دہلی نے شائع کیا۔ پہلی جلد جو ۱۸۹۲ء میں چھپی اُس میں ۱۸۸۸ء سے لے کر جون ۱۸۹۲ء تک کے تیرہ لکچر ہیں۔ اس کے بعد ۱۴ تا ۲۲ کے لکچر متفرق طور پر چھاپے گئے اور دوسری جلد میں نمبر ۲۳ ۱۸۹۵ء سے نمبر ۳۵ جون ۱۸۹۸ء تک کے لکچر ہیں پھر باقی لکچر نمبر ۳۶ تا ۴۴ متفرق طور پر جدا جدا چھپتے رہے اس طرح لکچروں کا سلسلہ اکتوبر ۱۸۸۸ء سے دسمبر ۱۹۰۵ء تک یعنی اٹھارہ برس جاری رہا۔ نذیر حسین صاحب کے چھپوائے ہوئے دونوں مجموعے اب نایاب ہیں اور متفرق لکچر اُن سے زیادہ کم یاب اور لوگوں کا شوق و ذوق اور طلب صادق بدستور۔ لکچرار دُنیا سے اُٹھ گئے مگر اُن کے کلام معجز نظام کے شایق و شیدا پہلے سے بھی زیادہ موجود۔ اُن کی زندگی میں لوگوں کے دل ٹھکے ہوئے تھے کہ خود اُن کی زبان سے سُن لیتے تھے۔ تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ لیکن جب سے کہ یہ نعمت ہم سے چھن گئی لوگ اُن کے کلام کو ترس گئے اور اب اصل اگر نہیں تو خیر نقل ہی کو دیکھ کر دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اب پہلے سے بھی زیادہ اُن کی تصانیف کی مانگ ہے اور یہ ایک کھلی دلیل مقبولیت عام کی ہے۔ کاغذ و سامان کتابت کی گرانی نے میری ہمت

پست کردی لیکن میں دیکھتا ہوں کہ بجائے ارزانی کے گرانی یوماً فیوماً آندھی کی طرح اُمڈی چلی آرہی ہے آج کا بھاؤ کل نہیں اور کل کا پرسوں نہیں خدا جانے یہ بلائے بے درماں کب دفع ہو اور خلق اللہ کو اس عالمگیر جنگ کی لپٹ سے جس کی ہیبت ناک نظیر تاریخ دُنیا میں ڈھونڈے نہیں ملتی کب گلو خلاصی ہو۔ ع

تا سالِ دگر مے کہ خورد زندہ کہ ماند

مصارفِ کثیر کا کچھ خیال نہ کرکے محض شائقین اور طالبین کی خاطر عزیز ملحوظ و پیش نظر رکھ کر لکچروں کا دوسرا مکمل ایڈیشن میں اپنے خاص اہتمام سے نکال رہا ہوں اور اس میں بامناسبت لکچروں کی تقسیم کردی ہے۔ بائیس لکچر جلد اوّل میں ہیں اور اسی قدر جلد دوم میں۔ اگر ایک ہی جلد کی جاتی تو بہت ضخیم اور بوجھل ہو جاتی۔ جو شائق اور طلبگار صادق اس دُرِ بے بہا کے ہیں اب اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور قیمت کی گرانی وہ بھی ایسی جیسے آٹے میں نمک دیکھ کر کہیں کہ ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔

اب کچھ ان لکچروں کی نسبت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ان لکچروں کی تدوین و ترتیب میں جو خون جگر معزز و محترم فخر قوم لکچرار نے کیا ہے اس کا صحیح اندازہ ناظرین خود فرما سکتے ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ لکچر علاوہ دلچسپ و دل آویز ہونے کے مفید خلایق ہوئے یا نہیں۔ آیا ان کے سننے کے لیے دُور دراز حصص ملک سے لوگ رواں دواں جوق جوق آتے تھے یا نہیں۔ آیا ان سے کوئی عملی فائدہ قوم کے مُردہ دلوں میں تازہ روح پھونکنے اور ان کو خوابِ غفلت سے چونکانے۔ پستی سے اُبھارنے تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کا ہوا یا نہیں۔ آیا وہ سحر سامری بیان پُر اثر مفید تقریریں دلکش و دل آویز ڈلیوری (طرز ادا) وہ کڑاکے کی آواز وہ دل لبھانے والا لہجہ اور وہ پیرایۂ

کبرسنی و کھولت سن کے ان کو کشاں کشاں بہجاتی تھی ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست		می بردہر جا کہ خاطر خواہِ اوست	

اور جس جگہ یہ نہ گئے چند دن کی ریل پیل بند۔ مجالس سونی۔ لطفِ کلام کے ساتھ حصولِ مرام بھی رخصت۔ لکچروں کی گرمی بازار تو آپ نے سن لی اور عجب نہیں کہ آپ نے برای العین دیکھی بھی ہو کہ ابھی کل کی بات ہی کہ یہ طوطیِ شکر مقال اور سحبانِ ہند اپنی زبان فیض ترجمان کے کرشمے دکھا رہا تھا اور اس بحرِ ذخّار زبان دانی نے اپنے لاجواب و لاثانی کلمات طیبات سے ایک تلاطم پیدا کر رکھا تھا ؎

	تحسین کا شور بزم میں حسنِ بیاں سے ہی سارا فروغ شمع کی صورت زباں سے ہی	

لیکن وائے بر حالِ ما۔ ہم نے اُس ذات مستجمع الصفات کے ساتھ کیا کیا۔ وہ کیا کہ جس کے کہنے سے بھی مجھے شرم آتی ہی یعنی یہہ کہ "فطرت اللہ" نامی معرکۃ الآرا لکچر نمبر ۵ کو محرم علی صاحب چشتی نے توہینِ مذہب قرار دے کر جو نہ کہنا تھا کہا اور جو نہ لکھنا تھا اخبار رفیقِ ہند میں لکھا اور دل کے جلے پھپولے پھوڑے اے کاش اسی حد پر اس قضیۂ نامرضیہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ نہیں نہیں۔ لاہور میں خود نالش کی اور اپنے ہم خیالوں سے مختلف مقامات میں چارہ جوئی عدالت کرائی یعنی یہ کہ چو طرف آگ لگائی۔ مرحوم کو کشاکشی عدالت کی نوبت آئی۔ ہزار ہا روپیہ پر پانی پھر گیا دوا دوش۔ کشاکشی زحمت اور ناگفتہ بہ روحانی صدمات اور تکالیف کا کچھ حد و حساب نہیں۔ جو شخص ساری عمر خود حاکمِ ذی شان رہا ہو اُس کا بہ حیثیتِ مدعی علیہ دربارِ عدالت میں حاضر رہنا کیا کچھ کم کسرِ شان اور روح کا سوہان تھا۔ جب صدائے الآن حصحص الحق بلند ہوئی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونے کی

الد

اُن کے لکچر کے دن پنڈال ایسا کھچا کھچ بھر جاتا تھا کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ جب تک تقریر کرتے تھے لوگ ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے اور ایسا عالمِ سکوت طاری رہتا تھا کہ گویا کسی کے منھ میں زبان نہیں۔ تحریر لاجواب تقریر اس سے زیادہ پر از آب و تاب۔ ڈیلوری طرزِ بیان حرکات و سکنات سب ایک ایک سے بڑھ چڑھ کے۔ آواز ایسی خداداد کہ گویا شیر کی ڈنکار۔ صورت شکل جسامت قد و قامت سب باوقار۔ سرسیّد کی وفات مسلمانوں کی موت تھی جن پر قحط الرجال کی بلا مسلط ہے۔ یہ سب مسلم مشینری کے کل پرزے تھے اور وہ سٹیم۔ سرسیّد کا دم آخریں اس مشین کو مفلوج کر گیا۔ ؎ ۔ وہ بات کو ہ کن کی گئی کوہ کن کے ساتھ۔ میرے والد کی بھی کمر بیٹھ گئی۔ فرماتے تھے

| اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا |

دولھا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات تھی۔

سرسیّد کی وفات کے ساتھ لکچر بازی کا خاتمہ ہوا جیسا کہ مرحوم نے خود کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے ؎

کیا کہیں مشغلہ لکچر کا اجی چھوٹ گیا	ہم سے اک یار چھٹا ایسا کہ جی چھوٹ گیا
صبر رخصت ہوا سنتے ہی ترا عزمِ سفر	تم تو کل جاؤ گے یہ ہم سے ابھی چھوٹ گیا

اب نواب محسن الملک بہادر کا دَور دورہ شروع ہوا۔ سرسیّد نہ سہی یہ اُن کے ارشد حواریین تھے اور میرے والد کے زمانۂ دراز کے بڑے پکّے اور گاڑھے دوست حیدرآباد دکن میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ میرے والد بھی دکن میں سرسیّد کی تحریک اور مولوی مہدی علی کی تائید سے بلائے گئے۔ والد مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ مہدی علی ہندوستانیوں کی ناک اور ہندوستانیوں کا سہاگ ہے۔ پھر ایسے محسن ملک و قوم سے کیوں کر منھ

موڑا جاتے۔ کفارۂ یمین سہل است و آزردن دلِ دوستاں جہل۔ مولوی صاحب پہلے خطِ طلب لکھتے پھر کسی معتمد کو بھیجتے اور آخرِ کار خود تشریف لاتے اور پکڑ لیجاتے۔ اب مسلسل لکچر جا کر گنڈے دار ہوگئے۔ کبھی گئے کبھی نہ گئے ٹال دیا اور لکچروں سے جان چرانے لگے۔ جب بہت ہی جزبز ہوجاتے تو چار و ناچار بپاسِ خاطر و مروت جاتے اور مارے باندھے کا لکچر دیتے پر دیتے۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں ؎

پھر خاموشی تھی مدت سے مرے منہ پر لگی	ہر برس لکچر کے دینے کی یہ کیسی کر لگی

لیکن جب کہنے پہ آتے تھے تو ایسا جذبہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپے میں نہ رہتے تھے اور جو کچھ بھی کہتے تھے ایسا کہتے تھے جو کہنے کا حق ہے۔ ۱۹۰۴ء میں لکھنؤ کی کانفرنس میں مولوی مہدی علی صاحب کی کوئی بات ناگوار ہوئی۔ مولوی صاحب ٹھیرے ٹھنڈے مزاج کے اور یہ منہ پھٹ۔ جو دل میں وہی زبان پر۔ اسی دن سے مرحوم نے کان اینٹھا اور لکچر دینے سے توبہ کرلی۔ اس کے بعد انھوں نے ہر کہیں کا آنا جانا قطعاً ترک کر دیا اور لکچر کی بحر بھی نکال ڈالی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسلی۔ پھر خدا جانے کیا افتاد پڑی اور شمس الدین صاحب سکرٹری انجمن حمایت اسلام نے آکر کیا جادو ڈالا کہ ۱۹۰۵ء میں تعلیم پر ایک اور لکچر دکھائی دیا اور یہی اخیر لکچر ہے۔ اس کے بعد گو وہ کم بیش سات برس جیے مگر مجامعِ عام میں زبان سے ایک حرف نہ نکالا اور اسی عالمِ سکوت میں اس طوطی شکر مقال نے قفسِ عنصری سے ۴ مئی ۱۹۱۲ء کو اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس سکوت کا ایک بڑا سبب اور آخری دہا کا مرحوم کی آخری تصنیف **امہات الامہ** تھی۔ گورمنٹ نے ان کو خان بہادر شمس العلماء کے خطاب دیئے۔ خلعت دیئے۔ ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری دے کر ڈاکٹر بنایا پنجاب

دہلوی (جو ہمارے عزیز قریب تھے) یہ سب کافر بنائے گئے۔ کیوں؟ یہ صرف اس لئے
کہ یہ سچے مسلمان تھے اور ایسے مسلمان تھے جیسا کہ ایک مسلمان کو ہونا چاہیے۔ ان کے
دل نور ایمان سے منور اور درد قوم سے متاثر تھے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اگر میرے
باپ کا حشر ان کافروں کے زمرے میں ہو جائے تو خوشا نصیب۔ اب ہم کس کس
سے رد و کد کریں اب نہ وہ کافر ہی رہا نہ وہ کافر گر ؎

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

بچھڑوں کی بہار کی خزاں سرسید کی وفات ہوئی تصنیف و تالیف کا سدِ باب کفر کا فتویٰ
ہوا۔ یوں دنیا اس چشمۂ فیض کی سیرابی سے محروم ہو گئی۔ باقی رہے نام اللہ کا!

برفت و سر آمد بر و روزگار | ہمہ رنج او ماند از و یادگار

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ وَاَدْخِلْہُ فِیْ جَنَّۃِ الْجِنَانِ وَاَفْرِغْ عَلَیْہِ شَآبِیْبَ الرِّضْوَانِ
بشیر الدین احمد کان اللہ لہ ولوالدیہ

دہلی۔ جنوری سنہ ۱۹۱۸ء

پڑھتے۔ اُنھوں نے کسی میونسپل کمشنر سے مل ملا کر ٹون ہال میں بتائید
کانگرس لکچر دیا۔ اُن کا مقصود یہ تھا کہ کانگرس کی حمایت کو لوگ کھڑے ہوں
اُس کے ممبر بنیں چندہ دیں۔ اُن دنوں سرکاری حکام شاید بہ ایمائے
گورنمنٹ کانگرس کے مخالف تھے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ کانگرس کو عروج
اور ترقی ہو۔ غرض صاحب ڈپٹی کمشنر نے دورے میں بھیم جی کے لکچر کا
حال سُنا اور دہلی واپس آئے لوگوں پر ملاقاتوں میں ظاہر ہوا ہوگا کہ
بھیم جی نے جو مجمع کیا وہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی رائے کے خلاف تھا۔
اُس کی تردید میں دوسرا مجمع ہوا اور بڑے اہتمام و اژدحام کے ساتھ ہوا۔
لکچر دینے والوں میں مولوی **محمد نذیر احمد خاں صاحب** پیش
پیش تھے اور یہ اُن کا لکچر ہے۔

مجھ کو مجامع عام میں شریک ہونے کی عادت نہیں، اور شوق و رغبت بھی نہیں،
اس لیئے کہ میں اپنی زندگی کے اخیر دن ایسے سکون میں بسر کرنے چاہتا ہوں کہ اپنے
اختیار سے ایک گوشۂ عافیت میں پڑا رہوں۔ ع

کہ کس نہ گوید ازیں جا بخیز و آں جا رو

لیکن چند احباب نے اصرار کیا کہ نیشنل کانگرس کی نسبت میں اپنے خیالات علی رؤس الاشہاد[۱]
ظاہر کروں۔ اُنھوں نے یہ توقع بھی ظاہر کی کہ تمھارے خیالات معلوم ہونے سے مسلمانوں
کو فائدہ ہوگا۔ مسلمانوں کے فائدے کا نام سن کر میں نے نقض عادت کیا۔ اور

۱؎ مجمع عام میں سب کے روبرو ۱۲

من چہ مے سرایم و طنبورہ من چہ می سراید

تمام روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں کہ جس میں اس کثرت سے مختلف العقائد مختلف المراسم مختلف العادات اور مختلف الاغراض قومیں رہتی ہوں۔ جیسے ہندوستان میں۔ پس ایسے اجزائے متضادہ[1] کو یک جا کر کے ایک معجون[2] مرکب قوم واحد قرار دینا صریح مغالطہ[3] دہی ہے۔ مگر کس کو؟ ان بُجھ[4] انگریزوں کو جو انڈیا[5] کا اتنا ہی حال جانتے ہیں کہ ایک بڑی زرخیز کالونی[6] ہے اور بس۔ بھلا شکلی تفریقوں کا لحاظ بھی نہ کرو اور ہندو ہندو ایک اور مسلمان مسلمان ایک قوم سمجھو تو خیر یہاں تک بھی مضایقہ نہیں مگر ہندو اور مسلمان کیوں کر ایک قوم میں شامل ہو کر انڈین نیشن کہلا سکتے ہیں (چیرز) گنگا اور سندھ کا سنگم[7] ہو سکتا ہے۔ اور نہیں ہو سکتا تو ہندو اور مسلمان کا جب تک ہندو ہندو ہے اور مسلمان مسلمان بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا[8] (چیرز) قومیت کے بارے میں ہم ہندوؤں کا بُخل دیکھتے ہیں کہ ان ہی میں کا کوئی شخص ولایت جا کر واپس آتا ہے تو پھر اس کو اپنے میں شامل نہیں کرتے۔ اس کی مثالیں خود ہمارے اسی شہر میں موجود ہیں۔ لیکن جنم کے بھرشٹ[9] جنم[10] کے ملیکش[11]۔ مسلمانوں کے حال پر ایسی کیا دیا[12] اور کرپا ہے کہ ہم کو کانگرس میں اپنے ساتھ گھسیٹے لیے جاتے ہیں (چیرز بڑے زور سے) ع میں تو ڈوبا ہوں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبوں گا (چیرز) سیو می فرام مائی فرینڈ[13]

[1] ضد کیے ہوئے ۱۲ [2] جو دوا کئی مفرد دواؤں سے مل کر بنے ۱۲ [3] فریب ۱۲ [4] تازہ ولایت۔ ناواقف ۱۲ [5] ہندوستان ۱۲ [6] نوآبادبستی جس میں کسی ملک کے آدمی آکر بسے ہوں ۱۲ [7] جس جگہ دو دریا باہم مل کر بہیں ۱۲ [8] ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے کھلم کھلا دشمنی ہو گئی ۱۲ [9] ناپاک ۱۲ [10] پیدائشی ۱۲ [11] بھوت ۱۲ [12] مہربانی ۱۲ [13] خدا ایسے دوستوں سے پناہ دے ۱۲

آخر تو کچھ دال[1] میں کالا ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا ہوچکا ہے کہ کارتوس پر بگڑے تو ہندو۔ مگر آخرکار ہندؤں کے آٹے کے ساتھ مسلمانوں کا گھن بھی پس گیا (چیرز)

کانگرس والے جو چاہیں سو کہیں۔ میونسپلٹی کے ممبروں کے انتخاب اور مذہبی تقریبات محرم، ودسہرہ، ہولی، عید وغیرہ میں ہر مرتبہ اس کے شواہد پیش آتے رہتے ہیں کہ ہندو مسلمان دو عناصر ہیں۔ بالطبع ضد یک دگر، ایک دوسرے سے نفور[2]۔ جن کو حاکمانِ وقت نے بہ زور حکومت جمع کر رکھا ہے (چیرز) ہمارے ہندوستان کی ترکیب ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بدون فارن[3] گورمنٹ کے ہم مِن حیث المجموع چین سے رہ نہیں سکتے۔ ہم نے سیکڑوں برس ہندو اور مسلمان دونوں کی حکومتوں کو آزمایا۔ اور تاریخ میں اس بات کا کافی اور وافی ثبوت موجود ہے کہ کسی ایک گورمنٹ کو بھی برٹش گورمنٹ کی سی کامیابی نہیں۔ اس کا ہزارواں حصّہ بھی نصیب نہیں ہوا (چیرز) ہندؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں۔ اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اسی میں ہے کہ کوئی اجنبی[4] حاکم اس پر مسلّط رہے جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان۔ پس ہو نہ ہو کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو سلاطین یورپ میں سے کون ہے جس نے سلطنت ہندوستان کی طمع نہیں کی۔ فرنچ[5]۔ پورچگیز[6]۔ ڈچ[7] اپنی اپنی جگہ سب نے زور آزمائیاں کیں حضرت

[1] یعنی کچھ تو اس میں فریب ہے ۱۲ [2] نفرت کرنے والے ۱۲ [3] ہندوستان کی نہیں بلکہ دوسرے ملک والوں کی سلطنت ۱۲ [4] اوپری۔ غیر ۱۲ [5] فرانس والے ۱۲ [6] پرتگال والے ۱۲ [7] یہ بھی ایک انگریزوں کی ایک قوم ہے جو ملک ہالینڈ میں رہتی ہے

شہنشاہ روس کے خاندان میں تو پیٹر دی گریٹ[۱] کے وقت سے یہ مرض نسلاً بعد نسلٍ
متوارث[۲] چلا آتا ہے کہ جس طرح بن پڑے ہندوستان پر قبضہ کیجئے۔ مگر خدا کی بے انتہا مہربانی
اسی کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے (چیرز) اُنھوں نے سو سوا سو برس حکومت
کرکے اپنی قومی بیدار مغزی۔ جفاکشی لیاقت۔ انصاف۔ رعایا پروری، اور بہادری، کو
ایسے آشکارا طور پر ثابت کر دکھایا جیسے روز روشن میں آفتاب۔ تو کیا اب بھی کسی منصف
مزاج دانش مند ملکی خیر خواہ کے دل میں یہ وسوسہ گذر سکتا ہے کہ خدانخواستہ سلطنت بدلی
جائے؟ سب بولو؟ نہیں نہیں نہیں۔ (چیرز) میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی کانگرس کا
طرف دار بھی اس مجمع میں ہوگا تو اس کو بھی سوائے نہیں کہنے کے اور کچھ کہتے نہیں بن پڑیگا
لیکن مونھ سے نہیں کہنا کافی نہیں کردار سے۔ گفتار سے۔ ثبوت دو کہ تم تبدل[۳] سلطنت نہیں
چاہتے؟ آپ صاحبوں میں سے اکثروں نے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان کے لینے کا
مالخولیا ان دنوں روس کے دماغ میں برسر شورش ہے۔ روس جو تمہاری کانگرس کی خبر
سُنے گا اور اُس نے ضرور سُنی ہوگی (کیونکہ آج کل کا ایسا وقت ہے کہ گھر میں بات کرو تو اخبار
کے ذریعہ سے ملکوں ملکوں جا پہونچتی ہے۔ نہ کہ کانگرس جس میں کشاں کشاں سیکڑوں آدمی
بُلائے جائیں اور اُس کا ڈھنڈورا پیٹے۔ اُس کے لیئے بگل بجائے جائیں اُس کی منادی اس
طرح کی جائے کہ گویا بلا تشبیہ کانگرس انجیل ہے۔ اور منادی کرنے والے پادری اُس کے لیئے
اخباروں میں آرٹیکل[۴] لکھے جائیں۔ رسالے تصنیف ہوں اور مشتہر کیئے جائیں کیوں کر ممکن
ہے کہ روس کے کان میں ایسی کانگرس کی بھنک[۵] نہ پڑی ہو ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

بھلا پھر روس نے کانگرس کی خبر سن کر کیا خیال کیا ہوگا؟ وہی جو ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس

---

۱ یہ شخص شاہنشاہان روس میں سب سے بڑا نامور شخص ہے ۱۲ ۲ موروثی ۱۲ ۳ بدل جانا ۱۲ ۴ مضامین ۱۲
۵ آواز ۱۲۔

سرے سے اُس سرے تک سارے ہندوستان کی رعایا گورنمنٹ سے ناخوش ہی! جس
مضمون کے ادا کرنے کا دوسرا پیرایہ یہ ہی کہ تبدل سلطنت کی خواستگار- پھر اس خیال سے
روس پر کیا اثر کیا ہوگا؟ دیوانہ را ہوئے بس است- وہ مجنونانہ حرکت جو وہ پرسوں کرتا کل
کرے گا- اور کل کرتا تو آج- افسوس ہی کہ کانگرس والے اپنی حرکت کے اس زبون[۵۱] نتیجے پر
نظر نہیں کرتے- گورنمنٹ اور رعایا میں یہ جو تعلق ہی وہ ایسا ہی کہ گورنمنٹ پدر مہربان ہی اور رعایا
اولاد- یا گورنمنٹ طبیب ہی- رعایا مریض- یا گورنمنٹ اُستاد شفیق ہی اور رعایا شاگرد- لیکن
اُن تعلقات کی مزہ داری اسی میں ہے کہ محتاج کو محتاج[۵۲] الیہ پر پُورا پُورا بھروسہ ہو اور وہ نہیں
ہوگا جب تک محتاج اپنے نیک و بد کو محتاج الیہ پر نہیں چھوڑ بیٹھتا- اگر اولاد اپنی تربیت میں یا
بیمار اپنے علاج میں یا شاگرد اپنی تعلیم میں اپنی رائے کو دخل دے تو ایک نیچرل[۵۳] بات ہی کہ باپ
اور طبیب اور اُستاد ذمہ داری سے سُبکدوش ہو کر پرداخت میں کمی کرنے لگتے ہیں- پس کانگرس
کا یہ پہلو کیا ہمارے حق میں مضر نہیں ہوگا- ہوگا- اور ضرور ہوگا (چیرز)

ہم برٹش[۵۴] گورنمنٹ کی پچھلی کارروائی پر نظر کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ ٹرینزیٹیو
اور پروگریسو گورنمنٹ ہی یعنی گورنمنٹ کی حالت ٹھہری ہوئی اور جمی ہوئی نہیں ہی- بلکہ یوماً
فیوماً بہتری اور درستی اور صفائی اور عمدگی اور آسانی کی طرف ترقی کرتی جاتی ہی چوں کہ ہم خود
ٹرینزیٹو اور پروگریسو کنڈیشن[۵۵] میں ہیں- گورنمنٹ کو بھی ٹرینزیٹو اور پروگریسو ہونا چاہیئے- زیادہ
نہیں ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے کے زمانے کو اس وقت سے مقابلہ کرو تو ظلمت و نور کا فرق
پاؤ گے- اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ ریل- یہ تار برقی- یہ سررشتۂ تعلیم- یہ منی آرڈر- یہ پوسٹ کارڈ
یہ ویلیو پی ایبل[۵۶] پارسل- یہ میونسپلیٹی- یہ سڑکیں یہ صفائی- یہ نہر- یہ سفر بحری و بری کی آسانیاں
یہ پولیس- یہ اخباروں کی آزادی- یہ ہندوستانی والیان ملک کے اختیارات تبنیت-

۵۱ بد ۱۲ ۵۲ جس کے پاس حاجت لے جاویں ۱۲ ۵۳ فطرتی- خلقی ۱۲ ۵۴ سرکار انگریزی ۱۲ ۵۵ حالت ۱۲-
۵۶ وہ پارسل جو قیمت لے کر ادا کیا جاتا ہی- ۱۲+

بڑے شہروں میں کیٹیاں[1] ہیں مجلسیں ہیں سوسائٹیاں[2] ہیں ایسوسی ایشن[3] ہیں۔ انجمنیں[4] ہیں۔ خود حکام سفر میں حضر میں درپئ تفتیش وتلاش رہتے ہیں حتیٰ کہ ہوس آف کامنز[5] اور پارلیمنٹ[6] کے ممبر تک ہرسال اس ٹوہ[7] میں آنکلتے ہیں۔ اور جو لوگ حکام رس ہیں اُن کو ہمیشہ اس طرح کے مواقع حاصل ہوتے رہتے ہیں کہ رعایا کا دُکھ درد حاکموں کے کان تک پہونچائیں۔ مگر یہ نیشنل کانگرس کا نیا طریقہ تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ گورنمنٹ کی مخالفت میں ایک گو ہا[8] جمع ہو۔ سوتی بھڑیں جگائی جائیں۔ جو لوگ امن چین سے اپنے اپنے کام دھندوں میں لگے ہیں سُن کر چونک پڑیں کہ ایسی کیا آفت نازل ہوئی جس کی وجہ سے یہ تمام کھلبلی مچ رہی ہی۔ کانگرس والے اس بات کو پیش نظر نہیں رکھتے کہ انگریزوں کو ہمارے ساتھ اجنبیت محض ہی۔ اس سے بڑھ کر اور اجنبیت کیا ہوگی کہ سوائے انسانیت کے ہم میں اور انگریزوں میں کسی طرح کی مشارکت نہیں۔ اس پر طرہ فاتح[9] اور مفتوح[10] کا تفرقہ کہ تیل اور پانی کبھی نہ ملے ہیں اور نہ کبھی ملیں گے۔ تو ایسے اجنبیوں سے ہماری کاربرآری ہو تو کیوں کر ہو۔ اس کی یہی ایک تدبیر ہی کہ جس طرح ممکن ہو چاپلوسی وخوشامد[11] سے نہیں (کہ وہ تو میرے نزدیک دنائت[12] اور کمینگیِ طبیعت اور پستیِ فطرت کی دلیل ہی) بلکہ اطاعت اور فرماں برداری اور سلامت روی سے حکامِ وقت کو خوشنود کریں تاکہ اُن کے دلوں میں ہماری مراعات اور مہربانی کے خیالات پیدا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کانگرس کی نسبت گورنمنٹ آف انڈیا[13] اور عہدہ دارانِ انگریزی کے کیسے خیالات ہیں لیکن خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا۔ عقل کہتی ہی اور میں اس کو اوپن سیکرٹ[14] سمجھتا ہوں کہ ضرور یہ کانگرس

[1] کمیٹیاں ۱۲ [2] انجمنیں ۱۲ [5] ہوس آف کامنز اور پارلیمنٹ اُن دو مشہور جماعتوں کا نام ہی جن پر دارومدار نظم ونسق سلطنت انگریزی منحصر ہی صرف فرق ان دونوں میں یہ ہی کہ ہوس آف کامنز میں علی العموم رعایائے وکیل شریک ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ میں خاص خاص ذی مقدر جیسے لارڈ کونٹ۔ ارکوئس وغیرہ شریک ہوتے ہیں ۱۲ [6] وہ جماعت جس سے سلطنت کے معاملات فیصل ہوں ۱۲ [7] کسی چیز کی خفیہ خبر لینا [8] مجمع ۱۲ [9] فتح کرنے والا غالب ۱۲ [10] فتح کیا ہوا مغلوب ۱۲ [11] خوشامد ۱۲ [12] کمینگی ۱۲ [13] سلطنتِ ہند ۱۲ [14] رازِ آشکارا ۱۲ +

گورنمنٹ آف انڈیا اور کل عہدہ داران انگریزی کی نظر میں مبغوض[۱] ہوگا اور اس کو مبغوض ہونا چاہیے
کیسا ہی کوئی حلیم اور بُردبار اور متین اور باوقار کیوں نہ ہو کب جائز رکھ سکتا ہے کہ یوں کُھلم
کُھلا مجامع[۲] اور محافل[۳] میں اس کی روئی دُھنکی جائے اور روئی دھنکنے والے کون ہوں؟ اپنی
ہی رعایا۔ اپنے ہی محکوم اپنے ہی دست نگر۔ اور اپنے ہی محتاج (چیرز) لیا اجنبی لوگوں سے
فائدہ حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے؟ بیّا بن رسب کوئی لیتا ہے۔ ہیکڑی سے باپ بن کر کسی نے
نہیں پایا (چیرز) شعر

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

گورنمنٹ کو ہماری خیرخواہی آزمانے کے بہت ہی کم مواقع ملے ہیں۔ اس لیے کہ اس وقت تک
گورنمنٹ صرف اپنے بل بُوتے کے بھروسے پر حکمرانی کر رہی ہے وہ رعایا کی خوش دلی کی بڑی
قدر کرتی ہے۔ اور رعایا کو رضامند رکھنے میں سعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتی۔ مگر اُس کے فوجی
انتظام کئے دیتے ہیں کہ گورنمنٹ کو رعایا پر پورا پورا اعتماد نہیں۔ کیا یہ بے اعتباری گورنمنٹ کے
دل کا کھوٹ[۴] ہے؟ اور یہ گورنمنٹ کا قصور ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں! ہم اعتماد کو پورا ہونے نہیں دیتے
۱۸۵۷ء کے غدر میں ہندوستانی اپنا اعتبار کھو چکے تھے۔ اگر کچھ بھی شرم اور غیرت اور عقل مصلحت
اندیش ہوتی تو اُس کے کفارے میں بھلا کچھ نہیں تو پچاس برس کا گونگے پیر کا تو روزہ رکھتے (چیرز)
لیکن اخباروں میں۔ مجالس میں جو کچھ بڑبڑاتے رہے سو خیر۔ نوبت بایں جا رسید کہ کانگرس نکال
کھڑی کی بیچارے رئیسوں کو اچھی سوجھی تھی کہ روس کی شورش سُن کر کوئی روپئے سے۔ کوئی فوج
سے۔ کوئی اپنے ہاتھ پاؤں سے سرکار کی مدد کو آموجود ہوا۔ اُن دنوں ولایت کے اخباروں میں
ہندوستان کی خیرخواہی کی دھوم تھی۔ میں نے دیکھا تو نہیں مگر سُنا کہ انگریزوں کی باچھیں
کھلی پڑتی ہیں۔ مسکرانے لگے تھے تو ہنستے بھی ضرور۔ اتنے میں یہ ناشدنی کم بخت کانگرس بنگالہ

۱ بہت بُرا ۱۲　۲ جمع مجمع ۱۲　۳ جمع محفل ۱۲　۴ نقص ۱۲ +

ہیں پیدا ہو پڑی ہی - اور سارا کیا دھرا ملیامیٹ[۵۱] کر دیا - اور پھر وہی بے اعتبار کے بے اعتبار (چیز)
نیشنل کانگرس پر بدگمانی کرنے کی میرے پاس ایک بڑی وجہ اور ہی، وہ یہ کہ ملکی فلاح اور
ملکی رفاہ کچھ اسی ایک کانگرس پر تو منحصر نہیں - کانگرس کو بفرضِ محال کامیابی ہو بھی تو یہی نہ کہ
نمک کا محصول گھٹ جائے، ہتھیار باندھنے کی عام اجازت ہو جائے، ہندوستانیوں کو والنٹیر[۵۲]
فوج میں داخل کرلیں - انکم ٹیکس[۵۳] موقوف - اور[۵۴] "دی لاسٹ دو نوٹ دی لیسٹ" ہندوستانی
یعنی بنگالی کمشنر کلکٹر ہونے لگیں - یا اسی طرح کی اور چند باتیں - تو کیا اس سے ہندوستان میں
دولت پھٹ پڑے گی - رے عقل کے دشمنوں - ملک کی دولت مندی کے وہ گُر ہی دوسرے
ہیں - سب سے پہلے اپنے تئیں تعصبات رسمی کے پھندوں سے چھڑاؤ - پھر علم حاصل کرو - علم
سے مُراد یہ علم نہیں جس کو پڑھ کر انسان بی اے[۵۵] - ایم اے بن بیٹھتا - اور کانگرس کے خواب
پریشان دیکھنے لگتا ہی (چیز) بلکہ انجنیری - ڈاکٹری - باٹنی[۵۶] - کیمیا[۵۷] - جرِ ثقیل[۵۸] - طبیعیات - جیالوجی[۵۹]
وغیرہ جن کے ذریعے سے صنعت اور دستکاری، اور ایجاد کی قدرت حاصل ہوتی ہی - اور
جن کی تفصیل ہمارے دوست شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب خوب
جامعیت کے ساتھ کرسکتے ہیں - سب کچھ تمہاری ہی مٹی میں ہی - اور تمہاری ہی مٹھی میں ہی - مگر
تم کو اس سے متمتع[۶۰] ہونے کا سلیقہ نہیں - جو کرسکتے ہو اور جو تم کو کرنا چاہیے - اُس کی تم کو ذرا
بھی پروا نہیں - اور پروا بھی ہو تو کہاں سے ہو - تم کو گورنمنٹ کے انتظاموں پر جرح اور
اعتراض کرنے سے فرصت کب ملتی ہی - اگر بنگالیوں نے یا پارسیوں نے یا جو لوگ کانگرس

[۵۱] ضائع ۱۲ [۵۲] وہ رعایا کے لوگ جو فوجی کام سیکھیں بلا تنخواہ اور فوجی احکام اپنے ذمہ لیں ۱۲ [۵۳] جو آمدنی سے خراج لیا جاوے ۱۲ [۵۴] آخر کار - اگرچہ قوت میں پچھلی باتوں سے کم نہیں ۱۲ [۵۵] یہ درجے فضیلت وعلمیت کے ہیں ۱۲ [۵۶] علم نباتات ۱۲ [۵۷] جس علم سے نباتات وجمادات کی ترکیب معلوم ہو ۱۲ [۵۸] جس علم سے آلات کا بنانا اور بوجھ کا اُٹھانا سکھایا جاتا ہی ۱۲ [۵۹] علم طبقات الارض جس کے ذریعہ سے کانیں دریافت کرتے ہیں ۱۲ [۶۰] فائدہ لینے کا ۱۲ +

کے حامی ہیں۔ اپنے یہ فرائض پورے طور پر ادا کئے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ نیشنل کانگرس رفاہ ملک
کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ مگر جو شخص فرض کو چھوڑ کر نفل پر دوڑے، ہم کو تو اُس کی خدا پرستی تسلیم
نہیں (چیرز) خدا اگر کسی کے دماغ میں اس طرح کا خلل ڈالے کہ وہ انگریزی پڑھ لینے سے اپنے
تئیں انڈیا کا بسمارک[1] سمجھنے لگے، اور ملک داری کے امور عظیمہ میں راستے زنی کرنے کو لڑکوں
کا کھیل خیال کرے تو اُس کو سمجھنے اور خیال کرنے دو۔ اپنا مسلک تو یہ ہے ؎

رموز مصلحتِ ملک خسروان دانند	گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

(چیرز) یہ سچ ہے کہ جس طرح کا ایجی ٹیشن (تحریک) کانگرس کرنا چاہتا ہے۔ ولایت میں اکثر ہوتا رہتا
ہے مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کو ولایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ شعر

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا	پہونچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

ولایت والوں کی سی لیاقت۔ اُن کی سی معلومات۔ اُن کی سی روشن دماغی۔ اُن کی سی تلاش
اُن کی سی راستی۔ اُن کی سی بلند حوصلگی۔ اُن کی سی مستقل مزاجی۔ اُن کی سی جفاکشی۔ اُن کا
سا ربط و ضبط۔ اُن کی سی جاں نثاری۔ اُن کی سی ٹکسالی خیرخواہی، اور اُن کی سی نہیں۔ بلکہ
اُس کا عشر عشیر[2] بھی ہندوستانیوں میں ہوتا تو ایک کانگرس صبح۔ اور ایک کانگرس شام ع

چشمِ ما روشن و دلِ ما شاد

کانگرس والے جیسی غلطی اپنے بارے میں کرتے ہیں کہ اپنی وقعت زاید از واجب ٹھہرا لیتے
ہیں۔ اسی طرح کی غلطی اُن سے گورنمنٹ کی نسبت بھی ہوتی ہے۔ لارڈ ڈفرن[3] دورہ کرتے کرتے
کراچی میں گئے۔ تو وہاں کے عمائد ریل کی ایک سڑک کے لئے اُن کو لپٹے اور اصرار کیا کہ اُس کی

[1] یہ شخص شہنشاہ حال جرمن کے دادا کے وقت میں وزیر تھا یہ وہ نامور شخص ہے جس نے سلطنت جرمن کو متحد کیا اور فرانس
پر غلبہ دلایا۔ مثل نپولین بوناپارٹ کے اس نے بھی بڑے بڑے نمایاں کام کئے ہیں ۱۲ [2] دسویں حصّہ کا دسواں حصّہ یعنی بالکل کم ۱۲
[3] یہ مشہور گورنر جنرل ہندوستان میں حکومت کر گئے ہیں لارڈ لینسڈون صاحب سے پہلے یہی صاحب تھے بڑی کامیابی
الکا زمانہ ختم ہوا ڈفرن ہاسپٹل جس قدر ہندوستان میں ہیں وہ لیڈی ڈفرن کی یادگار ہیں ۱۲ +

منظوری نہ کریں تو دیَر اَینڈ دِن (ابھی اسی جگہ) وعدہ تو کرلیں - لارڈ صاحب نے یہ کہکر اپنا پنڈ چھوڑایا کہ میں وعدہ تو کرلوں - لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ کلکتہ پہونچ کر اسی طرح کی اور ضرورتیں پیش ہوں اور میری یہی رائے رہے - کراچی کے حمائد[ل] کی نظر ایک محدود خطے میں محصور تھی - اور لارڈ صاحب کی نگاہ سارے ہندوستان پر حاوی ہے -

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہی حال ہی کانگرس اور گورمنٹ کا - میں نے تو کانگرس میں کبھی کوئی انوکھا مسئلہ پیش ہوتے نہیں دیکھا - وہی پُرانی باتیں ہیں جن کو برسوں سے اخباروں میں دیکھتے ہیں - کانگرس کے ممبر اہل غرض ہیں - وَاَهْلُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ[ئ] (چیرز) ان کی رائے غرض مندانہ رائے ہی - گورمنٹ کا بالکل دوسرا حال ہی - اُس کو پولیٹیکل[ئ] اور عام ملکی مصلحتوں پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہی - الغرض یہ دو مخالف، دو مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں - اور جب تک حیثیتوں کا اختلاف ہی - اختلاف رائے رفع ہو نہیں سکتا - مگر اختلافِ رائے کو کسی غرض فاسد پر محمول کرنا کیا ضرور ہی - اپنا عقیدہ تو یہ ہی کہ گورمنٹ ہماری کسی حاجت کے بر لانے میں تخلّل اور مضایقہ نہیں کرتی - مگر بہ مجبوری - اور فرض کیا کہ بعض باتوں میں گورنمنٹ برسرِ غلط ہی تو کیا رعایا - اور رعایا بھی زیر بار احسانات گوناگوں، اور چند درچند ہونے کی حیثیت سے ہمارا ڈیوٹی نہیں ہی کہ ہم خوشدلی کے ساتھ گورمنٹ کے حکم کو انگیز کریں[ە]

آں را کہ بجائے تست ہر دم کرمے	عذرش بنہ از کند بعمرے ستمے

(چیرز) اب تک میں نے عام طور پر کانگرس کی قباحتوں کی طرف اشارہ کیا وہ بھی بھلا اِس خیال سے کہ میرے بعد اور چند صاحب بھی کچھ کہنے والے ہیں، اور وہ یقیناً مجھ سے بہتر کہیں گے - بس اب میں اخیر میں مختصر طور پر اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ کانگرس کی شرکت اگر ہندوؤں کے لئے مضر ہی تو ہم مسلمانوں کے حق میں مہلک (چیرز) ہم جس جس پہلو سے ہندوؤں کے ساتھ اپنی حالت کا موازنہ کرتے ہیں - ہندوؤں ہی کا پلہ جھکا ہوا ہی - سب سے پہلے وہ شمار میں ہم سے اضعافاً[ل]

[ل] رؤسا ۱۲ [ئ] صاحب غرض ۱۲ [ئ] متعلق نظم و نسق ملک ۱۲ [ئ] فرض ۱۲ [ە] وزن کرنا ۱۲ [ل] چند در چند ۱۲ +

مضاعفہ زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ ٹھہرے ملک کے اصل باشندے اور ہم تو ملک گیری کے لیئے گھر سے
نکلے۔ آئے۔ لڑے۔ فتح پائی۔ شامت جو آئی رہ پڑے (چیرز) ہم تھوڑے بھی ہیں۔ ہندو ان پہ
بھاری تھے۔ مگر بے مقدوری، اور تہی دستی نے ہم کو راسہا اور بھی پست کر دیا۔ لوگ ہم کو بے مقدوری
کا لازم ٹھہراتے ہیں۔ لیکن میں اس کو بھی اضطراری[1] سمجھتا ہوں۔ ہم لوگوں نے بغرور سلطنت ذرائع
معاش کی کچھ قدر نہ کی۔ زوال سلطنت کے ساتھ بے معاش رہ گئے۔ اب رہی لیاقت تو پہلے
اس امر کا مفہوم متعین ہونا چاہیئے کہ لیاقت ہی کیا چیز؟ اگر لیاقت سے مراد تعلیم کا سٹینڈرڈ (درجہ)
ہے جس کا امتحان پاس کرنے سے ڈپلومہ[2] یا ڈگری[3] حاصل ہوتی ہے۔ تو بیشک اس خصوص میں
ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح ہے جب کبھی بی۔ اے۔ ایم اے کی فہرست نظر پڑی۔ جھڑے الا
ماشاء اللہ شاذ و نادر اکّا دکّا[4] مسلمان۔ لیکن میری نظر میں اس لیاقت کی کچھ بہت وقعت نہیں۔ مجھ کو کئی
بی۔ اے۔ ایم اے ڈگری داروں کے ساتھ طبع آزمائی کا اتفاق ہوا ہے۔ باوجودیکہ میں نے کسی
کالج یا اسکول میں انگریزی نہیں پڑھی۔ اور میں انگریزی کا عطائی[5] ہوں نہ کلاونت[6]۔ لیکن میں
اس کو خودستائی کی راہ سے نہیں کہتا بلکہ حکایت نفس الامری ہے کہ استنباط مطلب میں میری طبیعت
اُن سے زیادہ لڑتی تھی۔ لیاقت حقیقت میں اس کا نام ہے کہ انسان میں مادہ قابل ہو اور جس طرف
توجہ کرے کچھ کر نکلے۔ ولایت میں آدمی بی۔ اے۔ ایم۔ اے کے درجے کو پہنچ کر لایق ہو جاتا
ہوگا۔ کیونکہ انگریزی اُن کی مادری زبان ہے اور بڑی معلم تو سوسائٹی ہوتی ہے۔ انگریزی سوسائٹی کا
کیا کہنا۔ مگر ہمارے یہاں ایک تو ملکی زبان کی ٹیچر لگی ہے۔ جس کو انگریزی سے کچھ بھی مناسبت نہیں
اور سوسائٹی کی ردامت ناگفتہ بہ یہ سبب ہے کہ ہمارے ڈگری دار ہم لوگوں کی نظروں میں اپنی
وقعت نہیں بٹھا سکتے۔ اور پھر نرے لکھ پڑھ لینے سے وقعت نہیں ہوتی۔ اس کو چاہیئے مارل کریج[7]
سوشیل پوزیشن[8]۔ ہم اُن ڈگری داروں کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں کہ اُن کو نوکری کا حاصل کرنا

۱؎ غیر اختیاری ۱۲ ۲؎ سند ۱۲ ۳؎ خطاب فضیلت ۱۲ ۴؎ یعنی ایک دو ۱۲ ۵؎ عطائی اُس کو کہتے ہیں جس کا پیشہ گانا نہ ہو
اور گانا سیکھے ۱۲ ۶؎ پکا راگ گانے والا ۱۲ ۷؎ اخلاقی جرأت ۱۲ ۸؎ سوسائٹی میں وقعت کا ہونا ۱۲ +

آسان ہو دگر ہیچ۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے کہا تھا کہ سرکار کے بہت سے انتظام اصلاح طلب ہیں جن میں سے ایک بڑا ضروری انتظام لیاقت کے سٹینڈرڈ کا ٹھہرانا ہو۔ انگریزوں نے اپنی ولایت پر قیاس کر کے صرف یونیورسٹی کی ڈگری کا معیار لیاقت ہونا تسلیم کر لیا۔ جس نے ہماری سوسائٹی کو زیر وزبر کر رکھا ہو۔ جو لوگ سوشلی ادنی درجہ کے ہیں یونیورسٹی کی ڈگری سے بڑی خدمتوں پر پہونچ جاتے ہیں، اور اُن کے تعزز خدمتی اور سوشیل پوزیشن میں عجب کشمکش واقع ہوتی ہے۔ ہم بمقابلۂ ہنود شمار میں، تمول میں اتنے ہیٹے نہیں جتنے کہ اس زمانے کی لیاقت میں یا یوں کہو کہ انگریزی دانی میں۔ اس پر مسلمانوں کو دوست اور دشمن ایسا ایسا لتاڑتے ہیں کہ معاذ اللہ، لیکن میں اس خصوص میں بھی مسلمانوں کو کسی قدر معذور سمجھتا ہوں۔ صدہا سال کی محکومی نے ہندؤں کو ایسا گرا دیا کہ اگر سچ پوچھو تو اُن میں سنس آف آنر (حمیّت) باقی نہیں۔ نہ اُن کے پاس مذہب ہو نہ لٹریچر[۱] نہ کوئی علم جس پر وہ فخر کر سکیں۔ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ ہندؤں میں یہ چیزیں سرے سے تھیں ہی نہیں۔ تھیں اور بہت عمدگی کے ساتھ تھیں۔ مگر محکومی ایسی بُری بلا ہو کہ سب فضیلتوں کو خاک میں ملا دیتی ہو۔ لوگ کہتے ہیں "پیری وصد عیب" میں کہتا ہوں "محکومی و ہمہ عیب" (چیرز) مسلمانوں کی عمل داری میں ہندو ہماری زبان سیکھتے۔ ہمارے علوم پڑھتے۔ ہماری تقلید کرتے۔ ہمارے تہوار مناتے۔ یہاں تک کہ ہمارے بزرگوں کی پرستش کرتے تھے۔ جب آئے انگریز تو ہندؤں کے پاس اپنا تو کچھ اثاثہ نہ تھا لگے انگریزوں ہی کا کلمہ پڑھنے۔ خرابی اور بڑی خرابی ہم مسلمانوں کی ہو کہ ہم مذہب رکھتے ہیں محکم۔ مضبوط۔ استوار۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ[۲] (چیرز) کہ انقلاب کی آندھیاں اس کو جنبش بھی تو نہیں دے سکتیں۔ ہمارے پاس لٹریچر ہو جس نے ایک وقت تمام روئے زمین کو ہلا مارا تھا۔ (چیرز) وہ ہمارے دلوں کی تسلی ہو۔ ہماری جانوں کی توانائی۔ ہماری آنکھوں کا نور۔ ہماری روحوں کا سرور۔ ہمارے پاس علوم ہیں۔ اگرچہ اُن میں سے اکثر انگریزوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر لئے ہیں۔ مگر آخر ہیں تو ہمارے۔ غرض ہماری عظمت کے

[۱] علم ادب و انشا پردازی ۱۲ [۲] اُس درخت کی جڑ جمی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان میں ۱۲ +

نشان مانند پڑ گئے ہیں گر مٹے نہیں (چیرز) ہم کو یہ دشواری پیش آ رہی ہے کہ اگر انگریزی نہ پڑھیں تو تن
کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی نہیں۔ اپنے علوم نہ پڑھیں تو اپنی ہی سوسائٹی میں عزت نہیں وقعت
نہیں۔ دونوں پڑھیں اتنی مہلت نہیں، وقت میں گنجائش نہیں۔ غرض ہم اپنے پرانے کمالات
کو تھوڑا بہت نباہے چلے جاتے ہیں۔ تو ہم طبیعتوں سے مجبور ہیں۔ لیکن کیا اتنی ہی بات سے،
کہ ہم نے ہندوؤں کی طرح انگریزی کو اوڑھنا بچھونا نہیں کر لیا۔ ہم نالائق ہو گئے؟ ہیکڑی کا تو
کچھ جواب نہیں۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر، مگر میرا انز بلیف یہ ہے۔ اور یہ انز بلیف (دلی یقین)
مبنی ہے ساری عمر کے تجربے پر، کہ کارفرمائی جیسی ایک مسلمان کر سکتا ہے ہندو سے نہیں
ہو سکتی نہیں ہو سکتی!! ہرگز نہیں ہو سکتی! (چیرز) کارفرمائی کی شرط اعظم ہے۔ خودداری اتی
تعز زانورس آف کیریکٹر، (ہمت، جرأت) اور یہ حرارت مسلمانوں کے خون سے ابھی
تک تو نکلی نہیں۔ الغرض ہمارا کیس ایک اسپیشل[11] کیس ہے اس کی روئداد کسی طرح ہندوؤں
کی روئداد سے نہیں ملتی۔ ہندو جب زور دیں گے کثرت اور انگریزی دانی پر! اور یہی جگہ
ہمارے ہاں پانی کے مرنے کی ہے (چیرز) پس ہم کو ہندوؤں کی رفاقت ضرور نقصان پہنچائیگی
یہ ہی صلاح مانو تو نہ روؤ نہ جھینکو۔ متوکلاً علی اللہ[12] چپ چاپ بیٹھے رہو۔ وہ کارساز
ہمارے لیئے اسباب مہیا کر رہا ہے ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد (چیرز)

اسی کانگرس نے ضرور گورنمنٹ کو چوکنا کیا ہوگا۔ کوئی دن جاتا ہے کہ لیاقت کے سٹینڈرڈ میں
ترمیم ہوگی۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ تعلیم انگریزی کی ٹون[13] مدہم کر دی جائے گی مگر گورنمنٹ کو اس کی
تدبیر تو چار و ناچار کرنی پڑے گی، کہ ہندوستانیوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ اُن کے خیالات
سوشیل[14] رفارم۔ لوکل امپرومینٹ[15] کی طرف مصروف ہوں۔ جس سے ملک کو فائدہ پہونچے۔ اور
ایسے کیڑے اُن کے مغز میں نہ کلبلانے پائیں کہ بجٹ اسٹمٹ کی دھوئی کے بدون اُن کو

[11] خاص صورت [12] خدا پر بھروسہ کرکے [13] طرز۔ لہجہ [14] طرز تمدن کی اصلاح [15] ملکی بہبودی [16] موازنے کے داخل

چین نہ پڑے (بڑے زور سے چیرز) ع

چہ دانی تو اے بندہ کار خدائی

نیشنل کانگرس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری حمیت تو گوارا نہیں کرتی کہ ہندوؤں کے طفیلی بن کر دنیوی مفاد حاصل کریں، گو وہ مفاد کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

ہم کو جو کچھ فائدہ اس عملداری میں ہونے والا ہے۔ ہم اس کو لیں گے۔ کوئین وکٹوریہ سے۔ وائسرائے سے لفٹنٹ گورنر سے۔ کمشنر سے۔ ڈپٹی کمشنر سے، اور ان شاء اللہ بے مانگے لیں گے۔ تم نے نہیں سنا "بن مانگے موتی ملیں اور مانگی ملے نہ بھیک" (چیرز) ہم کو ان کانگرس والوں کی یہ دیڑ دھگڑ و کارروائی بالکل پسند نہیں۔ کہ ہمیں بجٹ دکھالیا کرو۔ بدون ہماری منظوری کے کوڑی خرچ نہ کرو۔ وضع قوانین ہم سے متعلق رکھو۔ یعنی ہم کو گورنمنٹ کا ڈکٹیٹر بناؤ

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہا دیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا
(چیرز)

آخر تو جرات کی ہی تھی تو طیہ و تمہید برطرف ایک دم سے یہی درخواست کیوں نہ کی کہ سلطنت ہمارے حوالہ کرو۔ اور چلتے پھرتے نظر آؤ (چیرز)

"بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود"

کیوں بھائیو! ایسی درخواست پر کوئی تم میں سے دست خط کرتا؟ نہ کرتا ہرگز نہ کرتا! (چیرز) بس تو کانگرس کے پاس ہو کر بھی نہ پھٹکنا۔ کہ "ایں ہم بچۂ شتر است" (قہقہہ اور بڑے زور سے چیرز)

اپنچ (۲)

تمہید

۱۸۸۲ء میں دہلی میں مدرسۂ طبیہ کے جاری کرنے کی تجویز درپیش تھی ایک مجلس میں مولوی محمّد نذیر احمد خاں صاحب بھی بُلائے گئے تھے۔ اور اُس وقت عمائد شہر دہلی ہندو و مُسلمان جمع تھے۔ یہ لکچر اُس وقت دیا گیا۔

اگر کوئی شخص طب یونانی اور ڈاکٹری میں محاکمہ[۱] کرنے کا قصد کرے تو اُس کو اس سے قطع نظر کرنا پڑے گا کہ ڈاکٹری طب حکام ہے۔ اگر ڈاکٹری کو اُس وقعت سے جو انضمامِ حکومت کی وجہ سے اُس کو حاصل ہے مجرد کرکے دیکھا جائے تو موجبات ترجیح طب یونانی کی طرف بہت ہیں اور ڈاکٹری کی جانب کم۔ ڈاکٹری کا تمام سرمایۂ فخر تین چیزیں ہیں۔ تشریح۔ اور آلات۔ اور علم کیمیا جس کو ادویہ کی تحلیل و ترکیب میں دخل عظیم ہے۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری کے مفاخر کی فہرست اس قدر بڑی ہو کہ بجائے خود کتاب ہو اور اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری طنّیت کے حضیض سے ترقی کرکے اوج یقینیت پر پہونچ گئی ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری کے کل علاج حکمی ہیں تیر بہدف۔ تاہم جب اس بات پر نظر کی جاتی ہے کہ ڈاکٹری علاج ہندوستان میں وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ[۲] اس کی تمام فضیلتیں مرجوح معلوم ہوتی ہیں۔ ہم ڈاکٹری کی توہین نہیں کرتے وہ عمدہ اور بہت عمدہ اور نہایت عمدہ ہے مگر اہل یورپ کے لیئے جہاں کی آب و ہوا جہاں کے موسم جہاں کے ہوا و ارجا کے مزاج وعادات

[۲] فیصلہ ۱۲ [۲] چیز کو بے جگہ رکھ دینا ۱۲

کے لحاظ سے طبّ ڈاکٹری مدّون ہوئی نہ اہل ہند کے لیئے جو کسی بات میں بھی اہل یورپ کے
مماثل نہیں۔ایک مضمون کو اپنے خیال کے مطابق ناسخ نے کیا اچھی طرح باندھا ہی ع

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے	جس چیز کے ناسخ کوئی قابل نظر آیا
بُلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا	غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

مجھ کو یہ قطعہ اس بات پر یاد آیا کہ خدائے تعالیٰ نے ہر ایک مخلوق کی حالت کے مطابق نہ صرف
مایحتاج زندگی بلکہ آسایش کے سامان مہیّا فرما دیئے ہیں۔انتظامِ الٰہی کے خلاف ہی کہ ہم
رہیں ہندوستان میں اور حفظ صحت کے لیئے محتاج ہوں اُن چیزوں کے جو یورپ اور
امریکہ میں میسّر آتی ہیں۔مگر یوں کہو کہ ہم غور نہیں کرتے اور خواہ مخواہ پتلون کے شکنجے میں اپنی
ٹانگیں پھنسانی چاہتے ہیں۔ڈاکٹروں کی طبابت کے بڑے معتقد اکثر وہی لوگ ہیں۔جن کے
سروں میں حسب تقاضائے وقت آزادی کے خیال پڑے اُبل رہے ہیں۔لیکن اگر آزادی
اسی کا نام ہی کہ ادبدا کر اپنی ہر پرانی چیز کو ترک کیا جائے تو جہاں تک یہ آزادی طبابت سے
متعلق ہی ہمارے نزدیک اِن لوگوں کی وُہی کہاوت ہی کہ گڑھے سے نکلے اور کوئیں میں گرے
سلطنت۔حکومت۔دولت۔دستکاری۔تجارت۔سب کچھ جا کر ایک جان بچی تھی وہ بھی دوسروں
کے بس میں کر دی تو حقیقت میں دنیا سے آزاد ہوئے ع

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل	کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہی آزاد کا

جو دوائیں اطبائے یونانی استعمال کراتے ہیں سب ہمارے ملک کی پیداوار ہیں اور اگر یہ دوائیں
دوا کے طور پر کام میں نہ لائی جائیں تو دوسرے کسی مصرف کی نہیں۔پس ملکی خیرخواہی کب جائز
رکھ سکتی ہی کہ اتنی ملکی دولت کو ضائع ہونے دیا جائے۔خصوصاً اُس صورت میں کہ ہم ملکی خیرخواہی
کا بھی دم بھرتے ہوں۔یونانی طبیبوں کے طرزِ علاج میں ایک بڑا مفاد یہ ہی کہ اُنھوں نے
دوا اور اُس کے بنانے کی ترکیب لکھ کر نسخہ بیمار کے حوالہ کیا۔اس طریقے سے بیمار کے علاج کے
علاوہ من وجہٖ اُس کو علم طب سے آگاہی بھی حاصل ہوتی ہی۔اور یہی وجہ ہی کہ بھلے آدمیوں

کے گھروں میں اکثر بوڑھی عورتیں تک بہت سی دواؤں اور اُن کے خواص سے واقف ہوتی ہیں۔ ہمارا خیال تو یہ ہی کہ عام لوگوں کی طبی معلومات کو جمع کیا جائے تو کئی طبیب حاذق بنیں۔ اگر کوئی شدید ضرورت پیش آجائے اور طبیب فی الوقت بہم پہونچ سکے تو کمتر ایسا ہوگا کہ پاس پڑوس والوں میں سے کوئی دوا نہ بتا سکے۔

طبیب بھی بشر ہی اور اُس سے بھی خطا ہونی ممکن ہی۔ مگر اُس کی غلطی عطار اور بیمار اور بیمار دار اتنے لوگوں کی نظروں سے بچ کر جا نہیں سکتی۔ اور یوں علاج یونانی میں احتمالات خطر کم ہیں۔ برخلاف ڈاکٹری علاج کے کہ المعنی فی بطن الشاعر[1] کہ ڈاکٹر صاحب ہی سمجھیں اور کہیں غلطی کی تو بیمار کا خدا حافظ اور طب ڈاکٹری کی معلومات کا طب یونانی کی طرح عام ہونا تو ڈیڑھ دو سو برس سے ادھر متوقع نہیں۔ جو شخص ڈاکٹری علاج کا التزام کرے اُس کو ایسے اتفاق کے لیئے کوئی انتظام پہلے سے سوچ رکھنا چاہیئے کہ وقت پر ڈاکٹر میسر نہ آئے تو کیا تدبیر کرے۔ ایسا ہی بلکہ اس سے زیادہ احتمال ڈاکٹری دوا کے ساتھ لگا ہی۔ کیا عقلاً ناممکن ہی کہ کسی دوا کا ذخیرہ تمام ہو جائے اور وقت پر بہم نہ پہونچ سکے۔

غرض یونانی اور ڈاکٹری علاج تو دونوں ہیں مگر یونانی علاج ہندوستانیوں کے حق میں علیٰ بصیرۃ[2] قابل مزید اطمینان اور اختیاری ہی اور ڈاکٹری علاج تحری[3] عرضۂ خطر اور قابو سے باہر۔ طب یونانی اور ڈاکٹری میں ایک وجہ فرق اور ہی جس سے ہم قطع نظر نہیں کر سکتے وہ یہ کہ امراض جسمانی کے علاوہ ہم سب کے سب الّا ما شاء اللّٰہ افلاس کے مرض میں بھی مبتلا ہیں۔ پس ہمارے امراض جسمانی کا علاج اس مرض کی رعایت سے ہونا چاہیئے۔ یونانی دوائیں چوں کہ ہمارے ملک کی پیداوار ہیں ہم کو بہت ارزاں ملتی ہیں برخلاف انگریزی دواؤں کے کہ دوا کی لاگت اُس کے یہاں تک آنے کا خرچہ۔ اُس پر نفع تجارت۔ اُس پر انگریزی نام ہونے کی قیمت کہ پانی کو آکوا لکھ دیا۔ بیمار بیچارہ کیا جانے کہ آکوا کیا بلا ہی دوا فروش نے آکوا

[1] شعر کی مراد شاعر کے پیٹ میں ۱۲ [2] جس کو علاج کرنے والا خود بھی سمجھ سکے ۱۲ [3] اٹکل۔ اندازہ ۱۲ +

کے ایک ڈراپ یعنی ایک بوند کا ایک آنہ لگالیا دیناہی پڑتا ہی اور طبیب اور ڈاکٹر کی فیس پر
خیال کرو تو یہاں روپئے سے کام چلے تو ڈاکٹر کو کم سے کم گنی (اشرفی) صَفْرَاءُ[۵۱] فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ
النَّاظِرِيْنَ یہ مسئلہ عقلی اور ساری دُنیا کا متفق علیہ ہی کہ طب کسی ملک اور کسی قوم اور کسی زمانے
کی ہو ظنّی تھی ظنّی ہی اور ہمیشہ ہمیشہ کو ظنّی رہے گی۔ اُس حکیم مطلق کی طرف سے ہر متنفس کے
ساتھ ایک طبیب الٰہی متعیّن ہی طبیعت کو وہی مدبّر بدن ہی طبیب کا کام ہی طبیعت کی تقویت
اور بس طبیعت کی تقویت کی بہت سی تدبیریں ہیں۔ اُن میں سب سے بڑی دوا اور میرے
نزدیک دوا سے بھی بڑی طبیب کی توجہ۔ ہمدردی۔ تسکین۔ تسلی۔ تشفی۔ اور یہی وہ تدبیریں ہیں
جن کا ڈاکٹری علاج میں اہتمام نہیں یا ہی تو جیسا ہونا چاہیئے ویسا نہیں۔ پھر کیا ڈاکٹر کیا طبیب
مُزدِ علاج تو دونوں لیتے ہیں۔ مگر لینے لینے میں فرق ہی۔ طبیب تو لیتا ہی مگر یہ کہہ کر کہ اس تکلیف
کی کیا ضرورت تھی۔ اور ڈاکٹر خود طلب کرتا ہی بلکہ سرکاری قاعدہ کے مطابق بل بھیجدیتا ہی۔ اور
اگر بل وقت پر نہ پٹا تو آخِرُ[۵۲] الدَّوَاءِ الْكَيُّ نالش اِن دونوں لوگ معاش کی طرف سے اس قدر
تنگ ہیں کہ مخمصے کی نوبت ہی۔ اگر طب یونانی کی طرف توجہ کریں تو ہم خرما و ہم ثواب مگر قومی
اور ملکی بدقسمتی اندھا کر دے اور ایسا صریح۔ ایسا تیقن ایسا بے منت فائدہ نہ سوجھ پڑے اور
دس دس پندرہ پندرہ روپئے کی نوکری کے لیئے امتحان کی مصیبت اُٹھائیں دربدر ٹھوکریں
کھاتے پھریں تو اس کا علاج نہ یونانیوں کے پاس ہی اور نہ ڈاکٹروں کے پاس۔ دُنیاوی
قباحتوں کے علاوہ جن کو میں نے مجملاً بیان کیا ہم میں بہتیرے خدا کے بندے ایسے بھی ہیں
جو بہ تقاضائے احتیاط مذہبی ڈاکٹری علاج سے محترز ہیں اور اُن کا احتراز محض بے جا بھی
نہیں۔ ڈاکٹری علاج میں شراب دوا ہی جیسا کسی احمق نے افیون کے حق میں کہا ہی ع۔

خود مرض و جملہ مرض را دواست

اور ہمارے معتقدات کی رو سے لَا شِفَاءَ[۵۳] فِي الْحَرَامِ انگریزی دوائیں بعض ایسی بھی ہیں۔

۵۱ ڈہڈہاتی ہوئی زرد جس سے دیکھنے والے پھڑک اُٹھیں ۱۲ ۵۲ داغ دینا سب سے آخری علاج کا دوا ہی ۱۲ ۵۳ حرام چیزوں میں شفا

کتنی انسانی روحوں کے معاوضے میں ہیں۔ دواؤں کے قوی الاثر اور سریع الاثر ہونے کی
وجہ سے مفردات الامراض کو تو ڈاکٹر خیر سنبھال بھی لیتے ہیں۔ مگر مرکبات الامراض اس ملک
کے تو کسی طرح ان کے قابو کے نہیں۔ اب رہی تشریح اور آلات یہ دونوں لازم و ملزوم
اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہی کہ طب یونانی میں تشریح نہیں تو وہ بیچارہ طب سے بے خبر ہی
طب یونانی میں تشریح ہی اور مکمل ہی اس وقت تک اُس کی غلطی یا فرو گذاشت نہیں پکڑی
گئی اور نہ پکڑی جاسکتی ہی کیوں کہ وہ بھی مبنی ہی مشاہدہ اور رای العین پر۔ مگر ہاں یہ طب
کا نہیں بلکہ طبیبوں کا قصور ہی کہ اُنھوں نے نہیں معلوم گھن کھا کر یا ڈر کر چیر پھاڑ سے کنارہ کیا۔
کتابوں میں سب کچھ ہی مگر طبیبوں کو اس کی چشم دید تصدیق نہیں اور اُن کے اذہان میں بھی
جسم انسان کی ساخت مرتسم نہیں۔ اطبائے یونانی میں یہ بڑا نقص ہی اور اس نے ڈاکٹروں
کو اُن کے مقابلے میں اور بھی قوی کر دیا۔ لوگوں میں سمجھ کہاں ساری طب کو اس پر قیاس کرکے
ڈاکٹری کی طرف جھک پڑے اور بازار طبابت اسقدر مندا ہوا کہ اُجڑا داخل ہی اس کس مپرسی
کے ساتھ تو چالیس و پچاس سے بھی چلتا ہوا نہیں دکھائی دیتا۔ سخت افسوس کی بات ہی کہ ہندوستانیوں
سے طب جیسی نعمت جو مدار زندگی ہی سلب ہو جائے صرف اتنی ذرا سی بات سے کہ لوگ
اس کی قدر نہیں کرتے بے وجہ معقول یا طبیب اس کے ایک حصے کو ہاتھ نہیں لگاتے بے عذر

[illegible] ل۔ یہ زمانہ قومی و ملکی خیر خواہی کے جوش کا ہی اور لوگ بھی طرح طرح پر اپنے ہموطنوں
کے فائدہ کے لئے کوشش کر رہے ہیں مگر جس کوشش کا بیڑا حکیم عبد المجید خاں صاحب
نے اُٹھایا ہی خدا اُس کو مشکور کرے۔ بے نظیر و بے مانند ہی۔ اوّل معلوم کرنا چاہیئے کہ حکیم
عبد المجید خاں صاحب ہیں کون۔ پھر پوچھنا چاہیئے کہ ان کے اغراض کیا ہیں۔ میں نہیں
سمجھتا کہ ہندوستان میں کوئی ایسا شہر یا قصبہ ہی جہاں کے لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ جناب
حکیم محمود خاں صاحب دہلی میں اوّل درجے کے طبیب حاذق ہیں۔ اور جو شخص

[illegible] کے دیکھنے پر ۱۲ ۵ منقش ۱۲

حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اُس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مدتوں سے حکیم صاحب کا مطب
اُن کے خلفِ اکبر و ارشد حکیم عبد المجید خاں صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ پس جو شہرہ حکیم
محمود خاں صاحب کا ہے حقیقت میں من حیث المطب حکیم عبد المجید خاں صاحب کا حق ہے
طب کی حقیقت طب کا بھلا برا حکیم عبد المجید خاں صاحب سے بڑھ کر کوئی کیا جانے گا۔ یہ
خیال اُن ہی کے دل میں گزرا کہ طب کا ایک مدرسہ جاری کرنا ضرور ہے۔ اس مدرسے کے
اجرا سے اُن کی یہ غرض ہے کہ بالفعل طبِ یونانی کو سنبھال کر آئندہ اس کو ترقی دی جائے مثل
ان لوگوں کے جو کہتے ہیں کرنے کے لئے نہ صرف کہنے کے لئے۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب
اپنے اغراض کے صاف صاف بیان کرنے میں مضایقہ سا کرتے ہیں۔ مگر واقع میں اُن کا مطلب
یہ ہے کہ طب کے طریقۂ درس کو باقاعدہ کیا جائے وہ اس بے تمیزی کو نہایت حقارت کے
ساتھ دیکھتے ہیں اور وہ حقارت کی چیز ہے بھی۔ کہ چند روز کسی طبیب کے مطب میں بیٹھنے اور
بے سلسلہ دو چار کتابیں پڑھ لینے یا صرف کسی طبیب کا جانشین ہو جانے سے کسی شخص پر
طبیب کا اطلاق کیا جائے۔ پس اُنھوں نے ٹھیک سوچا ہے کہ طب کا مدرسہ ہوگا اور اس میں
باقاعدہ درس دیا جائے گا۔ امتحان ہوگا۔ سند ملے گی۔ تو نیم حکیم خطرۂ جان جو حشرات الارض
کی طرح اطراف و جوانب میں منتشر ہو رہے ہیں رفتہ رفتہ معدوم ہو جائیں گے۔ اس کے
علاوہ اُن کے اغراض میں یہ بھی ہے کہ جراحی جس کو اطبائے یونانی نے عملاً ترک کر رکھا ہے شرطِ
طبابت گردانی جائے اور درحالیکہ انگریزی آلات بہم پہونچ سکتے ہیں اور کتابوں میں مسائل
تشریح بکمال شرح و بسط لکھے ہوئے موجود ہیں۔ حکیم صاحب کا یہ ارادہ بادی النظر میں دشوار
تو معلوم ہوتا ہے مگر کوئی اس کو محال و ناممکن نہیں کہہ سکتا۔ حکیم صاحب چاہتے ہیں کہ ان کے
مدرسے کے طبیب آپ فصد کھول لیا کریں جگہ سے ٹلے ہوئے اعضا کو اُن کے اصلی موقع پر
بٹھا دیا کریں۔ عند الضرورت چیر پھاڑ قطع و برید کر لیا کریں۔ غرض نہ صرف طبیب ہوں بلکہ جرّاح
بھی۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب اس پر بڑا زور ڈالنے کو ہیں کہ ان کے طبیب دواشناس

اور دوا ساز بھی ہوں یعنی بہ قدر تعلق طبابت یونانی کیمیا کے ماہر۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب دبی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں اور اُن کا دبی زبان سے کہنا اور دوسرے کا ڈھنڈورا پیٹنا برابر ہی کہ جب ہم طب یونانی کو تازہ اور مستحکم کر چکیں گے تو ویدک ڈاکٹری کی بکار آمد چیزوں کے لینے اور رواج دینے میں بھی کوشش کریں گے۔ سبحان اللہ اصلی ریفارمر تو اسی کا نام ہی اور اسی کی ہم کو ضرورت ہی۔ خدا کرے دوسرے ریفارمروں کے بھی ایسے ہی خیال ہوں۔ میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا اسی طرح کی بہت تحریکیں سنا کرتا ہوں ابتدا میں غل ہی اور شور ہی اور اہتمام ہی اور ابرام ہی اور آخر میں کچھ نہیں۔ اگر حکیم عبدالمجید خاں صاحب نرے مجوّز اور محرّک ہوتے تو میں اس مدرسے کو بھی ہندوستانیوں کی عام تجویزوں کی طرح بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ واقع میں ایک اعتبار سے انہوں نے مدرسہ جاری کر دیا۔ درس طب اور مطب دو چیزیں ہیں اور دہلی میں اس وقت دونوں چیزیں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی دونوں مٹھیوں میں ہیں تو جب انہوں نے مدرسے کو کہ وہی بڑا کام تھا اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے متعلق کر لیا تو اب رہ کیا گیا صرف حیثیت کا بدل دینا جو لوگ حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے استفادہ طب کر رہے ہیں اپنی حالت پر قائم رہیں لیکن اس حیثیت سے کہ مدرسہ طبیہ مجوزہ کے طالب علم کہلائے جائیں اور حکیم صاحب اور اُن کے بھائی بے تنخواہ کے مدرس۔ اِس سے زیادہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب مدرسہ جدید کو کیا دیتے اور کیا کرتے کہ تینوں بھائیوں نے اپنی خدمتوں کو بے مُزد و بے منت وقف مدرسہ کر دیا اب لوگوں کی ہمتوں کو دیکھنا ہی اگر مثقال[1] حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ بھی سر میں عقل اور دل میں خیر ہی تو جی کھول کر چندہ دیں کہ کتابیں اور آلات خریدے جائیں۔ جدید طلبہ داخل ہونے شروع ہوں۔ اُن کے رہنے بیٹھنے اور کھانے کا ٹھکانا کیا جائے۔ اور مدرسہ ترقی پکڑے۔ اگر ایسے محل پر بھی لوگوں نے کوتاہی کی تو سمجھ لیں کہ ہندوستان سے طب رخصت ہوئی۔ اور زندگانی سے عافیت وَاللہُ[2] وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ دہلی میں تو کوئی ایسا مجنون بھی خیال نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں باہر والے

[1] رائی کے ایک دانہ کے برابر ۱۲ [2] اللہ توفیق دینے والا ہی ۱۲

جن کو حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے تفصیلی حالات سے آگہی نہ ہو اس مثل کے مطابق کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ شاید بدگمانی کریں تو ایسی بدگمانی [۱] اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ میں داخل ہوگی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب فی حد ذاتہ بڑی مقدرت کے آدمی ہیں۔ اور اُن کی شان ماشاء اللہ [۲] اللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ اس سے بہت ارفع ہے کہ ایسی ادنیٰ اور خسیس منفعت پر نظر کریں۔ تو جو لوگ چندہ دینا چاہیں۔ وہ سمجھ لیں اور بخوبی مطمئن رہیں کہ اُن کا دیا ہرگز اکارت نہیں جاسکتا۔ نہ صرف اس اعتبار سے کہ آپ کو آخرت میں ثواب ملے گا وہ تو ملے ہی گا اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ چندہ ملے گا [۳] مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اگر دنیا میں بھی اِن کی کوڑی کوڑی کمال احتیاط اور کفایت شعاری کے ساتھ طبِ یونانی کی اصلاح اور ترقی میں خرچ ہوگی [۴] وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔

۱؎ بعضے گمان داخل گناہ ہیں ۱۲ ۲؎ خدا زیادہ اور زیادہ کرے ۱۲ ۳؎ جو ایک نیکی کرے گا وہ دس نیکیوں کا ثواب پائے گا ۱۲
۴؎ جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے ۱۲ ✤

لکچر نمبر (۳)

مُسلمانوں کی حالتِ تعلیم پر

محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے تیسرے سالانہ جلسے میں ۲۸- دسمبر ۱۸۸۸ء
کو بمقام لاہور دیا گیا جس کے ساتھ مسدس کے بند بھی پڑھے گئے

تمہید

لاہور میں مولوی محمّد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا سلسلہ قائم ہوا۔ اُس کا یہ پہلا لکچر ہی اور جس قدر ازدحام اس لکچر میں تھا ویسا سوا لاہور کے دوسری جگہ دیکھا بھی نہیں گیا اسی موقع پر ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب نے اپنے خیمے و شامیانے آنریبل سر سید احمد خاں کو مانگے دیئے تھے۔ تمام پنجاب کے قریب قریب کُل رُوو دار آدمی موجود تھے۔ اور خود لاہور پنجاب گورنمنٹ کا سیٹ ہی۔ اُس میں کئی قسم کے کالج ہیں بہت سے دفتروں کے ہیڈ کوارٹر بھی ہیں اور وہاں اس طرح کے مجامع کا چرچا بھی بہت ہی۔ اِس لکچر میں ہم نے بہت سے آدمیوں کو کبھی ہنستے اور کبھی روتے دیکھا اور اسی

ٹکچر نے پنجاب میں ٹکچرار کا سکہ بٹھا دیا۔
غالباً آپ صاحبوں نے اسی حیثیت سے مجھ کو جانا اور پہچانا ہوگا کہ آنریبل سر سیّد احمد خاں صاحب کے فالورز میں مَیں بھی ہوں۔ اگر فالورز سے وہ لوگ مراد ہوں جو اس کانگرس میں شریک ہونے کے لیئے اُن کے ساتھ آئے بلکہ اگر وہ لوگ بھی مراد ہوں جو سر سیّد احمد خاں کو بڑا انٹلکچوئل، بڑا عالی خیال، بڑا آل اندیش، بڑا مدبر، بڑا مستقل مزاج، بڑا متحمل، اور مسلمانوں کا بہت بڑا اور سچا خیر خواہ باور کرتے ہیں فَاَنَا اَوَّلُهُمْ وَ اَقْدَمُهُمْ (تو میں سب سے اوّل اور سب سے آگے ہوں) لیکن اگر فالورز سے مراد ہوں بلا تحقیقات اُن کے تمام خیالات کے تسلیم کرنے والے، اگرچہ وہ خیالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں تو میں اس بھرے مجمع میں پکارے کہتا ہوں اِنِّيْ بَرِیْٓءٌ (میں بری ہوں) سر سیّد احمد خاں کی طلب کے علاوہ مجھ کو اس کانگریس میں شریک ہونے کے لیئے ایک وجہ اور بھی داعی ہوئی کہ میرے نزدیک ایسے مجمع کے لیئے تمام ہندوستان میں پنجاب سے اور تمام پنجاب میں لاہور سے بہتر کوئی موقع نہیں ہو سکتا اس وقت کیا رعایا کیا سرکار سب کی ہمتیں پنجاب کی طرف مصروف ہیں اور جس زور سے ڈفنسیو (ملکی حدود کی حفاظت) کارروائیاں ہو رہی ہیں آپ سب صاحبوں کو معلوم ہیں مگر تعلیم سے بڑھ کر کوئی ڈفنس نہیں بشرطیکہ مناسب طور پر ہو۔ یونیورسٹیاں اور کالج تو بجائے خود میں کہتا ہوں ہر ضلع بلکہ ہر تحصیلی اسکول ایک ٹور آف اسٹرنگتھ (قلعۂ مستحکم و استوار) ہے اگر اُس میں تعلیم اچھی ہو۔ رعایا گورمنٹ کی دولت ہے۔ اور اُس کی رضامندی گورمنٹ کی قوت رعایا اور گورمنٹ کے اغراض ایسے وابستہ ہم دگر ہیں کہ اگر رعایا گڈ (اچھی) رعایا ہو اور گورمنٹ گڈ گورمنٹ تو رعایا ہی گورمنٹ ہے اور گورمنٹ ہی رعایا۔ مگر افسوس بڑے افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بدنصیب ہندوستان کی رعایا اور گورمنٹ میں وہ گاڑھا اتحاد نہیں ہے اور اُس کے ہونے میں ابھی بہت دیر معلوم ہوتی ہے جس کا ہونا رعایا اور

۵۱ پیرو ۱۲ ۵۲ روشن ضمیر ۱۲ ۵۳ حفاظت ۔ حمایت ۱۲ +

گورنمنٹ دونوں کے حق میں مفید بلکہ ضروری ہے۔ برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان میں حکومت کرتے ہوئے قرن ہو گئے۔ بھلا پھر کون سی چیز رعایا اور گورنمنٹ میں اتحاد کے پیدا ہونے کی مانع ہے۔ کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق۔ تو کیا رعایا سرکش ہے۔ نہیں نہیں۔ ایسی منقاد اس قدر مطیع کہ ایک چرواہے کو بھیڑ بکری کے ریوڑ کا روکنا مشکل۔ اور ایک نہتے کانسٹبل کو انبوہ رعایا کا سنبھالنا آسان۔ پھر کس کا قصور ہے؟ رعایا کا۔ کیوں کہ اَن ایجوکیٹڈ (ناتعلیم یافتہ ہیں) ان بدبختوں کو گورنمنٹ کا منشا معلوم نہیں۔ گورنمنٹ کے پرنسپلز (اصول) سے آگہی نہیں آبَاً عَنْ جَدٍّ[1] اُنہوں نے دیکھی ہیں۔ ڈسپاٹک (شخصی خود مختار) حکومتیں ان کے ذہنوں میں متوارث[2] طور پر یہ بات مرتکز ہو رہی ہے کہ سلطنت اسی واسطے موضوع ہوئی ہے کہ حاکم وقت کی آسایش کے لیئے رعایا مصیبت اُٹھائے۔ رعایا کمائے۔ حاکم اُڑائے۔ رعایا اپنی انتڑیوں کو مسوسے تاکہ بادشاہ کے نوکروں کے چاکروں کے پیشکاروں کو تحفہ ہو۔ رعایا جاڑے میں سکڑے تاکہ شاہی اصطبل کے پرتل کے ٹٹو کشمیری شالوں کی گردنیاں اوڑھیں پس ائے ممبران ایجوکیشنل کانگرس میں آپ صاحبوں کو صمیم قلب سے مبارک باد دیتا ہوں وَلْيُبَلِّغْ عَنِّيَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (جو شخص حاضر ہے میری طرف سے اس کو اور جو حاضر نہیں ہے یہ پیام پہونچا دے) کہ آپ صاحبوں نے زمانے کی رمز کو خوب سمجھا۔ کوئی شخص جس کو عقل سے ذرا سا بھی بہرہ ہے اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم ہی رعایا ہندوستان کو شائستہ اور مہذب بنائے گی۔ تعلیم ہی ان کو دولت کی کیمیا سکھائے گی۔ تعلیم ہی ان کی نظر میں برٹش گورنمنٹ کی قدر بڑھائے گی۔ تعلیم ہی ان کو برٹش گورنمنٹ کی برکتوں سے متمتع ہونے کی حرص دلائے گی۔ تعلیم ہی بدگمان رعایا اور رکی ہوئی گورنمنٹ کے دلوں میں صفائی کرائے گی اور جب وہ زمانہ آئے گا (خدا جانے ہم میں سے بھی کسی کو وہ دن دیکھنا نصیب ہوگا یا نہیں) کہ رعایا اور گورنمنٹ ایک جان دو قالب ہوں گی تو ہندوستان کو جنت نشان کہنا تحقیق

[1] گلہ[3] [2] متوارث ۱۲

نفس الامری ہوگا - نہ ایشیائی شاعروں کا سا مبالغہ - اُس وقت ہندوستان کی سلطنت پوری پوری مطلق سلطنت ہوگی مستحکم کَاَنَّهَا بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ دریخ کی ہوئی عمارت، بیرونی دشمنوں روس وغیرہ سے بے خطر اور اندرونی ڈسٹربنس (فسادات، مجامع نارو، وامثالہا سے فارغ۔

تعلیم یعنی ہندوستانیوں کی تعلیم ایک ایسا مضمون ہے - جس پر سالہا سال سے غور کیا جارہا ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ یورپ میں بھی - میں نہیں سمجھتا کہ تعلیم کے تعلق میں کوئی نئی انوکھی بات کہہ سکوں گا جو کسی کو نہ سوجھی ہو - یا جو کسی کی زبان یا کسی کے قلم سے نہ نکلی ہو - میں اسی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھوں گا کہ ان ہی مطالب کو نئے پیرایہ میں آپ صاحبوں کے روبرو پیش کرسکوں - میری مثال اس زمانے کے ایک شاعر کی سی ہے کہ بیچارہ کوئی نیا مضمون نہیں پاتا جس طرف ذہن کو دوڑاتا ہے دیکھتا ہے کہ وصل اور ہجر اور انتظار اور واسوخت اور سراپا اور بہار اور خزاں اور استخفاف مذہب اور بزرگانِ دین کے ساتھ استہزاء وغیرہ وغیرہ کوئی خیال نہیں جس میں" اور رائینڈ اور راگین" (بار بار) سیکڑوں ہزاروں نے طبع آزمائی نہیں کی - ناچار ہار کر تھک کر بندش پر قناعت کرتا ہے - وہ بھی ہر ایک کو نصیب نہیں - جس طرح ایک کسان ہل جوتنے میں اپنے مٹھے بیل کی کبھی دُم مروڑتا ہے کبھی اُس کو ٹشکاری دیتا کبھی اُس کے گدگدی کرتا - اور کبھی سانٹا مارتا اور آر بھی چبھوتا ہے - اسی طرح وہ لوگ جو مسلمانوں کی رفارم کے درپے ہیں مسلمانوں کو کبھی اِن کے بزرگوں کی شان و شوکت اُن کی عظمت اُن کے فتوحات اُن کے ہر طرح کے کمالات یاد دلاتے کبھی مسلمانوں کی حالت موجودہ کی تباہی - اُن کی مفلسی اقوامِ معاصر کے مقابلے میں اُن کی بے وقعتی کا مرثیہ اُن کو سُناتے اور کبھی اُن کو کاہلی اور تعصب پر ملامت کرتے اِس غرض سے کہ مسلمانوں کی غیرت کو تازیانہ ہو - میں بھی یہی کچھ کروں گا - اور اس کے سوائے کر بھی کیا سکتا ہوں۔

یہ بات مسلمات سے ہے کہ مسلمان فِيْ زَمَانِ عُرُوْجِهِمْ (اپنے عروج کے زمانے میں) کسی

قوم سے علوم میں پیچھے نہیں رہے - وہ تحصیل علم پر اس قدر حریص تھے کہ جہاں سے اور جس
ڈھب سے جو کچھ ہاتھ لگا لے اُڑے جس طرح مسلمانوں کی ملک گیری حیرت انگیز ہی کہ ایک
ہی صدی میں تمام روئے زمین پر لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ (آج کوئی اور بھی ہمارے سوا ملک کا
مالک ہی) ڈنکا بجا پھرے - اُسی طرح بلکہ اُس سے زیادہ اُن کی علمی فتوحات محل استعجاب ہیں
شروع شروع میں بعض متعصبین نے انگریزی کی مثل "گیو دی ڈاگ اے بیڈ نیم اینڈ ہنگ
ہِم اَوٹ" (کُتے پر پہلے کچھ الزام لگاؤ - پھر اُس کو لات مار کر باہر کرو) کے مطابق مسلمانوں
پر بہتان بندی کی تھی کہ اُنھوں نے اپنے مذہب کے ضعف کی پردہ داری کے لیئے علوم کو معدوم
کرنا چاہا - مگر فیکٹس (واقعات) کس کے دبانے دبتے ہیں - آخر کار ہسٹری (تاریخ) پکار اُٹھی کہ جھوٹ!
اب تمام یوروپ میں شاید ایک متنفس بھی اس سے انکار کرنے والا نہیں - کہ علم کی روشنی ان میں
ابتداءً مسلمانوں ہی نے پھیلائی - ایک منصف مزاج اور محقق انگریز کا یہ مقولہ کسی آرٹکل (مضمون)
میں نظر پڑا تھا - کہ "مسلمانوں کی تعلیم میں کوشش کرنا حقیقت میں اُن کے بزرگوں کا دیا ہوا
قرضہ اُتارنا ہی" میں سچ کہتا ہوں کہ یہ فلیٹرنگ لینگوج (الفاظ مدح) پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیئے
مین بھی شیخی میں آگیا تھا - مگر اُسی وقت یہ شعر یاد آگیا ؎

لَیْسَ الْفَتٰی مَنْ یَّقُوْلُ کَانَ اَبِیْ　　اِنَّ الْفَتٰی مَنْ یَّقُوْلُ هَا اَنَا ذَا

(مرد وہ ہی جو کہے میری ذات میں یہ ہنر ہی - وہ مرد نہیں ہی جو باپ پر فخر کرے) پھر تو وہ کامپلیمنٹری
(توصیفی) الفاظ ہجو ملیح کی نشتر کی طرح چُبھنے لگے - ہم اپنے علمائے متقدمین کو اُن کے زمانے
کے لحاظ سے اور بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں - اُن وقتوں میں علم کچھ ایسی بہت بکار آمد
چیز نہ تھی یونانی جو علم کے اعتبار سے سب میں سربرآوردہ تھے اُن کے سارے کمالات کا خلاصہ
تھا حکمت نظری وہ ذہنی احتمالات کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے پھرے - پھرنے کو عقل انسانی کی
معراج جانتے تھے لَوْلَا الْاِعْتِبَارُ لَبَطَلَتِ الْحِکْمَۃُ (اگر اعتبارات نہ ہوں تو فلسفہ بے کار ہو جائے)
عملیات کی طرف ملتفت ہونا اُن کی چڑھتی اور یہی وجہ تھی کہ اکثر فلاسفہ اہل تجرید سے تھے - ظاہر

دستور کی بات ہو کہ کوئی کام کیسا ہی مشکل کیوں نہ ہو، ہو جانے کے بعد لوگوں کو آسان دکھائی دینے لگتا ہی۔

کُلُّ مَا لَمْ یَکُنْ مِنَ الصَّعْبِ فِی الْاَنْفُسِ ⁂ سَهْلٌ فِیْهَا اِذَا هُوَ کَانَا

جو چیز نہیں ہوئی لوگوں کو مشکل معلوم ہوتی ہی اور وہی چیز ہوئے پیچھے آسان دکھائی دینے لگتی ہی) ہر چند ان باتوں کے بیان کرنے میں مجھ کو مزہ ملتا ہی مگر میں اپنی لائن سے باہر ہوا جاتا ہوں ان حالات میں میرے مطلب کی اتنی ہی بات ہی کہ جب تک پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم) نے اس فوجی قوت کو جو عرب کے لوگوں میں تھی اور اعلےٰ درجے کی تھی مگر ضائع اور رائگاں حسنِ تدابیر سے بکار آمد نہیں بنا لیا اُن کو کامیابی نہیں ہوئی اُنھوں نے مذہبی تعلیم کے ذریعے سے پچھلی رنجشوں کو لوگوں کے دلوں سے نکالا۔ یک دلی اور اخوتِ اسلامی کا قائم ہونا تھا۔ کہ اہلِ عرب کی مجموعی شجاعت اور سپہگری کا زلزلہ اطراف پر گرنا شروع ہوا۔ پس اگر اسلام کو طائر سے تشبیہ دیں تو اُس کا داہنا بازو مذہب تھا اور بایاں سپہگری۔ اسلام کی ابتدائی حالت ایک اُبال کی سی تھی جس نے دیگچی کی تہ تک کے پانی کو اُچھال ڈالا۔ یہ تو عروجِ اسلام کی حقیقت ہی اب رہا تنزّل لوگ اپنے اپنے پندار کے مطابق اُس کے گوناگوں اسباب قرار دیتے ہیں ؏

ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد

مجھ کو دوسرے خیالات سے اس وقت بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں تک تعلیم کو تنزّلِ اسلام میں دخل ہی میں اُس پر چند ریمارکس کروں گا۔ تنزّلِ اسلام سے مراد ہی ضعفِ سلطنت۔ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ ترقیِ اسلام ہی اُس کے تنزّل کا باعث ہوئی۔ اور قوت کے ساتھ ساتھ ضعف بڑھتا گیا۔ دنیا کے کارخانے کا بھی عجیب انتظام ہی اضداد میں علاقۂ علیت و معلولیت ہی۔

یہ اقامت نہیں پیغامِ سفر دیتی ہی ⁂ زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہی

عروسِ سلطنت آئی تو آسایش آرام طلبی کاہلی عیش و عشرت سستی اور غفلت اپنی سہیلیوں کو ساتھ لائی۔ رفتہ رفتہ سلطنت کی صلاحیت سلب اور اُس کے ساتھ سلطنت منتزع ہو گئی۔ اگر چہ

ابھی تک چند اسلامی سلطنتیں باقی ہیں۔ مگر نا منتظم ضعیف۔ محتاج۔ مغلوب۔ اور جو لوگ زمانے کی آلاپ سے اُس کے راگ کو پہچانتے ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ ان سلطنتوں کا ثبات وقیام اب صدیوں اور قرنوں کی نہیں بلکہ برسوں کی بات ہے ؎

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

اہل یورپ کے باہمی محاسدات دفع ہوئے اور یہ نقشِ باطل کی طرح صفحۂ روزگار سے مٹے۔ اِنّا للہِ وَاِنّا اِلیہِ رَاجِعُون[1] جو اسباب عموماً اسلامی سلطنتوں کے انتزاع کے باعث ہوئے وہ سب کے سب تو ان سلطنتوں میں تھے ہی تھے اب گزشتہ صدی کے اندر ہی اندر مجموعہ اسباب کا جدِ امجد ایک سببِ جدید اور پیدا ہوا سائنس (علوم) دیکھیے یہ موذی اہلِ اسلام کو روئے زمین پر رہنے بھی دیتا ہے یا نہیں۔ سائنس نے ایسا سر اُٹھا رکھا ہے کہ زورِ جسمانی اور بہادری اور پہلوانی کسی کی کچھ حقیقت باقی نہ رہی۔ ورزش باقسامہا کشتی داؤ پیچ پھکیتی پچیتی پٹا بانک سپہگری کے جتنے کرتب تھے اب تعزیہ داری کے جلوس کے سوائے اور بھی کسی مصرف کے ہیں؟ کیا زمانے کے انقلاب ہیں!! ایک وقت وہ تھے کہ یہی کرتب سلطنتوں کے فیٹ ڈسائیڈ (فیصلے) کرتے تھے۔ اب وہی کرتب بازیچۂ بازاریاں ہیں۔ دگر ہیچ۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ اہلِ رزم کے مقابلے میں بہادری کے معنی ہیں۔ خودکشی۔ ہر روز آلاتِ حرب میں ایسی ایسی ایجادیں ہوتی چلی جاتی ہیں کہ اہلِ یوروپ ہی ایک دوسرے کی مقاومت کریں تو کریں۔ ورنہ دوسری قوموں کا ایسے لایعنی توقعات کو دل میں جگہ دینا ؏

ایں خیال ست ومحال ست وجنوں

اہل یوروپ کی ملکی فتوحات تو سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور ہم کو سارے اہلِ یورپ سے کیا غرض کیا مطلب انگریزوں ہی کی فتوحات کو دیکھو۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میری یاد میں باعتبار اوسط بیس برس بھی ایسے نہیں گزرے جن میں کوئی نہ کوئی نیا ملک سلطنت انگریزی

[1] ہم لوگ واسطے اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف رجوع ہونے والے ہیں ۱۲

۱۹۷۴

دنوں کے لیئے سمندہی پہ رہیں۔ تاکہ باغیوں کو کافر نعمتی کا اچھی طرح مزہ مل جائے۔ باوجودیکہ اُس
وقت تک انگریزوں کا سائنٹفک تسلط ایسا قوی نہ تھا۔ جیسا اب ہی۔ مگر جیسا اور جس قدر تھا۔ میرے
اس خیال کو کافی تھا کہ جو آسایش ہم کو انگریزی عملداری میں میسر ہی کسی دوسری قوم میں
اس کے مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ پس یہی باغبان ناعاقبت اندیش برخود غلط جو عملداری
کے تزلزل سے خوش ہیں۔ چند روز میں عاجز آکر مست انگریزوں کو منا کر لائیں تو سہی۔
میں اپنی معلومات کے مطابق اُس وقت کے ہندوستانی والیانِ ملک پر نظر ڈالتا تھا اور
برہما اور نیپال اور افغانستان بلکہ فارس اور مصر اور عرب تک خیال دوڑاتا تھا۔ اس سرے
سے اس سرے تک ایک متنفس سمجھ میں نہیں آتا تھا جس کو میں ہندوستان کا بادشاہ بناؤں
امیدوارانِ سلطنت میں سے اور کوئی گروہ اُس وقت موجود نہ تھا کہ میں اُس کے استحقاق
پر نظر کرتا۔ پس میرا اُس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریزہی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں سلطنت
ان ہی کا حق ہو ان ہی پر بحال رہنی چاہیئے۔ دعوی مدعیان معہ خرچہ ڈسمس[۵۱]۔ ہوں تو میں
غریب آدمی کسی کا نوکر نہیں چاکر نہیں۔ مگر اپنے جھونپڑے میں پڑا ہوا اب بھی سلطنت کے
فیصلے کیا کرتا ہوں۔ میں نے اپنے ذہن میں ایک ایسا قاعدہ ٹھہرا لیا ہی کہ شاید مدتوں تک مجھ کو
تجویز کی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ وہ قاعدہ یہ ہی کہ فی[۵۲] زماننا ھذا سلطنت کوئی حق مستقل
بالذات نہیں۔ بلکہ سائنٹفک سوپیریاریٹی (علمی برتری) کا تابع اور اُس کی فرع ہی۔ پس
جو شخص سائنٹفک سوپیریاریٹی سے بے نصیب ہو اُس کا دعوی سماعت نہ کیا جائے۔ ہماری
تیرھویں صدی میں دنیا کی تمام حالتیں اس قدر متغیر ہوئیں کہ اگر اب سے سو برس پہلے کے
مردے کا جلایا جانا ممکن ہوتا تو وہ دنیا کو دیکھ کر ضرور تعجب کرتا سب سے بڑا عظیم الشان تغیر جس سے
تمام دوسرے تغیرات متفرع ہوئے علمی تغیر تھا۔ جب مسلمان ہندوستان پر حکمران ہوئے تو
جیسا اقتضائے حکومت ہی رفتہ رفتہ ہندوؤں کے علوم نسیاً منسیا ہو کر آخر کار مسلمانوں کے علوم

[۵۱] خارج ۱۲ [۵۲] اس زمانے میں ۱۲ +

رو مچا گئے ۔ متعصب ہندوؤں نے جو مسلمانوں کے مظالم کی بڑی لمبی فرد بنا رکھی ہو اُس میں یہ بات
بھی منود ہوگی ۔ لیکن میرے نزدیک اُن کو مسلمانوں کا شکرگزار ہونا چاہیئے ۔ اگر کاش جس طرح
مسلمانوں کی عملداری میں ہندو اپنے علوم بھول گئے ۔ انگریزی عملداری میں مسلمان اپنے
علوم بھول گئے ہوتے ۔ تو کیوں سیکڑوں ہزاروں مسلمان اس کانگریس میں حاضر ہونے کی
سرگردانی اُٹھاتے ۔ اب جو انگریزی سرکار دربار میں ہندو اس قدر پیش پیش ہیں کہ تمام سرکاری
خدمتوں کے ٹھیکہ دار ہیں اور یوں بھی اس عملداری میں اُن کو ہر طرح کے بھاگ لگ رہے ہیں

خط بڑھا زلفیں بڑھیں کاکل بڑھے گیسو بڑھے	حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

یہ سب ترقی و خوش حالی اپنے قدیم علموں کے بھلا دینے کی وجہ سے ہو ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں
کی تخصیص نہیں روئے زمین کی تمام قوموں کے پُرانے علوم اسی قابل ہیں کہ اُن کو بھلا دیا جائے
کُل قوموں کے پُرانے علوم تھوڑی کمی بیشی کے ساتھ کہ وہ اختلاف سرزمین وغیرہ کی وجہ سے
ہونے ضرور تھے ۔ باعتبار مآل کار قریب قریب ایک ہی طرح کے تھے اگر مائی نیوٹلی (شرح و بسط
کے ساتھ) علموں کی تفصیل کرنی چاہو تو بڑی بھاری فہرست بن سکتی ہو مگر میرے دیکھنے میں تو
پُرانے علم متداول دو ہی طرح کے تھے ۔ زبان دانی اور معقولات ۔ فن زباندانی ہر زمانے میں
ہر سرزمین میں ہر دل عزیز رہا ہو ۔ اَب بھی ہو اور آیندہ بھی رہے گا ۔ لیکن ہر دلعزیز ہونا اور چیز
ہو اور قوم اور ملک کے حق میں مفید ہونا اور چیز ۔ بے شک ایسی مثالیں بھی ہیں کہ بعض اوقات
شاعروں کو ایک ایک قصیدے پر لاکھ لاکھ روپیہ ملا ہو ۔ مگر یہ شخصی فائدے تھے اور وہ بھی شاذ
اور اتفاقی ۔ اِن گئے گزرے وقتوں میں بھی ۱۸۵۷ء کے غدر کے پہلے تک دِلّی میں ایسے ایسے
شاعر موجود تھے ۔ کہ ہر شخص اپنی طرز کا اُستاد تھا ۔ مگر بیچارے محتاج مفلس تنگی معاش کی وجہ سے
پریشان ۔ اور جتنے نامی اور مستند شعرا ۔ متقدمین و متاخرین ہندی اور عجمی ہو گزرے ہیں سبھی
کے کلام سے تو ظاہر ہوتا ہو کہ شاعروں کو گویا کسی فقیر کی بد دعا ہو کہ ہمیشہ تنگ دست رہیں ہمارے
ملک میں کلب علی خاں ایک شاعر تھے اُن کے شعر سے اِس کی تصدیق ہوتی ہو وہ فرماتے ہیں

بد تر اور کوئی لٹریچر نہیں اس نے قومی مذاقوں کو ایسا بگاڑا اور اس قدر تباہ کیا کہ ہم لوگوں کو واقعات میں مزہ نہیں ملتا۔ اور چوں کہ طبیعتوں سے مناسبت سلب ہو گئی ہو سرکاری تعلیم مسلمانوں کو غذاے نامرغوب کی طرح پچتی نہیں۔ شاید سو طالب علموں میں ایک بھی ایسا نہیں نکلے گا جو تاریخ اور جغرافیہ اور طبیعات پر دل لگاتا ہو ایک ڈائرکٹر نے رپورٹ میں لکھا کہ مسلمانوں کے سر ہی خدا نے ریاضی کے مناسب نہیں بنائے اور یہی وجہ ہو کہ اکثر مسلمان طالب علم ریاضی میں فیل (ناکامیاب) ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعلیم کی اصلاح میں مجھکو سب سے زیادہ خدشہ اسی کا ہو کہ اُن کی طبیعتیں کہیں مدتوں میں جا کر تعلیم جدید سے مناسبت پیدا کریں گی۔ لٹریچر جس کی نسبت میں نے چند ریمارکس[1] کیئے۔ مسلمانوں کی تعلیم مروجہ کا جزو اعظم ہو بَعْضُ وَ قَلِيلٌ مَّا هُمْ (اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں) جن کو سر پر دستار فضیلت کے لادنے کا شوق ہوتا ہو۔ زبان کے علاوہ کچھ علوم بھی پڑھتے ہیں جن کا خلاصہ ہو معقولات: سو ہمارے یہاں کا معقول ایسی نامعقول چیز ہو کہ اس کے پڑھنے سے انسان مخبوط العقل ہو جاتا ہو میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ایک حد تک معقول کا پڑھنا مفید اور بکار آمد ہو اس سے فکر غائر اور ذہن تیز ہوتا مطلب کے مَالَهُ اور مَاعَلَيهِ اور اطراف و جوانب پر نظر احاطہ کرنے لگتی۔ مگر اُس میں توغل کرنا انسان کو تشکی۔ جھگڑالو۔ اور کٹھ حجتی بناتا اور تحقیق حق سے باز رکھتا ہو۔ لٹریچر کی تو خیر ترقی ہی مسدود ہونی ہو معقولات کو میں دیکھتا ہوں عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (معدوم ہونے کے قریب) بڑے بڑے چھاپے خانے والے جن کو اپنا بھاڑ جھونکنے کے لئے خشک و تر سبھی طرح کے ایندھن کی تلاش رہتی ہو اب تو وہ بھی معقولات کی کتابوں کو ہاتھ نہیں لگاتے کیونکہ اُن کی نکاسی نہیں پاتے غرض کسی کے سکھانے سے اور نہ کسی کے بھکانے سے نہ کسی کے ڈرانے دھمکانے سے بلکہ دیکھنے اور آزمانے سے مسلمانوں پر خود بخود پُرانی تعلیم کا بھنڈ کھل گیا اور انگریزی پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ مگر پُرانی تعلیم کو تو خیر باد کہہ چکے۔ غدر کے بعد سے ہم تو برابر یہی دیکھتے چلے آتے ہیں کہ جب کسی فن کا کوئی صاحب کمال مرا وہ فن بھی اُسی کے ساتھ رخصت ہوا۔ اب سے زیادہ نہیں بیس برس

[1] کیفیت ۱۲ + [2] مفید و مضر ۱۲ +

بھلا کس کو توقع تھی کہ تعلیم کے متعلق مسلمانوں کے خیالات اس قدر جلد روبراہ ہو جائیں گے۔ جب
سر سیّد احمد خاں نے ابتدائً مسلمانوں کے رفارم کی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ باستثنائے معدودے
چندجن کو سر سیّد احمد خاں کے ساتھ زیادہ اختلاط تھا اور وہ ایمانًا اور صداقتًہ اُن کے ارادوں
کو مسلمانوں کی سچی خیرخواہی کے سوائے دوسرے موثر (اغراض) کی طرف منسوب کر نہیں
سکتے تھے۔ تمام ہندوستان کے مسلمان کنفسٍ واحدۃٍ ان کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور جو نہ
کہنا تھا سو کہا اور جو نہ کرنا تھا سو کیا۔ اُن دنوں مسلمانوں کی عام شورش دیکھ کر یہ خیال تو کئی بار
میرے دل میں بھی آیا تھا کہ جب مسلمان رفارم کے اس قدر مخالف ہیں تو بہتر ہوگا کہ اُن کو اُن کی
حالت پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ زمانہ اُن کی اصلاح کرے کانَّ الدَّھرَ اَحسَنُ المؤدِّبِین
(یعنی زمانہ سب سے اچھا سکھلانے والا ہے) لیکن غور کرنے سے مجھ کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا اور میں نے
سوچا کہ زمانہ یا دہر یا وقت ہے کیا چیز نہ تو وہ کوئی موجود منفرد اور مستقل بالذات ہے اور نہ اُس میں
تصرف کی قدرت ہے۔ جو کچھ ہوگا اور جب کبھی ہوگا ہمارے ہی کرنے سے ہوگا۔ چنانچہ سر سیّد احمد خاں
اپنی دُھن میں اپنا کام کیے چلے گئے۔ اوّل تو ہمارے یہاں رفارمر ہی ایسے کون سے کوڑیوں
ہو گزرے ہیں کہ اُن کے ساتھ سر سیّد احمد خاں کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جہاں تک مجھ کو رفارمروں
کا حال معلوم ہے یہیں کے نہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے بھی۔ میں تو سر سیّد احمد خاں کو بڑا خوش نصیب
اور کامیاب رفارمر سمجھتا ہوں۔ اُنھوں نے ایسی جگہ ایک بیج بویا جہاں کی سرزمین اور آب و ہوا
کسی طرح اس بیج کو سازگار نہ تھی۔ اُن کی آبیاری سے وہ بیج جما اور اُس کو نشو و نما ہوا اور
ان شاء اللہ وقت پر پھولے اور پھلے گا بھی کَزَرعٍ اَخرَجَ شَطأَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاستَغلَظَ
فَاستَویٰ عَلیٰ سُوقِہٖ یُعجِبُ الزُّرَّاعَ (جیسے کھیتی کہ کونپل نکلی۔ پھر اس میں جان پڑی پھر موٹی۔
پھر کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر خوش ہونے) اور یہ سب کچھ انہی کی زندگی میں علی گڈھ
میں اس بات کا ثبوت مرئی موجود ہے محمڈن کالج کہ ایک متنفس کرنے پر آئے تو کیا کچھ کر سکتا ہے

له مثل تنِ واحد ۱۲

اب ہم [illegible] کمیٹی - جو اس ہال میں جمع ہیں بلکہ تمام مسلمانوں [illegible] سوچنا [illegible] کہ [illegible]
میں کاہے کی خصوصیت ہے - کیا ان کے [illegible] لال [illegible] میں پھندنے [illegible] سرخاب کا پر لگا ہے؟ نہیں -
کیا یہ بڑے عالم متبحر ہیں؟ نہیں - کیا یہ بڑے مال دار ہیں؟ نہیں - کیا ان کو گورنمنٹ کی طرف
سے کوئی اقتدار خاص عطا ہوا ہے؟ نہیں - پھر ان کے پاس وہ کیا الٹکا ہے جس سے مسلمانان ہند
کی کایا پلٹ دی اور اُن کی ہسٹری[1] میں ایک نیا ایرا (واقعۂ عظیم جس سے برسوں کا شمار کیا جائے
جیسے مسلمانوں میں ہجرت) شروع کرا دیا - وہ الٹکا ہے دل جو ان کے سینے میں لگا ہوا ہے - کسی کے
پاس ایسا دل ہو تو وہ بھی علی گڈھ کے محمڈن کالج کا سا شعبدہ کر سکتا ہے ۵

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید	دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ابھی قوم کو ایسے بہت سے دلوں کی ضرورت ہے مقلب القلوب توفیق عطا کرے - اگرچہ محمڈن علی گڈھ
کالج فی حد ذاتہ بڑے فخر و نمود کی چیز ہے اور اَبَدُ الآبَاد فخر و نمود کی چیز رہے گا - اور میں امید کرتا
ہوں کہ وہ تعلق وہ قوی تعلق جو سر سیّد احمد خاں کو اس کالج کے ساتھ ہے کم سے کم بیس پچیس
برس سیّد احمد خاں کو اگر مرنا چاہیں بھی تو نہیں مرنے دے گا مگر میری نظر میں علی گڈھ محمڈن کالج
سے کئی درجہ زیادہ سر سیّد احمد خاں کے لئے فخر و نمود کی چیز یہ ہے کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو ڈوبتا
ہوا دیکھ کر غل مچایا اور اُن کو ورطۂ ہلاکت سے نکلنے کا راستہ بتایا بارے شکر ہے کہ مسلمان بدیر
سمجھے مگر سمجھے ۵

لائے اُس بُت کو التجا کر کے	کفر توڑا خدا خدا کر کے

اب مسلمانوں کو انگریزی سے نہ اگلی سی وحشت ہے نہ پہلا سا گریز ہے - الغرض جو کچھ ہوا اور جتنا
کچھ ہوا بہت ہوا - اُمید سے زیادہ - توقع سے بڑھ کر - مگر ہائے اب بھی مسلمانوں کے درد کی دوا
نہیں - اس وقت تک جتنی انگریزی پڑھی پڑھائی جاتی ہے اس کی غرض و غایت ہے سرکاری
نوکری - انگریزی پڑھنے پر بھی مسلمانوں کو سرکاری نوکری میں سے جو حصّہ ملنے والا ہے وہ ایسا ہی

[1] تاریخ ۱۲ [illegible] دلوں کو پھیر دینے والا ۱۲ [illegible] ہمیشہ ہمیشہ ۱۲+

جیسے اونٹ کے مونہ میں زیرہ۔ اوّل تو وہ نوکریاں ہی کتنی ہیں۔ ایک انار اور بیمار اُس کے دعویدار
صد بیمار۔ کہ نہ ذات کی قید نہ پیشے کا لحاظ نہ مذہب کی خصوصیت نہ ضرورت پر نظر۔ ایک عالم ہی کہ
نوکری کے خبط میں گرفتار ہی۔ انگریزوں کے سارے انتظام اچھے ہیں مگر وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ
مَحَلِّہٖ (بے جگہ چیز کو رکھنا) رونڈ بال اِن اے اسکوئر ہول (چوکور سوراخ میں مدوّر گولی)؛
انھوں نے اپنے ملک پر قیاس کرکے نوکری کو عام کردیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ یہاں نوکری ایک پیشہ
ہی اور پیشہ داخلِ ذات۔ پس نوکری کا عام کرنا گویا ذات کے امتیاز کو مٹانا اور سوسائٹی کے قدیم
کانسٹیٹیوشن (بناوٹ) کو بگاڑنا ہے۔ جو اعتراض نوکری کی تعمیم پر ہے وہی [illegible] تعلیم
کی تعمیم پر ہی۔ کنجڑے۔ بھٹیارے۔ نائی۔ قصائی۔ دھوبی۔ گھسیارے۔ درزی۔ خانساماں۔
خدمت گار بلکہ بھنگی تک پڑھنے پر اُتر پڑے۔ لکھ پڑھ جانے سے کمینوں کی تو سوسائٹی میں کچھ بھی
عزت نہ بڑھی۔ مگر اِن نا اہلوں نے علم کو ذلیل کردیا ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

میرے والد مرحوم مجھے بچپن میں سمجھایا کرتے تھے کہ بیٹا علم تمغائے شرافت ہی۔ اُن کے یہ الفاظ
ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ اب اُسی تمغائے شرافت کو دیکھتا ہوں۔ چینی کے
بٹنوں سے زیادہ بے قدر جس قلی مزدور نے چاہا ایک پیسے کے درجن بھر خریدے۔ اور کوٹ
میں ٹانک پھرا۔ من جملہ چند در چند قباحتوں کے جو تعمیم تعلیم سے پیدا ہوئیں اور ہوتی چلی جارہی ہیں
بڑی قباحت یہ ہی کہ پیشۂ نوکری ہندوستان میں ہمیشہ سے رہا ہی معزز۔ جو شخص ذرا سی بھی
شُدبُد کرلیتا ہی۔ نوکری کے سوائے دوسری شی کو ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔ نتیجہ یہ ہی کہ دوسرے
پیشوں میں پیشہ وروں کی تعداد برابر گھٹتی چلی جاتی ہی۔ اور جتنے لوگ دوسرے پیشوں کو چھوڑتے
جاتے ہیں وہ سب نوکری میں ٹھُستے جاتے ہیں۔ پس اگر مسلمانوں نے سرکاری نوکری کی لالچ
میں آکر انگریزی پڑھنی شروع کی ہی اور مجھے خوب معلوم ہی کہ جنھوں نے پڑھی اسی غرض
سے پڑھی۔ اور جو پڑھ رہے ہیں اسی غرض سے پڑھ رہے ہیں۔ اگرچہ کہتے

ہوئے میرا جی کڑھتا ہی گر بے کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ امتحان میں اگر فیل (ناکامیاب) نہ ہوں تو
اس موقع پر اکثر ضرور فیل ہوں گے اس واسطے کہ اسٹور (گودام) کیسا کچھ بھرا پڑا ہی اور ڈیمانڈ (مانگ)
سپلائی (رسد) کے مقابلے میں گویا کہ نہیں۔ اگرچہ خطر ناکامی سبھی کے لیئے ہی۔ مگر روپیے میں دو آنے
ہندو تو چودہ آنے مسلمان۔ کیوں کہ مسلمانوں نے انگریزی کے شروع کرنے میں اس قدر دیر کی کہ
ہندو چھوٹی بڑی تمام سرکاری خدمتوں پر قابض ہو چکے تھے۔ علاوہ بریں گورنمنٹ سروس کا بڑا
حصہ سب سروس (ادنیٰ درجہ کی نوکری) جس میں تھوڑا بہت ابتذال چار و ناچار انگیز کرنا پڑتا
ہی۔ اور ہم مسلمانوں کا حال جلی ہوئی رسی کا سا ہی کہ راکھ ہو گئی گر بل نہیں گئے۔ سخت بات کی
سہار نہیں۔ خوشامد قومی شعار نہیں ؎

ہم خستہ جان ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر	تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں دم نکل گیا

غرض جس طرح پر تعلیم اب ہو رہی ہی اس کا لازمی نتیجہ ہی بیدلی جس کو اُمّ المفاسد (تمام خرابیوں
کی ماں) سمجھنا چاہیئے۔ بار بار سرسید احمد خاں کا نام لیتے ہوئے میری طبیعت مضایقہ کرتی ہی۔ کہ مبادا
کوئی کریم النفس خیال کرے کہ جس طرح لکھنؤ کے مرثیہ خواں بنائے ہوئے بسورنے والوں کو
مجلسوں میں ساتھ ساتھ لیئے پھرتے ہیں کہیں اسی طرح تو سرسید احمد خاں مجھ کو تو اپنے ساتھ نہیں
لاتے۔ لیکن اگر خدا کسی کے دماغ میں ایسی برکت دے کہ ہر ایک مفید چیز کی طرف سب سے
پہلے اُسی کا ذہن منتقل ہوا کرے تو کیا خدا کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہی ؎

حکمتِ محض است اگر لطفِ جہاں آفریں	خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

جس طرح مسلمانوں کے ریفارم کا مضمون سب سے پہلے سرسید احمد خاں کو سوجھا اسی طرح ایجوکیشنل
کانگرس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی۔ اگر اس میں کامیابی ہوئی اور امید ہی کہ ہو گی۔ اور ضرور ہو گی
تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اقبال کی صبح کے طلوع کا وقت قریب آ لگا کیوں کہ تعلیم ہی ایک
چیز ہی جو دنیا اور دین دونوں کی درستی کی متکفل[۵] ہو سکتی ہی۔

۵ ضامن ۱۲

اگر تعلیم کو ہم ایک مقدمہ فرض کریں تو اس کی روداد ایسی صاف اور سلیس ہو نہ جو فیصلہ
اس پر صادر کیا جائے مختلف فیہ ہو نہیں سکتا - ہم کو چاہیئے کہ پہلے اہل یورپ کے ساتھ اپنی
حالت کا موازنہ کریں - ہم دیکھتے ہیں کہ جو سامان مبدا فیاض نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان
کی آسایش کے لیئے مہیا کیئے ہیں - ہم کو اُن میں سے لائنز شیئر (شیر کا حصہ) ملا ہی - ہماری
جیسی سر زمین - ہماری جیسی آب و ہوا - ہمارے جیسے موسم - ہماری جیسی پیداوار - غلے - میوے
درخت - پھول - پھل - ہمارے جیسے حیوانات - ہمارے جیسے معاون کوئی چیز بھی تو اہل
یورپ کو نصیب نہیں - اس رو سے چاہیئے تھا کہ ہم خوش حال ہوتے - اور اہل یورپ
تنگ دست - ہم محتاج الیہ ہوں اور اہل یورپ محتاج - لیکن معاملہ منعکس ہی - سلطنت کو بھاڑ میں
ڈالو - اور اس کم بخت کا نام نہ لو - یوں دیکھو کہ ہندوستان اور یورپ میں باہمی لین دین کا
کیا رنگ ہی - وہ رنگ تو یہ ہی کہ ایک آدمی ہی نہ زندہ نہ مردہ بلکہ سسکتا ہوا نیم جان ضعیف و
ناتوان - اس بیچارے کو اس کثرت سے جونکیں لپٹی ہوئی اُس کا خون پی رہی ہیں کہ کوئی
مسام[1] جونک کے مُنہ سے خالی نہیں اور جونکیں بھی کا غذی نہیں بلکہ بڑی قسم کی جو بھینسا جونک
کہلاتی ہیں - آپ سمجھے کہ میری اس تمثیل سے میری کیا مراد ہی؟ وہ نیم جان آدمی ہندوستان
ہی - خون ملکی دولت - اور جونکیں اہل یورپ - یہ سمجھنا ایک نادان بلکہ بے ایمان آدمی کا کام
ہی - کہ انگریز بزور حکومت ہماری دولت گھسیٹے لیئے چلے جاتے ہیں - ذرا ٹریڈ اور کامرس (تجارت)
اور امپورٹ اور اکسپورٹ (مال کی درآمد برآمد) کی رپورٹیں پڑھو - اور فنانشیل سکرٹیٹ سے
سالانہ بجٹ (تخمینہ جمع و خرچ) منگوا لے کر دیکھو - مگر خبردار نقشے مانگنے جاؤ تو اتنی بات ضرور
جتا دینا کہ ہم نیشنل کانگرس والے نہیں ہیں تو معلوم ہو کہ سلطنت کی راہ دولت رس رہی ہی تو ٹریڈ
تجارت کی طرف سے مُنہ کھلا ہوا ہی - ہماری اور اہل یورپ کی تجارت کا خلاصہ یہ ہی کہ ہم خریدنے
والے ہیں اور اہل یورپ بیچنے والے - بے شک ہندوستان سے بہت سا مال یورپ کو

[1] جن باریک سوراخوں کے ذریعہ ہوا جسم کے اندر پہونچتی ہی - یہ سوراخ بادی النظر میں معلوم نہیں ہوتے ۱۲ +

چلا جاتا ہی مگر مینو فیکچرڈ (تیار کیا گیا) نہیں بلکہ را میٹریل (غیر تیار شدہ اشیاء) کہ جیسا پیدا ہوا جوں کا توں یورپ چلا گیا۔ اہل یورپ نے اپنی ہنرمندی سے بنایا سنوارا اور اَضعَافاً مُضَاعَفَہ نفع پر پھر اُلٹا ہمارے سر مارا۔ اہل یورپ نے ساری تجارت کو اپنی مُٹھی میں کر لیا ہی۔ جیسے شیر کہ اُس نے شکار مارا اور گودا اور خون جو جو چیزیں عمدہ اور مزے کی تھیں۔ آپ کھائیں پٹی خالی ہڈیاں لومڑی کے لئے چھوڑ دیں کرے ان کو پڑی چچوڑا کرے۔ دلّی میں اس وقت غلّے کی بڑی بھاری منڈی کھاری باولی ہی۔ بندہ کا غریب خانہ اسی منڈی کے متصل ہی۔ صبح ہوئی دن چڑھتے چڑھتے رالی برادرز (نام تجاران انگلستان) کے گماشتے بازار میں آ بھرے۔ اس بازار میں اکثر اوقات اس طرح کی چہل پہل رہتی ہی کہ راستہ نہیں ملتا۔ ہجوم کرنے والوں میں وہ محتاج لوگ بھی ہوتے ہیں جو جھاج اور جھاڑو لئے ہوئے گرے پڑے دانے دُنکے سمیٹتے پڑے پھرتے ہیں میں جب جب ان مصیبت مندوں کو دیکھتا ہوں بے اختیار جی میں خیال آیا کرتا ہی کہ ہزار ہا من غلہ پڑا اٹھل رہا ہی۔ مگر ان کی قسمت کے دانے ہیں۔ اسی طرح یورپ کی تجارت میں ہر روز لاکھوں کروڑوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں ہمارے حصے میں کیا آتا ہی کوڑیاں۔ یا خوب گھرے ہو گئے تو پیسے یورپ کی اصلی اور حقیقی عظمت۔ اصلی اور حقیقی ہنرمندی۔ اصلی اور حقیقی دولت کا اندازہ بے یورپ گئے نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ صد ہا ہزار ہا انواع و اقسام کے کارخانے۔ وہ صد ہا ہزار ہا انواع و اقسام کی کلیں وہ صد ہا ہزار ہا عالی شان عمارتیں سڑکیں۔ پُل ٹنیل (سُرنگ) انڈر گراونڈ (زیر زمین) ریلوے ڈاکس (بندرگاہ) اسٹیمرز (جہاز) مارکٹس (بازار) پیلیسز (ایوان) پارکس (تفریح گاہیں) گارڈنز (باغ) میوزیمز (عجائب خانے) چرچز (گرجا گھر) اور کیا اور کیا۔ کیوں کر ہندوستان میں اُٹھ کر آ جائیں کہ ہم اُن کو دیکھیں۔ مگر جس قدر یہاں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہی اس سے اتنا تو کوڑ مغز سے کوڑ مغز اور متعصب سے متعصب کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہی کہ ہم کسی دنیاوی برتری میں انگریزوں کے ساتھ لگّا نہیں کھا سکتے۔ اچھا اب دوسری بات ہم کو

چندہ چند ۔۔

یہ دیکھنی ہے کہ انگریزوں میں یہ ہنرمندی یہ صناعی یہ قوتِ ایجاد آئی تو کہاں سے آئی اور کیوں کر
آئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزوں کے سارے کمالات اس ایک صفت پر متفرع ہیں کہ سب
سے بڑی سرگرمی کے ساتھ واقعاتِ نفس الامری کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں یعنی ان کی
طبائع میں قُوَّۃُ اِسْتِقْرَاءٍ بِالنِّسْبَۃِ اِلیٰ سَائِرِ النَّاس (جزئیات سے کلیہ قاعدہ بنا لینے
کی قوت بہ نسبت اوروں کے) غالب ہے اور ہو نہ ہو لوکل سرکمسٹانسز یعنی مقامی حالات نے
ان کے سنس (حواس) کو تیز کیا ہوگا۔ نیسیسٹی از دی مدر آف انونشن (ضرورت مادر
ایجاد ہے) ان کی سرزمین ضروریاتِ زندگانی کے مہیا کرنے کے قابل نہ پہلے تھی اور نہ جیسی
چاہیے اب ہے آئندہ کسی تدبیر سے ضروریاتِ زندگانی کیسی اگر خود شجرۃ الحیات (درختِ زندگی)
بھی اس سرزمین میں پیدا ہونے لگے تو عجب نہیں۔ کارخانۂ دنیا کا انتظام ہی قاعدے پر مبنی
ہے کہ مخلوقات میں جس قدر جس کی ضرورتیں اُسی قدر ڈل (کاہل) اور ضعیف العقل۔ اگر انسان
گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھر لیا کرتا اور گرمی سردی برسات سے متاذّی[1] نہ ہوتا تو ایک گدھے
جتنی عقل اس کو کفایت کرتی اور اتنی ہی اس کو ملتی بھی۔ مگر نیچر (فطرت) نے ایک طرف
انسان کو ساز و سامان زندگی کے عطا کرنے میں مضایقہ کیا تو دوسری طرف عقل سے اس کی
تلافی کر دی۔ اگر یہ استدلال صحیح ہے تو ایشیاٹک[2] قومیں خلقۃً اہلِ یورپ کے مقابلے میں کاہل
اور کم عقل ہیں۔ میں شاید اپنے بیان کے قصور کی وجہ سے اپنا مافی الضمیر[3] اچھی طرح آپ صاحبوں کے
ذہن نشین نہیں کر سکا۔ ٹو بی۔ مور پلین (زیادہ وضاحت کے ساتھ) میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ قوم کو
ایسی تعلیم دینی چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے قوم کی حالت درست ہو جیسی کہ اہلِ یورپ
کی ہوئی تو یہ مشکل آپ کی نصب العین (آنکھ کے سامنے) رہنی چاہیئے کہ میری سمجھ کے مطابق
قوم کی طبیعت میں اُس کا تقاضا مخمّر نہیں یا اگر ہے تو اس قدر ضعیف ہے کہ اس کو قوی کرنا
ویسا ہی دشوار ہے جیسا کہ نئے تقاضے کا طبیعت میں پیدا کرنا۔ مروجہ سے چاہے وہ سرکاری

[1] ازیت پانے والا ۱۲ [2] ایشیائی ۱۲ [3] دلی بھید ۱۲

کالجوں کی ہو یا علی گڈھ محمڈن کالج کی مجکو ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس مشکل کو ابھی وقت کی نظر
سے نہیں دیکھا گیا ہو جس کی وہ مستحق ہو علی گڈھ محمڈن کالج کو سرکاری کالجوں پر کچھ مزیت ہو۔
بورڈروں کا بڑا اہتمام ہو مسلمانوں کے تالیف قلوب کی بھی کچھ رعایت کی گئی ہو مگر ان باتوں کو نفس
تعلیم میں جس پر میں بحث کر رہا ہوں کچھ دخل نہیں۔ جہاں تک مجکو علم ہو علی گڈھ محمڈن کالج کی
جماعتوں کا سٹینڈرڈ اور سرکاری کالج کی سٹینڈرڈ نہ صرف یکساں بلکہ متحد ہو بس تعلیم مروجہ تمام
برٹش انڈیا میں قریب قریب ایک ہی طرز کی ہو اس طرز پر جتنے لوگوں نے آج تک تعلیم پائی ہو
اُن کا مجموعی شمار بھی کچھ ایسا کم نہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ملک کی حالت پر خود تعلیم یافتہ لوگوں کے مائینڈز
(دلوں) پر اِس تعلیم کا کیا اثر مفید مترتب ہوا ایک کا جواب ہو نل (نہیں) دوسرے کا نَن (کچھ نہیں)
برٹش انڈیا ماشاء اللہ اتنا بڑا وسیع اور آباد ملک اور مدتوں سے تعلیم کا چرچا لیکن کوئی صاحب
مہربانی فرما کر بتائیں کہ شروع سے لے کر آج تک کسی پاس شدہ اسٹوڈنٹ نے کسی قسم کی کوئی
کَل نکالی؟ کسی چیز کی کوئی کان دریافت کی؟ فلاحت کے پُرانے دقیانوسی دستوروں میں کسی
دستور کو بدلا؟ حیوانات میں سے کسی حیوان کی نسل کو درست کیا؟ اپنے بھائی بندوں میں
ڈومسٹک اکانومی (خانہ داری) میں کفایت شعاری پھیلائی؟ لوگوں سے سینیٹری رولز (حفظان
صحت کے قاعدے) کی تعمیل کرائی؟ تجربہ و استقرا کر کے موالید ثلاثہ میں سے کسی ایک چیز کا کوئی
نیا خاصہ تحقیق کیا؟ کوئی سی دو چیزوں میں علاقۂ علت و معلولیت ثابت کر دکھایا؟ یہ نہ سہی اپنی
ایجوکیشن (تعلیم) سے کسی اور طور پر پبلک کو نفع پہونچایا ہو تو بتاؤ از برائے خدا بتاؤ کہ ذرا میرا بھی جی
خوش ہو جائے۔ پبلک کو نفع پہونچانا تو درکنار ابھی سے لوگوں نے جھینکنا شروع کر دیا ہو اور ابھی
جھینکیں گے کہ تعلیم مروجہ سے خود پڑھنے والوں کی کاربرآری نہیں ہوتی اور واقع میں یہ پڑھے
لکھے تعلیم یافتہ اونچی دکان پھیکا پکوان سرکاری نوکری کے علاوہ اور ہیں بھی کس مصرف کے۔
اور اگر ان کو نوکری نہ ملے اور نہ ملنے کے احتمالات زیادہ اور قوی تر ہیں تو یہ بیچارے مصیبت کے مارے

نقشہ طالب علم ۱۲—

آج کل ہو رہا ہو یقیناً وہ اس کو ڈائیجسٹ (ہضم) نہیں کرسکے گا۔ اور نہیں کرسکتے۔ اور نہ ایسا
پڑھنا اُس کے لیئے مفید ہوگا۔ اور نہیں ہوتا۔ کسی کا کیا اچھا مقولہ کبھی کا نظر سے گزرا ہوا یاد
ہو "سَم تھِنگ آف ایوری تھِنگ اینڈ ایوری تھِنگ آف سَم تھِنگ"۔ یعنی ہر چیز میں سے
تھوڑا تھوڑا اور کوئی چیز ساری بھی (بس مجھ سے پوچھتے ہو تو تعلیم میں اس قاعدے کی حرفاً
حرفاً تعمیل ہونی چاہیئے۔ طریقۂ مروجہ میں سم تھنگ آف ایوری تھنگ (ہر چیز میں سے تھوڑا
تھوڑا) کا نباہ تو خوب کیا جاتا ہو مگر ایوری تھنگ آف سم تھنگ (کوئی چیز ساری بھی) کا
مطلق خیال نہیں اور یہی وجہ ہو کہ اس طریقے کے مطابق جتنے لوگوں نے تعلیم پائی اِن میں کوئی
شخص کسی شعبے کا کامل فن نہ ہوا جس طرح فی المثل درخت ثمر کی رسیدگی کا ایک وقت
ہوتا ہو کہ اِس سے پہلے اُس میں پھل نہیں آتا۔ اسی طرح درخت علم کو بے کمال کے رسیدگی
نہیں ہوتی۔ اور نہ اس سے کسی فائدے کی اُمید کی جاسکتی ہو علم شی بہ جہل شی کے اعتبار سے
دیکھو تو ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کی تعلیم بھی خالی از منفعت نہیں۔ مثلاً گروہ کاشتکاران اگر اتنا
لکھنا پڑھنا اور لکھا ناسکھ لیں کہ پٹواری مغالطہ وہی اور زمیندار زیادہ ستانی نہ کرسکے تو
اس سے کس کو انکار ہو کہ اتنی ہی استعداد علمی کاشتکار کے لیئے مفید ہوگی اور کون کہتا ہو کہ
کاشتکاروں کو اس قدر تعلیم جس کے وہ سخت حاجت مند ہیں نہ دی جاے لیکن گفتگو اس میں
ہو کہ اگر ہندوستان کو یوروپ کی طرح ترقی دینا منظور ہو تو آیا ویسی ترقی اور ویسی کا کیا مذکور
ہو اُس کی آدھی پاؤ بھی اس تعلیم کے ذریعے سے ہوسکے گی یا نہیں۔ مجکو اس کا کامل اذعان[۱]
ہو کہ جب تک علوم جدیدہ کے ہر شعبے کے کامل فن تیار نہ ہوں گے۔ ہندوستان حضیض[۲]
نکبت سے ایک انچ کی قدر بھی تو اوپر کو نہیں اُبھر سکتا۔ اور جب ہمارے طالب العلم کمالِ
فن کی لذتوں سے آشنا ہوں گے تو سمجھیں گے نوکری کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو خسیس ترین
منفعت ہو جس کی ایک کامل فن توقع کرسکتا ہو جو لوگ اس وقت علوم جدید کے حاصل کرنے

۱؎ حساب ۱۲ ۲؎ یقین ۱۲ ۳؎ پستی افلاس ۱۲

شمس العلما، خان بہادر مولوی محمد ذکاءاللہ صاحب کی اُردو کی یوکلڈ (اقلیدس)
اُردو کا الجبرا (جبر و مقابلہ) کہ اے کی جگہ الف اور بی کی جگہ ب۔ ایکس کی جگہ لا۔ اور وائی کی
جگہ ی۔ رکھدینے سے خاصی طرح کام چلتا ہی سمجھے کہ لوگوں کو انگریزی کے انتظار میں جھلانا کیا
ضرور۔ باٹنی (علم فلاحت) یا کسٹری (علم کیمیا) کا کوئی چھوٹا سا رسالہ لیکر بیٹھتے اور ایک دو چیپٹر
(باب) کا ترجمہ کرتے تو حقیقت کھلتی کہ علوم جدیدہ کا اُردو میں لانا جوئے شیر کا لانا ہی۔ یہ لوگ اپنی
راے کی تائید میں یونانیوں اور اہلِ عرب اور انگریزوں کے شواہد پیش کرکے یہ نتیجہ نکالتے
ہیں کہ جب جب کسی قوم نے علم میں ترقی کی ہی اپنی ہی زبان کے پڑھنے سے کی ہی۔ ہم ایسے
ڈھکوسلے نہیں سنتے۔ جن قوموں سے استشہاد کرتے ہو اپنی ترقی کے زمانے میں حکمراں بھی
رہے ہیں۔ ہم کو ایسی قوم کی نظیر دکھاؤ۔ جو ہماری طرح فارنرز (اقوامِ اجنبی) کی محکوم رہی ہو۔ میں
اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہم ہندوستانیوں کو انگریزی کا سیکھنا دشوار ہی اور ہماری اور انگریزی
کی کچھ خصوصیت نہیں ہر شخص کو فارن لینگوج (اجنبی زبان) کا سیکھنا دشوار ہوتا ہی۔ انگریزوں ہی
ہی نظر کرو۔ کہ بیس بیس پچیس پچیس تیس تیس برس اس ملک میں آکر رہتے اور ہر وقت گھر پر کچہری میں اُردو
کے الفاظ سنتے باایں ہمہ شاذ و نادر کوئی انگریز ہوگا بلکہ تلفظ کے اعتبار سے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ
ایک بھی نہیں جو ہم ہندوستانیوں کی طرح اُردو کا ایک چھوٹا سا جملہ بھی بول سکے۔ میرے ایک
بڑے معزز دوست جو ولایت میں رہ آئے ہیں بیان کرتے تھے کہ ایک صاحب پنشنر کسی کلب
میں اپنے دوستوں کے روبرو بیان کر رہے تھے کہ ہندوستان عجیب ملک ہی اور سب سے زیادہ
عجیب اُس کی زبان ہی کہ ایک لفظ کے کئی کئی معنے مثلاً "چھا" (ٹی چار) "چھا" (فور۔ چار) "چھا"
(ول۔ کنواں) "چھا" (ڈزایر۔ خواہش) "چھا" (اے کائنڈ آف برڈ۔ چھا) "چھا" (ٹو کور۔ چھانا)
"چھا" (وتھ اے سلائٹ ڈفرنس (تھوڑے اختلاف سے) دیکل۔ اچار) "ایڈ گڈ۔ اچھا۔ لیکن
فارن لینگوج (اجنبی زبان) میں جو دشواری ہوتی ہی کمالِ زباں دانی کی ہوتی ہی جتنی انگریزی

۱؎ طالب شہادت ۱۲۔

علوم کے سمجھنے کو درکار ہی میرے نزدیک چنداں مشکل نہیں۔ میں نے ترجمے کا کام کیا ہی اور مجکو اُردو کی وسعت معلوم ہی۔ میری ہمت تو قصور کرتی ہو کہ انگریزی کی کسی علمی کتاب کا ترجمہ کروں۔

میر انشا اللہ خاں جہاں اور مسخراپن کیا کرتے تھے ایک مرتبہ اُن کے سر میں یہ خبط سمایا کہ لاؤ عربی کی منطق کو اُردو کریں تو مصطلحات کے کیسے کیسے ترجمے مغز سے اتارے ہیں موجبہ کلیہ پورا جوڑ۔ سالبہ کلیہ پورا توڑ عموم و خصوص مطلق اِکہری اونچ نیچ عموم خصوص من وجہ دوہری اونچ نیچ وقس علیٰ ذالک میں نہیں سمجھتا کہ انگریزی کے مصطلحات العلوم کا کسی سے ایسا بھی ترجمہ ہوسکے۔ بھلا مصطلحات جوں توں کر کے گھڑے بھی تو آلات اور کلوں کے کیل پرزوں اور چیزوں کے ناموں کا کیا علاج۔ آخر اُن کو تو چار و ناچار ٹھونگ ٹھونگ کرنا ہی پڑے گا۔ پھر طرز کتابت ماشاءاللہ ایسا عمدہ کہ انگریزی پرونسی ایشن (تلفظ) کی کسی طرح اس میں کھپت ہی نہیں۔ الغرض جس شخص نے انگریزی علوم کو اُردو کرنے کا ارادہ کیا ع

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

میں سمجھتا ہوں کہ ترجمے سے زیادہ تو یہ آسان ہو کہ کہیں سے کوئی میجک و انڈ جادو کی چھڑی ہاتھ آجائے تو لنڈن کو ہی یہاں اُٹھا لائیں۔ میں ترجمہ کا کچھ اسی وجہ سے مخالف نہیں ہوں کہ ترجمہ ہو نہیں سکتا تاہم میں انگریزی علوم کا انگریزی ہی زبان میں پڑھنا پسند کرتا ہوں انگریزی ایسی بُری طرح پنجے جھاڑ کر ہمارے پیچھے چمٹی ہو کہ اب اِس سے تحشّزر[۱] ممکن نہیں۔ ع

ورنہ ستانی بستم میرسد

دیا سلائی کے بکس پر۔ چاقو پر۔ مقراض پر۔ پنسل پر۔ قلم کے ہولڈر پر۔ نبز پر۔ خط لکھنے کے کاغذ پر

---

[۱] اسی طرح اوروں کو قیاس کر لو ۱۲ [illegible] وہی بجنسہ ۱۲ [illegible] پر بیز ۱۲ [illegible] قلم آہنی ۱۲

لفافے پر۔ کارڈ پر۔ غرض ہر انگریزی چیز پر۔ کسی انگریزی آفس مثلاً ریلوے اسٹیشن میں جاؤ تو دروازے پر۔ ریل کی گاڑیوں پر۔ جدھر دیکھو انگریزی منی آرڈر۔ ٹیلیگرام۔ ویلوپے ایبل پارسل بلٹی۔ سب کے فارم انگریزی بھلا یہاں تو انگریزی عملداری ہے۔ انگریزی جس قدر پاؤں پھیلائے اُس کا گھر ہے تعجب سخت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ روم اور فارس کے اخباروں میں اس قدر انگریزی الفاظ ہوتے ہیں یا فرانسیسی کہ وہ بھی انگریزی کے قریب قریب ہے کہ جس کو انگریزی نہیں آتی اِن اخباروں کو نہیں سمجھ سکتا۔ حضرت شاہنشاہ ایران سیرِ انگلستان کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت کا روزنامچہ شاید فارسی کے کورس میں بھی داخل ہے۔ اس کا بھی وہی حال ہے۔ جو خاص طہران کے اخبار فارسی "اختر" اور جو خاص قسطنطنیہ کے اخبار عربی "الجوائب" کا ہے۔ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

تو جب ہم کو انگریزی چارونا چار سیکھنی ہے۔ کیا فائدہ کہ علوم انگریزی کو اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کا قصد کریں جبکہ اس قصد کا انجام معلوم ہے ٹوٹل فیلیور (ناکامی محض)

ہر چند میں نے آپ صاحبوں کی سامعہ خراشی بہت کی اور سیکولر ایجوکیشن (دنیوی تعلیم) کے متعلق جو کچھ مجھ کو کہنا تھا کہہ چکا۔ لیکن مجھ کو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیئے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مذہبی تعلیم محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے پروگرام کے میں داخل ہے تو میں سمجھتا ہوں سکنڈریٹی کو سیجن کے طور پر ہوگی۔ جیسے طالب العلموں کے کورس میں سکنڈ[1] لینگوج۔ یعنی کانگرس کا اصلی مطلب تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیاوی تعلیم کی اصلاح ہو۔ مگر دیکھتے ہیں کہ دنیاوی تعلیم کا پہیّہ مذہبی تعلیم کی چکنائی کی بدون آسانی اور تیزی کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ ناچار مذہبی تعلیم کو بھی اپنے نامۂ اعمال میں بڑھا لیا۔ ع

[1] مسئلہ ضمنی ۱۲ دوسری زبان۔ مطلب یہ ہے کہ مثلاً جن لوگوں کو انگریزی زبان میں امتحان دینا منظور ہوتا ہے وہ مجبور کیے جاتے ہیں کہ کسی ایک دوسری زبان میں امتحان دیں مثلاً عربی یا سنسکرت وغیرہ تو اس صورت میں عربی یا سنسکرت کو سکنڈ لینگوج کہیں گے ۱۲۔

ورنہ سزاوار خداوندیش | کس نتواند کہ بجا آورد

جیسا میں اُن کا اپنے اسلام پر نازِ بیجا اور دوسرے مسلمانوں کی توہین کرتے سنتا ہوں بیشک
سخت تعجب کرتا ہوں۔ بھائیو اس زمانے میں کیسا دین اور کہاں کا اسلام مسلمان درگور
مسلمانی در کتاب۔ اب تو امتیازِ قومی رہ گیا ہے۔ اور اتنا بھی ٹھہرا ہے تو غنیمت ورنہ عام
انگریزی خوانوں کی طبیعت کا رجحان دہریت اور لا مذہبی کی طرف ہے نہ تحقیق و تفتیش
کی وجہ سے۔ بلکہ استخفاف[1] و استہزاء کے سبب۔ ہاں تو غرض یہ ہے کہ قرآن جو اصل دین
ہے بہت ہی تھوڑے مسلمان اس کو سمجھتے ہیں۔ اس کا بڑا سبب اور سبب نہیں بلکہ حیلہ جو
مسلمانوں نے اپنے نزدیک ٹھہرا رکھا ہے یہ ہے کہ اس کی زبان عربی ہے اور وہ آسانی سے
آ نہیں سکتی بے شک مسلمان قرآن کو اتنا عزیز رکھتے ہیں کہ جن کو اور زیادہ علم حاصل کرنا منظور
نہیں ہوتا وہ بھی کم سے کم قرآن ناظرہ ضرور پڑھ لیتے ہیں اور علی الاکثر قرآن کا ناظرہ
پڑھنا شرطِ اسلام سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ برین مسلمانوں کو قرآن کے زبانی یاد رکھنے کا اس قدر
شوق ہے کہ کسی دوسری قوم میں اس کی نظیر نہیں۔ معتقدات اہل اسلام کی رو سے قرآن کا
زبانی یاد رکھنا فی نفسہٖ اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ اے کاش یہ شوق فہم معنی کی طرف متوجہ
ہو تو مسلمان پکے رجسٹرڈ مسلمان ہو جائیں۔ دین دار خدا ترس۔ خوش معاملہ راست باز۔
نیک دل۔ خدا کے اچھے بندے۔ حاکم وقت کی اچھی رعایا۔ سوسائٹی کے اچھے ممبر۔ قرآن کا
عربی ہونا اس کے نہ سمجھنے والوں کے لیے عذر ہے مگر نحیف۔ اگر صرف و نحو عربی کے صرف سیدھے
سادے کثیر الاستعمال مسائل پڑھ لیے جائیں تو میرے نزدیک جتنے دنوں میں ایک متوسط الذہن
لڑکا قرآن حفظ کرتا ہے اتنے ہی دنوں میں قرآن کے سلیس جملوں کو بہ تعلق عبارت سمجھ لینے پر
قادر ہو سکتا ہے بھلا کوئی اس کو اپنی جگہ آزما کر تو دیکھو۔ خدا معقول کو شرمائے۔ آپ تو بگڑے ہی تھے
بے موقع بے محل منقولات میں دخل دے کر ان کو بھی غارت کیا منطقیانہ لایعنی کٹھ حجتیوں کی

[1] خفیف سمجھنا ۱۲ [2] تمسخر کرنا ۱۲ [3] کثرت سے ۱۲

اس کام میں کیسی کیسی زحمتیں اُٹھائی ہیں۔ آج کسی مشہور شخص کی لائف لکھنی چاہو تو ایک عمر
صرف کرو تب کہیں بہزار دقت مٹیریل (سامان یا مواد) مہیا ہو۔ تو ان لوگوں کو صدہا
مختلف الازمنۃ[1] مختلف الامکنۃ[2] راویوں کی لائف (حالات) کے تحقیق کرنے میں کیسی کچھ
جاں فشانی کرنی پڑی ہوگی اگر فلاح عاقبت کی دُھن نہ ہوتی تو میں نہیں سمجھتا کوئی دنیاوی
بڑی سی بڑی ترغیب بھی اس کام کا سرانجام کرا سکتی۔ بہرکیف جو کچھ ہی جوہر شناس کی نظر میں
بے بہا ہی۔ اِس سے قطع نظر کہ حدیث عہد نبوت کی نہایت عمدہ تاریخ ہی۔ میں اِس کو اِس وجہ
سے اور بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن بمنزلے متن قانون کے ہی اور حدیث اُس کا ضابطۂ کارروائی
بااین ہمہ حدیث بیچاری تو ایسی کس مپرسی کی حالت میں ہی کہ مولوی بھی سب نہیں بلکہ معدودے
چند جو دین کا پیشہ کرتے ہیں وہی اُس کو پڑھتے پڑھاتے ہیں ورنہ اور کسی مسلمان کو اِس سے سروکار
نہیں۔ ذرا مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی کو تو دیکھو کلام خدا کے ساتھ وہ بے اعتنائی۔ قول رسول سے
ایسی بے تعلقی ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

پھر ایک بڑی قباحت فن حدیث میں بھی ہی کہ احادیث کے جمع کیے جانے۔ میرے نزدیک
دو سبب ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہؓ کو جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ محبت نہیں بلکہ عشق تھا
جب تک پیغمبر صاحب زندہ رہے ہر وقت صحابہؓ اُن کو گھیرے رہتے تھے۔ جب پیغمبر صاحب نے
انتقال فرمایا صحابہ کو ہر وقت اُن ہی کی یادگار تھی۔ دوسرے پیغمبر صاحب کی حیات میں جس
صحابی کو دنیا یا دین کی کوئی ضرورت پیش آتی تھی گیا۔ اور پیغمبر صاحب سے پوچھ آیا۔ جب پیغمبر
صاحب کو خدا نے اپنے پاس بُلا لیا صحابہؓ کو بڑی مشکل پڑی کیوں کہ اپنی ضرورتوں کے علاوہ
اب پیغمبر صاحب کے ذمّے کا کام بھی اِن ہی کو کرنا پڑا تو بات بات میں ایک سے ایک پوچھتا۔
بھلا کوئی ایسا واقعہ پیغمبر صاحب کے روبرو پیش آیا تھا۔ اور حضرت نے کیا فرمایا تھا۔ سلطنت

[1] مختلف زمانوں میں ۱۲ [2] مختلف مکانوں میں ۱۲۔

پیغمبر صاحب کے زندگی کے زمانے سے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃً بڑھ گئی تھی۔ اور بڑھتی چلی جارہی تھی۔ یوں پہلے اور شدید ضرورت جو جمع احادیث کا باعث ہوئی۔ ملک داری کی ضرورت تھی۔ حدیث کی کوئی کتاب اُٹھا کر دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر احادیث احکام فقہی سے متعلق ہیں اور ان ہی احکام فقہی کے استنباط کی غرض سے ان کو جمع کیا گیا ہے اور چوں کہ انقلاب زمانہ نے فقہ کو بے کار کر دیا جیسا کہ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی بیان کر چکا ہوں۔ تو جہاں تک احادیث کو احکام فقہی سے تعلق ہے وہ بھی ہم مسلمانانِ ہند کے حق میں بے کار ہیں۔ حدیث پر اگرچہ میری نظر بہت ہی قاصر و محدود ہے مگر جس قدر ہے اُس سے مجھے یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ حدیث کا ہیڈنگ یا عنوان یا خلاصۂ مضمون جس کو اصطلاح میں ترجمہ کہتے ہیں بدلنے سے بہت سی احادیث جو اس وقت احکام فقہی سے متعلق ہیں ہماری حالت موجودہ کے مطابق بکار آمد کر لی جاسکتی ہیں۔ مگر کس میں اتنی ہمت ہے کہ تراجم[۱] الاحادیث کے بدلنے کا نام لے۔ اور کوئی کرے بھی تو مسلمانوں کے فائدے کی غرض سے سو مسلمان ایسے شکی اور ضدی ہیں کہ ایسی کتاب کو ہاتھ بھی تو نہ لگائیں۔ عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مذہب ایک سانچہ ہے جس میں دل ڈھالے جاتے ہیں۔ اور میں بالکل اس کے خلاف سمجھتا ہوں میرے نزدیک دلوں کے سانچے میں مذہب ڈھلتا ہے ایک اسلام ثانی شخص کا جس نے درخت بیعۃ الرضوان کو اُکھڑوا کر پھنکوا دیا تھا جس نے یہ کہہ کر حجر اسود کو ڈانٹا اِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ (میں جانتا ہوں کہ ایک پتھر ہے نہ تو نقصان پہونچا سکتا ہے نہ نفع اور اگر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا جس نے کہ مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ وَأَنَا أُحَرِّمُهُمَا (دونوں تھے رسول خدا کے زمانے میں اور میں اُن کو حرام کرتا ہوں) کہ ابھی

---

[۱] حدیثوں کے عنوان اور خلاصے ۱۲ [۲] اُس بیعت کا نام ہے جو ایک خاص مقام پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں سے بیعت لی تھی اس کے بعد آیت نازل ہوئی کہ خدا اُن لوگوں سے راضی ہے اس وجہ سے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہوا اور چوں کہ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے واقع ہوئی تھی اس وجہ سے اُس درخت کو بھی درخت بیعۃ الرضوان کہنے لگے ۱۲

ڈیڑھ سو برس بعد جاکر لکھی جانی شروع ہوئیں۔ اس وقت تک روایت سامعاً عن سامعٍ ہوتی رہی اور اب تک اسی طریقہ کی تقلید ہوتی جا رہی ہے۔ ماخذ تو سمجھ میں آیا مگر طرز تو [illegible] اس وقت تک بچوں کا کھیل ہی معلوم ہوتا ہے

مُسدّس

خود اپنا تصنیف کیا ہوا مشمولۂ قصۂ مبتلا جس کو مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب نے حسب درخواست جناب خان بہادر سر محمد حیات خاں صاحب صدر انجمن و سر سید احمد خاں صاحب سکرٹری کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانگرس منعقدہ ۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۸ء میں بمقام لاہور اپنے لیکچر کے بعد پڑھا

دنیا عجب سرائے بے ثبات ہے　　ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
حال اس میں ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے　　جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں
ایسا مکان بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو　　پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو

افلاس کرہی دیتا ہی انساں کو پائمال — ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال
مفلس کہ اُس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اُس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذا ہوا کوئی محتاج دل غنی — سمجھا کہ یہ جہاں ہی جہانِ گزشتنی
گو دن کی زندگی کے لیئے اتنی تُرشی — اُس کو نہ دوستی ہی کسی سے نہ دشمنی
ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہی
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہی

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہی ہست سے — تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے
کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے — کوڑی تو لے ادھار کوئی فاقہ مست سے
کیا اُس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں جیل سے بھی ملا ہی کسی کو ماس

گر مجھ سے پوچھتا ہی حقیقت میں ہمنشیں — ایصالِ نفع ہی مرے نزدیک اصلِ دیں
پر چاہیئے ہی اس کے لیئے نقدِ آستیں — خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں
دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہی
دنیا نہیں تو دعوی دیں مکر و زور ہی

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو — اعلائے شانِ قادرِ مطلق کہاں سے ہو
ایثار[۵۱] و بذل[۵۲] وجود و محقق کہاں سے ہو — مصدر ہی جب نہیں ہی تو مشتق کہاں سے ہو
دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا
میں اُس کے مُونھ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ممکن نہیں ہی دین ہو دنیا نہ ہو دخیل — ایسا خیال کر نہیں سکتا ہی کوئی عقیل

[۵۱] دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا ۱۲ [۵۲] خرچ کرنا ۱۲

دیں کے عوض تعصب اوہام رہ گئے
دیں دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی نہ ہم نہ ہوئے اس کے خواستگار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار

اور کیوں کہ ہوتے مولوی[۱] جنت کا چوبدار
مفلس بمیر مومن و دست طلب بدار

دنیا و دیں کے ربط کی رسّی کو کاٹ کے
دھوبی کے کتّے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہے روز و شب

دنیا میں اور دیں میں عداوت ارے غضب
لازم ہے دین کا بھی کما حقہٗ ادب

خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے مٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب

افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
آپس میں[۲] رحم و لطف عدو کے لیے عذاب

مسجد میں سر بسجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کی زین پر

[۱] یعنی وہ مولوی جو ریا سے وعظ کہتا ہے اور رہبانیت کی تعلیم کرتا ہے اور خود حصول دنیا میں غرق ہے کبھی تعمیر مسجد کو ذریعہ حصول مال کا کرتا ہے اور کبھی تعمیر مدرسہ کو۔ یہ مولویوں کے کرتوت ہیں جیسی صوفیوں کی ترکیب تھی اور ہے کہ تعمیر خانقاہ و عرس کو ذریعہ حصول مال کا کرتے ہیں۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ ترک دنیا بمردم آموزند ۔ خویشتن سیم و غلہ اندوزند ۔

[۲] اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔

اقوامِ روزگار میں بیٹھے ہو کس لئے
بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لئے

کثرت سے تم میں صاحبِ مقدور کیوں نہیں
منہ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں
لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
کس کس کا نام لیں کہ جہاں ور نہیں رہا
ہم میں کسی کو فکرِ معیشت نہیں رہا
ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالکِ خزائنِ روئے زمین تھے
اہلِ زمانہ قاطبۃً[1] خوشہ چین تھے

ہم کو خراج دیتے تھے دنیا کے بادشاہ
اس میں بقدرِ ذرہ نہیں شک و اشتباہ
تھی مرجعِ[2] انام کبھی اپنی بارگاہ
تاریخ ہے ترقیِ اسلام کی گواہ

جن کو ہمارے ساتھ دریغ التفات ہے
ہم اُن پہ حکمراں تھے ابھی کل کی بات ہے

ہم نے بنایا اہلِ جہاں کو خدا پرست
ہم نے کیا بتوں کے تئیں سرنگون و پست
ہم نے دلایا یاد اُنہیں وعدۂ الست[3]
ہم نے اُتارا نشۂ صہبائیان[4] مست

شائستگی کی بیل ترقی کے ساتھ کی
پودا اسی کی ہے لگائی ہوئی اپنے ہاتھ کی

کچھ ایسی اپنی بات بن آئی تھی اُن دنوں
ساری زمیں پر اپنی دوہائی تھی اُن دنوں

۱ کلیۃً ۱۲ ۲ جائے رجوعِ خلق ۱۲ ۳ اشارہ ہے اس کی طرف کہ خدا نے سب آدمیوں کی روحوں سے پوچھا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں ۱۲؟ سب نے کہا ہاں ۱۲ ۴ شرابی ۱۲

گُذری تھی یا کہ لڑائی تھی اُن دنوں
ہر حال میں ہماری بڑائی تھی اُن دنوں

کیا فضل کردگار تھا کیا اُس کی شان تھی
اسلام تھا کہ دولت و ثروت کی کان تھی

یُسر و فراغ دولت و حشمت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف

وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف
صد حیف قابلیت نعمت ہزار حیف

گو حَور بعد کَور اشدّ العذاب ہی[1]
یاد از قبیل لَیتَ یَعُودُ الشَّباب ہی

کیا فائدہ جو تذکرۂ ماضی کریں
بے سود گرچہ تا بہ قیامت بُکا کریں

کیوں یاد رفتگاں میں ماتم بپا کریں
اک امر اختیار سے خارج ہی کیا کریں

فرہاد وار درصدد جوئے شیر کیا[2]
اب جا چکا ہی سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہی اک وجہ تسلّی بہت بڑی
جن کو فلاح خلق ہی منظور ہر گھڑی

قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آ پڑی

تا واجب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارے فرات پر

دروازہ کون سا ہی جو ہم پر کھلا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں

ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
آزادی اس قدر ہی کہ کچھ انتہا نہیں

بے جوتے بوئے اب اُگے کا اناج کیا

[1] حدیث نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الحَورِ بَعدَ الکَورِ۔ یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اُس کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو حَور بعد کَور بڑا عذاب ہی مگر اس کا یاد کرنا ایسا ہی ہی جیسے کوئی گئی ہوئی جوانی کی پھر تمنا کرتا ہی ۱۲

[2] یہ ایک مشہور قصہ ہی کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمایش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲ ... در پے ۱۲

ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضدِ احمقانہ کو لِلّٰہ کم کرو
چاہو ہمیں بُرا کہو یا تہمت کرو
جانوں پر اپنی بہرِ خدا مت ستم کرو
پر روٹیوں کی فکر تو بہرِ شکم کرو
ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل میں ٹھان لو
ہے علم پہ مدار اسے خوب جان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو
رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر اک شے
تسویف[1] تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

لیکن مراد علم سے علمِ جدید ہے
ثروت کی سلطنت کی یہی اک کلید ہے
یورپ میں جس سے رونقِ ہَل مِن مَزید[2] ہے
یہ ہو تو پھر تمام زمیں زر خرید ہے
ایسی کلیں چلیں کہ طلسمات کر دیا
اِن کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

یہ علم گر نہیں ہے تو فضل و کمال ہیچ
دابِ مناظرات و جواب و سوال ہیچ
منشی ادیب شاعرِ شیریں مقال ہیچ
تحقیق سے[3] زاہد و ملا جلال ہیچ
ہم نے تو قیل و قال میں کی عمر رائگاں
یوروپ نے ہائے لوٹ لیے گنجِ شائگاں

ہم میں سے آج جو علمائے فحول[4] ہیں
عابد ہیں با خدا ہیں ثقہ ہیں عدول[5] ہیں
مخدوم ہیں کہ خادمِ شرعِ رسول ہیں
لیکن معاملات میں ایسے جہول ہیں

[1] ٹال مٹول ۱۲ [2] کچھ اور بھی ہے ۱۲ [3] یہ دونوں کتابیں منطق کی عربی میں مشہور ہیں ۱۲ [4] عالم متبحر [5] راست گو جس کی گواہی مقبول ہو ۱۲

کردار ناصواب پر اصرار کس لیے
آنکھوں سے دیکھتے ہو تو انکار کس لیے

یَارَبِّ قُلُوْبُ عَصَبَتِنَا بَیْنَ اِصْبَعَیْکَ / اَلرُّشْدُ وَالْهِدَایَةُ وَالْفَوْزُ فِیْ یَدَیْکَ
تَسْتَشْفِعُ النَّبِیَّ بِالْکَرَامِهٖ لَدَیْکَ / لَمَّا قَضَیْتَ سَائِرَ حَاجَاتِنَا اِلَیْکَ

ہوں برسر عروج خیالات قوم کے
شایان شان قوم ہوں حالات قوم کے

سب جانتے ہیں عالم اسباب ہے جہاں / ہر واقعہ نتیجۂ علت ہے بے گماں
اس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں / جاری ہے یہ زمین سے لے تا آسماں

یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اس کے بری نہیں

دیں کا عروج بے سبب معتبر نہ تھا / تھا مزد سعی صرف دعا کا اثر نہ تھا
راہ خدا میں جان تلک کا بھی ڈر نہ تھا / مومن نہ تھا کہ جس کا ہتھیلی پہ سر نہ تھا

ان معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں بہا
اک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں بہا!

تھی نار شرک سارے زمانے میں مشتعل / روئے زمیں پہ نور ہدایت تھا مضمحل
اہل کتاب تک اسی آفت میں مبتلا / بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال یا مضل

شیطان کی جہاں میں دہائی پھری ہوئی

لہ اے رب ہماری قوم کے دل تیری دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں سیدھے رستے پر چلا جانا اور مطلوب پانا تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۱۲ ؎ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو [illegible] کہ تیرے نزدیک اُن کی عزت ہے شفیع لاتے ہیں ہماری تمام حاجتیں جو تجھ سے متعلق ہیں ضرور پوری کر ۱۲ ؎ کوشش کا صلہ ۱۲ ؎ یعنی خون گرا ۱۲۔
؎ تاوان معاوضۂ خون ۱۲ ؎ یعنی گمراہ یا گمراہ کرنے والے ۱۲۔

وہ دل کو موہ لیتے تھے طرزِ بیان سے
باتوں میں پھول جھڑتے تھے اُن کی زبان سے

باآنکہ شہر مکہ میں تھا کعبۂ خلیل
گھر میں خدا کے سیکڑوں بُت ہوگئے دخیل
نالائقوں نے اُس کو کیا اِس قدر ذلیل
جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل
کیا انقلاب گردشِ چرخِ کہن سے ہیں
یہ بت پرست خلف اُسی بُت شکن کے ہیں

غالب صفت تھی اُن کی خشونت بجائے آل
وہ خانہ داریاں تھیں بجائے خود وبال
اس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال
اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال
منکوحہ چھوٹ جاتی تھی عذرِ سخیف پر
نزلہ گراہی کرتا ہی عضوِ ضعیف پر

ناگفتہ بہ ہو اُن کا طریقِ معاشرت
گرہا زنانِ بیوہ کی ارث و مقاسمت
شرم و حیا سے اُن کو نہ تھی کچھ منا[illegible]
دو بہنیں اور حقوقِ زنی میں مشارکت
ظاہر خراب اُس سے زبون تر سریرتیں
انسان ہوکے اُن میں بہائم کی سیرتیں

سب اہلِ روزگار تھے گمراہ یک قلم
پر اُس نے عین وقت پر اپنا کیا کرم
مستوجب عذاب الٰہی عرب عجم
پیدا ہوئے نجات دہانندۂ اُمم

۱؎ یعنی اہل عرب حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلعم کی اولاد اور اُن کے دین کے مدعی تھے اور پھر کعبہ میں بت رکھ کر بت پرستی کرنے لگے ۱۲ ۲؎ سختی۔ درشتی ۱۲ ۳؎ بہرحال ۱۲ ۴؎ بودا کمزور ۱۲ ۵؎ عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ مثلاً باپ دو سری بیبیاں چھوڑ مرا تو وہ بیبیاں مثل مال متروکہ بیٹیوں پر تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ اور ان کی بانٹ میں لڑائیاں ہوتی تھیں اس کے علاوہ حقیقی بہنیں ایک نکاح میں ہوتی تھیں۔ ان بری رسموں کو اسلام نے موقوف کیا ۱۲ ۶؎ اخلاق باطن ۱۲ ۷؎ یعنی خدائے تعالیٰ نے ۱۲ ۸؎ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

بنیاد شرک و کفر و ضلالت کی ہل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزلِ مقصود مل گئی

کیا عقل تھی جناب رسالت مآب کی
تدبیر سوچتے تھے مگر فتح باب کی
شرمندہ جس کے آگے ضیا آفتاب کی
آخر کو راہ ڈھونڈھ نکالی صواب کی
وہ گمرہی وہ خوئے جہالت نکل گئی
تھوڑے دنوں میں ملک کی حالت بدل گئی

ہر چند اُن کو ذات خدا کی پناہ تھی
تدبیر صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی
پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
جو دوسروں کی راہ ہو وہ اُن کی راہ تھی
تقصیر کب درست ہو تدبیر کار میں
ہم اُن کے سامنے ہیں بھلا کس شمار میں

جاگو کہ شرط بادہ کے مردوں سے سو چکے
جو کچھ تمہیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے
خارِ قنوط[1] راہِ تمنا میں بو چکے
سُن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے
قسمت میں قوم کی ہو لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

جو لوگ ہیں سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ مند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند
کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب[2] پند
مت ہو لذائذِ حیوانی کے پائے بند
میری [illegible] سنبھال کر
غفلت کبھی نہ کیجیو زنہار[3] بھول کر

[1] ناامیدی ۱۲۔ [2] حاصل کرنا ۱۲ [3] ہرا ۱۲

کی پرستش کو قایم کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ دینی دشمنی کے سبب طرح طرح پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو زبانی ایذائیں دیتے اور کہتے دیوانہ ہی جھوٹا ہی شاعر ہی۔ ہیں کہیں مرزا ارشد اور الطاف حسین حالی
ان صاحبوں کے واسطے شاعری سرمایۂ ناز ہو۔ مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے یہ خطاب باعث
عزت نہ تھا۔ بلکہ اُن کو تو عالم ہونا بھی موجب عار و منقصت تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اُمی تھے۔ اگر وہ ایم۔ اے یا ایل ایل ڈی کی ڈگری رکھتے ہوتے تو لوگ کہتے کہ پڑھا ہوا اپنے خیالات
ظاہر کر رہا ہی۔ زبانی تکلیفوں کے سوا گستاخی۔ بیہودگی۔ بے ادبی اس درجے کی تھی کہ کفار نے ایک
دفعہ سجدہ کی حالت میں اونٹ کا اوجھ گردن مبارک پر ڈال دیا بوجھ سے اُٹھ نہ سکے حضرت فاطمۃ الزہرا
نے آن کر اُٹھایا۔ کافران بے دین راہ میں کانٹے بچھا دیتے کہ آتے جاتے پاے مبارک میں چُبھیں۔
آتش عداوت یہاں تک بھڑکی کہ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہلاک کرنے کے درپے
ہو کر قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔ اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے رفقا اور انصار پر
عرصۂ زیست کو تنگ کر دیا۔ ناچار سب نے گھر بار جائداد سب کچھ چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کی جس کو
ہجرت کہتے ہیں۔ لڑائی کی آگ کا قاعدہ ہی کہ لگی اور بھڑکی اور بھڑکی اور
پھیلی۔ اس طرح پر اسلام کو معرکے پیش آئے۔ اسلام کو اگر درخت سے تشبیہ دیں تو وہ ایسا درخت
ہی کہ تلواروں کی چھاؤں میں اُس کا نشو و نما ہوا اور آدمیوں کے خون نے اُس کے لیے پانی کا
کام دیا۔ اسلام خدا کی خالص اور بے لاگ ولپیٹ توحید کی وجہ سے یوں بھی بت پرستوں اور
مشرکوں یعنی دنیا کے تمام لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ لڑائیوں کی وجہ سے اور بھی مبغوض
ہو گیا۔ سلطنت اسلام کے قائم ہو جانے کے بعد مسلمان بادشاہوں نے اشاعت اسلام کو
توسیع ملک کا حیلہ ٹھہرایا۔ یہ روداد مخالفین اسلام کے لیے حجت ہو گئی اور حجت ہونے کی بات بھی
تھی کہ بھلا بھی کوئی مذہب ہی جو ہیکڑی اور زبردستی اور دھینگا مشتی سے لوگوں کے دلوں میں
اس طرح اُتار اگیا جیسے کڑوی دوا بچوں کے گلے میں۔ جو شخص واقعات تاریخی کی تکذیب پر دلیر

۱؎ کی مرتبت ۱۲ ۲؎ زندگی ۱۲۔

اپنا مسلک تو یہ ہو کہ بے شک جہاں تک اسلام کو ہندوستان کے ساتھ تعلق ہو وہ ایسا ہی مذہب ہو بلکہ یوں کہو کہ تھا۔ جیساکہ اُس کے مخالف کہتے ہیں کہ جبر و اکراہ کے ساتھ اُس کی اشاعت ہوئی مگر اس سے نفس اسلام پر کوئی الزام کیوں آنے لگا۔ الزام اگر ہو تو اُن لوگوں پر ہو جنہوں نے جبر و اکراہ کے ساتھ اس کی اشاعت کی۔ اگر کسی مدرسے کا ایک احمق لڑکا ایسی بدیہی بات نہ سمجھے کہ مثلث کے دو ضلعوں کا مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہے۔ لیکن جب پوچھا جائے تو ماسٹر کے ڈر سے کہہ دیا کرے کہ ہاں ہوتا تو ہے۔ اس صورت میں ماسٹر قصوروار ہے کہ اُس نے لڑکوں پر اپنی ہیبت ناجائز حد تک بٹھا رکھی ہے۔ یا لڑکا قصوروار ہے۔ کہ ڈرپوک اور دل کا بودا ہے کہ نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ ہاں سمجھ گیا۔ لیکن اصل مسئلہ کہ مثلث کے دو ضلعوں کا مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہے ہر حالت میں صحیح ہے۔ بعینہٖ یہی حال ہے اسلام کا۔ کسی نے اس کو طوعاً تسلیم کیا تو۔ اور کرہاً تسلیم کیا تو۔ وہ فی حد ذاتہٖ مذہب صحیح تھا۔ اور ہے اور رہے گا۔ ہاں تو میں اس بات کو مانتا ہوں وَلَا یَتَخَلَّجُ فِیْ صَدْرِیْ مِنْہُ شَیْءٌ کہ اسلام کو متقدمین مسلمانوں نے زبردستی سے ہندوستان میں پھیلایا۔ مسلمان ہرگز ہندوستان میں مہمان نہ تھے۔ جیساکہ الطاف حسین حالی نے شکوۂ ہند میں لکھا ہے۔ بلکہ غاصب اور دخیل بے جا سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان کے باشندوں یعنی ہندوؤں نے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی سوسائٹی میں ایڈمٹ نہیں کیا۔ اور نہ انہیں اپنا مہمان سمجھا۔ نہ ان کے ہاتھ کا چھوا کھانا کھایا نہ پانی پیا۔ شادی بیاہ کا تو کیا مذکور ہے۔ پس مسلمان اگر مہمان تھے بھی تو مہمان ناخواندہ۔ غرض ہند و مسلمانوں میں جو بگاڑ شروع شروع میں پیدا ہو گیا تھا کسی زمانے میں کم نہ ہوا۔ اکبر نے ہندو مسلمانوں میں ربط و ضبط پیدا کرنے کی کچھ کوشش کی تھی مگر فریقین کی طرف سے وہ ایک شخصی سی بات تھی بے ثبات۔ شاید اُس کی تدبیر کے مرہم سے زخم اختلاف کچھ بھر چلا ہو تو اُس کے بعد ٹانکے ٹوٹ ٹاٹ کر وہ گھاؤ پہلے سے بھی بدتر ہو گیا۔ اور جب فساد زخم تمام ہندوستان میں پھیل گیا تو پولیٹکل سرجری کے

۱ھ میرے سینے میں اُس کی طرف سے کچھ بھی نہیں کھٹکتا ۱۲ ۲ھ چھین لینے والے ۱۲ ۳ھ شامل ۱۲ ۴ھ جراحی متعلق سیاست مدن ۱۲۔

قاعدے سے قطعِ عضوِ فاسد لازم آیا یعنے انتزاعِ سلطنت۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اصولِ اسلام ایسے عمدہ اور سلیس اور عام فہم اور ہر دلعزیز اصول ہیں کہ اِن کے ماننے والے یعنی مسلمان دنیا میں بہت زیادہ ہونے چاہئیں۔ سب سے بڑی خوبی جو اسلام میں ہی یہ ہی۔ کہ اس میں تکلّف نہیں۔ تصنّع نہیں۔ ادّعا نہیں۔ طلبِ محال نہیں۔ تکلیف مالا یطاق نہیں۔ کسی طرح کا اشکال نہیں۔

بڑے اصول مذہب کے تین ہیں۔

اوّل توحید۔ دوّم رسالت۔ سوّم احکام یعنے اوامر اور نواہی۔

جن وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کا ہونا ضروری ہی۔ اُن ہی وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ہی۔ قرآن شریف میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر ہی کہ کس طرح سے اُنہوں نے توحید کا سراغ لگایا۔ موجودات میں سے ادنیٰ قسم جمادات ہیں کہ جو حرکت بالارادہ نہیں کرسکتے۔ اس سے آگے نباتات کا درجہ ہی مثل گھاس و روئیدگی و درخت۔ اِن میں نمو ہی۔ مگر حرکت پر قادر نہیں۔ ہوا کا جھکولا آیا تو ہل گئے ورنہ کھڑے ہیں۔ اِن میں اور جمادات میں صرف بالیدگی کا فرق ہی۔ بعدۂ حیوانات جو اپنے ارادے سے نقل و حرکت کرتے ہیں جن میں سب سے اعلیٰ درجہ انسان کا ہی۔ انسان میں سب باتیں مثل دوسرے جانوروں کے ہیں۔ مگر اس کو فضیلت ہی بسبب عقل کے جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہی۔ ہندؤں کو ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ جانور۔ آگ۔ تلسی۔ پیپل کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ گویا انسان سب سے بدتر ہی۔ اسلام انسان کو کیا سکھاتا ہی کہ دنیا میں سب چیزیں مجھ سے کم ہیں۔ اگر خدا دنیا میں ہوتا تو میں ہی ہوتا۔ انسان اشرف المخلوقات تھا اور اس کی حالت اِس شرافت کی مقتضی تھی لیکن اس شرافت پر انسان کو اسلام نے جمایا اور اس اعتبار سے تمام بنی نوع انسان کی گردن پر اسلام کا¹ حق ہی۔ مگر ہندو دھرم نے انسان کو سب سے بدتر بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

¹ جس کی برداشت نہ ہوسکے ۱۲۔

یہ احکام ہیں از قسم محالات۔ احکام اسلام ایسے ہیں کہ جن پر ہم عمل کر سکتے ہیں۔ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (بدی کی جزا اسی طرح کی سزا۔ اگر کوئی معاف کرے اُس کا اجر اللہ پر) یہ ہی وہ حکم جو فطرت انسانی سے ملتا ہی اور جس کو دل مان لیتا ہی اور جو منفور و ر لبشر ہی۔

عیسائی مذہب عیسوی کا ایک مسئلہ کفارہ ہی وہ کہتے ہیں کہ خدا میں دو صفتیں متناقض[۵] کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔ عدل اور رحم۔ عیسائی کہتے ہیں کہ خدا مجبور ہو گیا ہی اگر کسی کو معاف کرے نہیں کر سکتا مگر فطرت انسانی کیا گواہی دیتی ہی۔ اگر بندے سے کوئی گناہ ہو جاوے تو سوا توبہ اور استغفار کے کیا کرتا ہی عیسائی خدا کی ذات میں عدالت اور نصفت کو یوں جمع کرتے ہیں کہ خدا نے حضرت مسیح بن کر ذلتیں اور مصیبتیں جھیلیں اور یوں گنہگاروں کی سزا کو خود بھگت کر عدل اور رحم دونوں کو پورا کیا۔ جیسے ہمارے معزز دوست محمد برکت علی خاں صاحب کسی مجرم پر جرمانہ کریں اور اپنے پاس سے بھر دیں اس کو توبہ سے ملا کر دیکھو۔ اب میں رسالت کے لحاظ سے دکھانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں کر عرب کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ انسان کے تمام کام معلل[۵] بالغرض ہوتے ہیں۔ کوئی سفر کو جاتا ہی کسی سے ملنے کے واسطے کبھی جوتا ہی [illegible] کے واسطے۔ اگر پیغمبر صاحب نے دعوی رسالت کیا تو کوئی مطلب تو ہو گا آیا وہ غرض یہ تھی کہ میں بادشاہ ہوں میں بھی اَحَدٌ مِّنَ الْمُلُوْک ہو جاؤں یہ احتمال بالکل غلط ہی اس لئے برخلاف آپ نہایت متواضع۔ نہایت منکسر المزاج تھے۔ ایک دفعہ صحابہ جمع ہوئے۔ حضرت کو دیکھا کہ کھرے بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں اور تیلیوں کے نشان پسلیوں پر نمایاں ہیں۔ اصحاب نے عرض کی یا حضرت اگر آپ بوریئے پر کپڑا ڈال لیا کریں تو کیا اس میں کچھ حرج ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تنعم[۵] نہیں چاہتا۔ دعوی رسالت کا دوسرا باعث شاید یہ کہ مجھ کو لوگ معتقد ہیں

---

[۵] دیکھو سورۂ حٰم ۱۲ [۵] ایک دوسرے کی نقیض ۱۲ [۵] یعنی ہر ایک کام کی علت کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہی ۱۲۔ [۵] من جملہ بادشاہوں کے ایک ۱۱ [۵] عیش ۱۲

نہیں - جیسے بعض شیوخ اور ریاکار عالموں کا حال ہوتا ہے - لیکن آپ نے فرمایا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں - تم میں اور مجھ میں اگر فرق ہے تو صرف اس قدر ہے کہ یُوحیٰ اِلَیَّ (مجھ پر خدا کی وحی آتی ہے) جو میرے اختیار کی چیز نہیں - پھر فرماتے تھے لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ (اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائی سمیٹ لیتا اور مجھے کوئی اتفاق بد پیش نہ آتا)

کوئی شخص پیشوایان دین میں سے ہے جو اس نے کیے - پھر اس سیدھے سادے منکسر متواضع نبی کے اس کہنے کو دیکھو مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ (مجھ کو بھی خبر نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ معلوم کہ تمھارے ساتھ کیا ہوگا) کفار کے جواب میں فرماتے - اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ - کے اختیار میں ہیں کفار کہتے چشمہ بہاؤ یا کوئی انگور کا باغ لگاؤ جیسے عرب کی نگاہ میں ہیں اس میں نہریں بہاؤ - ایک سونے چاندی کا محل بناؤ کوئی عجیب بات ہم کو دکھاؤ اور تم تو ہم کو ڈرایا کرتے تھے کہ آسمان پھٹ پڑے گا - اب آسمان سے پتھر برساؤ یا اللہ اور اس کا لشکر ملائکہ دکھاؤ - ان سب باتوں کا آپ جواب دیتے کہ میں کسی اختیار اور تصرف کا دعویٰ ہی نہیں کرتا پھر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نسل کے لیے آمدنی کا کوئی ذریعہ قائم نہیں ہونے دیا - انھوں نے آمدنی کے تمام ابواب اپنی نسل پر بند کیے - آل ہاشم پر صدقہ اور خیرات اور زکوٰۃ کو ابداً حرام کر دیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر مال تقسیم کر رہے تھے امام حسین علیہ السلام اُن دنوں بچے تھے ایک کھجور کے منہ میں ڈال لی - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی سے نکال کر پھینک دی اور فرمایا کہ صدقات لوگوں کے مال کا میل ہیں - جن کو خدا نے میری اولاد پر حرام کیا ہے - غرض سب سے بڑی خوبی اسلام میں یہ ہے کہ اس میں تکلیف نہیں طلب محال نہیں تصنع نہیں اس مطلب کو اگرچہ میں زیادہ نہ بیان کر سکا تاہم مختصراً بیان کر دیا - اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ اسلام آہن دل انسان کے لیے مقناطیس ہے -

سلہ ۵ خزانہ ۱۲ ۵۲ بناوٹ ۱۲ -

جہاں ایک پادری کھڑا ہوا مذہب کی منادی نہ کر رہا ہو۔ ع
بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

لوگ ہیں کہ بیہودہ کٹھ حجتیاں کر رہے ہیں سخت درشت کہتے ہیں۔ تمسخر و استہزا سے بھی پیش آتے ہیں۔ مگر پرچیز ہی کہ ملول ہوتا نہ بُرا مانتا نہ گالی کا جواب گالی دیتا ہی۔ کیا کوئی پادریوں کی ریس کرے گا۔ یہ لوگ جان پر کھیل کر افریقہ اور چین اور تبت اور جزائر دور دست جیسے وحشی اور جنگلی اور نامنتظم و خطرناک مقامات میں جانے کی بھی ذرا پروا نہیں کرتے۔ گرفتار ہوتے مارے جاتے۔ ناموافقت آب و ہوا سے ہلاک ہوتے ہیں مگر ہمت نہیں ہارتے۔ غرض مذہب کے پھیلانے اور رواج دینے میں کسی وضع خاص کے پابند نہیں۔ جس ڈھنگ سے سینگ سماتے دیکھے گھس پڑے۔ جیسے کہ ایک شکاری شکار کو گیا اونٹ بھی تھا اور راوٹی بھی تھی ترشح ہونے لگا لوگ راوٹی میں گھس بیٹھے اونٹ نے بھی راوٹی میں سر رکھنے کے لئے جگہ مانگی اور آخر کار ساری راوٹی میں وہی وہی تھا۔ وہ کسی شان میں ہوں۔ دل جوئی استمالت[3] و تالیف قلوب ہر پیرایے میں ضرور۔ ڈاکٹر بن کر بیماروں کو دوا دیں۔ علاج کریں۔ سوداگروں کے بھیس میں مال تجارت ہلکے داموں پر بیچ دیں۔ وحشیوں کو آئینے اور جھوٹے موتی اور کھلونے دکھا کر خوش کریں۔ اور زنان خانوں میں عورتوں کو لکھنا پڑھنا۔ سینا پرونا سکھائیں۔ دائیوں کی طرح بچے جنوائیں۔ یہ ہیں چند نمونے ان لوگوں کی کوششوں کے جن کو اپنی قومی سلطنت کے ہوتے کسی کوشش کی ضرورت نہیں۔ اب ہم کو اپنی جگہ آپ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے لئے بھی کبھی کوئی اس قسم کی تدبیر کی گئی ہی ہرگز نہیں! یہ سچ ہی کہ ہمارے ہاں وعظ کا دستور ابتدا سے ہی مگر جس طرح ہمارے اور پادریوں کے وعظ کے طریقے مختلف ہیں۔ اغراض بھی مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں کے عالم اکثر اپنی مسجدوں میں وعظ کہتے ہیں اور اُن کی اصلی غرض یہ ہوتی ہی کہ مسلمانوں کو احکام مذہب سے آگاہ کیا جائے۔ جب کہ پادری دوسروں کو کنورٹ کرنے کے لئے، گلی گلی کوچہ کوچہ وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ پادریوں کی دیکھا دیکھی چند روز سے مسلمانوں نے بھی کہیں کہیں

۱ واعظ ۱۲ ۲ دل جوئی ۱۲ ۳ نومسائی ۱۲

پرہیز کرتے اس وجہ سے کہ یہود کے یہاں اونٹ کا گوشت حرام ہو چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُبِينٌ۔ میرے ایک دوست شیعہ سے سُنّی ہو گئے۔ اور اُنھوں نے اپنے خاندان کے
لوگوں کو مباحثہ و مناظرہ سے سُنی ہونے کی ترغیب دی۔ ایک بی بی کو سب طرف سے بند کیا
تو انھوں نے کہا تو کیا کہا کہ بیٹے میں سُنی تو ہو جاؤں مگر مجھ کو اِن موؤں کے لیے اصحابِ ثلاثہ کے
نام ہی بُرے لگتے ہیں۔ ہاں تو غرض یہ ہو کہ میں مذہب کو متوارث سمجھتا ہوں۔ پھر انسان کے
معاملات میں سب سے زیادہ عجیب مذہب ہی۔ اِس سے بڑھ کر عجیب بات اور کیا ہوگی کہ
منزلِ مقصود سب کی ایک اور راستے دیکھو تو پورب پچھم کا اختلاف۔ اس پر طرہ یہ کہ سرگرمی اور
اِس بات کا اذعان کہ جس رستے پر میں چل رہا ہوں بس وہی ٹھیک ہو اور دل کی تسلی تمام
اہل مذاہب میں یکساں۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

بگوش گل چہ گفتہ کہ خندان ست	بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

دنیا کے اعتبار سے دیکھو تو کسی فرقے کو فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ نہ مزیت ہو۔ نہ فوقیت۔ نہ فضیلت۔
نہ خصوصیت۔ توالد تناسل صحت و مرض۔ تونگری و افلاس رنج اور خوشی۔ نیکی اور بدی۔
موت و حیات کیا چیز ہی جو ایک مذہب والوں میں ہو۔ اور دوسروں میں نہیں۔ اور واقع
میں یہی بے خصوصیتی اختلافِ مذہب کو رفع نہیں ہونے دیتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ خود
فرماتا ہی۔ وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ

لہ اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہی ۱۲ —
لہ موروثی ۱۲ لہ ہر ایک گروہ اپنے حال میں خوش ہی ۱۲ لہ تمام چیزوں سے کسی چیز میں ۱۲ لہ اگر یہ بات نہ ہوتی
کہ سارے آدمی ایک اُمت ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والے کے گھر کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور
سیڑھیاں چاندی کی کہ اُن پر چڑھیں اور اُن کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت کہ اُن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں۔ اور
سونا اور نہیں یہ سب کچھ مگر دنیا کی زندگی کا سامان اور آخرت تیرے رب کے پاس ڈرنے والوں کے واسطے ہی ۱۲ —

مہیا ہوں۔ سو ہیں۔ مال بھی عمدہ ہو وہ بھی ہے۔ ارزاں ہو ارزاں بھی ہے۔ چیزیں عمدہ طرح پر
سجائی گئی ہوں۔ خریداروں کے ساتھ ہمارا برتاؤ رفق و نرمی کے ساتھ ہو۔ بس ان دو باتوں
میں کمی ہے۔ اور ان ہی دو باتوں کی طرف میں عام مسلمانوں کو اور خاص کر ممبران انجمن حمایت
اسلام کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے مذہبی احکام جن کو میں نے مال تجارت سے تشبیہ دی
فی حد ذاتہا نہایت عمدہ ہیں مگر ہم مسلمان ان کو ایسے طور پر عمل میں نہیں لاتے کہ ان کی عمدگی
ظاہر ہو۔ اور لوگ اسلام کو نظر استحسان سے دیکھیں۔ آپ صاحب مجھ کو اس بات کے کہنے سے
معاف رکھیں گے کہ انجمن حمایت اسلام اپنے پندار میں ایسا خیال کرتی ہے کہ اسلام کو خارج
کی طرف سے خطر ہے۔ وہ ڈرتی ہے کہ ایسا نہ ہو جس طرح عیسائیوں نے مسلمانوں کی سلطنت دبا لی
کہیں مذہب پر بھی دست درازی نہ کریں۔ اور میرا یہ حال ہے کہ میں خارج کی طرف سے بالکل مطمئن
ہوں۔ اس سے کہ پادریوں نے دو چار لاوارث بچے لے جا کر عیسائی کر ڈالے۔ اسلام کا ان شاء اللہ
بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ میں آپ صاحبوں سے سچ کہتا ہوں کہ اسلام کو جو کچھ خطر ہے ہم ہی
مسلمانوں سے ہے جو اس کے نام لیوا ہیں ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم	کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اسلام کوئی شے منفرد موجود فی الخارج نہیں۔ بلکہ ہم مسلمانوں کے اطوار و عادات و معاملات و معتقدات و اقوال
و افعال کا نام ہے۔ اسلام کی حمایت حفاظت تائید ہمدردی یا جو کچھ کہو سب کا بہترین پیرایہ یہ ہے کہ مسلمانوں
کی اصلاح کی جائے۔ سب سے زیادہ ضروری اور سب مقدم تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں صلح کاری
اور سازگاری کی صفت پیدا کی جائے نہ صرف آپس میں بلکہ دوسری قوموں کے ساتھ
مسلمانوں کی پہلی کارروائیوں نے دوسری قوموں کے ذہن نشین کر دیا ہے۔ کہ مسلمان دوسری
قوموں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھ نہیں سکتے جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا۔ ہم نے شل
اور فرماں روا قوموں کے استمالت قلوب کی پروا نہیں کی۔ جب تک گھر کی حکومت رہی اس

؎ یعنی کوئی چیز علیحدہ جو آنکھوں سے دکھائی دے ۱۲۔

جو دو متناقص حالتیں مغلوبیت و غلبہ اور عُسر و لیُسر کی گزریں ہونہ ہو اس میں یہ حکمت مضمر رہی ہوگی کہ مسلمانوں کو ملائم و ناملائم ہر طرح کی صورت میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ دکھا دیا جائے مسلمانوں کو دوسری قوموں پر کسی طرح کی تعدی کرنے کی قدرت تو باقی نہیں لیکن ان کے برتاؤ میں جتنی اور جیسی چاہئیے سازگاری بھی نہیں۔ جو لوگ ہم میں کے عوام ہیں اُن کو ہندوؤں سے بڑھ بیٹنے کے لیئے ایک ادنیٰ سا بہانہ بس کرتا ہی۔ رہے عیسائی معلوم ہی کہ وقت کے حاکم دولت اور عزت کے منبع ہیں اَور کچھ نہیں تو اُن کے ساتھ مذہبی مباحثے میں وہ احتیاط جس کا پاس ایک قوم مغلوب کو ہمہ وقت ہونا چاہئیے ضرور فوت ہو جاتی ہی۔ اور اُس کے ساتھ وہ دنیاوی منفعتیں بھی ضرور فوت ہوتی ہیں یا اُن کے فوت ہونے کا ضرور خطر ہی جن کے لیئے خدا نے ہم کو عیسائیوں کا دست نگر بنا دیا ہی۔ کوئی ہی ایسا ضابطہ کہ مذہبی مخالفت کو پرخاش اور ضد اور بے اعتقادی کی حد تک منجر نہ ہونے دے۔ ذرا اپنے نفس کا احتساب کرو اور خدا کے لیئے دریا میں رہ کر مگر مچھ کو مت دشمن بناؤ چمن دنیا میں بہت دن خار بن کر رہ چکے۔ اب گُل ہو کر رہو۔ تم کو یقین آئے یا نہ آئے۔ اگر یقین کروگے تو مجھے کیا بخش دوگے فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰہُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰکُمْ اور اگر یقین نہ کروگے تو مجھ سے کیا چھین لوگے۔ میں سچے دل سے تم سب کے روبرو کہتا ہوں کہ میں خدا کے فضل سے مسلمان ہوں۔ بلکہ کسی قدر متعصب مسلمان۔ یہاں تک کہ میں خود انگریزی بوٹ کا پہننا بھی پسند نہیں کرتا ہر چند جانتا ہوں کہ لباس کو مذہب میں کچھ دخل نہیں۔ مگر میں نے کہا کہ مجھ میں تھوڑا سا تعصب ہی۔ میرا مزاج خلقۃً کنسروِٹِو واقع ہوا ہی باایں ہمہ میں مسلمانوں کے فائدے کی نظر سے باصرار کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو جتنی اجنبیت اور وحشت اور نفرت نصاریٰ سے ہی مصلحت وقت کے خلاف ہی۔ اس زمانے کے نصاریٰ وہی نصاریٰ ہیں جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ وہی عقائد ہیں۔ وہی مسئلے ہیں۔ ان ہی کی نسبت خدا فرماتا ہی

ـــــــــــــــــــ

۵۱۔ مخفی ۱۲۔ ۵۲ سرچشمہ ۱۲۔ ۵۳ یعنے اُس کی طرف متجاوز نہ ہونے دے ۱۲ ۵۴ باز پرس ۱۲

۵۵ جو کچھ مجھ کو اللہ نے دیا ہی وہ اُس سے بہتر ہی جو تم کو دیا ہی ۱۲

۵۶ فطرت ناپسند ۱۲

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ
مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؎ تو خدا کا فرمودہ ہی اُن وقتوں کا کہ اسلام بر سر عروج تھا اور
دوسرے قوموں کی دوستی اور دشمنی دونوں سے مستغنی۔ اب ہمارے برتاؤ کو دیکھو تو ہم نے اَبَاعِد ؎ کو
اقارب بنا رکھا ہی اور اقارب کو اَبَاعِد اور کس حال میں کہ ہم محتاج ہیں اور نصاریٰ محتاج الیہ۔
ہم محکوم ہیں اور نصاریٰ حاکم عقل رکھتے ہو۔ شعور رکھتے ہو۔ سود و زیاں میں تمیز کرنے کی سمجھ
رکھتے ہو ۵

	من نگویم کہ ایں مکن آں کن		مصلحت بیں و کار آساں ؎	

اگر ہم کو سوسائٹی کی ضرورت ہی تو اس کی بھی ضرورت ہی کہ ہم اُس سوسائٹی سے جہاں تک ممکن
ہو پورا پورا فائدہ حاصل کریں۔ لیکن جب سوسائٹی کے خیالات ہماری نسبت یہ ہوں کہ ہم کو
ڈیبیکئے۔ مغرور۔ بر خود غلط۔ سرکش۔ تُرتے۔ سیکڑی باز۔ لڑنے کو موجود۔ جھگڑنے کو تیار خیال کرتے
ہوں تو بس معلوم ہوا کہ ہم کو سوسائٹی کی منفعتیں بتمامہا حاصل نہیں۔ میرے خاندان میں دکانیں
اور مکانات کی قسم سے کچھ جائداد ہی ہم لوگ ہمیشہ ہندو کرایہ دار کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیوں کہ اُس سے
کرایہ پورا پورا اور فی الوقت وصول ہو جاتا ہی۔ مجھے ایک بندوبست کے مسلمان ڈپٹی کلکٹر کا حال معلوم
ہی کہ ان کی کچہری میں ادنیٰ درجے کی محرری خالی ہوتی تو اکثر ابدًا ؎ کر ہندو کو رکھتے اس خیال سے
کہ ہندو ڈر کر کام کرتا ہی۔ محنت سے جان نہیں چُراتا۔ میں نے بجائے خود آزمایا تو اُن کا خیال
صحیح تھا۔ مہاجن لوگ تقاضے کے لئے اکثر مسلمان پیادوں کو رکھتے ہیں۔ کیوں کہ جانتے ہیں
کہ مسلمان سخت گیر ہوتے ہیں۔ حد خود داری تک تو ان باتوں کا مضایقہ نہیں۔ اِس سے
زیادہ میرے نزدیک داخلِ عیب ہی اور مِنْ حَیْثُ الْمُعَاشَرَۃِ ؎ خود مسلمانوں کے حق میں مضر
سخت مضر۔ غرض جہاں تک مسلمان دوسری قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

۵۱ تو سخت دشمن مومنوں کا یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا۔ دوستی میں بہت قریب ایمان والوں کا اُن کو پائے گا جو
اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ۱۲ ۵۲ یعنی دور کے لوگوں کو قریب سمجھا اور قریب کے لوگوں کو دور ۵۳ قصداً اور عمداً

ہوگئے جب۔ حضرت کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا آپ ہمیشہ سہولت کا پہلو اختیار کرتے حضرت
انس رضؓ کہتے ہیں۔ میں نے دس برس خدمت کی کبھی کسی بات پر مجھ کو ملامت کی ہی نہیں گھر میں
جو کچھ پکتا خوشی سے کھا لیتے اور نہ بھاتا تو مونھ سے کھانے کو بُرا نہ کہتے حطیمِ[۱] کعبہ کو صرف اس وجہ
سے داخل کعبہ نہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ نئی بات سمجھ کر تکرار کریں غرض سب باتوں میں نرمی تھی۔
اور نہیں تھی تو توحید کے بارے میں۔ فتح بدر کے بعد لڑکیاں شادیانے گانے لگیں۔ آپ خاموش
لیٹے ہوئے سُنا کیے۔ جب اُنھوں نے کہا کہ ہم میں پیغمبر غیب داں ہے جھٹ آپ نے روکا۔ صحابہ رضؓ نے
چاہا کہ فارس کے قاعدے کے مطابق تعظیماً سجدہ کریں منع فرمایا بلکہ لوگوں کے کھڑے ہونے سے بھی ناخوش
ہوتے تھے۔ اس خیال سے کہ مبادا میرے پیچھے لوگ پرستش کرنے لگیں وصیت کی کہ میری قبر زمین دوز
بنانا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک زندہ رہے توحید کی رخنہ بندیوں میں لگے رہے اب اُسی خدا پرست پیغمبر کی امت
کو دیکھتے ہیں۔ قبر پرست۔ پیر پرست تعزیہ پرست۔ رسم پرست۔ اوہام پرست۔ تدبیر پرست خواہش پرست
یعنی روزمرہ کی حاجتوں میں تو ہم کو اس کی ضرورت پڑتی نہیں کہ بیٹھے بٹھائے خدا کو تکلیف دیں اولاد
نوکری۔ تن درستی۔ دوستی۔ دشمنی۔ ہار جیت۔ میں نہیں سمجھتا کون سا مطلب ہے جو خدا کے بدون
اٹکا ہے۔ اور اُس کو کوئی نہ کوئی زندہ یا مردہ سالک[۲] یا مجذوب[۳] فقیر پورا نہ کر سکے۔ یوں تو اپنے ذہن کو
اپنے مونھ سے کوئی کیوں کھٹا کہنے لگا۔ لیکن غیر ملک کے کسی ناواقف محض شخص کو آنے دو وہ ہندوؤں اور
مسلمانوں میں اگر فرق پائے گا تو اسی قدر کہ ہندو اپنے بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں اور مسلمان اپنے
بزرگوں کی۔ مسلمانوں کو توحید کے بارے میں متزلزل دیکھ کر میں ذرا بھی تعجب نہیں کرتا یہ عرصہ ہی
مَزَلَّةُ الْاَقْدَامِ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ لیکن البتہ تعجب کی
بات یہ ہے کہ وہی یا اُسی قسم کے افعال دوسری قوموں کا آدمی کرے تو مشرک اور مسلمان اس سے

[۱] خانۂ کعبہ کے پہلو میں ایک جگہ ہے جو اصل میں داخل کعبہ تھی اور اب کعبے سے خارج ہے مگر طواف میں اُس کو شامل کر لیا
جاتا ہے ۱۲ [۲] وہ درویش جس کے ہوش و حواس درست ہوں ۱۲ [۳] جو اپنے آپ میں نہ ہو ۱۲ [۴] قدموں کے پھسلنے
کی جگہ۔ [۵] اکثر ان میں اللہ کو مانتے بھی ہیں تو ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں ۱۲

بدتر سے بدتر بھی کرے پھر موحد کا موحد توحید کیا ہی۔ بی بی تمیز کا وضو ہی کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہیں تاویلیں جو مسلمانوں کے مونھ سے سنی ہیں وہ اسی قسم کی ہیں جو دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى یہاں کچھ لڑائی نہیں جھگڑا نہیں مباحثہ نہیں آپس کی بات ہی بحث کرنے پر آؤ تو کوئی بھی مجھ کو بند کر دے گا وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا لیکن معاملہ خدا کا ہی يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ

	با خدا و ند غیب داں نرود		ز درت از پیش سیہ رود با ما

تھوڑی دیر تعصب کو دور کرکے نظر انصاف سے دیکھو کہ عموماً مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں یا نہیں تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہی کہ پہلے اپنے ایمان کو تو ٹھیک کر لو تب ہی دوسروں کے پیچھے پڑنا

	تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو		رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو

مسلمان کہلانے بلکہ ہونے سے آدمی مومن نہیں ہو جاتا اور مومن ہوئے بغیر نجات نہیں یہ اسی طرح کی بات ہی

	آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا		بسکہ دشوار ہی ہر چیز کا آساں ہونا

میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے اسلام اور ایمان کا فرق ظاہر ہو گا قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پھر آپ ہی مومن کی شناخت بتاتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

[۱] یہ ہیں ہمارے شفیع اللہ کے پاس ان کو ہم صرف اسواسطے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بناویں ۱۲ [۲] اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہی ۱۲ [۳] آنکھوں کی چوری اور سینے کی چھپی باتوں کو جانتا ہی ۱۲ [۴] سیٹ ۱۲ [۵] کہا اعراب نے ایمان لائے ہم کہ نہیں ایمان لائے تم بلکہ کہو کہ اسلام لائے ہم اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہی ۱۲ [۶] ایمان والے وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک نہیں کیا۔ اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے کوشش کی سچے ایمان والے وہی ہیں

مانگا جاتا ہے۔ اور تمہارے دل سے نہیں نکلتا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ ایک دن ہوگا کہ زبردستی
سر پڑ کر ہارے کھا کر دینا چاہو گے اور نہیں لیا جائے گا۔ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ
یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ
یُنْجِیْهِ كَلَّا مگر یوں کہو کہ عاقبت اور عاقبت کی باتیں ہم کو افسانہ معلوم ہوتی ہیں اور ہم اگر مسلمان
ہیں تو ویسے ہی مسلمان ہیں جیسے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے اعراب کہ وہ کہتے تھے آمنّا اور خدا
فرماتا تھا لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خیر عاقبت سے قطع نظر
کرو تو دنیا ہی میں ہم کو کون سی بہتری ہو رہی ہے زوال سلطنت کا تو مجھے کبھی خیال بھی نہیں آتا اس بیہودہ بے تمیز
نا منتظم سلطنت سے تو ہم انگریزی عملداری میں بڑے ہی امن چین سے ہیں مجھ کو جس بات کا قلق ہے وہ
یہ ہے کہ ہم دوسری رعایا سے لیاقت میں خوش حالی میں۔ عزت میں۔ قربِ حکام میں بہتر نہ ہوں تو پسنڈی
اور پس ماندہ اور بدتر بھی نہ ہوں۔ وہ بھی تو مسلمان ہی تھے جنھوں نے اسلام کے بل بوتے پر ایک سلطنت
بنا کھڑی۔ اور ایک مسلمان ہم ہیں کہ سب کچھ کھو کھوا کر اب روٹیوں کے لالے پڑے ہیں۔ سوچنے کی بات
ہے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جو اُن وقتوں کے مسلمانوں میں تھی اور ہم آج کل کے مسلمانوں میں نہیں۔ میں بتاؤں۔
وہ ہمدردی اور اخوتِ اسلامی تھی۔ اُن لوگوں کا حال یہ تھا کہ کفار کے ہاتھوں سے تنگ آ کر جو مسلمان
پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں آ بسے مہاجرین کہلاتے تھے۔ یہ
لوگ نہایت بے سر و سامان تھے۔ کیوں کہ بھاگ اور چھپ کر آئے تھے یہاں تک کہ بعض کے تو رہنے
اور کھانے تک کا ٹھکانا نہ تھا۔ اگر مدینے کے لوگ جو انصار کہلاتے ہیں اس وجہ سے کہ انھوں نے
مصیبت کے وقت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے مہاجرین کی ہر طرح کی مدد کی تھی

۵۱ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۱۲ ۵۲ پسند کرے گا مجرم کہ کاش آج کے عذاب کے بدلے اپنے
بیٹے۔ بیوی بھائی۔ اپنے کنبے جن کو وہ پناہ دیتا تھا اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو فدیے میں دے دے اور
چھوٹ جائے۔ ہرگز نہ ہوگا ۱۲ ۵۳ نہیں ایمان لائے تم بلکہ کہو تم اسلام لائے ہم اور ابھی تمہارے دلوں
میں ایمان داخل نہیں ہوا ۱۲

خدا نخواستہ ہم جیسے تنہا خور۔[۱] تنگ چشم۔ خود غرض مسلمان سے ہوتے تو بچارے مہاجرین پردیسی مر،
فقر و فاقہ سے ہلاک ہو گئے ہوتے۔ لیکن انصار نے انہیں رہنے کو مکان دیئے۔ اپنے یہاں مہمان رکھے
مہمان نوازی کے قاعدے سے خاطر و مدارات کی۔ یہاں تک کہ انصار میں سے ایک شخص کے
پاس جاہلیت کے دستور کے مطابق متعدد بیبیاں تھیں انھوں نے ایک بی بی کو طلاق دے کر اپنے
بھائی مہاجر کا گھر آباد کرا دیا۔ پھر تمام انصار نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت
ہمارے بھائی مہاجر ٹھیرے پردیسی یہاں ان کی کوئی معاش نہیں۔ ہمارے باغات ہیں ان میں
اور ہم میں بانٹ دیجئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا نہیں تمہارے باغات تم کو مبارک بس اتنا
کافی ہے کہ ہم غریب الوطنوں کو محنت و مشقت میں شریک کر لو اور پیداوار میں حصہ بانٹ دیا کرو ایک بار مال غنیمت میں سے مہاجرین
کو حاجتمند دیکھ کر حضرتؐ نے کچھ زیادہ حصہ دے دیا۔ انصار میں سے بعض نوجوان آدمی اپنی جگہ
ناخوش سے ہوئے حضرتؐ کو خبر پہونچی۔ آپ نے انصار کو جمع کر کے اس کی وجہ سمجھائی اور فرمایا کیا تم
اس سے راضی نہیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول تمہارے حصے میں ہوں۔ تمام انصار یک زبان ہو کر
بول اٹھے کہ یا حضرتؐ ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں کہ ہمارے حصے کا مال بھی مہاجرین کو دیجئے۔ بھائیو
میں تم کو تو کچھ نہیں کہتا اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ[۲] مگر میں اپنے ایمان کو ان لوگوں کے ایمان سے
ملاتا ہوں۔ تو خدا کی قسم اسلام کا نام لیتے ہوئے مجھ کو شرم آتی ہے ۵

وائے بر من وائے بر انجام من	عار دارد کفر از اسلام من

غرض ان لوگوں میں اس درجہ اخوت اور یکجہتی[۳] تھی جس کے بوتے پر انھوں نے اسلامی
سلطنت قائم کی۔ اب اخوت کی جگہ لڑائی ہے۔ جھگڑا ہے۔ عداوت ہے۔ حسد ہے۔ جھوٹ ہے۔ بدخواہی
ہے۔ ایک کو ایک نہیں دیکھ سکتا۔ اگر زید کو پیٹ بھر کر روٹی مل گئی تو اس کے پڑوس والے فاقہ
کریں تو اس کی بلا سے اور بھوکے مریں تو اس کی بلا سے۔ اس کے پاس اگر دفع برد[۴] کا سامان ہے تو پھر

[۱] کنجوس بخیل ۱۲ [۲] خدا ہی خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ۱۲ [۳] بھائی بندی ۱۲ [۴] یعنی سردی کو دور کرنے کا سامان ۱۲۔

اِس کے ذہن میں نہیں گزرتا کہ اس کے ابنائے جنس کو بھی سردی کا احساس ہوتا ہی - اور
ان کو اگر کبڑا امیتسر نہیں آتا تو آگ اور دھوپ کے سہارے سے زندگی لبسر کرتے ہیں ۵۰

رات کو آگ اور دن کو دھوپ	بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی وَقِنَا[۵۱] رَبَّنَا عَذَابَ النَّار - قرونِ[۵۲] اولیٰ کے لوگوں میں بھی باہمی اختلاف
تھے - لیکن اِن اختلافات کی وجہ سے اُن کی اُخوتِ اسلامی میں خلل نہیں آتا تھا جیسے انگریزوں
کی ولایت میں پولیٹکل گروہ[۵۳] کنسرویٹو لبرل نیشنیسٹ سپرٹسٹ گلیڈسٹونین پارنلائٹ کہ ایک کی کاٹ میں
ایک لگا رہتا ہی - مگر نفسِ سلطنت پر سب جان دیتے ہیں - بعینہ ایسا ہی حال قرونِ اولیٰ کے
مسلمانوں کا تھا - لڑتے بھی تھے اور جھگڑتے بھی تھے - مگر سلطنت اسلام کی خیر خواہی میں سعی کا کوئی دقیقہ نہیں
اُٹھا رکھتے تھے - اب ہم لوگوں میں بھی بُرا یا بھلا اسلام تو ہی - مگر کائِن کاز یعنی غرض مشترک
کے رنگ میں نہیں - جس کو دیکھو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جُدی مسجد بنانے کی فکر میں ہی - مذہبی گروہ اتنے
نکل پڑے ہیں اور نکلتے چلے آتے ہیں کہ یہی اختلاف اسلام کے ضعیف کر دینے کو کافی ہی - دو
مولوی کسی جزوی مسئلے میں مختلف ہوئے - اور دو پارٹی[۵۴] بنے - اور لگا ایک دوسرے کی تکفیر[۵۵] کرنے
تو کس تہذیب کے ساتھ کہ جوتا اور لٹھ اور کتاب[۵۶] اور قبقاب اور نشتر فقیر در رگ امیر عجیب عجیب
ناموں کی کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں - اور اس کشمکش میں اسلام ہی کہ اُس کی مٹی خوار ہی -
یہی دیکھ کر میں نے تھوڑی دیر ہوئی کہا تھا اسلام کو خارج سے خوف نہیں جو خطر ہی داخل سے ہی -
پہلے تو لوگ کہا کرتے تھے انگریزی پڑھنے سے آدمی عیسائی ہو جاتا ہی - اب عیسائیت کا خدشہ تو
جاتا رہا - اس کی جگہ عام خیال یہ ہی کہ انگریزی تعلیم لا مذہبی سکھاتی ہی - یہ خیال پہلے خیال سے کہیں زیادہ
بے اصل ہی - میں اسلام اور عیسائیت اور انگریزی تینوں سے واقف ہوں اور بڑے وثوق کے

۵۱ اے رب ہمارے آگ کے عذاب سے بچا ۱۲ ۵۲ یعنی پیغمبر صاحب کے اصحاب اور اُن کے بعد تابعین اور اُن کے
بعد تبع تابعین ۱۲ ۵۳ یہ گروہ ہیں جن کی رائیں امور ملکی میں بعض بعض باتوں میں مختلف ہیں ۱۲ ۵۴ گروہ ۱۲ ۵۵ کافر
بنانا ۱۲ ۵۶ بڑا اسا تیر اہم تو اس کے معنی یہی سمجھتے ہیں مگر اس کے اصلی معنے مصنف کتاب سے معلوم ہونگے اور اسی طرح قبقاب

ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر فی الواقع انگریزی تعلیم سے اسلام کو مثلاً روپے میں دو آنے خدشہ ہی تو
عیسائیت کو اٹھارہ آنے۔ کروڑوں معجزات۔ ہزارہا تعجبات۔ آسمان۔ فرشتے۔ جنات۔
دوزخ۔ بہشت کیا ہی۔ جو عیسائیوں میں نہیں۔ تو اگر تعلیم انگریزی مذہب سے آزادی سکھاتی
ہوتی خود پادری کب اس کو جائز رکھتے انگریزوں میں مذہبی تعصب اس درجہ کا ہی کہ رومن والے[۱]
کیتھلک عقیدے کے لارڈ رپن گورنر جنرل مقرر ہوکر آئے تو ایک غل سا مچ گیا مسٹر بارنل نے
انجیل پر حلف لینے سے انکار کیا تو سب کے سب مارنے کو چلے۔ یوں مذہبی باتوں میں غفلت
اور سہل انکاری سبھی سے ہوتی ہی۔ مگر اس سے لامذہبی کا الزام عاید حال نہیں ہوتا یہ بات
البتہ غور کرنے کی ہی کہ اگر انگریزی تعلیم لامذہبی کی محرک نہیں تو انگریزی خوان متزلزل العقیدہ
کیوں ہوتے ہیں مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ[۲] اس بارے میں میرا خیال
یہ ہی کہ ہماری سوسائٹی کا قصور ہی اگر ہمارے گھروں میں مرد اور عورت مذہب کے پابند ہوں۔
اور بچے ماں باپ اور رشتہ داروں کو دین دارانہ زندگی کرتے ہوئے دیکھیں تو یہ بجائے خود
سب سے زیادہ مؤثر تعلیم ہی۔ انگریزی ہمارے بچوں کو لامذہب نہیں بناتی بلکہ اُن کو لامذہب
بناتے ہیں ہم اور ہمارے بُرے نمونے اور مذہب کے بارے میں ہماری بے اعتنائی[۳]۔
ہماری بے [illegible] دنیاوی علوم کے علاوہ علوم مذہبی کا بوجھ بچوں پر ڈالوگے۔ تو یقیناً
ہندوؤں سے بازی نہیں لے جا سکوگے میری قطعی رائے یہ تھی کہ تعلیم کے سلسلے سے تو مذہب
کو رکھو خارج اور سوسائٹی کی اصلاح کو بناؤ قائم مقام مگر کیا کریں رونا تو یہی ہی سوسائٹی ہی
کام کی نہیں۔ جب تک ایمان دار ماں باپ نہ ہوں اولاد کا سدھرنا معلوم۔ اسی غرض سے
انجمن حمایت اسلام نے مجبور بچوں کی دینی و دنیوی دونوں طرح کی تعلیم شروع کی ہی امید ہی
اس تدبیر سے ہمارے لڑکوں کے دین کی بھی پوری پوری حفاظت ہوگی اور دنیاوی علوم میں

[۱] یہ بھی عیسائی مذہب کا ایک گروہ ہی جس میں حضرت مریم کی بہت بڑی تعظیم ہی اور یہ لوگ تصویر پرست بھی ہیں۔
[۲] نہ اِدھر نہ اُدھر یعنی بلا کہ دھر ۱۲ [۳] بے پروائی ۱۲۔

بھی بھروسے کے ساتھ دوسری قوموں کا مقابلہ[1] کرسکیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ میری
اس رائے سے اختلاف کریں گے۔ مگر سوچ غور کر و اہل الرائے سے صلاح لو۔ اس کے بعد بھی اگر یہ رائے
ناپسند ٹھیرے مت ماننا۔ لیکن خدا کے لیئے کہیں ایسا نہ کرنا کہ کسی مولوی سے جا لگاؤ میرے نامۂ اعمال
میں کفر کے فتووں کی گنجایش نہیں۔ حقیقت میں میری بھی عجیب رائے ہی۔ سارے جہان سے
نرالی۔ جدھر دیکھو تعلیم تعلیم کا غل ہو رہا ہی۔ اور میں یہ سوچا کرتا ہوں کہ جس قدر تعلیم اس وقت تک
ہو چکی ہی وہ بھی ضرورت سے بہت زیادہ ہی۔ بات یہ ہی کہ ابھی تک میرے نزدیک تعلیم کے اصول
ہی ٹھیک نہیں ہوئے کچھ اس طرح کا خلط مبحث ہو رہا ہی کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس وقت
ساری تعلیم کا ماحصل ہی نوکری دیکھتا ہوں کہ ایک عالم نوکری کے خبط میں گرفتار ہی۔ جن کا پیشہ
نوکری ہی وہ اور جن کا پیشہ نوکری نہیں وہ۔ جن کو ضرورت ہی وہ اور جن کو ضرورت نہیں وہ۔ اور
جو اہل قلم کے خاندان سے ہیں وہ اور جو اہل قلم کے خاندان سے نہیں وہ۔ جو سوسائٹی میں شریف
سمجھے جاتے ہیں وہ اور جو شریف نہیں سمجھے جاتے وہ۔ جس کو دیکھو نوکری کے لیئے تیار ہو رہا ہی۔
الٰہی کیا نوکریاں آسمان سے برسیں گی یا زمین سے اُبلیں گی اور نہیں برسیں گی اور نہیں اُبلیں گی۔
تو یہ اتنی ساری مخلوقات جنھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اسی ارادے میں صرف کر دیا کیا
کر کے کھائیں گے۔ پس میرے نزدیک تعلیم کی رفتار جیسے زیادہ تیز ہو گئی ہی اس کو ذرا مدھم کیا جائے
جو لوگ دوسرے دوسرے پیشوں سے معاش پیدا کر سکتے ہیں اُن کو تعلیم کی ترغیب دینا ہرگز
قرین مصلحت نہیں۔ پھر اس تعلیم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ بس یہی ہی وہ چیز جو ہم کو درکار ہی بڑی
مکروہ غلطی ہی۔ انگریزی عملداری میں ایک سخت مشکل درپیش ہی کہ ہم کو بھی چار و ناچار ہاتھیوں
کے ساتھ گنے کھانے پڑتے ہیں۔ اہل یورپ کی ہنرمندی اور صناعی اور ایجاد ہم کو پنپنے نہیں دیتی
معاش کے جتنے کسب ہم کو یاد تھے مٹ گئے اور رہے سہے مٹتے چلے جاتے ہیں۔ بس امید
میں اتنی جان باقی ہی کہ اہل یورپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کی زمین کو اُٹھا کر ولایت
نہیں لے جا سکتے۔ اِن کے ساتھ کمپیٹ کرنا تو محال عقل ہی اتنا بھی ہو جائے کہ ہم اُن کی نقل و

[1] مقابلہ ۱۲

شید کرنے لگیں تو جانو کہ سب کچھ پایا۔ یہ ہونی چاہیئے غرض و غایت تعلیم مروجہ سے تو نتیجہ حاصل ہوا ہی
اور نہ حاصل ہوگا۔ اس کے لئے خاص گروہ لوگ منتخب ہونے چاہئیں جن کی طبیعتوں میں ان علوم و
فنون کے اخذ کرنے کی مناسبت پائی جائے۔ لیکن بہت باتیں بنانے سے کام نہیں نکلتا منصوبے
سوچنے والے تو میری طرح سیکڑوں ہیں کوئی کرنے والا بھی ہو۔ جانتے ہو کہ کرنا کیا چیز ہی کرنے کے
معنی ہیں کچھ دینا۔ فنڈ ہوں تو سب کچھ ہو۔ ایسے ایسے فنڈوں کی اوس سے جیسے تمہاری انجمن حمایت
اسلام کے پاس ہیں قوم کی پیاس بجھ چکی۔ ولایت سے استاد بلواؤ کلیں منگواؤ۔ ہونہار نوجوانوں کو ولایت
چلتا کرو کہ وہاں طرح طرح کے کام سیکھ کر آئیں اور یہاں آ کر ان کاموں کو پھیلائیں تب جاننا کہ قوم کے کچھ
دن پھرے۔ انجمن حمایت اسلام نے اگر ڈیڑھ دو درجن یتیموں کی پرورش کی یا آدھی درجن رانڈوں کی
تو خوب کیا بہت اچھا کیا۔ ممبر قابل ممدوح ہیں اور چندہ دینے والے مستحق شکرگزاری لیکن قوم کی
حالت اس قدر خستہ ہو رہی ہی کہ مجھے لاہور کا حال تو ٹھیک معلوم نہیں دہلی میں ہزارہا عورتیں ہیں شوہر موجود
اور وہ بیوہ سے بدتر۔ ہزارہا بچے ہیں ماں باپ دونوں زندہ اور وہ یتیموں سے بڑھ کر خوار مسلمانوں
میں سیکڑوں طرح کے عیب ہیں بے دینی ہی۔ بدعقلی ہی۔ ناعاقبت اندیشی ہی۔ تعصب ہی۔ بے ہنری ہی۔
جہالت ہی کاہلی ہی شیخی ہی۔ نالیاقتی ہی۔ بے حمیتی ہی اور مقدور ہی تو اسراف ہی۔ لیکن سارے عیب ایک
طرف اور اکیلی نفسی نفسی ایک طرف۔ جب تک یہ نفسی نفسی نہیں نکلے گی قوم نہ درست ہوئی ہی اور نہ درست
ہوگی۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں تو قومیت اٹھتی چلی جاتی ہی۔ سعدی علیہ الرحمہ نے ہمدردی کے مضمون کو کس
عمدگی سے ادا کیا ہی ؎

بنی آدم اعضای یکدیگر اند	کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضوہا را نماند قرار

بھلا یہ تو اعلیٰ درجے کی ہمدردی ہی کہ آدمی آدمی کا درد کرے۔ ہم کو یہ رتبہ کہاں نصیب۔ یہاں تو
اسلامی ہمدردی بھی اس قدر ضعیف اور مضمحل ہی کہ گویا نہیں۔ ہم میں سے اگر کسی کو فکر ہی بھی تو اپنی
پرداخت کی اس کو کوئی نہیں سمجھتا کہ جب تک قوم کی حالت درست نہ ہو شخصی حالت جیسی چاہیئے کبھی

بعد عمل کریں سُننے اور سوچنے اور عمل کرنے میں یقیناً اُس سے زیادہ وقت صرف ہوگا جو میں نے
یہاں آنے میں صرف کیا ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ جو میں واپس جانے میں صرف کروں گا -
بہرکیف میں آپ صاحبوں کا نہایت شکرگزار ہوں کہ آپ صاحبوں نے میرے بیان کو متوجہ
ہوکر سماعت فرمانے سے عزت دی اگرچہ اِس عزت کا کسی طرح مستحق نہ تھا اور اب کہ میری آمد و
رفت کا سلسلہ شروع ہوا ہی اُمید کرتا ہوں کہ ان شاءاللہ اگلے سال پھر ان ہی دنوں یا شاید کوئی
تقریب پیش آئے تو اس سے بھی پہلے مجھ کو پھر آپ صاحبوں کی ملاقات کی خوشی حاصل ہوگی -
خدا کرے ایسا ہو آمین - والسلام -

پانچواں لکچر مسلمانوں کی حالت پر جو محمدن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے سالانہ جلسے منعقدہ (علی گڈھ میں ۲۸- دسمبر ۱۸۸۹ء کو دیا)

تمہید

یہ لکچر بڑی دھوم کا تھا اس میں لوگوں کی بڑی کثرت تھی اور لوگ بھی چیدہ - اور
علی گڈھ کالج کے اسٹریچی ہال میں ہوا تھا - اس میں اہل پنجاب بھی بہت

شریک تھے۔ اس کے بعد سے تو پنجابیوں نے آنا ہی موقوف سا کر دیا۔ اور غالب یہ ہے کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچر سننے کا اشتیاق اُن کو یہاں کشاں کشاں لایا تھا۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

پھر خاموشی بھی مدت سے میرے منہ پر لگی   ہر برس لکچر کے دینے کی یہ کیسی کر لگی

سید احمد خاں کی خاطر ہے وگرنہ میں کہاں   اور کہاں یہ بھیڑ جو ہے اندر اور باہر لگی

پھر خدا جانے ملے کب موقع اظہار رساں   بات اب کوئی نہ رکھیو اے دلِ مضطر لگی

رحم کر یارب کہ اب امت تیرے محبوب کی   اس کی حالت دمبدم ہونے بہت ابتر لگی

نسل شاہانِ سلف عبرت کی جا ہے دوستو   بھیک کے ٹکڑے نکل کر مانگنے در در لگی

کیا پنپ سکتے ہیں بے امداد غیبی یہ غریب   مفلسی کی جن کو ایسی بھاری اک ٹکر لگی

بچ گیا ہے کوئی جس پر قہر کی بجلی گری؟   کوئی سنبھلا ہے کہ جس کو دہر کی ٹھوکر لگی

علم ہے بالخاصہ گرچہ علاجِ دردِ قوم   لیکن اس میں بھی تمول کی ہے اک بچر لگی

کچھ نہ ہو تو بھی کتابوں کی تو قیمت چاہیے   اُس سے پہلے فیس جو اکثر سے ہے اکثر لگی

پڑھ چکا مفلس کہ جوں لی ہاتھ میں اس نے کتاب   قُل ھُوَ اللّٰہ پڑھنے انتڑی پیٹ کے اندر لگی

علم سے دولت ہے اور دولت سے ہے سب علم و فضل   کشتی تقدیر کھانے دَور کے چکر لگی

جو قوم سلطنت جیسی نعمت اور رحمت کو اپنی نالائقی کی وجہ سے کھو بیٹھی ہو۔ جو تمام اقوامِ معاصر کے

ا؎ کڑ کہتے ہیں خراج کو مراد یہ ہے کہ لکچر کا دینا کڑ کی طرح لازم ہو گیا ۱۲ ۲؎ بات کو لگا رکھنا یعنے اظہار رکھنا ۱۲۔
۳؎ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ۱۲ ۴؎ زیادہ سے زیادہ ۱۲ ۵؎ خالی پیٹ میں جو قراقر ہو
اُس کو انتڑی کا قل ھو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ۱۲ ۶؎ ہم عصر۔ ہم عہد ۱۲

کے مقابلے میں دولت اور عزت اور لیاقت اور اقتدار اور اعتبار سب باتوں میں ہیٹی ہوا جس کے اکثر افراد کے دلوں میں ۵۱ وَلِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ منافست ۵۲ کی ذرا سی گدگدی بھی نہ ہو میں نہیں سمجھتا کہ ایسی قوم کا کوئی شخص کسی بات پر بھی فخر کرسکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم مسلمانوں میں ۵۳ بِالنِّسْبَۃِ اِلیٰ اَقْوَامٍ اُخْریٰ شخصی عزتیں کم بہت کم ہیں۔ مگر ہیں۔ لیکن چونکہ قوم سے عزت سلب ہو گئی ہے شخصی عزت والے اِس شعر کا مصداق ہیں ؎

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق	تحسین کنند و او خجل از پائے زشتِ خویش

کوئی اس کو یقین کرے یا نہ کرے میں نے اپنے لیئے روپیہ کمانے کی تو کوشش کی۔ وہ بھی تفرّج کی نظر سے نہیں بلکہ فارغ البالی کی غرض سے شخصی عزت کی طرف میرا دل کچھ ہمیشہ سے ایسا بجھا ہوا سا ہے میں نے کبھی ایک لمحے کے لیئے بھی اُس کا خیال نہیں کیا۔ کیونکہ میں قومی عزت کے بدون شخصی عزت کو اصلی عزت نہیں بلکہ عزت کا ملمع سمجھتا ہوں شخصی عزت تو درکنار مجھ کو تو روپیہ سے بھی وہ خوشی نصیب نہیں جو ایک معزز قوم کے آدمی کو ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے مال سے کیا تمتع ہو سکتا ہے وہ بدبخت جس کے بعض مصیبت زدہ رشتہ دار دلّی میں دستکاری سے اور بجنور میں کاشتکاری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اِن سب کی دستگیری کروں اتنی توفیق نہیں۔ ان کی مصیبت کا مطلقاً احساس نہ ہو۔ ایسا دل نہیں۔ میں تو خیر ایک متوسط الحالت آدمی ہوں۔ جو لوگ بڑی لمبی چوڑی شخصی عزتیں رکھتے ہیں ہیں تو ان کے عیش کو بھی ایسی کدورت ۵۴ صاف نہیں پاتا۔ پھر اِس طرح کا [illegible] وقت آگیا ہے کہ اس زمانے کے اسلام اور خوش دلی میں مانعۃ الجمع ۵۵ کی سی نسبت قائم ہو گئی ہے۔ بعض وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ ۵۶ جن کو خوش ہونے کا موقع ہے خدا کا فرمودہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۵۷ اُن کو بھی چین سے نہیں رہنے دیتا۔ لیکن دنیا کا کارخانہ اسی طرح چل رہا ہے کہ دنیا خوشی کی جگہ نہیں

۵۱ جب اکثر لوگوں کا ایک حال ہو تو کہا جاتا ہے کہ سب کا وہی حال ہے ۱۲ ۵۲ سب سے آگے بڑھ جانے کی خواہش ۱۲ ۵۳ دوسری قوموں کے مقابلے میں ۱۲ ۵۴ منطق کی اصطلاح ہے مطلب یہ ہے کہ اسلام اور خوش دلی یکجا نہیں ہو سکتی ۱۲ ۵۵ ایسے کم ہیں ۱۲

۵۶ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۱۲ —

خاص کر اس زمانے کے ہم مسلمانوں کے لیے اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِن[۱] لیکن اسی میں لوگ خوشی بھی منالیا کرتے ہیں۔ مگر میری طبیعت اس طرح کی واقع ہوئی ہی کہ خوشی سے بہت ہی کم متاثر ہوتی ہے[۲]

جہاں میں ہوں غم و شادی بہم ہمیں کیا کام	دیا ہی ہم کو خدا نے وہ دل۔ کہ شاد نہیں

تاہم جیسی ناتمام۔ ناقص۔ ادھوری۔ ادعائی مصنوعی خوشی کسی مسلمان کو ہونی ممکن ہی مجھ کو اس وقت حاصل ہی۔ کیوں کہ میں اس عالی شان دلکش ہال میں ایسے معزز اور لایق اور باوقار آڈینس (حاضرین) سے خطاب کر رہا ہوں۔ چار دانگ ہندوستان میں اس سے کہیں زیادہ نمود اور تیاری کی اور بہت یادگاریں مسلمانوں کی ہیں ؎

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ	آثار پدید است صنادیدِ عجم را

لیکن یہ عمارتیں ہم کو یاد دلاتی ہیں بُرے یا بھلے شخصی ولولے شخصی تقاضے مسلمانوں کی ایسی شان دار قومی عمارت سارے ہندوستان میں شاید یہی ایک عمارت ہی جس میں اس وقت ہم لوگ جمع ہیں ملک کو فائدہ پہونچانے کے اَور بھی طریقے ہیں۔ مگر جس غرض سے یہ عمارت بنائی گئی ہی۔ قومی بہبود۔ اور قومی ترقی کا اصل الاصول ہی۔ میں نے متعدد آدمیوں کے مونھ سے سنا ہی کہ علی گڈھ محمڈن کالج جس کا اس قدر ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہی بیش بریں نیست کہ ایک کالج ہی۔ اور بس بے شک علی گڈھ محمڈن کالج ایک کالج ہی اور بس۔ لیکن ہمارا اپنا مسلمانوں کا یہ جو فرق سلوک و مستعار اور جو تفاوت خویش و بیگانہ میں ہوتا ہی وہی اس کالج اور دوسرے کالجوں میں ہی ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است	رفتن بپائے مردئی ہمسایہ در بہشت

جس کو اسلام کے ساتھ محبت ہی۔ اس کالج کا نام ہی اُس کے گرویدہ کرنے کے لیے کافی ہی۔ وَمِنْ شِیْمَتِیْ حُبُّ الدِّیَارِ لِاَھْلِھَا ٭ لِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاھِبُ۔ یہ بالکل صحیح ہی کہ محمڈن کالج کو اتنی یعنی مقدار یا کوالٹی یعنی صفت۔ کسی اعتبار سے بھی مسلمانوں کے درد کی کافی

[۱] دُنیا مسلماں کے لیے قید خانہ ہی ۱۲
[۲] من سمجھوتی ۱۲
[۳] میری عادت یوں ہی کہ جن لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اُن کی ... اُن کے شہروں کو بھی دوست رکھنے لگتا ہوں اور دوستی میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں ۱۲

تو وا نہیں۔ لیکن کیوں کافی نہیں؟ اس لئے کہ فنڈ نہیں۔ فنڈ کیوں نہیں؟ نہ اس لئے کہ مسلمانوں میں
مقدور نہیں اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اگر کرنے پر آئیں تو بہت کچھ بلکہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر
دبی زبان سے کہنا کیا ضرور ہے سیدھی اور صاف اور سچی بات یہ ہے کہ فنڈ کا توڑا اس وجہ سے ہے کہ مسلمان
نہیں۔ میرا یہ کہنا آپ سب صاحبوں کو ناگوار معلوم ہوگا۔ بلکہ جو مسلمان سُنے گا اُس پر ضرور گراں
گزرے گا اور مَیں بھی بڑی ہی مجبوری سے یہ الفاظ مونھ سے نکالے ہیں۔ لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ پانچ منٹ
نہیں گزرنے پائیں گے کہ میں آپ لوگوں کے مونھ سے نہیں تو دل سے ضرور اس بات کو تسلیم کراؤں گا
اس کہنے سے کہ مسلمان نہیں۔ خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں کہ کسی کی تکفیر کروں۔ میرے مذہب
میں کسی کی تکفیر خود کفر ہے۔ اور کلیہ مسلمان نہیں۔ میں سے۔ میں اپنے تئیں بھی مستثنیٰ نہیں کرتا۔ مجھ کو
معلوم ہے کہ اس ہندوستان میں ہم پانچ کروڑ سے زیادہ ہی زیادہ مسلمان ہیں۔ اور ان پانچ کروڑ میں ہزار[۱]
نہیں تو سیکڑوں رنگ ہیں۔ شیعہ ہیں جن کی عزاداری سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں نسل پیغمبر صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم سے چھوٹوں کسی کا پسینہ گرے وہاں سچوں بے دریغ اپنا خون بہانے کو موجود ہیں۔ سُنّی ہیں۔
اُن میں مشائخ ہیں۔ [illegible] ہیں [illegible] ہیں۔ مقلد ہیں غیر مقلد ہیں۔ اور دی لاسٹ[۲] دو نات دی لیسٹ[۳]
بڑے غل غپاڑے بڑے شور و شغب۔ بڑے دم دعوے۔ اور بڑے جوش و خروش کے نئی قسم کے
مسلمان نیچری ہیں سید احمد خاں کی امت۔ لیکن جو جس شان میں ہے فی زعمہ[۴] اسلام پر فدا ہے۔
کُلُّ[۵] حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ مگر محال عقل ہے کہ اتنے آدمی حقیقت میں سچے مسلمان ہوں۔
بلکہ ان کی آدھی تہائی چوتھائی کا کیا مذکور ہے۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی کسر اعشاری کے برابر
بھی سچے مسلمان ہوں۔ جیسا کہ مونھ سے کہتے ہیں۔ اور اسلام یوں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ یہ ایک
مسلمان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دوسرے ملکوں کا ذکر نہیں اس کفرستان ہند میں پانچ کروڑ
آدمی ان کا کلمہ بھرتے ہیں اور تا قیام قیامت بھرتے رہیں گے وَلَوْ[۶] کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ گروہ مسلمانوں

۱؎ ضالّین کے پڑھنے کے دو طریقوں کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ۲؎ سب کے بعد گو وقعت میں کسی سے کم نہیں ۱۲ ۳؎ اپنے پندار
میں ۱۲ ۴؎ ہر شخص اپنے خیال میں مست ہے ۱۲ ۵؎ اگرچہ کافروں کو بُرا لگے ۱۲

میں فرد اکمل تھے۔ نہ اُن جیسا ہوا۔ اور نہ ہوگا مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ اُنھوں نے اپنے سچائی کے بوتے پر معدودے چند کو اپنا ہم خیال بنایا۔ پس اگر مسلمان پوچھتے ہو تو وہ تھے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ جو نہ ہماری طرح صرف زبان سے اسلام پر فدا تھے بلکہ اُنھوں نے اسلام کے لیئے گھر چھوڑے۔ مال واسباب چھوڑے عیش و آرام چھوڑے۔ دنیا کے کام کاج چھوڑے میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمان کی کیا پرکھ ہو قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔ اللہ اللہ کیا بیان ہو کیا جامعیت ہو کیا احاطہ ہو کہ ان چند لفظوں میں دنیا و مافیہا سب کو سمیٹ لیا ہو۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خدا اور اُس کے رسول اور خدا کی راہ میں جان لڑا دینے سے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیبیاں اور کنبے قبیلے کے لوگ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا ڈر ہو اور گھر جس کو تم کو پسند کرتے ہو۔ غرض یہ چیزیں تم کو خدا اور رسول سے زیادہ پیاری ہیں تو اچھا ٹھیرے رہو اور خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ یارو موفہ کہنے کی کوئی سند نہیں معاملہ خدا کے ساتھ ہو یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ کوئی ایک تو بول اُٹھو کہ اس جانچ میں پورا اُتر سکتا ہو۔ اگر یہ اسلام ہو اور اگر کا یہ محل ہو حقیقت میں اسلام اسی نام ہو تو میں اپنی نسبت پکارے کہتا ہوں کہ مجھ کو اسلام کے ساتھ ادنیٰ ملابست بھی نہیں اور ہونے کی امید بھی نہیں۔ میں کسی دوسرے کے دل کا حال نہیں جانتا۔ اور نہ کوئی کسی کے دل کا حال جانتا ہو مگر جہاں تک ظاہری اعمال و افعال کی بنا پر تحرّی اور فراست کی جا سکتی ہو میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ کبریتِ احمر ملے تو ملے۔ عنقا کا پتہ لگے تو لگے۔ کیمیا کا نسخہ دستیاب ہو تو ہو مگر قرن اول

۵۱ محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں جن پر رسالت کا خاتمہ ہو گیا ۱۲ ۵۲ اہل زمانہ میں سے سب سے بہتر میرے ہم عصر ۱۲ ۵۳ انھوں نے چوری اور دو نوں [illegible] اس کو سب معلوم ہیں ۱۲ ۵۴ تعلق ۱۲
۵۵ اٹکل ۱۲ ۵۶ سرخ گندھک۔ یہ نایاب چیز ہی ۱۲

بلکہ ثانی بلکہ ثالث بلکہ رابع کے سے مسلمان خدا پیدا ہی نہیں کرتا۔ ہوں تو کہاں سے ہوں۔ جیسے قرون اولیٰ کے سچے پکے مسلمان تھے۔ جیسے پاک اُن کے دل تھے۔ ویسا ہی اُن کے وقت کا اسلام تھا۔ جملہ ادیان پر غالب۔ معزز۔ مؤقر۔ محترم۔ غنی جیسے ہم دودلے۔ متزلزل العقیدہ نام کے مسلمان ہیں۔ جیسے ناپاک ہمارے دل ہیں۔ ویسا ہی ہمارے زمانے کا اسلام ہے مغلوب۔ ذلیل۔ خوار۔ محتاج ۔

جس کو اس وقت میں اسلام کا دعویٰ ہے کمال — دیکھتا ہوں میں اب اے ذوق یہ اُن کا احوال
جس طرح سے کہ ہنسانے کو بے دینوں کے — نقل کرتا ہو مسلمانوں کی کافر نقّال

اسلام ایک مفہوم کلی ہے۔ کوئی چیز منفرد مستقل بالذات موجود فی الخارج نہیں وہ ہم میں ہے۔ اور ہمارے ساتھ قائم ہے ہماری ہی عزت اُس کی عزت ہے۔ اور ہماری ہی ذلت اُس کی ذلت ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ عزت اور ذلت سے دنیاوی عزت اور ذلت مراد ہے۔ وہ دنیاوی ہی عزت تھی جس پر قرون اولیٰ کے مسلمان مرتے تھے جس کے لئے تمام زحمتیں اُٹھاتے تھے۔ یہود پر خدا کا قہر نازل ہوا۔ تو وہ دنیاوی ہی عزت تھی جو اُن سے ہمیشہ کے لئے سلب کر لی گئی۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ اب پُرانے فیشن کے مولوی ہم کو سمجھاتے ہیں کہ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ سے آخروی عزت مراد ہے۔ اس طرح کی تعلیم نے دوڑتے ہوئے مسلمانوں کو کھڑا کر دیا۔ کھڑے ہوؤں کو بٹھا دیا۔ بیٹھے ہوؤں کو لٹا دیا۔ لیٹے ہوؤں کو سُلا دیا۔ سوائے ان مولویوں کے اور سوائے چند سادہ لوح مسلمانوں کے جو ان کٹھ ملاؤں کے دام تزویر میں ایسی بُری طرح پھنستے ہیں۔ جیسے دَلدل میں گدھا۔ کہ اس گروہ کے نزدیک اسلام نہ کبھی ضعیف ہوا ہے نہ ہوگا۔ باقی ساری دنیا اپنے اور پرائے۔ دوست اور دشمن۔ سب جانتے ہیں کہ ضعفِ اسلام حدِ غایت کو پہونچ گیا ہے۔ ابتدائی شیوع میں بھی اسلام ضعیف تھا۔ مگر اُس وقت ضعف قلت تھا اور اب ضعف علت ہے۔ اُس وقت مسلمان کم تھے اور جو تھے یا پہلے سے بے مقدور تھے یا اسلام کی وجہ سے

۱؎ لادی گئی اُن پر ذلت اور مفلسی اور نازل ہوا اُن پر خدا کا غضب ۱۲ ۔ ۲؎ وضیع ۱۲ ۳؎ عزت خدا کی اور رسول کی اور مسلمانوں کی ہے ۱۲ ۔ ۴؎ مکر ۱۲ ۔

اُن کو بڑے مالی نقصان پہونچے تھے۔ غرض نہ تو اعوان و نہ انصار تھے اور نہ کچھ ایسے مالدار تھے۔ نتیجہ اس
خستہ حالی کا یہ تھا کہ جو ضعفا تھے اُن کی مصیبت کی کچھ بھی پروا نہ تھی حضرت بلالؓ کے حال میں لکھا ہے
کہ یہ اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ وہ ظالم صرف اسلام کی وجہ سے اُن کو گرمی کے دنوں (اور گرمی
بھی مکّے کی گرمی) جلتے ہوئے کنکروں پر لٹا کر اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیتا اور سارے سارے دن
اسی طرح اُن کو دھوپ میں لٹائے رکھتا مگر اللہ رے صبر۔ اور اللہ رے استقلال کہ شام کو رہائی
پاتے تو اپنا وہی اَحَدٌ اَحَدٌ کا راگ گاتے بعض ان میں ایسے تھے جن کو ان کی مقدرت۔ وجاہت
رعایت یا حمایت کی وجہ سے کفار زیادہ ایذا نہیں دے سکتے تھے۔ بس انہیں کسی قدر مطمئن سمجھ لو۔
جب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں کو امن نہیں۔ مجھ کو مقاومت کفار کی
قدرت نہیں تو آپ نے ہجرت اولیٰ کی اجازت دی اور حبش سے نکلتے بن پڑا۔ نجاشی کی
عملداری میں چلا گیا۔ قرن اول کے مسلمانوں کے ساتھ ہم کو اور کسی طرح کی مماثلت نہیں تو یہی ایک
بات سہی کہ اُنھوں نے بھی ایک نصرانی بادشاہ کے پاس پناہ لی تھی اور ہم بھی امپرس وکٹوریہ کے
مستامن ہیں ؎

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ	ذرہ آفتاب تابانیم

ترک وطن کچھ آسان کام نہیں۔ ہجرت اولیٰ پر بھی بہتیرے مسلمان تھے جو نہ نکل سکے اور کفار
مکہ کے ہاتھ سے بدستور ایذائیں اُٹھاتے رہے یہاں تک کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
قتل کے مشورے ہونے لگے وَاِذْ يَمْكُرُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ
وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ آخر کار مجبور ہو کر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مکہ چھوڑنا پڑا
تو کس طرح کہ رات کے وقت چھپ کر بے سروسامان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے رستہ کتراتے
ہوئے مدینے جا پہونچے۔ جب مکّے سے پیغمبر صاحب کے پاؤں اُکھڑے تو اُنھوں نے بہت چاہا کہ،

۵۰ یعنی ایک خدا ہی کوئی اُس کا شریک نہیں ۱۲ ۵۱ مقابلہ ۱۲ ۵۲ مشابہت ۱۲ ۵۳ شاہنشاہ ۱۲ ۵۴ اور یاد کر
وقت کہ کافر تیرے لئے تدبیریں کرتے تھے کہ تجھ کو پکڑ رکھیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں وہ بھی تدبیریں کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر

میں لگا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کا کرنے والا ہے ۱۲

مکے کے آس پاس ہی لگا ہوں کیوں کہ مکہ بھی مشہور زیارت گاہ ہو اس کے قرب میں اسلام
کی منادی کا خوب موقع ملتا ہو اور اسی غرض سے پہلے طائف گئے۔ وہاں کے لوگوں نے بے عزتی
کی اور مار کر نکال دیا۔ مدینے کے لوگ دینی اور دنیاوی ضرورتوں سے مکے آتے جاتے ہی
رہتے تھے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ سنکر پہلے سے ایمان لا چکے تھے۔
اُنھوں نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مہاجرین حبشہ پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے۔ اب پیغمبر صاحبؐ کو کفار کی ایذا دہی سے پوری پوری تو نہیں مگر پھر
بھی بہت نجات ملی۔ پوری پوری نجات کیوں کر ہو سکتی تھی اُدھر تو ضعفائے مسلمین جن میں عورتیں اور
بچے بھی تھے مکے میں گرفتارِ عذاب تھے اِدھر ہر چند انصار یعنے اہل مدینہ نے مہاجرین کی
خاطر داری اور مدارات میں کسی طرح کی کمی نہیں کی۔ مگر اُس خدائی لشکر کو خدا کے سوا کون
سنبھال سکتا تھا۔ انصار کی حالت مہاجرین سے بہتر تھی۔ مگر اسی قدر کہ مہاجرین کے پاس
رہنے کو جھونپڑا تک نہ تھا اور انصار غریب اپنے گھر کے مکان رکھتے تھے۔ مہاجرین بے معاش محض
تھے۔ انصار بعض کھیتی کرتے تھے بعض کو باغوں کی آمدنی تھی۔ مہاجرین گھر سے بے گھر اہل و
عیال سے بچھڑے ہوئے پردیس میں آ کر پڑے تھے اور انصار وطن اور کس[1] و کو میں تھے۔ ہم اپنے
ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ جوگیوں اور سناسیوں کے گروہ کے گروہ دیہات میں دورہ کرتے
پھرتے ہیں۔ جس گانوں میں دو دن کے لیئے بھی ٹھہر جاتے ہیں اُن کی بزرگ داشت میں گانوں
والوں کا بھرکس نکل جاتا ہو۔ کیا حال ہوا ہو گا انصار کا جن کے سر پر سیکڑوں مہاجر ڈھئی دیئے
پڑے رہے۔ دو دن چار دن نہیں مہینوں برسوں۔ غرض کچھ عجب طرح کا ابتلاؤ آزمایش کا وقت تھا
کہ جو مسلمان جہاں تھا مصیبت میں تھا کچھ تو مکے میں گھرے ہوئے تھے جن کی تکلیف کی حد و غایت
نہ تھی۔ کچھ مدینے میں تھے۔ جو مہاجر تھے اُن میں اکثر کا یہ حال تھا کہ پیٹ کو روٹی نہیں۔ تن کو
کپڑا نہیں رہنے کو گھر نہیں جی بہلانے کو زن و فرزند نہیں۔ غم گساری کو یگانہ و قرابت مند[2]

[1] اہل و عیال ۱۲ [2] اپنا ۱۲

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ سَبْعِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَعَلَيْهِ
اِمَّا اِزَارٌ وَ اِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ
فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهٖ كَرَاهِيَةَ اَنْ تُرٰى عَوْرَتُهٗ [1] رہے انصار اُن کی یہ کیفیت تھی کہ بھائی ہونے کی وجہ مہاجرین
سے ملاکر بھوکے رہیں۔ اُن سے نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمان کہلائیں اور دینی بھائیوں یعنی مہاجروں سے
آنکھیں چُرائیں۔ پس کھاتے تو سب مل کر کھاتے۔ ورنہ آپ بھی بھوکے رہ جاتے۔ لیکن اسلام ان ہی
مصیبتوں ان ہی تکلیفوں اِن ہی مزاحمتوں سے بڑھ چکا تھا میں چاہتا ہوں کہ جس تدریج کے ساتھ
اسلام نے ترقی کی ہے۔ اُس کی کوئی مثال بیان کروں خلق انسان سے بہتر کوئی مثال سمجھ میں نہ آئی
جس تدریج کے ساتھ انسان بنا ہے سورۂ مومنون میں مذکور ہے [2] وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ
مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ
اس آیت میں خلق انسان کے سات درجے بتائے ہیں۔ اگر اسلام کو جنین سے تشبیہ دی جائے تو میں ایسا
سمجھتا ہوں کہ شروع سے بدر کی لڑائی تک وہ پہلے پانچ درجے طے کر چکا تھا۔ غرض اس کی فارمیشن یعنی بناوٹ
کا اکثر اور ضروری حصہ ضعف اور مغلوبیت کے زمانے میں واقع ہوا۔ جیسے اور مدینے کی ایک چھوڑ دو دہری
دوہری ہجرتیں جس کا دوسرا نام جلاوطنی ہے۔ طائف کا واقعہ۔ مسلمانوں کا عموماً اور ضعفاء مسلمین کا خصوصاً
کفار مکہ کے ہاتھوں سے انواع و اقسام کی اذیتیں اُٹھانا مہاجرین میں سے اُس گروہ کا جو اصحاب صفہ کہلاتے
تھے نہایت درجے کے فقر و فاقے کے ساتھ زندگی بسر کرنا انصار کی زیر باری۔ یہ سب واقعات تاریخی ہیں

[1] ابوہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر آدمیوں کو اس حال میں دیکھا کہ یا ایک چادر اوڑھے ہیں یا
ایک کملی اور اُس کو گردن میں باندھ رکھا ہے سو بعض کی تو آدھی پنڈلیوں تک اور بعض کے ٹخنوں تک اور ستر عورت کے لیے اُس کو
دونوں ہاتھوں سے روکے ہوئے تھے ۱۲ [2] اور تحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے پھر ہم نے اُس کو مضبوط جگہ میں نطفہ
کر کے رکھا پھر نطفے سے لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے سے بندھی ہوئی بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی میں ہڈیاں پیدا کیں پھر ہڈیوں پر گوشت
چڑھایا۔ پھر ہم نے اُس کو مخلوق جدید بنا کھڑا کیا۔ پس برکت والا ہے اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے ۱۲۔

اس پر کہا جاتا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ[۱] اب ہم اُس وقت کے اسلام کو اِس وقت کے اسلام سے یعنی اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت کو اس وقت کے مسلمانوں کی حالت سے مقابلہ کرتے ہیں ممکن نہیں کہ ہم ان جیسے مسلمان ہو سکیں انھوں نے پیغمبر صاحب کو آنکھوں سے دیکھا ہم نے کانوں سے سُنا ؎

	تراد یدہ و یوسف را شنیدہ		شنیدہ کَے بود مانند دیدہ

یوں آنکھ اور کان میں چند اُنگل کا فاصلہ ہے۔ مگر دیکھے اور سُنے ہوئے میں گزوں کا تو ضرور اور کبھی کوسوں کا بھی۔ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جس روز پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول بار مدینے میں تشریف لائے تو سارے مدینے میں غُل تھا اور لوگ حضرت کے دیکھنے کو جوق جوق اُمڈے ہوئے چلے جاتے تھے۔ میں اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا عبداللہ بن سلام کہتے ہیں میں نہیں کہتا۔ کبھی مجھ کو سمجھ جاؤ، میں نے کہا کہ چلوں دیکھوں تو سہی کیسے پیغمبر ہیں۔ جاکر دیکھا تو بے اختیار میرے دل میں آیا وَاللّٰهِ مَا هٰذَا بِوَجْهِ كَذَّابٍ[۲] ؎

	در دل ہر امتے کز حق مزہ است		روو آواز پیمبر معجزہ است

یہ اور ایسی اور چند در چند خصوصیتیں ہیں جو ہم کو نصیب نہیں ہو سکتیں۔ بس یہی ایک بات ہے اختیار سے خارج جس میں ہم قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے ہیٹے ہیں۔ لیکن جیسے ہم قرون اولیٰ میں ہونے کی نعمت سے محروم رہے۔ ویسے ہی آفت ابتلا سے بچے کیا اُس وقت کا اسلام آج کل کی طرح بچوں کا کھیل تھا کہ کلمہ پڑھ لیا۔ اُلٹی سیدھی چار ٹکریں مار لیں لگے فردوس بریں کے خواب دیکھنے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ[۳] اس سے بھی قوی تر اس مضمون کی

---

[۱] سبحان اللہ اس سے بڑھ کر بھی اور کوئی بہتان ہوگا ۱۲ [۲] خدا کی قسم اس شخص کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹ کہنے والا نہیں [۳] کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں جا داخل ہو گے اور تم کو اگلے لوگوں کا سا معاملہ پیش نہیں آیا کہ اُن کو تکلیفیں اور مصیبتیں پہونچیں اور ہلا کر اُٹھے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول پڑے کہ دیکھیں خدا کب مدد بھیجے ۱۲

ایک اور آیت ہی أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ[1] بڑے شکر کا مقام ہو کہ ہم ایسے امتحانوں میں نہیں پڑے گئے ورنہ خدا کی قسم کافر ہوگئے ہوتے۔ اس مقام پر مجھ کو ایک بات یاد آئی کہ میں ایک شہر میں ڈپٹی کلکٹر تھا۔ اور وہاں شیعہ کسی قدر زیادہ تھے۔ آیا محرم تو شیعہ عزاداری کی بڑی بڑی تیاریاں کرنے لگے۔ میں بھی مجالس میں بلایا جاتا تھا اور بے کچھ کرکے بے عذر شریک ہوتا تھا کہ گھر پر میرا وقت کون سے نیک کاموں میں صرف ہوتا ہو۔ یہی نہ۔ ان مجلسوں میں رلانے کے لیے اکثر جھوٹی اور ضعیف روایتیں بیان کی جاتی ہیں مگر آخر ایک مذہبی رنگ تو ہو۔

ایک دن ایک مجلس میں خوب ہی رقت ہوئی۔ میرے پہلو میں ایک صاحب بیٹھے تھے وہ سب سے زیادہ روتے تھے اور بار بار کہتے تھے يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ[2]۔ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ مجھ کو یہ اُن کا يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ کا رٹنا بہت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ کیوں کہ اُس سے استماع میں خلل واقع ہوتا تھا اور چوں کہ وہ ضمیر هُمْ کا مرجع معین نہیں کرتے تھے میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ کیا بیہودہ آرزو ہی۔ کون جان سکتا ہی کہ تم اُس وقت ہوتے تو کیا کرتے آخر فریق مقابل بھی تو اپنے تئیں مسلمان ہی کہتا تھا ؎

أَتَرْجُو أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا	شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ[3]
فَلَا وَاللَّهِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيعٌ	وَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الْعَذَابِ[4]

جب دوسرے ذاکر صاحب (یعنی لکچرار کیوں کہ نئی روشنی والے تعلیم یافتہ ذاکر کو کیا جانیں) ممبر پر

[1] کیا لوگوں کو یہ خیال ہی کہ منہ سے آمنّا کہہ کر چھوٹ جائیں گے۔ اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا۔ اگلوں کی تو آزمایش ہم نے کی ہی تو ضرور ہی کہ خدا سچوں کو جان کر رہے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے ۱۲

[2] اے کاش میں اُن کے ساتھ ہوتا۔ لکھنؤ میں اس کی جگہ یہ کلام موزوں پڑھا جاتا ہے آقا ہم نہ ہوئے ۱۲

[3] جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا کیا اس کے امیدوار ہیں کہ اُن کے نانا قیامت کے دن اُن کی شفاعت کریں گے ۱۲

[4] بخدا وہ اُن کی شفاعت کرنے والے نہیں اور اُن کو قیامت کے دن عذاب ہوگا پر ہوگا ۱۲

اپھالیس[ii] برس پے کسی کے پلے ہو گئے تو غنی سمجھا جاتا تھا۔ اب چار چار پانچ پانچ چالیس والے کو بھی

[illegible] نہیں پوچھتا۔ خلاصہ یہ کہ نہ مقدوری ہی مجبوری ہی نہ بے مقدوری ہی وہی ایک چیز کا پیٹنا ہی کہ درد اسلام نہیں ان سے کچھ بحث نہیں جو نہیں سمجھتے یا نہیں کر سکتے۔ معارضہ تو اُن سے ہی جو سمجھتے ہیں اور کر بھی سکتے ہیں۔ اور پھر کچھ نہیں کرتے یا کرنا چاہیئے مَن اور کرتے ہیں چھٹانک وہ بھی ہزار مشکل کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ قرونِ اولیٰ کے مسلمان جو علائے کلمۃ اللہ کے پیچھے اپنی جانیں کھپاتے تھے۔ آخر وہ کلمۃ اللہ تھی کیا چیز کیا اہرامِ مصر کی طرح کا کوئی مینار تھا جس کے بلند کرنے کی فکر میں تھے۔ جیسے ان دنوں فرانس اور امریکہ کے لوگ۔ یا کوئی جھنڈا تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کا بول بالا ہو۔ حکومت ہو تو ان کی ہو۔ دولت ہو تو ان کی ہو۔ عزت ہو تو ان کی ہو۔ شان ہو تو ان کی ہو۔ میں پوچھتا ہوں تو کیا مسلمانوں کو اب حکومت اور دولت اور عزت اور شان درکار نہیں۔ کیا واقع میں جیسا وہی اولڈ فیشن[ii] کے مولوی سکھاتے سمجھاتے ہیں۔ ان چیزوں کے لیئے کوشش کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہی۔ دنیا ان ہی چیزوں سے عبارت ہی اور جب تک دنیا میں رہنا ہی ہم کیا کوئی بھی ان چیزوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی تعجب کی اور بات ہو گی کہ ان چیزوں کے لیئے کوشش کرنا قرونِ اولیٰ میں اعلیٰ درجے کا ایمان سمجھا جائے۔ اور ہمارے زمانے میں کفر یا گناہ نہیں معلوم مولویوں کی تعلیم کا اثر ہی یا خود نفوس میں دنارت آگئی ہی کہ اس وقت کے مسلمان سبیل اللہ کلمۃ اللہ اور اسلامِ عمومی سے کچھ غرض ہی نہیں رکھتے اور ایسے فارغ اور بے فکر ہو بیٹھے ہیں کہ گویا اس باب میں اُن کو کچھ کرنا ہی نہیں۔ جس کو دیکھو اپنی ہنڈیا کی خیر منا رہا ہی اور دوسرے مسلمانوں کی طرف سے اُسکے کان پر جوں نہیں چلتی۔ یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آنے کی نہیں ہی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں سمجھتا اِلّا ماشاءَ اللہ قومی ترقی ایسی برکت ہی جس سے اُس قوم کا کوئی فرد محروم نہیں رہ سکتا۔ قوم بھی ایک مجموعۂ اشخاص کا نام ہی

[ii] جھگڑا ۱۲ [ii] گویا موت کی طرف ڈھکیلے جاتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں ۱۲ [ii] پرانی وضع ۱۲ [ii] مگر جس کو خدا چاہے ۱۲

ثمانیۃ منھم من الرمالین والجفارین والمتوقفین ہر ایک اپنا اپنا راگ گائے گا ۵

پس از صد سال این معنی محقق شد بہ خاقانی | کہ بورانی است بادنجان بادنجان ست بورانی

انگریزی عملداری سو برس کی بڑھیا ہونے آئی کہیں اب جا کر مسلمانوں کو (وہ بھی سب کو نہیں)
معلوم ہوا کہ ہماری قوم کی قوم بیمار ہے جن کو بیماری کا اذعان ہے وہ بھی اکثر تعیین سبب میں غلطی
کرتے ہیں اور تعیین سبب میں غلطی ہوئی تو علاج میں بطریق اولیٰ۔ میں صاف دو ٹوک بات کہتا ہوں
کہ اگر صرف یہی ایک سبب نہیں بہت بڑا سبب ضرور ہے کہ جن بزرگوں نے عزت حاصل کی تھی اعلیٰ
درجے کے قومی اتفاق اعلیٰ درجے کی قومی ہمدردی اعلیٰ درجے کی قومی خودی کے زور سے حاصل کی تھی ہم نے کھوئی ڈبوئی
تو اسی سبب سے کھوئی ڈبوئی کہ یہ صفتیں ہم میں سے نکل گئیں مسلمانوں میں سُنّی شیعہ کے اختلاف
کی وجہ سے اگلے بزرگوں یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی نسبت بھی یہی بات شہرت پکڑ گئی ہے کہ
ہماری طرح اُن میں بھی بغض و نفاق تھا۔ پھوٹ اور کشمکش تھی۔ عداوتیں اور خود غرضیاں تھیں
لیکن موٹی سی موٹی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر اُن کے دلوں میں کپٹ ہوتی تو اسلام آج
کہیں دوا کے لیے بھی تو روئے زمین پر ڈھونڈا نہ ملتا خصائص بشری کے اعتبار سے وہ بھی
ہم جیسے آدمی تھے اور ہم کو اس بات کے کہنے میں کیوں مضایقہ ہونے لگا جب کہ پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انا بشر مثلکم[1] فرمایا ہو۔ پس اگر ان میں اختلاف تھا بھی (اور ضرور تھا
بے شک تھا۔ اور ہونا چاہیے تھا۔ اور ہوا ہی کرتا ہے وہ تو آدمی تھے۔ دو برتن ایک جگہ رکھے ہوئے
ہوتے ہیں تو وہ بھی کبھی کبھی کھڑکھڑا ہی اُٹھتے ہیں) تو اُن کے اختلافات ایسے تھے جیسے آج کل
انگریزی پولیٹیکل گروہوں کے۔ لڑتے بھی ہیں جھگڑتے بھی ہیں۔ بگڑتے بھی ہیں۔ مگر ساری جنگ
زرگری ہے مفادِ سلطنت کے لیے مثلاً ایک کی رائے ہے کہ سویز کنال یعنی نہر کی طرف سے پورا پورا
اطمینان حاصل کر کے مصر سے بالکل دست بردار ہو جانا چاہیے۔ دوسرا کہتا ہے مصر سے ہٹے اور
ہندوستان ہاتھ سے گیا تیسرا یہ صلاح دیتا ہے کہ جب تک خدیو کو اتنی قوت ہو کہ اپنا گھر آپ سنبھالے

[1] یعنی میں بھی تمہاری طرح کا بشر ہوں ۱۲ -

ہم کو اس کا ساتھ دینا ضرور ہے جو تھا اصرار کرتا ہے کہ بات کو ڈگدے میں ڈالنے سے قباحتیں پیدا ہوتی ہیں ہمت کرکے فوراً اگلیکیشن یعنی ضبطی کا اشتہار جاری کر دیا جائے۔ میں مصر پر لکچر دینے کے نہیں کھڑا ہوا ہوں میں نے تمثیلاً ایک بات بیان کی تو کیا جس فریق کی یہ رائے ہے کہ مصر سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ برٹش گورنمنٹ کے نقصان کا خواہاں ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ دست بردار ہونے ہی میں گورمنٹ کا فائدہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح مسٹر گلیڈسٹون اور لارڈ سالسبری وزارت کے دعوی دار ہیں نہ اپنے فائدے کی نظر سے۔ بلکہ اس لیے کہ نیک نیتی سے ہر ایک اپنی وزارت کو گورمنٹ کے حق میں مفید خیال کرتا ہے۔ لیکن ہم لوگ ذاتی اغراض سے اس قدر مغلوب ہو رہے ہیں کہ ہم کو اس کا سمجھنا اور سمجھیں تو یقین کرنا دشوار ہے۔ تاہم ایسے نفوس قدسی خدا پیدا کرتا ہے جو قومی اغراض کے آگے ذاتی اغراض کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اور ایسے ہی نفوس بزرگان دین کے تھے۔ اُن کو بھی لوگوں کے ساتھ دوستی اور دشمنی تھی۔ مگر اُن کی دوستی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ[۱] تھی اور دشمنی اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ[۲]۔

مولانائے رومؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ایک حکایت لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے کام ذاتی اغراض کے شائبے سے کس قدر پاک اور منزّہ ہوتے تھے فرماتے ہیں ؎

او خدو[۳] انداخت بروئے علی	افتخار ہر نبی و ہر ولی
او خدو انداخت بر روے کہ ماہ	سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ
در زماں انداخت شمشیر آں علی	کرد او اندر غزایش کاہلی
گشت حیراں آں مبارز زیں عمل	از نمودن عفو و حلم بے محل
گفت بر من تیغ کیں افراشتی	از چہ افگندی مرا بگذاشتی
گفت امیر المومنیں باآں جواں	کہ بہنگام نبرد اے پہلواں
چوں خدو انداختی بر روے من	نفس جنبید و تبہ شد خوے من

[۱] دوستی خدا کی وجہ سے ۱۲ [۲] دشمنی خدا کی وجہ سے ۱۲ [۳] ملونی لعاب دہن ۱۲۔

نیم بسمل حق شد و نیمے ہوا — شرکت اندر کار حق نبود روا
گبر ایں بشنید و نورے شد پدید — در دل او تا کہ زنّارے برید
گفت من تخم جفائی کاشتم — من ترا نوعے دگر پنداشتم
عرض کن بر من شہادت را کہ من — من ترا دیدم سر اقرار زمن
قرب پنجہ کس ز خویش و قوم او — عارفانہ سوئے دیں کردند رو

اسی طرح حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے اسلام کی ترقی اور ترویج اور تشئید اور مسلمانوں کی اعانت و امداد و تائید کے لیئے جہاں اور بہت سے کارنمایاں کیئے اُن میں تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ[1] یہ بھی تھا کہ اسلام شروع ہوا غربا سے۔ مساکین سے۔ اگر غبارِ تعصب چشم دل کو تیرہ و تار نہ کردے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ[2] تو اسلام کی ساری ہسٹری (تاریخ) شروع سے آخر تک اُس کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے۔ اس نے پہلے پہل جڑ پکڑی ایسے دلوں میں جو سچ کے قبول کرنے کے لیئے تیار تھے۔ دنیاوی مال و دولت دنیاوی جاہ و حشمت۔ دنیاوی نام و نمود۔ دنیاوی فخر و عزت دنیاوی رشتہ و قرابت کوئی چیز نہ تھی جو اُن کو صراطِ مستقیم کے اختیار کرنے میں سدِّ راہ ہوسکے۔ ان میں کچھ لونڈی غلام بھی تھے۔ کافروں کے غلام اور ہم مسلمانوں کے آقا اور سرتاج۔ مشرکین جن کے یہ لوگ مملوک تھے اِن کو صرف اسلام کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب دیتے وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[3] چنانچہ حضرت بلال رضہ کے قصے کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کرچکا ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام تھا نسطاس وہ بڑا سلیقہ مند آدمی تھا کہ اس نے تجارت سے اپنی حالت یہاں تک درست کرلی تھی کہ دس ہزار

[1] تم اُس کو ہلکا سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک وہ بڑا ہے ۱۲ [2] بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجاتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہوجایا کرتے ہیں ۱۲ [3] اُن کی یہی بات اُن کو بُری لگی کہ وہ ایمان لے آئے اللہ پر عزت والا قابل حمد آسمانوں اور زمین کا مالک ۱۲

درم تو اُس کے پاس نقد تھے اور باوجودیکہ خود غلام تھا۔ آپ بھی لونڈی غلام رکھتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ وہ اسلام لے آئے۔ اُس نے سختی کے ساتھ انکار کیا۔ تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے دل سے اُتر گیا جب حضرت بلالؓ کو دیکھا مبتلائے عذاب۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے بہ تقاضائے اُخوتِ اسلامی اُمیّہ سے سفارش کی کہ اس شخص کو خدا کے غضب سے ڈر۔ تو اُمیّہ بولا۔ اگر تم کو ایسا ہی ترس آتا ہے۔ تم ہی نے اُس کو بگاڑا ہے۔ اپنی بلا کو لے نہیں جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اگر ذرا بھی معلوم ہو کہ اُس کا منشا حضرت بلالؓ کے جدا کرنے کا ہے تو کبھی کی حضرت بلالؓ کی مخلصی ہوگئی ہوتی۔ اب اشارہ پاتے ہی بول اُٹھے کہ میں نے لیا۔ اُمیّہ نے کہا۔ نسطاس کے بدلے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ ہاں جی ہاں نسطاس اور جو کچھ اُس کے پاس اثاثہ ہے وہ سب۔ اُسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ سمیت سات مسلمان لونڈی غلاموں کو اُن کے مالکوں کے مونھ مانگے دام دے دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ ان کے والد کو اس کی تو خبر نہ تھی کہ اس خریداری سے کچھ اور ہی مطلب ہے۔ سن کر کہنے لگے کہ یہ ہارے تھکے از کار رفتہ لونڈی غلام مول لیتے پھرتے ہو۔ لینے ہیں تو ایسے غلام لو جو تم کو فائدہ بھی پہونچا سکیں۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے باپ کو سمجھایا کہ میں ان کو حسبۃً للہ آزاد کرنے کے لیے خریدتا ہوں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اسی کی طرف اشارہ ہے قرآن شریف کی اس آیت میں یُؤْتِی مَالَهٗ یَتَزَکّٰی۵ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی۔ میں نے یہ دو باتیں تمثیلاً بیان کی ہیں۔ سیر صحابہ پڑھو تو معلوم ہو کہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے صِبْغَةَ اللّٰهِ۵ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

مگر ہاں اتنا ضرور ہے۔ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

کسی میں حلم غالب ہے۔ کسی میں غیرت۔ کسی میں سخاوت۔ کسی میں شجاعت۔ کسی میں کچھ کسی میں کچھ۔ ایک آدھ مرتبہ مجھ کو شبہہ ہوا کہ بزرگانِ دین کے حالات جو لوگوں نے منضبط کیے ہیں اور

۵ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اُس پر کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ اُتارتا ہو مگر طلب رضائے پروردگار اور وہ ضرور اُس سے راضی ہوگا ۱۲ ۵ اللہ کا رنگ اور اللہ سے بھی کسی کا رنگ بہتر ہوگا ۱۲۔

جن کے پڑھنے سے اپنے اور اپنے زمانے کے مسلمانوں کے حال پر سخت افسوس ہوتا ہے۔ اور جب یہ
خیال کرتے رہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کو کوئی نچوڑے ڈالتا ہے۔ از قبیل پیراں نمی پرند مریداں می
پرانند تو نہ ہوں لیکن یہ ایک وسوسۂ شیطانی تھا۔ اِن کے زمانے میں اور ان کی کوششوں سے سچا[۱]
ترقی پا جائے ایسا زبردست ثبوت اُن کے فیوچر میں ہے کہ کسی احتمالِ مخالف کو جگہ ہی نہیں دیتا۔ جس طرح
انسان اشرف المخلوقات ہے اسی طرح مسلمانِ کامل افضل الناس ہے صرف دیکھنے اعتبار سے نہیں بلکہ یہ
نہایت مستحکم عقیدہ ہے کہ جن صفتوں کے مجموعے کا نام اسلام ہے نیچرلی[۲] اس بات کے مقتضی ہیں کہ دُنیا
میں بھی مسلمانوں ہی کو فضیلت اور برتری ہو بلکہ میں تو دنیاوی ترقی و تنزل کو اسلام یعنی دینِ اسلام
کے کامل و ناقص ہونے کا معیار قرار دیتا ہوں۔ وہ مسلمان بڑی غلطی پر ہیں اور افسوس ہے کہ ایسے
بہت ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا مقصود یہ تھا کہ ہندو
جوگیوں اور سناسیوں یا عیسائی راہبوں کی قسم کا ایک گروہ تیار کیا جائے۔ نرے خدا پرست۔ دُنیا سے
بے نصیب محض۔ اگر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مقصد رہا ہو اور میں کہتا ہوں کہ نہیں رہا
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ[۳] نہیں رہا ہرگز نہیں رہا۔ تو معاذ اللہ پیغمبر صاحبؐ کی رسالت کی نسبت فیلیور[۴]
ٹوٹل فیلیور[۵] کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ پیغمبر صاحب نہیں چھوڑ کر مرے۔ خدا پرست جوگی۔ خدا پرست
سنیاسی۔ خدا پرست راہب۔ خدا پرست آج کل کے سے ٹکڑ گدے۔ بھک منگے۔ علما اور مشائخ۔ بلکہ
خدا پرست امپررز (شاہنشاہ) خدا پرست کنگز (بادشاہ) خدا پرست منسٹرز (وزیر) خدا پرست ایڈ
منسٹرز (مدبرانِ ملک) خدا پرست کمانڈرز (سپہ سالار) خدا پرست ججز (قاضی مفتی۔ حکامِ عدالت)
خدا پرست آریٹرز (فصحا) خدا پرست مرچنٹس (سوداگر) خدا پرست دنیادار۔ آف ایوری کالنگ
اینڈ پروفیشن (ہر ایک پیشے اور ہر ایک مشغلے کے) اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ
رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ[۶]۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو مسلمانوں کی ظاہری شان و

۱ حق ۱۲ ۲ بالطبع ۱۲ ۳ قسم اُس کی جس کے قبضِ قدرت میں میری جان ہے ۱۲ ۴ ناکامیابی ۵ کلی ناکامیابی ۱۲
۶ یہی ہیں سچے مسلمان کے لئے خدا کے یہاں درجے ہیں اور معافی ہے اور عزت کی روزی ۱۲۔

گنگنانے والوں میں یہ آپ کا نیا زمند بھی ہے۔ شعر تو نہیں کہہ سکتا مگر ٹک سے تک ملا لیا کرتا ہے۔
میں نہیں سمجھتا کہ مولوی الطاف حسین نے مسدس اس غرض سے کہا تھا کہ ایشیائی شاعری
میں ایک طرز جدید داخل کریں۔ بلکہ اُن کی غرض اصلی یہ تھی کہ سوتی ہوئی قوم جاگے اور دیکھے کہ
تباہی کا سیلاب ان کے سروں پر آ پہونچا۔ مگر قوم نے جاگنا تو درکنار کروٹ تک بھی تو نہ لی۔ اور اُن کر
مسدس کا ایک کھیل بنا کھڑا کیا۔ کوئی اس کو اس لئے نہیں پڑھتا کہ سمجھے اور عمل کرے۔ نظر پڑتی بھی ہے
تو وہی محاسن شاعری پر۔ اور سید احمد خاں صاحب بُرا مانیں تو مانیں قریب قریب یہی حال ہے۔
اس کانگریس کا۔ اکثر تو تماشائی ہوں گے۔ بعض اس کو ایک طرح کی محفل مشاعرہ سمجھ کر شریک
ہوئے ہوں گے۔ کہ سر سید لکچر دیں گے مولوی الطاف حسین حالی مولوی شبلی منشی احمد علی
شوق۔ اپنے اپنے افکار تازہ پڑھیں گے۔ ذرا چل کر سنیں تو سہی کیا کہتے ہیں بعض صرف سید احمد خاں
کے لیپٹی ہوں گے۔ اور بعض شہدا ہوں گے۔ لڑ بھڑنے کے نہیں۔ لہو لگا لینے کے۔ جو چاہتے ہیں۔ کہ
محض کانفرنس میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کا نام دردمندان قوم کی فہرست پر چڑھ جائے جتنے
صاحب شریک محفل ہیں سب سے بدترین ہوں کہنے کو آندھی کرنے کو خاک۔ جب آدمی خود ایک بات کا
عامل نہیں دوسرے پر اس کا اثر کیا ہو۔ غرض کیا مستمع کیا لکچرار۔ ہیں سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے۔
بلکہ پھر ایسے مجموعے سے نتائج ہوتی ہے روتے آئے مرنے کی خبر لے چلے۔ قوم کا تو یہ حال ہے کہ ایک ایک منٹ اور ایک
ایک سکنڈ کی دیر میں برسوں نہیں عمروں کا نقصان ہو رہا ہے۔ اور یہاں ہنوز روز اول ہے۔ مجھ کو ایک
بات کا اور بھی ڈر ہے کہ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ جب وہ کوئی نئی بات سنتا یا غیر
معمولی حالت دیکھتا ہے تو اول بار سننے اور دیکھنے سے اُس کی طبیعت میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے
لیکن اگر بار بار وہی بات سنا اور وہی حالت دیکھا کرے تو اُس کا احساس مدھم پڑ جاتا ہے۔ ع

پو حلوا بہ یک بار خورد ند و بس

پھر سید احمد خاں ہی کو توقع ہو گی۔ خدا ہی ہے کہ ان پتھروں میں جونک لگے۔ کہنے اور سننے کی تو کوئی حد

سلہ ان کی طلب پر آ موجود ہونے والے ۱۲۔

باقی نہیں رہی ضرورت سے بہت زیادہ کہا جا چکا۔ اور ضرورت سے بہت زیادہ سن چکے۔ اب یا تو قومی ہمدردی قومی رفارم۔ قومی ترقی کا تذکرہ موقوف کرو۔ کیوں بیٹھے بٹھائے مفت میں اپنی ہنسائی کراتے ہو۔ اور اگر فی الحقیقت تمہارے دل میں قوم کا درد ہی۔ تو کچھ کرکے دکھاؤ۔ بے شک کام بڑا اہم ہی لیکن سچے دل سے ہمت کرو تو خدا کی قسم پانی سے زیادہ پتلا اور روئی سے زیادہ ملائم ریشم سے زیادہ نرم آئینے سے زیادہ چکنا۔ ہمارے سامنے ہمارے ہی بزرگوں کی مثال موجود ہی ہم کو ایسی مشکلیں درپیش نہیں اور نہ ہم کو ایسی مہم درپیش سمجھ چکے ہو تو خیر۔ اور نہیں سمجھے تو اب سمجھ لو۔ کہ بدون اعلیٰ درجے کی انگریزی تعلیم کے مسلمانوں کی حالت حشر تک درست ہونے والی نہیں۔ اور اس کو چاہیئے قارون کا خزانہ۔ وہ تو بڑے شکر کا مقام ہی کہ ہم میں ایک ایسا شخص موجود ہی کہ اُس کو روپے کی مدد ملے تو تعلیم کے جہاز کو کھے کر پار لگا دے۔ وہ کون ہی؟ سمجھ تو گئے ہوگے۔ پھر کیوں مجھ سے کہلواتے ہو۔ خدانخواستہ یہ شخص نہ ہوتا تو روپیہ کو لے کر چاٹا کرتے۔ یہ نعمت خدا داد ہی ورنہ جتنا روپیہ تعلیم کے لئے فراہم کرتے اس سب کے بدلے بھی تو سید احمد کا سا ایک دماغ ڈھونڈھے نہ پاتے۔ خیر تو غرض یہ ہی کہ ہم کو روپیہ چاہیئے۔ جتنا ہو سکے اور جس قدر ہو سکے روپیہ آئے تو کہاں سے آئے جن کو قوم کا درد ہی مقدور نہیں رکھتے۔ اور جن کو مقدور ہی اُن کو درد نہیں ؎

کریماں را بدست اندر درم نیست
خداوندان نعمت را کرم نیست

اِس مشکل کے حل کرنے کی ایک تدبیر میرے خیال میں آتی ہی۔ امیروں کو تو مارو گردن۔ ان سے تو کچھ ہونا ہوانا نہیں جب کسی قوم پر وبال آنے کو ہوتا ہی تو سب سے پہلے امرائے قوم ہی بگڑتے ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہی۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّھْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا[۱]۔ بس جن لوگوں کے فساد سے ہماری قوم کی خرابی کی ابتدا ہو اُن سے اصلاح کی توقع ایسی ہی جیسے زہر سے نوشدارو کی تاثیر کی امید ؎

پوچھ مت راہ وفا اُس نگہ پُرفن سے
رہنمائی کی نہ رکھ چشم۔ دلا۔ رہزن سے

[۱] جب ہم کو منظور ہوتا ہی کہ کسی گانوں کو برباد کر دیں تو ہم وہاں کے خوش حال لوگوں کو اُبھار دیتے ہیں وہ اس میں بدکاریاں کرنے لگتے ہیں اور ہمارا قول پورا ہو جاتا ہی پھر ہم اُس کو مار کر ڈھیر کر دیتے ہیں ۱۲

یوں کرو کہ جو جو قومی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں سب ایک گروہ بن جاؤ۔ اور گروہ کو ضرور ہی لیڈر یعنی
سرگروہ اُسی فرد متعین کو دیکھے یا نہیں ضرور دیکھے اور خوب بھلے، لیڈر بنالو۔ صرف چندہ فراہم کرنے
اور اُس کو اپنی رائے سے اعلیٰ درجے کی انگریزی تعلیم میں صرف کردینے کا اور اس امام کے ہاتھ پر
فارملی (باقاعدہ) بیعت کرو کہ ہم منفرداً و مجتمعاً روپیہ بہم پہونچانے میں سعی کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھیں گے
لیکن اس بیعت کے بعد یہ نہیں کرنا ہوگا کہ چلتی سی ایک بات کہہ دی اور اپنے سر سے چھٹکارا اسا اُٹھا
الگ ہوگئے۔ ستو باندھ کے چندے کو پیچھے پڑنا ہوگا۔ گھر گھر جاکر بھیک مانگنی پڑے گی۔ یا ایک چھوٹا سا
ضلع کیفَ مَا اتّفق[۱] اختیار کرو اور تحقیقات کرکے ایسے لوگوں کی فہرست بناؤ جو صاحبِ زکوٰۃ
ہیں۔ لڑکر جھگڑ کر منت سے۔ خوشامد سے۔ بھلانے سے۔ الحاف سے۔ ابرام سے غرض کہ جس
طرح بن پڑے اُن سے زکوٰۃ وصول کرو۔ کچھ خبر بھی ہے یہی صدقات ابتدا میں اسلام کا کیپیٹل (سرمایہ)
رہے ہیں۔ اِن کے وصول کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) منع زکوٰۃ کو ارتداد
سمجھ کر جہاد پر آمادہ ہوگئے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان ابواب کی تحصیل موقوف
کردی کیوں کہ مسلمانوں کو خدا نے سلطنت کی وجہ سے غنی کردیا تھا۔ مگر میرے نزدیک حضرت عثمانؓ نے
نے غلطی کی۔ دینا سبھی کو ناگوار معلوم ہوتا ہے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی لوگ دیتے
وقت بڑبڑاتے تھے حضرت عثمانؓ کے دست بردار ہوجانے سے رہے سہے اور بھی ڈھیلے پڑگئے۔
اب جو لوگ دیتے ہوں وہ جانیں اور اُن کا ایمان جانے۔ لیکن اگر کسی طرح اس رقم کا ضبط کرنا ممکن
ہو تو بہت بڑی آمدنی کی چیز ہے۔ اس میں بھی دقتیں پیش آئیں گی۔ بعض تو صاف ٹکا سا جواب دیں گے
کہ تم ہمارے محتسب نہیں۔ تم کو ہمارے معاملات میں کیا دخل۔ بعض حیلہ کریں گے کہ تعلیم انگریزی
مصرف زکوٰۃ نہیں۔ بعض نصاب کو چھپائیں گے۔ بعض دیتے وقت ہیر پھیر کریں گے۔ اِن مشکلات پر
غالب آنا یہی قومی خیرخواہی ہے اور نہ اپنی گرہ سے دو۔ نہ دوسرے سے دلواؤ نرا زبانی جمع وخرچ ہم تو
ایسی ادعائی خیرخواہی کے قایل ہی نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ جتنا گڑ ڈالو گے اُتنا ہی میٹھا ہوگا۔ جیسی

[۱] اتفاقی طور پر[۲] الگ لپٹ کر[۳] مرتد ہوجانا۔

ہماری کوششیں ہیں۔ مضمحل اوپری دل سے ویسے نتیجے ہیں کہ آج بیس برس سے تعلیم کا مل سنتے سنتے کان بہرے ہوگئے۔ سر دُکھنے لگا۔ جی اُکتا گیا اور کسی ایک ضلع کی تعلیم کا انتظام بھی کافی اور اطمینان کے لایق نہیں ہوا۔ آؤ تھوڑی دیر کے لیئے اِس بات پر بھی نظر کریں کہ ہمارے بزرگان دین ہمارے پیشوا کیا کمال کرتے تھے کہ ہتیلی پر سرسوں جما گئے۔ دوست دشمن سب اس بات پر متفق ہیں کہ جس قدر جلد اسلام کی سلطنت قایم ہوئی۔ اس طرح چٹکی بجانے میں کوئی اور سلطنت قایم ہی نہیں ہوئی۔ اِن میں ایک کمال ہو تو بیان کیا جاے سرتاپا کمال ہی کمال تھے ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم		کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

تاہم میں چند ایسی باتیں بیان کروں گا۔ جن کو میرے نزدیک اسلام کی ترقی میں بڑا دخل تھا اور اب بھی مسلمانوں کی حالت کے درست کرنے کے لیئے اُن کی سخت ضرورت ہے۔ ان میں ایک بڑی صفت نفس کشی کی تھی اور یہی صفت ہے جڑ ہمدردی کی۔ جود و سخا کی۔ ایثار کی۔

جب انسان خود اپنی حاجتوں کا مغلوب ہے اس کے دل میں دوسرے کی امداد اعانت کی تحریک پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اب سب سے پہلے اپنے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال سنو حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تین دن متواتر شکم سیر نہیں ہوئے وَ لَوْ شِئْنَا لَشَبِعْنَا وَلٰكِنْ كَانَ يُؤْثِرُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَلَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔ یعنی چاہتے تو پیٹ بھر کر کھاتے مگر حضرت کی عادت تھی بھوکوں کو کھلا دیتے۔ اور آپ بھوکے رہتے اور کل کا فکر تو کبھی کیا ہی نہیں ؎

ہر چہ آمدت بدست بہ داریِ نوش اُوں		ایں جود آں کس است کہ از فقر عار نیست

ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب فقرو فاقے سے بہت تنگ آئے تو کئی آدمی مل کر حضرتؐ کے پاس گئے اور اپنے اپنے پیٹ دکھائے۔ سب نے ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا تاکہ بھوک کی ایذا محسوس نہ ہو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک دکھایا تو اکھٹے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

حضرت عمر رض سے منقول ہے کہ میں ایک دن پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ

تہمد باندھے بورئیے پر پڑے ہیں۔ بوریئے کی تیلیاں جو جو بدن میں چبھی ہیں۔ تو نشان پڑ پڑ گئے ہیں۔ پھر جو میری نگاہ طاقوں پر جا پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جَو ہیں۔ ذرا سا بیخر دھرا ہے۔ اور وہیں پاس کو پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ کہتے ہیں کہ یہ ایذا اور بے سامانی دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں بے اختیار رو دیا۔

حضرت عائشہ رضہ ذکر کرتی ہیں کہ ایک دن میرے میکے سے بکری کی ران آئی۔ رات کا تھا وقت میں نے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مل کر مشکل سے اُس کو بنایا جس کے سامنے یہ مذکور تھا۔ اُس نے پوچھا کیا چراغ نہ تھا؟ تو حضرت عائشہ رضہ بولیں "تیل ہوتا تو ہم اپنی ہنڈیا ہی نہ بگھارتے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عمر چپاتی کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

سہل بن سعد نے چھلنی کے باب میں بھی ایسی روایت کی ہے مَعَ شَيْءٍ نَرَاهُ عِنْدِ وہ یہ کہ میں نے اپنے راوی سے پوچھا کہ بھلا چھلنی نہ تھی تو جَو کا آٹا کس طرح کھاتے ہوں گے راوی نے کہا كُنَّا نَطْحَنُهُ وَنَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَأَكَلْنَاهُ حضرت کی غالب غذا تھی جھوارے وہ بھی قسم جید نہیں۔ اور شکم سیر نہیں۔

اُمیہ بن صفوان مولفۃ القلوب میں تھا حضرت نے اُس کو اتنا دیا کہ جُود دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ سخی بہتیرے دیکھے۔ مگر اِس درجے کی سخاوت کا سوائے نبی دوسرے کا نفس متحمل ہو ہی نہیں سکتا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کا یہ شعر کچھ مبالغۂ شاعرانہ نہ تھا بلکہ حکایت نفس الامری

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِي تَشَهُّدِهٖ	لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهُ نَعَمُ

بعض شاعر بھی بلا کے چور ہوتے ہیں۔ ایک ہنے اس کا لفظی ترجمہ کر کے کسی بادشاہ کے مدحی قصیدے میں داخل کر دیا ہے

[1] ہم جَو کو پیس کر اوپر سے پھونک مار دیتے بھوسی جو اُڑنی تھی اُڑ جاتی۔ پھر آٹا گوندھا پکایا کھا لیا ۱۲

مگر بہ اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ	نہ رفت کلمۂ لا بزبان او ہرگز

کم بخت کو نہ چوری کرتے شرم آئی اور نہ دنیا دار بادشاہ کی اس قدر بے جا اور نامناسب خوشامد کرتے ہم صرف جود کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ اتنی باتوں کو کہ خود حاجت مند اور سخت درجے کے حاجتمند اور اس قدر داد و دہش اور کشادہ دلی کے ساتھ آپ فرماتے تھے لَوْ کَانَ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا يَسُرُّنِيْ اَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْءٌ[1] اور یہی کیفیت تھی تا دمِ مرگ کہ مرض الموت سے پہلے کہیں حضرت عائشہ رض کو چھ یا سات دینار دیئے تھے کہ مساکین کو تقسیم کر دینا۔ علالت میں خیال آیا تو پوچھا۔ حضرت عائشہ نے عذر کیا شَغَلَنِيْ وَجَعُكَ[2] آپ نے منگوا کر دنانیر کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا مَا ظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ[3] میں نے اور بڑا کر حدیث کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ مال دنیا پیغمبر صاحب کی نظر میں نہ صرف بے قدر تھا بلکہ اپنے اور اپنے اقارب اور متعلقین کے لئے مبغوض۔ اُنھوں نے صدقات کو جو ہمارے زمانے کے مولویوں اور مشائخوں کی معاش کا بڑا ذریعہ ہے۔ نہ صرف اپنی نسل پر بلکہ بنی ہاشم پر ہمیشہ کے لئے قطعاً حرام کر دیا یہاں تک کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال میں بیٹھے ہوئے نقد و جنس مستحقین کو تقسیم کر رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے (بچے تو تھے ہی) ایک چھوارا منہ میں ڈال لیا حضرت کی نظر پڑ گئی فرمایا کخ کخ پھینک دو پھینک دو یہ لوگوں کے مال کا میل ہے آلِ محمد پر حرام۔ اور آخر وہ چھوارا اُگلوا دیا۔ اور اس داد و دہش کا ضروری نتیجہ تھا کہ آپ نہ صرف اپنے نفس پر سختی جھیلتے تھے۔ بلکہ تمام اہل و عیال۔ یہاں تک کہ ایک بار ازواجِ مطہرات نے توسیع نفقات پر ضد کی تو آپ ناخوش ہو کر سب چھوڑ بیٹھنے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی کا تو بیان ہے سورۂ احزاب میں يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ[4]

[1] اگر میرے پاس کوہ احد کی قدر سونا ہوتا تو مجھ کو بڑی خوشی اس کی تھی کہ تین راتیں نہ گذرنے پائیں سب خرچ کر دوں ۱۲ [2] میں آپ کی تیمارداری میں مصروف رہی ۱۲ [3] جمع دینار کی ۱۲ [4] اور نبی کی نسبت خیال کیا جائے جو یہ اشرفیاں لئے ہوئے خدا کے پاس جائے ۱۲ [5] اے نبی اپنی بیبیوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت در کار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر بھلی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم کو درکار ہو اللہ اور رسول اور آخرت کا گھر تو جو تم میں نیکو کار ہیں اُن کے لئے خدا نے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ۱۲۔

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ اِس طرح کی بیسیوں باتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع سے آخر تک صد درجے کی نفس کشی کے ساتھ زندگی بسر کی اور اس کے بہت شواہد ہیں۔ دریا کاری تھی نہ ناداری تھی۔ نہ خست نہ کفایت شعاری تھی بلکہ وُہی کہ اپنے تئیں ایذا ہو تو مگر دوسروں کو فائدہ پھونچے۔ ابتدائے عمر میں دادا اور دادا کے بعد چچا ان کے متکفل تھے پھر خدا نے اُن کو خدیجۃ الکبریٰ کے مال سے غنی کر دیا تھا اور اس کے بعد تو بادشاہ تھے صاحبِ ملک ولشکر ومالک اموال غنیمت يَتَصَرَّفُ فِيْهَا كَيْفَ يَشَاءُ[ل] مگر انتقال ہوا تو تیس صاع جَو کے بدلے اپنے پہننے کی زرہ رہن تھی اپنے لئے تو اس درجے کی تنگی اور مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کا دریغ نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب ملک فتح ہونے لگے تو آپ نے منادی کر دی کہ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ[ل] مَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاءُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ اب اسی نفس کشی کے متعلق چند باتیں صحابہؓ کی سنو۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے اپنے والد کے حالات میں بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے جابر بن عبداللہ کے ہاتھ میں ایک درم دیکھا۔ پوچھا کہ کیسا درم ہو۔ جابرؓ نے کہا بہت دنوں سے بال بچے گوشت کو ترس گئے۔ آج ارادہ ہو کہ اِس کا گوشت لے کر پکواؤں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ بولے کیا تم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہو کہ جس چیز پر جی للچایا گئے اور مول لے آئے۔ تم سے اپنے چچازاد بھائی اور پڑوسی کی خاطر بھوک کی سہار نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہو کہ یہ آیت یاد سے اُتر گئی ہو۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا[ل] مالک دارمی سے منقول ہو کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانِ خلافت

ل جس طرح چاہتے اُس میں تصرف کرتے ۱۲ ل یہ ملک عرب کا ایک پیمانہ ہو ۱۲ ل مجھ سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی خیرخواہ نہیں۔ جو مسلمان قرضدار مرے اُس کا قرضہ میرے ذمے اور جو مال چھوڑ مرے تو مال اُس کے وارثوں کا ۱۲

ل تم دنیا میں مزے اُڑا چکے اور فائدے اُٹھا چکے ۱۲

عقیل اُن سے ناخوش رہتے تھے۔ اس لیئے کہ حضرت علیؓ ان کے دینے میں مضایقہ کرتے تھے۔

ایسا ہی معاملہ حضرت عمرؓ کو پیش آیا تھا کہ اُسامہ بن زید کو زیادہ ملا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے باپ سے گلہ سا کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اور اُسامہ برابر نہیں ہو سکتے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہ کے باپ کو تمھارے باپ سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔ حقیقت میں ان لوگوں کے کچھ عجیب حالات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سولہ دینار حج میں صرف کیئے۔ اور بیٹے سے کہا کہ ہم نے بیت المال کا روپیہ زیادہ اُٹھا دیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت اور سولہ دینار کا خرچ اور اس پر افسوس۔ حضرت ابوبکرؓ کے باب میں تو پیغمبر صاحب پکارے فرماتے تھے کہ جس قدر ان کا روپیہ میرے کام میں آیا ہے اور کسی کا نہیں آیا[1] مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا مِنْ يَدٍ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا اَبِيْ بَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئْهِ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ رضؓ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک بار پیغمبر صاحب کو روپے کی ضرورت تھی۔ یعنی وہی مسلمانوں کے عام فایدے کے لیئے۔ کیونکہ ان کے ہاں ذاتی ضرورت سے تو کچھ بحث ہی نہ تھی خیر تو پیغمبر صاحب نے صحابہؓ کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نے تو اپنا آدھا مال لا حاضر کیا اور پیغمبر صاحب نے رکھ بھی دیا اور دل میں سمجھا کہ آج حضرت ابوبکرؓ سے میں ضرور بازی لے جاؤں گا۔ دین گے تو وہ بھی ضرور۔ مگر شاید آدھا نہ دے سکیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی اپنا چندہ لیئے ہوئے آپہونچے پیغمبر صاحب نے مجھ سے بھی پوچھا تھا[2] مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ تو میں نے عرض کر دیا تھا[3] مِثْلَهٗ حضرت ابوبکرؓ سے بھی پوچھا۔ تو اُنھوں نے کہا[4] اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس کے بعد سے حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بند اور تکموں کی جگہ کانٹے اور تنکے لگائے پھرتے تھے اور اسی سے لوگ اُن کو

[1] جس کسی کا ہم پر کچھ احسان تھا ہم سب کا بدلہ اُتار چکے مگر ابوبکر کا ہم پر ایسا احسان ہے کہ اُس کا عوض قیامت میں اُن کو خدا کے یہاں سے ملے گا۔ اور مجھ کو کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابوبکر کے مال نے ۱۲ [2] تم نے اپنے اہل و عیال کے لیئے کتنا باقی رکھا ۱۲ [3] جتنا حاضر لایا ہوں اسی قدر اہل و عیال کے لیئے چھوڑ آیا ہوں ۱۲ [4] یعنی اللہ و رسول کے سوا اہل و عیال کے لیئے کچھ نہیں چھوڑا ۱۲۔

ذو الخلال کہنے لگے تھے۔ اگر کسی کو چندے کی مقدار پر گھمنڈ ہو تو اُن بزرگوں میں مقدور والے خدا
کے فضل سے اس میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے اَلسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ[۱] عبدالرحمٰن بن عوف غزوۂ تبوک[۲]
میں نہ جا سکے اس کے کفارے میں ستر ہزار دینار خدا کی راہ میں صرف کیے۔ ایک بار پانسو اونٹ
اور پانسو گھوڑے خیرات کر دیئے۔ یہ حضرت عشرۂ مبشرہ[۳] میں سے ہیں۔ اس بشارت کی خوشی میں قافلے کا
قافلہ جو شام سے ان کا مالِ تجارت لا رہا تھا سب خیرات کر دیا۔ حکیم بن حزام نے سو غلام عرفے کے
دن آزاد کیے۔ جن کے گلے میں چاندی کے طوق تھے اور طوق پر کندہ تھا عُتَقَاءُ اللّٰہِ[۴] ساٹھ ہزار کو
معاویہ کے ہاتھ رہنے کا مکان بیچ کر سارا زرِ ثمن خیرات کیا کیا۔ لو ابو طلحہ انصاری نے کیا کہ پیغمبر صاحبؐ
پاس کوئی سائل آیا۔ حضرت نے پہلے ازواجِ طاہرات سے کہلا بھیجا کہ کچھ ہو تو دو۔ سب سے جواب
صاف ملا۔ آخر پیغمبر صاحبؐ نے حاضرین سے فرمایا۔ کیوں بھائی تم میں سے کسی کو ہمت ہے کہ اس
غریب کو ایک رات مہمان رکھے۔ ابو طلحہ بولے حضرت میرے ساتھ کر دیجیے۔ مہمان کو تو لے گئے۔
گھر پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہاں بھی صفایا ہے اور کچھ ہے بھی تو اتنا کہ بچوں کا پوٹ بھرا ہے۔ آخر اس کے سوا اور
کچھ نہ کرتے بن پڑا کہ بی بی سے کہا کہ بچوں کو تو کسی طرح بہلا پھسلا کر بھوکے سے سلا دو۔ کھانے کا وقت آئے تو
کسی حیلے سے چراغ گل کر دینا۔ میں خالی موتھ چلاتا رہوں گا۔ مہمان کا پیٹ بھر جائے گا۔ ایسا ہی
ہوا۔ اسی واقعے کو مفسرین نے آیت وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[۵] کا شانِ
نزول بتایا ہے۔ اب تک میں نے شخصی مثالیں بیان کی ہیں۔ یہی حال تھا گروہ کا گروہ سے اور
قوم کا قوم سے۔ مثلاً جب مہاجرین مدینے میں آ رہے تو انصار نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت ہمارے بھائی مہاجر محض بے سروسامان ہیں۔ آپ ہمارے اموال
میں اُن کا برابر کا حصہ لگا دیجیے۔ حضرت نے فرمایا تمہارا یہی احسان بہت ہے کہ تم ہم سے کام نہیں لیتے

۱ اگلے لوگ نیک کاموں میں سب پر سبقت لے گئے تھے ۱۲ ۲ تبوک ایک شہر کا نام ہے ملک شام میں ۱۲ ۳ وہ
دس صحابی جن کو پیغمبر صاحبؐ نے جیتے جی بہشتی ہونے کی خوش خبری بحکمِ خدا سنا دی تھی ۱۲ ۴ خدا کی راہ میں آزاد کیے ہوئے ۱۲
۵ اپنے تئیں حاجت ہی کیوں نہ ہو۔ دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں ۱۲۔

اور خرچ سے ہماری مدد کرتے ہو۔ پھر جب بنی نضیر[۱] کی غنیمت ہاتھ لگی تو پیغمبر صاحبؐ کو انصار کی رعایت
یاد تھی۔ آپ نے انصار سے کہا کہ اب کہو تو غنیمت میں تمھارا حصہ لگا کر مہاجرین کو تمھارے اموال میں
شریک کردوں۔ یا غنیمت صرف مہاجرین کے لیئے رہنے دوں کہ اِن کو ضرورت ہے۔ تمام انصار نے
ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ غنیمت صرف مہاجرین کو دیجیئے ہم کو اس کی خواہش نہیں۔ اور اپنے مال
میں مہاجرین کے شریک کرنے سے ہم پہلے بھی راضی تھے اب بھی راضی ہیں۔ پھر حُنین کی لڑائی کے
بعد جو فتح مکہ کے تھوڑے ہی دنوں پیچھے ہوئی جب ہوازن[۲] اور ثقیف کی لوٹ تقسیم ہونے لگی
تو حضرتؐ نے قریش کو خوب جی کھول کر دیا۔ بعض انصار کے مونھ سے یہ بات نکلی۔ کہ ہنوز ہماری
تلواروں سے قریش کے خون پڑے ٹپک رہے ہیں اور اِن ہی کو بہت دیا جاتا ہے۔ حضرت کو
خبر پہونچی تو آپ نے انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے ایسا ایسا سُنا ہے۔ سو تم کو معلوم ہے کہ میں
مصلحتِ وقت سمجھ کر بعض اوقات نااہل کو بھی دیتا ہوں۔ کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ لوگوں کو
مال ملے اور تم کو خدا اور خدا کا رسولؐ۔ انصار نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض نوجوان آدمیوں کے مونھ
سے ایسی بے جا بات نکلی تو سہی مگر ہم میں سے جو صاحب الرائے ہیں اُن کو مطلق شکایت نہیں۔
اور ہم خدا اور خدا کے رسولؐ سے راضی ہیں ہم کو مال و دولت کچھ درکار نہیں۔ ہم اسی کو بڑی دولت
سمجھتے ہیں کہ آپ کے قدم ہمارے سروں پر ہیں۔ اِن چند باتوں سے جو میں نے بیان کیں ظاہر
ہو گیا ہوگا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان کس رنگ سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے تھے ہم میں بھی خیر خواہانِ
دین ہیں خیر خواہانِ قوم ہیں۔ اور یہ عمارت اور یہ کارخانہ جس میں ہم لوگ اِس وقت موجود ہیں
اِس خیر خواہی کا ثبوت مرئی ہے۔ لیکن گفتگو اس میں ہے کہ آیا یہ خیر خواہی اور اس رنگ کی خیر خواہی مسلمانوں
کی ضرورت کو کافی ہے۔ یا نہیں۔ میرا کہنا یہی ہے کہ ہرگز کافی نہیں۔ اب تو جان جوکھوں کا کچھ بھی کام
نہیں۔ صرف روپیئے کا خرچ۔ سو اس طرح پر سسک کر خرچ کرنے سے نہ اب تک کچھ ہوا اور نہ آئندہ
کچھ ہو سکے گا۔ کرنا ہے تو پورا کام کرو۔ ادھورا کام ہوا نہ ہوا برابر۔ عربی فارسی میں تو کچھ اثر رہا نہیں۔

[۱] یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام ہے ۱۲ [۲] ہوازن اور ثقیف قبیلوں کے نام ہیں ۱۲

اب تو چلتا ہوا عمل انگریزی کا ہی۔ سو انگریزی شاعر کہتا ہو ؎

آل دیٹ یو ڈُو۔ ڈو۔ وِتھ یور مائٹ	تھنگز ڈن بائی ہاوز آر نیور ڈن رائٹ

ذرا سوچنے اور سمجھنے کی بات ہو کہ قرآن میں جہاں جہاں مسلمانوں کو کوئی حکم دیا گیا۔ ہر زمانے کے مسلمان مکلف اور مخاطب ہیں یا صرف وہی لوگ جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر تھے۔ اگر احکام الٰہی اُسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوں تو سُستے چھوٹے۔ مگر ہم نے تو کسی نیچری مسلمان کو بھی یہ کہتے نہیں سنا۔ باتیں وہی ہیں کسی میں سرِ مو فرق نہیں اور ہو نا ممکن بھی نہیں۔ وہی خدا ہی۔ وہی قرآن ہی۔ وہی احکام ہیں۔ وہی ان کا عموم ہی۔ ہاں ایک بات کا فرق ضرور ہو کہ ویسے مسلمان نہیں اُنھوں نے اسلام کو دیکھا ضعیف۔ محتاج امداد۔ محتاج حمایت۔ اور جان و مال سے اس کی مدد کو پل پڑے۔ آپ فاقے کیئے اور دوسروں کے پیٹ بھرے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔ بھوکے بچوں کو تھپک تھپک کر سُلایا۔ اور مہمان کو کھلایا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔ سلطانِ وقت ہو کر پیوند لگائے۔ موٹا جھوٹا پہنا تاکہ جو کوڑی بچے دوسرے مسلمانوں کے کام آئے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ کسی نے آدھا اور کسی نے سارا مال ایک دم سے خدا کی راہ میں دے دیا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔ بے سروسامان بھائیوں کی مددجوئی سو کی۔ اُن کو آدھا مال بانٹ دینے کے لیئے اصرار کرتے رہے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔

حضرتؐ کے چچا حمزہ بن مُطلب اور مصعب بن عمیر کو پورا کفن تک نہ ملا۔ یہاں تک کہ چادر مُونھ پر ڈھانک کر پیروں پر گھاس ڈال دی گئی۔ اور یہ اُن مصعب کا مذکور ہی جن کی نسبت پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ میں نے دو دو سو درہم کا حلّہ پہنے اپنی آنکھ سے اُن کو دیکھا ہی۔ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے کسی مسلمان کو اس بے سامانی کے ساتھ دفن ہوتے دیکھا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں حضرت ابوبکر رضہ کی طرح تنکے اور کانٹے لگاتا تو اُن ہی کا کام تھا۔ ہم میں سے کسی نے صوفی کے بٹنوں پر

۵ جو کچھ کرنا ہی بھر مقدور کرو۔ ادھورے کام کبھی ٹھیک نہیں ہوتے ۱۲

بھی کبھی قناعت کی ہی؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے عام مسلمانوں کو اپنے نفس اور اہل وعیال اور عزیزوں پر ترجیح دی ہی جس کا دوسرا نام ایثار ہی۔ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔ قطعہ

خسرو سے خواستگاریٔ شیریں یہ کوہ کن	بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس مونھ سے اپنے آپ کو کہتا ہی عشق باز	ای روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

شاعر نے تو کہا ہی۔ ع

"ای روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا"

اور میں کہتا ہوں۔ ع

"ای روسیاہ تجھ سے تو کچھ بھی نہ ہو سکا"

پس یا تو اپنا استغنا دکھاؤ یا اسلام اور خیرخواہی اسلام کے دعوی سے ہاتھ اٹھاؤ۔ یا گزشتہ را صلوات خیر جو ہو گیا سو گیا۔ اب اس کی تلافی کرو۔ سید احمد خاں تو میرے لکچر کے سننے والوں میں نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ مجھ کو چار و ناچار اُن کا تذکرہ کرنا پڑتا ہی۔ اور ان کے بر روان کی مدح کرنا خود مجھ کو ناگوار ہوتا ہی۔ اِن کو مجھ سے بھی زیادہ ناگوار ہوتا ہوگا۔ مگر یہ میرے اختیار کی بات نہیں۔ ایک شخص کو دیکھتا ہوں اور نہ صرف میں دیکھتا ہوں۔ بلکہ سارا زمانہ دیکھ رہا ہی کہ مسلمانوں کے پیچھے اپنی جان کھپائے چلا جاتا ہی۔ کیوں کر ممکن ہی کہ مسلمانوں پر لکچر دوں اور سید احمد خاں کا نام نہ لوں۔ بس ایک شخص کی دل سوزی تو لگلے لوگوں کی دل سوزی کے لگ بھگ معلوم ہوتی ہی۔ باقی یوں کہنے کو تو ہم سب مسلمان ہیں۔ سبھی اسلام کے خیرخواہ ہیں اور اپنے مقدور کے موافق سبھی کرتے ہوں گے۔

ای ذوق کس کو چشمِ حقارت سے دیکھئے	سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

سید احمد خاں کے ظاہر حال سے دھوکا ہو سکتا ہی کہ اونچے درجے کے انگریزوں کی طرح ماند و بود کرتے ہیں گورنروں کو مہمان رکھتے ہیں۔ اِن کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہیں۔ توبہ توبہ زبان آخر تو چمڑے کی ہی اس وقت کیا بہکی ہی۔ ہم پیالہ نہیں صرف ہم نوالہ۔ ایک بدگمان آدمی کو یہ کہہ دینا۔ اور نہ صرف کہہ دینا بلکہ اُن لوگوں کو

اَلْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ پس سید احمد خاں کی قومی ہمدردی کا موازنہ کرنا چاہیے۔ اس سے کہ انھوں نے اپنے جسم اور دل اور دماغ اور آرام کو جس کے اس عمر میں سبھی سخت حاجت مند ہوا کرتے ہیں اور یہ بھی ہیں قوم کے نذر کر دیا۔ کیا مال ان چیزوں سے بھی زیادہ عزیز ہو سکتا ہو۔ پس ضرور بقدر دسترس اُس کے خرچ کرنے میں بھی انھوں نے دریغ نہیں کیا ہوگا۔ انھوں نے دل سوزی وفادار۔ اور نمک حلال غلاموں کی طرح قوم کی چند در چند خدمتیں کیں۔ میں یہاں تک بھی ان کی بہت قدر نہیں کرتا جس چیز کی سب سے زیادہ وقعت میرے ذہن میں ہو یہ ہو کہ قوم منت پزیر نہیں ہوئی (افسوس) اور یہ شخص اُسی خوش دلی اور اُسی سرگرمی کے ساتھ اپنے کام میں لگا ہوا ہو۔

آج سر سید کی لیاقت کا ہندوستان میں ایسا سکہ بیٹھا ہوا ہو کہ انگریزی سرکار میں گنجایش نہیں تو ہندوستانی سرکاروں میں ہزاروں کی نوکری ان کی جوتیوں سے لگی پڑی تھی۔ مگر انھوں نے اپنے دُھن کے آگے ان باتوں کا خیال بھی نہ کیا ہوگا۔ یہ وہ خیر خواہیاں ہیں کہ روپیہ تو ایک بے حقیقت چیز ہو۔ جواہرات بھی ان کا مول نہیں ہو سکتے۔ سر سید میں ہم اس بات کا ثبوت پاتے ہیں کہ جس چیز کی مسلمانوں کو ضرورت ہو وہ سچی ہمدردی ہو۔ مقدور ہو نہ سہی۔ ہم کو دینے والے درکار نہیں بلکہ درکار ہیں لینے والے۔ لینے والے ہوں گے تو وہ دینے والے آپ پیدا کر لیں گے۔ جن لوگوں نے علی گڈھ کالج میں چندہ دیا۔ اُن کا دینا ایک حسنہ ہو۔ اور سید احمد خاں کہیں دَاعِیْ[۵۱] اِلَی الْخَیْرِ ہوئے۔ کہیں دَالٌّ[۵۲] عَلَی الْخَیْرِ کہیں قَائِدٌ[۵۳] اِلَی الْخَیْرِ کہیں سَائِقٌ[۵۴] اِلَی الْخَیْرِ پس ان کے یہ مزید حسنات ہیں اور سر سید مسلمانوں کے لیے خیر محض۔ اسلام کو جو ترقی ہوئی تھی وہ بھی مفلس ہی مسلمانوں کی کوشش سے ہوئی تھی۔ پس جس کو خدا توفیق دے اور اُس کے دل میں مسلمانوں کی امداد کا داعیہ پیدا ہو

۵۱ نیک کاموں طرف بلانے والے ۱۲ ۵۲ بتانے والے نیک کام کے ۱۲ ۵۳ لے چلنے والے طرف خیر کے ۱۲ ۵۴ کھینچنے والے طرف خیر کے ۱۲۔

ہوناچاہیئے کہ متوکلاً علی اللہ اُٹھ کھڑا ہو اور بے سامانی کی طرف سے ذرا بھی پس وپیش نہ کرے۔
ارادہ ہی کافی سامان ہو بشرطیکہ پکا ہو۔ کیا خوب کہا ہو ؎

صَمِّمِ الْعَزْمَ فِی الْمُهِمَّاتِ جِدًّا	قَلَّ مَاخَابَ صَادِقُ الْعَزَمَاتِ

ایک بات میرے دل میں دیر سے کھٹک رہی ہو اور میں اُس کو ٹالتا چلا جاتا ہوں۔ مگر کب تک؟ اور اُس کو لکھوں تو کس دن کے لیئے۔ وہ یہ کہ قرآن میں جو جگہ جگہ جہاد کی مدح ہو۔ تاکید ہو۔ مجاہدین کے لیئے بشارتیں ہیں۔ مواعید ہیں۔ اور اُس کو افضل الاعمال فرمایا ہو۔ آیا جہاد سے وہ لڑائی مراد ہو۔ جس میں خون نکل آتا ہو۔ جس میں سر پھوٹتے ہیں اور ہڈیاں ٹوٹتی ہیں۔ اور سنا ہو کہ آدمی مر بھی جاتا ہو تو اس کے افضل الاعمال ہونے میں کیا شک ہو۔ مگر اس صورت میں وہ فرض موقت ہوگا۔ یعنی اس کی ضرورت واقع ہوگی فِی وَقْتٍ دُوْنَ وَقْتٍ لیکن الفاظِ قرآن سے معلوم ہوتا ہو کہ نماز روزے کی طرح جہاد بھی حکم مستمر اور متجدد ہو۔ اور ایک حدیث اس طرح کی بھی ہو کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوے سے واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ اور مسلم ہو کہ جہاد اکبر سے مراد تزکیۂ نفوس ہو۔ تو معلوم ہوا کہ جہاد کا اطلاق صرف لڑائی بھڑائی اور مار کٹائی پر نہیں۔ بلکہ ہر عمل خیر جس میں جہد و مشقت ہو داخل جہاد ہو۔ ہم اپنے محاورے میں ہاتھ دھو کر ایک کام کے پیچھے پڑنے کو جان کا لڑا دینا بولتے ہیں۔ پس اگر مثلاً یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَنْفُسِهِمْ کا ترجمہ کیا جائے کہ خدا کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں تو میرے نزدیک زیادہ روبصحت ہوگا بیشک ایک وہ وقت تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ منحصر اور متعین تھا لڑائی میں۔ لیکن اب مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہو کہ اہل یورپ کے علوم کو تکمیل کے ساتھ حاصل کریں۔ اور ہمارے زمانے کا جہاد یہی ہو کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں کو تعلیم دی جائے میں جانتا ہوں کہ آج کل کے

---

[1] خدا پر بھروسا کرکے ۱۲ [2] مشکل باتوں کا عزم کرو تو پکے طور پر کرو سچے ارادے کا آدمی کمتر ناکام رہتا ہو ۱۲۔
[3] ایک وقت ہوگی اور ایک وقت نہ ہوگی ۱۲ [4] ہمیشہ ۱۲ [5] وقتاً فوقتاً اُس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہو ۱۲ [6] ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف متوجہ ہوئے ۱۲ [7] اخلاق بد سے نفس کو پاک کرنا ۱۲۔

کمریں باندھ باندھ نجاشی کے ساتھ ہوئیے اور اس کی فتح کے لیئے دعائیں مانگنے لگے سو الگ ایسے احکام
اور ایسی مثالوں کے ہوتے ہوئے ہول برٹش[۵۱] انڈیا میں کبھی کوئی مسلمان اُس جہاد کا خیال کر ہی
نہیں سکتا جس کے معنی ہیں دشمنی اور مخالفت کی لڑائی۔ ایسی لڑائی اس عملداری میں کسی بھلے آدمی کا
شیوہ نہیں اور نہ اس کو عقل جائز رکھے اور نہ مذہب۔ مگر ہاں (کوئی پولیس کا آدمی تو ادھر اُدھر
نہیں لگا ہی) گورمنٹ کے تو نہیں اہل یوروپ کے ساتھ علمی مورچہ لینے کو بے اختیار جی چاہتا ہی کمبخت
مسلمان ہمت ہی نہیں کرتے ۔

میں نے مضمون ایسا وسیع اختیار کیا کہ اگر میں وعظ کہتا ہوتا تو زیادہ نہیں تاہم ایک برس تو
خاصہ گھسیٹ لے جاتا۔ میرا دماغ نہیں تھکا۔ آواز نہیں تھکی۔ مگر کھڑے کھڑے ٹانگیں تھک گئی ہیں۔
اور مستمعین بھی ملول ہوگئے ہوں گے۔ میں مسلمانوں کے مارٹرز[۵۲] پر کچھ ریمارکس کرنے کو تھا مگر وہ بھی بڑ طلب
کام ہی تو میں اپنے لکچر کو ختم کیئے دیتا ہوں۔ مگر چلتے چلتے ایک آیت تو اور سنو اس کا ایک ایک حرف ہم پر
منطبق ہی۔ گویا ہم ہی اس کے شان نزول ہیں [۵۳] هَآ اَنْتُمْ هٰؤُلَاۤءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۤءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا
يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ اس آیت میں دو باتیں باتوں کا میں نے سرسری[۵۴]
نوٹس لیا ہی۔ ایک تو یہ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ جو کوئی بخل کرے تو یہ نہ سمجھے کہ دوسرے
محروم رہے نہیں وہ خود محروم رہا۔ کیوں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتا اُس کا فائدہ اُسی کو پہونچتا۔
اس سے ہماری عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہی کہ لوگ خدا کی راہ میں دیتے اور لینے والے یا دلوانے والے
پر احسان رکھتے اور نہیں سمجھتے کہ خدا کی راہ میں دینا عین اپنے تئیں دینا ہی۔

[۵۱] تمام ہندوستان ۱۲ [۵۲] اخلاق ۱۲ [۵۳] دیکھو تم ہی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیئے بلائے جاتے ہو تو
کوئی تم سے بخل کرتا ہی اور جو بخل کرتا ہی تو وہ اپنے حق میں بخل کرتا ہی اور اللہ بے نیاز ہی اور تم حاجت مند ہو اور اگر پھرو گے
تو تمھارے بدلے دوسروں کو لے آئے گا وہ تم جیسے ہونے کے بھی نہیں ۱۲ [۵۴] مطلب یہ ہی کہ دو باتوں کی طرف خاص
زور سے توجہ کی ہی ۱۲۔

دوسری دھمکی اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ خدا اور اُس کی عظمت اور شان اور قدرت کو جاننے پہچاننے والے کے دل پر ویسا ہی اثر کرے گی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہی لَوۡ اَنۡزَلۡنَا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ - مگر نہ ویسے دل ہیں نہ ویسا ایمان ہی ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ایک دل زرارہ بن اوفی تابعی قاضی بصرہ کا تھا کہ نماز میں فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ پڑھا بے اختیار چیخ نکلی اور چیخ کے ساتھ روح پرواز کر گئی اب فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ کے معنے کون سمجھتا ہی اور سمجھتا تو اُس کا یقین کون کرتا سمجھنے والے تو ان فکروں میں پڑے ہیں کہ عرصہ گاہ محشر نہ ہوا کوئی فوج کا پڑاؤ ہوا پس ناقور سے اس کے اصلی معنے مراد ہو نہیں سکتے - اللہ میاں بھی کہتے ہوں گے کہ عجب کٹھ حجت بندوں سے معاملہ پڑا ہی - کمبختوں نے قرآن کو ابن حاجب کا کافیہ بنا دیا ہی کہ لفظ مونھ سے نکلا اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی - اِس طرح کے شبہات کا دل میں خطور کرنا بڑے خطر کی بات ہی - یہ نشان ہی اس بات کا کہ طبیعت دین کی باتوں کے قبول کرنے سے ابا کرتی ہی فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَ مَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (لکچرار نے کالج کے لڑکوں کی طرف نظر کی جو ہال کے دونوں طرف اونچی گیلریوں میں جمع تھے اور خوب قہقہ اڑا۔) بے شک انسان کو جتنی قوتیں جسمانی اور دماغی دی گئی ہیں کسی مصلحت سے دی گئی ہیں ان میں سے کسی قوت کا مہمل اور معطل رکھنا داخل رہبانیت ہی وَ لَا رَہۡبَانِیَّۃَ فِی الۡاِسۡلَامِ مگر اعتدال شرط ہی ضرور عقل بھی ایک قوت ہی اور بڑی بکار آمد قوت ہی - مگر اس کی رسائی کی بھی ایک حد ہی - اس کو اس کی

لہ اگر ہم نے یہ قرآن پہاڑ پر نازل کیا ہوتا تو وہ خدا کے خوف سے جھک گیا ہوتا پھٹ گیا ہوتا ۱۲ ۔ ۲ جب صور پھونکا جائے ۱۲ ۔ ۳ جس کو خدا ہدایت دینی چاہتا ہی اسلام کے لئے اُس کے سینے کو کھول دیتا ہی اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہی تو اُس کے سینے کو تنگ اٹکا ہوا کر دیتا ہی جیسے اُس کو کوئی آسمان میں لئے چلا جا رہا ہی ۱۲ ۔ ۴ غلام گردش ۱۲

حد سے باہر ہے چلنا گر بڑی ہی ہے اور یہی وہ عیب ہے جس سے شکی طبیعت کا آدمی محفوظ نہیں رہ سکتا جتنا
علم اس وقت دنیا میں ازمنۂ ماضیہ کے علوم سے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ پھر بھی قاصر و محدود ہے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ
مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا تو جو شخص دین کی ہر ایک بات کو اپنی عقل کی گرفت میں لانے کی کوشش کرتا ہے
وہ اس گھٹکے ٹٹ پونجیے پنساری سے زیادہ احمق نہیں ہو سکتا جو اپنی کوٹھی سے ساری قرابادین کی دوائیں
مہیا کر دینے کا ادعا کرے۔

اگر عقل انسانی میں اتنی وسعت ہوتی کہ وہ تمام اسرار حکمت الٰہی پر احاطہ اور اُن باتوں میں جو
بعد مرگ پیش آنے والی ہیں رائے زنی کر سکتی تو دین کا سارا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جاتا۔ اور وہی عقل
لوگوں کی ہدایت کو کفایت کرتی۔ تحقیقات کا جو طریقہ ہمارے نوجوان انگریزی خواں ساکنان ملا اعلیٰ
دلچرانے کالج کے طلبا کی طرف پھر سر اُٹھا کر دیکھا) پسند کرتے ہیں اس کا ایک پہلو بہت زبون ہے کہ جب ہم
ہر ایک مسئلے کو عقل کی روشنی سے دیکھیں اور کسی بات میں قصور فہم کا اعتراف نہ کریں اور جو امر اپنی سمجھ سے
بالاتر پائیں اُسے جھٹلائیں بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهٖ یا اُس کی تاویل کے درپے ہوں تو حقیقت میں ہم
مخبر صادق پر ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ ایمان لاتے ہیں اپنی عقل پر اور بس۔ یہ بیان منجر ہوتا ہے ایک بہت
بڑی بحث کی طرف جس کے لیے وقت مساعد نہیں۔ بات یہ ہے کہ میری مت کسی سے نہیں ملتی۔ نہ اولڈ
سکول (پرانے خیالات) والوں کی طرح میں ڈارک دیلوز (کوتاہ نظر) کہتا ہوں۔ نہ نیچریوں کی سی بلند پروازی
جب سر سیّد نے مجھ کو لکھا کہ تجھ کو مسلمانوں پر لیکچر دینا ہوگا۔ تو میں نے اپنے ان ہی خیالات کی وجہ سے فی اول الحال
چاہا تھا کہ عذر کروں۔ پھر میں نے سمجھا کہ سر سیّد تو نہیں مگر شاید کسی کو ایسا گمان ہو کہ لاہور کی کانفرنس
میں جو ذرا تعریف ہو گئی تھی تو شیخی میں آ گیا ہے۔ بلاتے ہیں تو اوڑھے نخرے کرتا ہے اس سوءِ ظن کے دفع کرنے
کو میں بے عذر آ موجود ہوا۔ اگر آج کے لیکچر نے کوئی خاص اثر پیدا کیا تو وارے میں ورنہ مجھ کو تو اس مضمون پر
کوئی حرف منہ سے نکالتے ہوئے پھر سنو گے نہیں۔ یہ ظرف خدا نے سر سید ہی کو دیا ہے۔ ع

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

لہ سیان پت ۱۲ ؎ علم تو تم کو دیا گیا ہے مگر یوں ہی سا ۱۲ ؎ دیانت دار ۱۲ ؎ جو سمجھ میں نہ آیا اُس کو جھٹلانے ۱۲-

چھٹا لکچر

جو جلسۂ افتتاح مدرسۂ طبیہ دہلی منعقدہ ۲۳ جون ۱۸۸۹ء پر دیا گیا!

تمہید

اس جلسے کی وقعت اسمائے گرامی صاحبان ذیل سے معلوم ہو گی کہ کس رتبے کے لوگ شریک تھے۔ جناب مسٹر آر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی۔ جناب سر سید احمد خاں صاحب۔ جناب جلال الدولہ نواب محمد ممتاز علی خاں صاحب بہادر مستقل جنگ رئیس وجانہ جناب صاحب عالم مرزا سلیمان شاہ صاحب بہادر گورگانی۔ نواب محمد اسحاق خاں صاحب جنٹ مجسٹریٹ اٹاوہ۔ لالہ رام کشن داس صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ لالہ سر کیشن داس صاحب ساہو گوڑ والہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ جناب ڈپٹی ہادی حسین خاں صاحب آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و رئیس دہلی۔ جناب مولوی حشمت اللہ خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر میرٹھ جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب رئیس علی گڈھ۔ نواب رضا علی خاں رئیس رامپور نواب احمد علی خاں صاحب رئیس رامپور میجر شمشیر بھیا صاحب بہادر رئیس گوالیار۔ شاہزادہ والا گوہر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر۔ ملا اسمٰعیل صاحب رئیس منڈالی ملک برہما۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں کی اسپیچ (تقریر) اگر اسٹو (جامع) اسپیچ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اور کچھ

کہنے کی ضرورت باقی ہو۔ مگر حکیم عبدالمجید خاں صاحب اور چند دوسرے صاحب اصرار کرتے ہیں کہ میں بھی کچھ کہوں۔ پس میں پہلے تھوڑی نظم پڑھوں گا اور پھر جو کچھ کہنا ہو کہوں گا۔ اشعار

بات سناتے ہیں تمہیں اک نئی / قوم کے مٹنے کے ہیں لچھن کئی

جب ہوئی قوم اپنی نظر میں ذلیل / اس کو بھی مٹنے ہی کی سمجھو دلیل

چارۂ کار اس کا کوئی کیا کرے / آپ وہ اپنے تئیں رسوا کرے

اپنی بد اندیش وہ خود ہو مگر / عیب نماید ہنرش در نظر

سمجھے وہ نقصان کمالات کو / آگ لگے ایسے خیالات کو

یاں بھی کم و بیش یہی حال ہے / عاقبتِ زشتیِ اعمال ہے

جن ہنروں پر تھا ہمیں افتخار / اب ہیں وہی موجبِ صد گونہ عار

علم ہمارا ہے بتر جہل سے / اور بھی کچھ ہو نہ ہو نا اہل سے

دوسرے لوگوں کی شکایت نہیں / ہم کو ہی خود اپنی رعایت نہیں

جب ہو طبیعت کو ردائت سے ساز / اس کے لئے سم ہے دواخانہ ساز

ہم بھی کبھی با سر و سامان تھے / ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے

ہم کو بھی آرام کا احساس تھا / یسر و غنا رکھتے تھے زر پاس تھا

ہم نے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر / ہم نے بھی پہنا ہے سمور و حریر

اوڑھتے تھے ہم بھی کبھی سر پہ تاج / ہم نے بھی لوگوں سے لئے ہیں خراج

ملک لیے سلطنتیں زیر کیں / خیر سے کتنی صدیاں تیر کیں

علم میں بھی ہم کو تھی وہ دستگاہ / ہم تھے مشاہیر فضیلت پناہ

لوگ تھے شاگرد ہم استاد تھے / سارے زمانے کے ہنر یاد تھے

سر میں ہمارے بھی کبھی عقل تھی / باقی اسی اصل کی سب نقل تھی

نہیں ہوتا۔ میں توقع نہیں کرتا کہ میرا دل تو ہشاش بشاش ہو نہیں میں نے اپنی صورت ہشاش بشاش بنالی ہو۔ میرے دل کے ہشاش بشاش نہ ہونے کا سبب یہ ہو کہ میں نے ہندوستانیوں میں اس قبیل کی بہت سی تحریکیں دیکھیں تو نہیں مگر سُنی ہیں۔ اے کاش اُن میں سے فی صدی پانچ کو اتنا ثبات ہوتا۔ جتنا آج کل کے حشرات الارض کو ہوتا ہے کہ برسات بھر کودے اُچھلے رینگے چلے پھرے جاڑے کے آتے آتے فنا ہو گئے ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ زمانہ علوم و فنون ایجاد و صنعت اور آزادی کی ترقی کا ہے سو اس ترقی کا ظہور علی وجہ الکمال تو یورپ میں ہے۔ ہم نے اپنے حوصلے اور ارادے سے نہیں بلکہ انگریزوں کے طفیل میں پایوں کہو کہ اُن کی دیکھا دیکھی اِلیٰ یَوْمِنَا هٰذَا اتنی ترقی تو ضرور کی ہے کہ ہم میں سے کُل نہیں بلکہ بعض وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ زمانے کی رفتار اور اپنی درماندگی کو کسی قدر سمجھنے لگے ہیں سو جنھوں نے سمجھا وہ کچھ کرتے بھی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ خیال جن میں ہیں اُن میں بھی راسخ نہیں عَلَی الْاَکْثَرِ اُن کے منصوبے ناتمام ہوتے ہیں۔ اُن کی کوششیں رائگاں اور اُن کی مساعی نامشکور۔ پس ترقی یا رفام کے لحاظ سے ہمارا حال مبتدی کا سا ہے اور مبتدی بھی کمبخت بدشوق۔ جیسا شوق ویسی محنت ویسا نتیجہ۔ میری نظر میں ہندوستانیوں کے جوش و خروش کی باسی دال کے اُبال سے ذرا بھی زیادہ وقعت نہیں ع

اے طبل بلند بانگ در آخر ہیچ

اُس نئے ٹٹو کی طرح جو پہلے پہل بگھی میں جوتا جائے ہم اپنی ساری قوت فی اول الوہلہ صرف کر دیتے ہیں اور منزل کی دوری پر مطلق نظر نہیں کرتے۔ انجام کیا ہوتا ہے۔ اور اس کے سوائے ہوتا بھی کیا تھا کہ اگر ہم کو مثلاً قطب صاحب تک جانا تھا تو ہم اجمیری دروازے پڑے ہیں یا پہاڑ گنج یا بڑا دھاوا مارا تو جنتر منتر۔ اے جزاک اللہ دیر آمدہ زراہ دور آمدہ۔ اس طرح کے مجامع چاہے وہ اپنے تئیں مجلس پکاریں یا انجمن یا کمیٹی یا سوسائٹی یا ایسوسی ایشن یا کلب ع

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش

غرض اس جلسے کے مجامع میں اُن کی کچھ کیفیت بیان کروں۔ ایک شخص کے دل میں دفعتہً ایک خیال پیدا ہوا اور پیدا ہوا بھی تو کس طرح جیسے بجلی چمک جاتی ہے[1] كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا فوراً اس نے اپنے چند متعارفین سے کہا۔ کوئی پریزیڈنٹ[2] بنا کوئی وائس پریزیڈنٹ[3] کوئی سکرٹری۔ کوئی کیا کوئی کیا۔ نوٹس چھپا لوگ جمع ہوئے اسپیچیں سنائی گئیں چیرز ہوئے۔ ایک نے کھڑے ہوکر پروپوز کیا دوسرا مؤید بنا وہ بھی کھڑا ہوکر۔ رزولیوشن پاس ہوئے چیرمین[4] کو تھینکس[5] دیئے گئے جلسہ ہمیشہ کے لیئے برخاست ع

آنچہ آدم مے کند بوزینہ ہم

اب آپ انصاف کیجئے کہ ہندوستانیوں کی انجمنوں کے حق میں جس شخص کے ایسے خیالات ہوں جس نے سیکڑوں انجمنوں کو بنتے اور بگڑتے دیکھا اور سنا ہو وہ کیوں اس جلسہ میں حاضر ہوتا اور خصوص ہشاش بشاش ہوکر لیکن بعض صورتیں اس عموم سے مستثنیٰ بھی ہیں جن کو انگریزی محاورے کے مطابق آنریبل اکسپشنز (مستثنیات قابل عزت) کہنا چاہیئے۔ اور امید کرتا ہوں اور نہ صرف امید بلکہ دعا بھی کہ یہ جلسہ بھی ان ہی مستثنیات میں سے ہو اور ان شاء اللہ ہوگا۔ جس غرض سے ہم لوگ مجتمع ہوئے ہیں۔ میں اُس کو دل سے اس قدر پسند کرتا ہوں کہ بس کوئی دوسرا بھی اس کو پسند کرے گا تو اتنا ہی کرے گا۔ مگر جس طرح ہر بات کے دو پہلے ہوتے ہیں موافق و مخالف۔ اس مدرسۂ طبیہ کے بھی دو پہلو ہیں۔ اور چندہ جگہ چندے دینے کی مشکل ہوتی ہے۔ ع

زرمے طلبی سخن درین است

یہاں مجھ کو اس کا ذرا بھی خدشہ نہیں۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب جو اس کے بانی اور محرک اول ہیں میں ان کے اقتدار ان کی وجاہت اور ان کے رُشد سے بخوبی واقف ہوں۔ ان کو روپیئے کا اکٹھا کرلینا کچھ بھی مشکل نہیں لوگ دوسرے کاموں کے لیئے چندہ دینے میں بخل و مضایقہ

[1] بجلی تو چلنے لگے اور جب کہ اندھیرا ہوگیا کھڑے کے کھڑے رہ گئے ۱۲ [2] میر مجلس ۱۲ [3] نائب میر مجلس ۱۲ [4] یعنی کوئی تجویز پیش کی ۱۲ [5] جو خاص جلسے میں صدر نشین ہو ۱۲ [6] شکریہ ادا کیا گیا ۱۲

کریں تو کریں۔ مگر اس مدرسے کے لئے جس کے ضروری اور مفید اور خیر محض ہونے میں کوئی کلام
کر ہی نہیں سکتا۔ بطیب خاطر دیں گے۔ دیں گے اور بہت کچھ دیں گے۔ اس مدرسے کے بارے میں بہت
بڑی مشکل خود مدرسے کی ہے یعنی اُس اثر کو دیکھتا ہوں جو انگریزی تعلیم اور انگریزی عملداری لوگوں کے دلوں پر
کر رہی ہے کوئی حالت کوئی شان کوئی وضع کوئی کیفیت کوئی چیز نہیں جس میں اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ
مُلُوْکِھِمْ[۱] کا آئرن رول (جبری ضابطہ) بڑے زور کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ طب یونانی اس بلائے بے درمان
کے مقابلے میں ابھی تک اتنی بھی سنبھلی تو بہت سنبھلی۔ مگر آیندہ اُس کے بقا و ثبات کی اس کے سوائے
امکاناً اور کوئی صورت نہیں کہ طب یونانی اور ڈاکٹری کو ملا کر مزاج زمانہ کے موافق ایک معجون مرکب
تیار کیا جائے۔ اگر اس معجون کا بنا لینا ایسا کیا بچوں کا کھیل ہے میں تو اس کو کیمیا کے بنا لینے سے کچھ ہی کم
مشکل سمجھتا ہوں۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی نسبت میرا ایسا خیال نہیں ہے کہ انھوں نے اِس
مشکل پر نظر نہیں کی۔ کی اور بہت اچھی طرح کی۔ اور اسی مشکل کے علاج کی تمہید ہے جس کو برکت دینے کے لئے
آپ جیسے بزرگانِ قوم جمع ہوئے ہیں۔ اگرچہ کل حضرات کی تشریف آوری حکیم عبدالمجید خاں صاحب
کی دل دہی اور تقویت کا موجب ہوئی۔ مگر خاص کر آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں کا شریکِ رسم افتتاح مدرسہ
ہونا اس کی کامیابی کی فالِ نیک اور اس کے ثبات و استحکام کی ضمانت ہے۔ نہ اس لئے کہ سر سید احمد
خاں ہندستانیوں میں بحیثیت تعزز دنیاوی سر برآوردہ ہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ من وجہ حکیم
عبدالمجید خاں میں اور اُن میں مماثلت ہے سر سید ڈاکٹر ہیں تو عبدالمجید خاں حکیم۔ اور ڈاکٹر اور حکیم
مرادفِ یک دگر۔ سر سید نے بھی عبدالمجید خاں کی طرح ایک کالج کی مسلمانوں کے لئے ضرورت
سمجھی۔ اور جن کے فائدے کے لئے کالج بنانا چاہا انھوں ہی نے مزاحمتیں کیں اڑنگے لگائے۔
چلتی ہوئی گاڑی میں روڑے اٹکائے۔ مگر واہ رے سید آدمی ارادے کا اتنا تو پکا ہوئے تو کسی بڑے
[۱] کام کا بیڑا اٹھائے۔ کالج کو چلا ہی کر چھوڑا۔ حکیم عبدالمجید خاں کو ہمارے سر سید سے بہت کچھ سیکھنا
اور اخذ کرنا ہوگا۔ انگریزی لباس نہیں میز چھری کانٹا نہیں۔ اور بھی چند باتیں نہیں بلکہ استقلال مزاج

---

[۱] جو بادشاہ کا دین وہی رعایا کا دین ۱۲۔

اور وہ چیز جس کو ہم ٹھیٹ ہندی میں دُہن سے تعبیر کرتے ہیں اور محنت اور حلم اور خلوص مگر یہ مدرسہ توقع کے مطابق جم گیا اور اتفاق میں خدا نے بڑی برکت دی ہے آپ اتنے صاحب کثر کثرہ اللہ[1] جماعت چاہیں گے تو کیوں نہ جمے گا۔ غرض اگر یہ مدرسہ توقع کے مطابق جم گیا تو ہماری چودھویں صدی کے مسلمات الامور میں سے شمار کیا جائے گا۔

ساتواں لکچر

اثبات اصولِ اسلام

انجمن حمایت اسلام لاہور کے پانچویں سالانہ جلسے میں دیا گیا

۲۵۔ فروری سنہ ۱۸۹۰ء کی شام کو ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں (جس میں ہر مذہب وملت کے لوگ شامل تھے) خدا کی ہستی۔ توحید۔ اور عبادت۔ رسالت اور ختم رسالت کے اثبات پر عقلی دلایل سے دیا

تمہید

یہ لکچر مہاراجہ دھیان سنگھ کی کوٹھی میں شب کے وقت ہوا۔ جس سے وسیع زیادہ لاہور میں کوئی مکان نہیں۔ انجمن کے لوگوں نے پہلے سے کمر رکھا تھا کہ شہر میں آریہ اور عیسائیوں کی بڑی شورش ہے۔ ایسا لکچر دیا جائے کہ ان پر اثر پڑے چنانچہ انجمن نے

[1] خدا کرے تمہارا شمار زیادہ ہو ۱۲۔

شاہ عالم کے سلام کو گئے تو حضور والا نے پوچھا کہ میر صاحب بعد مدت کے آپ کو دیکھا کچھ افکار
تازہ تو سنائیے۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ مجھ کو فکر دہن سے ہی فرصت نہیں۔ فکر سخن کیا کروں۔
بادشاہ نے اس بات کو تو ٹال دیا اور کہا تو یہ کہا کہ بھائی میں تو صحت خانے (پاخانہ) میں جاتا ہوں
تو ایک غزل کہہ لاتا ہوں۔ میر صاحب کو مطلب کی بات ٹالے جانے سے جلے بھنے بیٹھے ہی تھے
بے تامل بول اٹھے۔ پھر حضور ویسے ہی سڑے ہوئے اشعار بھی ہوتے ہیں۔ غرض میر صاحب
معاش کی طرف سے سخت مجبور ہو کر بادل ناخواستہ لکھنؤ پہونچے۔ سرائے میں فروکش ہوئے
سنا کہ مشاعرہ ہے۔ طرح دریافت کی اور عاجلانہ غزل لکھ کر اپنی وضع قدیم سے شریک محفل ہوئے
نئی تراش خراش کے لکھنؤ سے لگے ان کو گھورنے اور تاڑنے۔ میر صاحب نے فی البدیہہ یہ اشعار
پڑھے ؎

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو	ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا رشک بہار خلد	واں منتخب ہی رہتے تھے سب روزگار کے
اس کو فلک نے مار کے ویران کر دیا	ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

تو میر تقی صاحب کو ہر چند دلی سے دل برداشتگی تھی۔ اور وہی دل برداشتگی ان کو لکھنؤ لائی تھی
مگر تاہم ان کو اپنے وطن سے انس تھا۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ مجھ کو بھی ہے اور ہونا چاہیئے حُبُّ الْوَطَنِ
مِنَ الْاِیْمَانِ[1] یہ ایک حدیث ہے میں اس پر کچھ ریمارک کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ سلسلہ سخن منقطع ہوتا ہو
اس وقت مجھ کو یہ خیال آ گیا کہ بات تو ایک ہی ہوتی ہے۔ مگر از بسکہ عقلوں کے مدارج متفاوت
ہیں ہر شخص اس سے دوسرا ہی مطلب نکالتا ہے۔ پست خیال دنی الہمت لوگوں کے نزدیک
حب الوطن کا یہی مفہوم ہے کہ نہ گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری۔ کون زحمت سفر اٹھائے ۔
دیس چھوڑ کر پردیس جائے۔ دال دلیا جو کچھ خدا نے دیا کھا لیا بال بچوں میں پڑے رہے اللہ اللہ
خیر صلاح۔ ان سے اونچے اور پاکیزہ خیال کے وہ ہیں جو حب الوطن سے مراد لیتے ہیں اہل وطن کی

[1] وطن کی محبت داخل ایمان ہے۔ ۱۲

امداد و امانت۔ ان کی حاجت برآری۔ ان کی خیر خواہی۔ ان کی ہمدردی۔ یہاں [illegible] دنیاداروں کی پروا نہیں۔ اس سے [illegible] خدا ہیں وہ ہر ایک رکیک بار [illegible] سے ایسا [illegible] پیدا کر لیتے ہیں کہ بس یہ اُن ہی کا حصہ ہے اسی حب الوطن [illegible] مولانا [illegible] والدین علی فرماتے ہیں ؎

[illegible] ماظہر مع باشن	گفت از ایماں بود حب الوطن
ایں وطن مصر و عراق و شام نیست	ایں وطن شہریست کاں را نام نیست
زانکہ از دنیاست ایں اوطاں تمام	مدح دنیا کے کند خیر الانام
حبِ دنیا ہست راس ہر خطا	از خطا کے می شود ایماں عطا
تو دریں اوطاں غریبی ای پسر	رو [illegible] بت کردہ خاکت بسر

ان تینوں خیالوں میں بہ ترتیب لف و نشر حیوان و انسان و [illegible] سی نسبت ہے اور چونکہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان ایک شے متجزّی ہے اور حب الوطن [illegible] جزو ہے ہر ایمان دار ایمان کی تکمیل کے لیے اپنا احتساب کر لینا چاہیئے کہ وہ حب الوطن کی نسبت کیا خیال رکھتا ہے۔ اور کہاں تک اس فرض کو ادا کرتا ہے۔ بہرکیف یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ میں نے لکچر کو [illegible] شروع کیا تھا کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں اور ہر شخص کو اپنا وطن عزیز ہوتا ہے گو پنجاب میں ایک فضیلت ایسی ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ جس کی وجہ سے میں پنجاب کو عزیز رکھتا ہوں۔ اور جب میں اس فضیلت کو بیان کروں تو میں یقین کرتا ہوں کہ ہر ایک ہندوستانی مسلمان چاہے وہ پنجاب سے کتنی ہی دور کا رہنے والا کیوں نہ ہو ضرور پنجاب کو عزیز رکھے گا۔ وہ فضیلت یہ ہے کہ [illegible] کا سچا دین یعنی اسلام اسی پنجاب کی راہ سے ہو کر ہندوستان میں داخل ہوا اور اسی راہ سے داخل ہوا تو اہل پنجاب قبول اسلام میں بھی اور ہندوستانیوں سے اقدم ہوں گے وَکَفٰی بِہٖ فخرًا اس [illegible] بڑھ کر ایک بات اور رہی کہ ہم مسلمانوں کی شامت اعمال سے اسلام بہت ہی ضعیف ہو گیا ہے۔ اب [illegible] کچھ آثار

۵۱ اور یہ فضلِ خدا ہے جس [illegible] دیتا ہے ۱۲ ۵۲ فخر کے لیے یہ کافی ہے ۱۲

بہتر ہو۔ اَمْ تَسْئَلُھُمْ اَجْرًا فَھُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ترجمہ کیا تم ان سے کچھ مزدوری مانگتے ہو کہ وہ چٹّی کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں۔

دوسری بڑی بہت بڑی نہایت بڑی عمدہ بات تمہاری انجمن حمایت اسلام میں یہ ہے کہ اُس نے مسلمانوں کی ضرورت وقتی کو ٹھیک سمجھا اور اس کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں اور دونوں چیزیں نگرانی اور مدد کی محتاج۔ یہ زمانہ رفارم کا ہے اور میں خیال کرتا ہوں لفظ رفارم اس کثرت سے زبان زد خلایق ہو رہا ہے کہ گویا ان کا تکیہ کلام ہے۔ مدرسوں کے مبتدی لڑکے مڈل پاس نہیں کر چکتے کہ فارم میں رائے زنی کرنے لگتے ہیں۔ یعنی رائے کے فارمیشن[1] سے پہلے ان کو رفارمیشن سوجھتا ہے۔ غرض ملک کے اطراف و جوانب میں بہت سے رفارم پیدا ہو گئے ہیں اور ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن اکثر رفارم تو دین و مذہب سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔ ہاتھ دھو کر صرف اصلاح دنیا کے پیچھے پڑے ہیں۔ اور جن معدودے چند نے مذہب کو اپنے پروگرام میں داخل کیا بھی ہے تو کچھ کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ صرف مونھ سے کہہ دینے کے لئے ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ[2] مگر ہاں انجمن حمایت اسلام لاہور میں دیکھتا ہوں کہ کسی حال میں پاس مذہب کو فوت نہیں ہونے دیتی ان کی کارروائی پکارے کہتی ہے کہ جیسا اس انجمن کا نام ہے ویسا ہی اس کا کام ہے۔

میں اس بات کو نہایت افسوس کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں کی رفارم کا ڈھنگ ٹھیک نہیں بیٹھا۔ پہلی غلطی تو یہ ہے کہ صرف تعلیم کو تمام مسلمانوں کے تمام فائدوں کا کفیل سمجھا گیا ہے یعنی جو شخص رفارم کا خواب دیکھتا ہے۔ اور ایسے بہت ہیں۔ اس کی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ وہ کچھ لونڈے گھیر گھار کر ان کو ایک طرز پر پڑھا چلتا ہے یا پڑھوا چلتا ہے۔ بے شک تعلیم مفید ہے لیکن دو کھوں کا ذرا خیال کرنا تمام مسلمان اور ان کے تمام فائدے۔ محال عقل ہے کہ سب مسلمان پڑھ لکھ جائیں۔ گورمنٹ اور مشنری اور رفارمر جتنے تعلیم کے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے ہیں ان کی تو کیا اصل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خود سب مسلمان بھی مل کر چاہیں تو سب لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ یوروپ جس کی گرد کو بھی ہم

---

[1] قائم کرنا [2] اصلاح۔ یہ ان کے مونہ کے کہنے کی باتیں ہیں ۱۲۔

تعلیم میں ہم آج سے سو برس بعد تک بھی نہیں پا سکیں گے۔ وہاں بھی جہاں کہیں پڑھنے لکھنے کا بہت کچھ چرچا ہے پڑھے لکھوں کا شمار ۳۵ فی صدی سے متجاوز نہیں ہوا۔ اور اس میں تیس فی صدی بی اے۔ ایل ایل ڈی مت خیال کر لینا۔ حرف شناس بھی اس میں داخل ہیں۔ بلکہ اکثر اتنے ہی پانی میں ہیں۔ اچھا۔ فار دی سیک آف آرگیومنٹ فرض کر لو کہ مسلمانوں میں بھی شمار کے اعتبار سے یوروپ کی طرح تعلیم عام ہو گئی تو ہمارے یہاں اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اتنے لوگ نوکری کی طلبگاری کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ جس کا ضروری نتیجہ ہے ناکامی۔ ناامیدی۔ ناراضامندی۔ چوں کہ میں پارسال یہیں کے ایجوکیشنل کانگرس میں تعلیم پر اپنے خیالات شرح و بسط کے ساتھ ظاہر کر چکا ہوں میں اس خصوص میں زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔ غرض میری قطعی رائے ہے کہ تعلیم اگر مفید ہو گی تو تعمیم کے ساتھ نہیں بلکہ خاص خاص چیدہ لوگوں کی جو تکمیل تعلیم کی زحمت کا تحمل فراغ تحصیل تک[1] اسٹینڈ اور آخر کار کا[2] سٹیبلیشن ریس میں جولاں کر سکیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ سارے مسلمان نوکری پیشہ نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ تو جو شخص عام مسلمانوں کی رفارم کا مدعی ہو کیوں بالخصوص ایک ہی پیشے کے لوگوں کی اصلاح کے درپے ہو۔ کیا وہ اُن لوگوں کو مسلمان نہیں سمجھتا جو نوکری کے سوا دوسرے پیشوں سے معاش پیدا کرتے ہیں۔

دوسری مکروہ اور نہ صرف مکروہ بلکہ سخت مضر غلط فہمی یہ ہے کہ تعلیم مروجہ حال سے دنیا اور دین میں جدائی پیدا کی جاتی ہے گورنمنٹ کو تو ایک خاص مجبوری ہے کہ اس کو چار و ناچار نیوٹرلٹی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ کیوں کہ اس کو اپنی تمام رعایا کے ساتھ ایک طرح پر مدارات کرنی ہے۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب مذاہب کی حمایت کرے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی خاص مذہب کی طرفدار بن کر دوسرے مذہب والوں کے دل دکھائے۔ پس اس نے اصول (اِذَا ابْتُلِیَ الْمَرْءُ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا ترجمہ جب آدمی دو مصیبتوں میں گرفتار ہو تو ان میں بہت آسان کو اختیار کرے) کے مطابق کل مذاہب سے قطع نظر کر لیا اور اس کو کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن غلطی باضطرار ہو یا باختیار اپنا نتیجہ تو پیدا کرے رہے گی۔

[1] بغرض استدلال ۱۲ [2] قیام اثبات ۱۲ [3] امتحان مقابلہ کی گھڑدوڑ ۱۲ [4] بے تعلقی ۱۲۔

اور عقل گواہی دیتی ہے کہ اول تو ایسا قانون ہو نہیں سکتا اور ہو تو اُس کی تعمیل امکان سے خارج ہے -
ہمیں سے قوانین دنیا کا نقص ظاہر ہوتا ہے - وہ کبھی مذہبی قانون کے بغیر درجۂ تکمیل کو پہونچ نہیں
سکتے - جو فرماتا ہے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ترجمہ اور اگر تم ظاہر کرو گے اپنے
جی کی بات یا چھپاؤ گے - حساب لے گا تم سے اللہ - اب میں یہ بات کہتا ہوں کہ مذہب انسان کی
کانسٹیٹیوشن یعنے اس کی بناوٹ میں داخل ہے - انسان ایک وجود ہے جسم و روح سے مرکب - جسم
کثیف ہے اور روح لطیف - اور چوں کہ روح کی حقیقت معلوم نہیں جیسا کہ فرمایا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ
رَبِّيْ ترجمہ تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے - یہ بھی معلوم نہیں کہ جسم و روح میں تعلق کس قسم کا ہے بہر کیف
انسان کی ساخت جسمانی سب کو معلوم ہے خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝
ترجمہ تجھ کو بنایا - پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا - لیکن کبھی آدمی
ناقص الخلقت بھی پیدا ہوتے ہیں - جیسے تمہاری گجرات کے شاہ دولہ کے چوہے - اور کبھی عوارض کی
وجہ سے ساخت جسمانی میں انواع و اقسام کے فتور واقع ہو جاتے ہیں - اسی طرح روح انسان کی بھی
ایک خاص ساخت ہے کہ اس میں کتنی قدرتیں ودیعت رکھی گئی ہیں - روحانی ساخت کے نقصانات
میں ایک نقصان لامذہبی بھی ہے - مگر خلقی نہیں کیوں کہ مذہب داخل فطرت ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ
النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ترجمہ تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو - بدلنا نہیں اللہ کے
بنائے کو - بات یہ ہے کہ انسان کو ایک خاص طرح کی عقل دی گئی ہے - فوق سائر الحیوانات جس کو بصیرت
کہتے ہیں بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ترجمہ بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ سوجھ ہے
اور پڑے ڈالے اپنے بہانے اس بصیرت کا نمونہ ہے - مگر ادنیٰ درجے کا - بصارت یعنی بینائی چشم سر - اگر
انسان آنکھ کو کام میں لائے یعنی دیکھے تو دیکھنا اس کو مثلاً رنگ کی شناخت پر مجبور کرے گا - اسی طرح
اگر آدمی عقل کو کام میں لائے اور سوچے تو اعمال فکر اس کو مجبور کرے گا - اس بات کے یقین کرنے پر
کہ اس عظیم الشان کارخانہ دنیا کا ضرور کوئی بنانے والا ہے - اور جو چیزیں مرئی اور محسوس ہیں ان میں
کوئی نشان اس طرح کی قدرت کا پایا نہیں جاتا - قدرت اگر کسی قدر یوں ہی سی برائے نام ہے بھی تو پھر

ہیں جن کا بیان کرنا بے محل سا ہے غرض بینائی نقصان و فتور سے بری نہیں۔ بعینہٖ یہی حال ہے عقل کا۔
بہت باتیں عقل کی گرفت سے باہر ہیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن	کہ جاہا سپر باید انداختن

معلوم ہے کہ مقناطیسی سوئی کا ایک سرا شمال کی طرف رہتا ہے۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ اور یہی حال ہے کل
اسباب و علل کا۔ زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بلکہ تمام مادیات میں کشش ثقل و اتصال کا ہونا معلوم
ہے۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ روح و جسم کا مذکور میں شروع میں کر چکا ہوں معلوم ہے کہ روح نہ عین جسم ہے نہ جزو جسم
ہے۔ نہ اُس میں اس طور حلول کیے ہے جیسے ظرف میں مظروف نہ روح و جسم میں عرض و جوہر کا سا تعلق ہے
پھر روح کیا ہے اور اس کو جسم کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے کسی کو خبر نہیں۔ میں اس دنیا کے سینکڑوں عقدے
گنوا سکتا ہوں جن کو ناخنِ عقل نہیں حل کر سکتا۔ سچ پوچھو تو ساری دنیا ہی طلسم حیرت ہے۔ مٹی ایک جماد چیز
ہے۔ اس کا نباتیت پھر حیوانیت پھر انسانیت کے مدارج پر ترقی کرنا انسان کے فہم میں آیا ہے اور نہ کبھی
آسکتا ہے۔ تو کیا دین میں کسی بات کا خلافِ عقل نہیں بلکہ عقل سے خارج یعنی اس کی رسائی سے بالاتر فرو دتر
ہونا کچھ تعجب ہے ہر گز نہیں۔ بلکہ دین میں بدرجۂ اولیٰ ایسی باتیں ہونی چاہئیں جن میں مشاع[1] عقل نہ ہو۔
کیوں کہ دین کا مدار ہے اس پر کہ انسان موت سے معدوم نہیں ہوتا موت سوائے اس کے اور کچھ
نہیں کہ روح و جسم کا تعلق چھوٹ جاتا ہے۔ اجزائے جسمانی متلاشی و متفرق ہو کر اپنے اپنے ٹھکانے
لگ جاتے ہیں مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۔ ترجمہ اسی زمین سے
ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار۔ انگریزی سننے کا
شوق ہو تو ایش ٹو ایش[2] اینڈ ڈسٹ ٹو ڈسٹ۔ رہی روح وہ جب جسم میں تھی اور اُس کے تصرفات ظاہر
ہوتے تھے تب بھی اس کی حقیقت ہم کو معلوم نہ تھی بعد مرگ تو رہی سہی اور بھی روپوش ہو گئی ؟
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے۔ با ایں ہمہ چند در چند قرائن ہیں جن سے یقین کیا جا سکتا
ہے کہ روح کو فنا نہیں۔

[1] رسائی ۱۲ [2] راکھ میں راکھ اور مٹی میں مٹی ۱۲۔

اوّل جب ہم سرے سے روح کی حقیقت سے بے خبر ٹھہرے تو ہم کو اُس پر فنا کا حکم لگانے کا کوئی حق نہیں۔
ثانیاً اگرچہ روح جسمانی رنجوں اور تکلیفوں سے بحالتِ حیات متاذی ہوتی تھی۔ موت بڑی سے بڑی جسمانی تکلیف سہی اور روح کا اس سے متاذی ہونا قرین قیاس ہی مگر موت کا اوّلی اثر جسم پر تھا اس کا تو منتشر کر دینے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی۔ روح جس پر موت کا اثر ثانوی ہی کیوں معدوم ہو جانے لگی تھی عجب نہیں موت نے روح پر اتنا ہی اثر کیا ہو اور بس کہ اس کو جسم سے بے تعلق اور بے دخل کر دیا۔
ثالثاً دانش مند سے دانش مند اور احمق سے احمق۔ عالم سے عالم اور جاہل سے جاہل مہذب و نامہذب۔ سولائزڈ[۱] اور وحشی ہر ملک اور ہر زمانے کے لوگ یعنی دنیا کے آدمی قریب کل کے بقائے روح کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم کو اس سے بحث نہیں کہ یہ خیال دنیا میں کہاں سے آیا۔ اور کیوں کر اتنے لوگوں نے اس کو قبول کر لیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عموماً لوگ اس کے قائل ہیں اور جن کو انکار ہی اگر سچے دل سے ہی بھی تو اس عقیدے کے لوگ اس قدر کم ہیں کہ اُس جم غفیر عالم کے مقابلے میں گویا کہ نہیں۔ دین تو خیر ہی ہی میں کہتا ہوں کہ انتظام دنیا بھی اسی خیال پر مبنی ہی۔ میں نے شروع میں کہا تھا کہ بہت سے جرائم کا انسداد صرف مذہب سے ہوتا ہی سو مذہب سے اُس محل پر میری مراد تھی یہی عقیدہ بقائے روح یعنی لوگ اس وجہ سے مرتکب جرائم نہیں ہوتے کہ جانتے ہیں کہ مرے پیچھے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ایک انگریزی کتاب میں بہت سے نامی مجرموں کے حالات لکھے ہیں جنھوں نے مرتے وقت خوفِ عاقبت سے اپنے جرموں کا اقرار کیا اور ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں پس یا تو ساری دنیا کو برغلط مانو۔ یا دوسروں کی طرح بقائے روح کے قائل ہو۔ ہو نہ ہو یہ عقیدہ داخل فطرتِ انسانی ہی کہ ملہم غیب[۲] نے ہر ایک کے دل میں ڈال دیا ہی کہ۔ کون ہی جس کو اولاد سے خیر جاری سے یا کسی دوسرے پیرایے سے دنیا میں اپنی یادگار چھوڑ جانے کی خواہش نہیں۔ اس خواہش میں بھی مضمر ہی۔ وہی بقائے روح کا خیال۔ کیوں کہ اگر آدمی مرنے سے معدوم محض ہو جاتا تو دنیا میں یادگار رہنے سے

[۱] تربیت یافتہ شائستہ۔ مہذب ۱۲ [۲] غیب کی بات کا الہام کرنے والا یعنی خدا ۱۲

اس کو کیا مفاد تھا۔

رابعاً۔ انتظام دنیا اگرچہ فی نفسہ نہایت مکمل ہے اور کیوں نہ ہو ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ترجمہ یہ
اندازہ ہے اُس زبردست باخبر کا۔ مگر پھر بھی ناتمام سا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جملہ اسمیہ کہ مبتدا ہو تو خبر نہیں۔
یا جملہ شرطیہ کہ شرط ہو تو جزا نہیں۔ یا جیسے دامانِ کوہ میں ایک سڑک جو ایک گھاٹی تک منتہی ہوتی ہے اور
اس کو دیکھ کر خود بخود خیال ہوتا ہے کہ ضرور یہ سڑک پہاڑ کی دوسری طرف جانے کے لیئے بنائی گئی ہے۔
اسی طرح انسان کو اتنی ساری عقل کا دیا جانا جو اس چند روزہ دنیاوی زندگی کی ضرورت سے یقیناً
بہت زیادہ ہے ضرور کوئی اور بڑا مطلب رکھتا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا
لَا تُرْجَعُوْنَ ترجمہ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے۔
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ ترجمہ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو
اُن کے بیچ ہے کھیلتے لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ترجمہ اگر ہم چاہتے کہ بنا لیں
کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے پاس سے اگر ہم کو کرنا ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک فعل ایک لازمی نتیجہ رکھتا ہے
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ ترجمہ سو تو نہ پاوے گا اللہ کا دستور
بدلتا اور نہ پاوے گا اللہ کا دستور ٹلتا۔ جیسے شراب خواری کا ضروری نتیجہ ہے خواری۔ بدکرداری افلاس،
جسمانی امراض اور آخر کار ہلاکت قبل الموت۔ نااتفاقی کا ضروری نتیجہ ہے ضعف۔ جھوٹ کا ضروری نتیجہ ہے
بے اعتباری۔ وَ قِسْ عَلٰى هٰذَا تو جب کبھی ہم کسی فعل پر اس کے نتیجے کو دنیا میں مترتب ہوتا نہ پائیں اسی
سے ہم سمجھ لیں گے کہ حیات دنیا پر ہماری ہستی کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ یہ ہیں چند باتیں یا اسی طرح کی اور چند
باتیں جو بعد مرگ کی حالت کی نسبت ہم عقل سے سمجھ سکتے ہیں۔ مگر منظر پھر بھی دھندلا ہی رہتا ہے خوب
تسلی نہیں ہوتی کہ کیا ہو گا اور کیوں کر۔

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گر رہے ہیں رفتگاں نہ کیا	کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی

یہاں سے ثابت ہوئی ضرورت رسالت کی۔ بڑے تعجب کی بات ہو گی کہ چند سال کی زندگانی کے
لیئے تو خدا ہماری چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیئے سامان کرے۔ سر کھجانے کے لیئے ہم کو ناخن دے

استعمال میں لاسکتا۔ ان کو معطل رکھ سکتا۔ ان سے فوق الطاقت کام لے سکتا۔ لیکن اگر وہ کسی قوت کو
بُری طرح استعمال کرے تو خود وہی ملزم ہے نہ قوت اور نہ جس نے قوت دی وہ۔ پس ہر ایک قوت کے استعمال
میں انسان کو اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ خاص کر معاملاتِ مذہبی میں عقل کو کام میں لاتے وقت
مذہب کے اعتبار سے بھی اس کو عقل کا دیا جانا تو ضرور تھا۔ وہ عقل ہی کی وجہ سے مکلّف ہوا۔ دنیا اور
دین دونوں میں جتنی خوبیاں ہیں متفرع ہیں عقل پر اور جتنی خرابیاں ہیں وہ بھی متفرع ہیں اسی عقل پر۔ یوں
سمجھو کہ انسان فی حدّ ذاتہٖ ایک کمانڈر ہے اور قوائے مختلفہ افواج ہیں۔ اُس کے ماتحت زیر فرمان یہ فوجیں
ایک طرح کی نہیں۔ جیسے انگریزی فوج میں پوربیے۔ مدراسی یا تلنگے۔ مرہٹے۔ گورکھیے۔ سکھ۔ بلوچ۔ اطراف
کابل کے پٹھان۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ سب قسم کے سپاہی ایک ہی لکڑی سے ہانکے جاتے ہیں۔ نہیں نہیں۔
شاید ایک پوربیہ یا مدراسی بید کی چھڑی سے تو بلوچ اور افغان آئرن[۵۱] راڈ سے غرض جو قوی تر ہیں
عسیر الانقیاد[۵۲] تر تمام قوائے انسانی میں عقل ہی سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس پر گورن[۵۳] کرنا
بہت ہی احتیاط کا کام ہے۔ یہ جو اختلافِ مذاہب دیکھتے ہو یہ آگ بھی ان ہی حضرتِ عقل کی لگائی ہوئی
بھُس میں چنگاری ڈال جمالو دور کھڑی۔ میں دیکھتا ہوں تو ہمارے وقت کے نوجوان تعلیم یافتہ استعمالِ
عقل کے بارے میں صلاح اور اصلاح دونوں کے سخت محتاج ہیں۔ ان کو امور مذہبی میں غور و خوض
کرنے کی نہ فرصت ہے نہ مہلت نہ لیاقت نہ معلومات۔ اور طرہ یہ ہے کہ طلب بھی نہیں۔ اور طلب ہو تو کہاں سے
گھر میں چرچا نہیں بزرگوں کی تاکید نہیں۔ یار دوستوں میں ترغیب نہیں۔ رہا اپنے دل کا تقاضا۔
ایسی عمر نہیں۔ گیند بلّا کرکٹ وغیرہ جہاں اَور کھیل ہیں وہاں بارلیش باباہم بازی ایک مذہب بھی سہی
اپنی قوم کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو خستہ خراب غافل کاہل جاہل مفلس محتاج گویا ذلت وخواری لوازم
اسلام سے ہے۔ کیا عرب۔ کیا عجم۔ کیا روم کیا مصر۔ کیا افریقہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے
جدھر دیکھو تنزّل وانحطاط۔ جہاں سو نکبت وادبار۔ ان میں سے فرادی فرادی ایک ایک کیفیت
تو عمر آدمی کے عقیدے کے متزلزل کر دینے کو کافی ہے۔ نہ کہ مجموعہ۔ دنیا اور دین میں نقد و نسیہ کی نسبت ہے

[۵۱] لوہے کی سلاخ ۱۲ [۵۲] مشکل سے فرمان بردار ہونے والا ۱۲ [۵۳] حکومت کرنا ۱۲۔

ہم لوگ اپنے کماؤ نقد کو تو کھو بیٹھے نسیہ کی جو ہم سے اُمید رکھے وہ سو احمقوں کا ایک احمق۔ لیکن کیا کیا جائے دل نہیں مانتا چار و ناچار کہنا ہی پڑتا ہے۔ افسوس تو دنیا کا بھی کیوں نہیں۔ لیکن دنیا فانی چند روزہ آنی جانی چیز ہے۔ بُری طرح بھی گزر جاتی ہے اور بھلی طرح بھی گزر جاتی ہے۔ اور آخر گزر رہی جاتی ہے۔ بڑا خیال تو دین کا ہے

غم دین خور کہ غم غم دین است	ہمہ غم ہا فسرد تر از این است

خدا نخواستہ یہ نعمت جاتی رہے تو پھر کہیں کے نہ رہے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ[1] ترجمہ گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا صریح۔ اور اس کے جانے کو کون سے جھگڑے چاہئیں۔ دین کا تو ایسا نازک معاملہ ہے کہ ایک خیال سے اور ایک مقال سے آدمی راندہ جاتا ہے۔ وہ تو بڑے شکر کا مقام ہے کہ گورمنٹ اگرچہ مذہباً عیسائی ہے۔ مگر عملاً اُس کا کوئی مذہب نہیں یا یوں کہو کہ اس کا مذہب صلح کل ہے۔ عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود۔ پس اسلام کو جو کچھ خطرہ ہے نزدیکانِ بے بصر سے ہے جو مسلمان کہلاتے اور اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں یہی وہ لوگ ہیں جو مخالفین کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈر کر صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ ورنہ اسلام کے اصول ایسے سیدھے اور صاف اور سچے اور ایسے اور عام فہم ہیں کہ اُن پر کامیابی کے ساتھ کوئی حملہ ہو نہیں سکتا۔ مجھ کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اباً عن جدٍ موروثی مسلمان ہوں۔ اور اپنے نسب نامے میں انقراضِ سلطنتِ دہلی تک بلا فصل مشائخ اور مفتی اور علماء کے نام پاتا ہوں۔ میں نے بزرگوں میں سے اوائل عمر میں صرف اپنے والد کو دیکھا اور جہاں تک میرا حافظہ مساعدت کرتا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ نہ صرف نام کے مولوی تھے۔ بلکہ بڑے پکے دین دار۔ یہ رویداد چاہتی ہے کہ میرا اسلام تقلیدی ہو۔ مگر خدا کے فضل سے ایسا نہیں ہے۔ مجھ کو اتفاق سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مدتوں مجھ کو مذہبی چھان بین میں غلطاں پیچاں رکھا۔ یہاں تک کہ آخر کار اسلام کی حقانیت کامل طور پر میرے ذہن میں ایسی بیٹھ گئی جیسے پتھر کی لکیر۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ

[1] مدو ۱۲ا

اَنْتَ الْوَهَّابُ ترجمہ اے رب ہمارے دل نہ پھیر ہمارے جب ہم کو ہدایت دے چکا اور دے ہم کو
اپنے پاس سے مہربانی بے شک تو ہی ہے بہت دینے والا۔

مجھ کو ٹھیک سنہ یاد نہیں مگر ۱۸۵[illegible]ء کے لگ بھگ کا مذکور ہے کہ ہمارے دہلی کالج اور نیچرل
کلاسز کی ریاضی کے اُستاد ماسٹر رام چندر صاحب اصطباغ[۵۱] لینے کے لیے آمادہ ہوئے۔ ماسٹر صاحب
اُدہار کر کیا ٹیچر کیا سٹوڈنٹ سب کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ مذہبی مناظرے کی وہ پہلی بھنک تھی
جو میرے کان میں پڑی اگرچہ میں عربی کی جماعتِ اوّل میں تھا۔ اور فقہ کی مشہور کتاب فتاوے درِمختار
ہمارے کورس میں تھی۔ لیکن میں دیکھتا تھا کہ ماسٹر ہم لوگوں کو بند کر دیتے تھے۔ مجھ کو ماسٹر صاحب کے ساتھ
ایک خصوصیت بھی تھی۔ اور اکثر اُن کے مکان پر بھی جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ماسٹر نے تو مجھ کو گمراہ کر دیا
ہوتا جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ترجمہ تو تو لگا
تھا کہ مجھ کو گڑھے میں ڈالے اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا اُن میں جو پکڑے آئے مگر مجھ کو ادب
عربی کا تھا شوق بہت میں قرآن کی عبارت پر لٹو تھا اس تریاق نے مجھ کو اُس زہر سے بچایا۔ یہاں تک کہ
کالج سے میں اپنا ایمان سلامت لے کے نکل گیا۔ مگر کیسا ایمان متزلزل۔ متشکک۔ ضعیف۔ مضمحل پھر میں نے
علم کلام کی کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ موافق و مخالف دونوں ماسٹر نے مجھ کو عیسائی بنانا چاہا۔ اور علم کلام نے
سرے سے لا مذہب مناظرے کا ایک اکثری اور مشہور قاعدہ ہے معارضہ بالمثل جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک
شخص دوسرے سے کہے تمہاری آنکھ میں ناخنہ ہے اور دوسرا کہے تمہاری میں ٹینٹ اس طریقے سے ممکن ہے کہ
بعض صورتوں میں معترض بند ہو جائے۔ لیکن غیر آدمی جو تحقیق حق چاہتا ہے دونوں سے بدظن ہو جاتا ہے
کہ دونوں میں کوئی بھی نقصان سے خالی نہیں۔ اس سے کہ معترض کی آنکھ میں ٹینٹ ہے ہماری آنکھ کے ناخنہ
کا عیب زائل نہیں ہو سکتا غایۃ[۵۲] ما فی الباب ناخنہ اَخَفُّ وَاَهْوَنُ ہے بمقابلہ ٹینٹ کے۔ لیکن جس کی
آنکھ صحیح و سالم ہے وہ دونوں کو عیب دار سمجھے گا۔ ناخنے والے کو کم ٹینٹ والے کو زیادہ۔ اس طرح یہ

[۵۱] پادری جب کسی کو عیسائی کرتے ہیں تو اُس پر پانی چھڑک دیتے ہیں یا حوض میں غوطہ دلواتے ہیں اسی کو اصطباغ کہتے ہیں ۱۲

[۵۲] یعنے سب سے خفیف تر اور سب سے آسان تر ہے ۱۲۔

حیرت یہی پیش آئی کہ پیغمبر صاحب نے دو طرح کے کلام پر کیوں کر قدرت پائی آخر یہ عقیدہ میں نے
اس طرح پر حل کیا پیغمبر صاحب کا اپنا طرز تو وہی تھا جو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ رہا قرآن۔ اِن کا کلام
ضرور تھا کیوں کہ اِن کے منہ سے ادا ہوتا تھا مگر نزولِ وحی کے اوقات خاص ہیں جب کہ وہ اپنے اختیار
میں نہیں ہوتے تھے۔ وحی بھی ایک اسرارِ الٰہی میں سے ہے لیکن اس قدر معلوم ہے کہ کبھی جبریل حاملِ وحی انسان
کی شکل میں متشکل ہو کر پیامِ خدا پہنچا جاتے تھے۔ کبھی خواب کے پیرائے میں وحی آتی تھی مگر گھنٹے
کی سی جھنکار سُن پڑتی تھی اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس طرح کی وحی مجھ پر بہت
سخت ہوتی ہے آپ کا رنگ فق اور جسم ایسا بوجھل ہو جاتا تھا کہ ایک بار آپ اپنی اونٹنی عضبا پر سوار تھے کہ
وحی آئی اونٹنی مارے بوجھ کے بیٹھ گئی۔ کڑکڑاتے جاڑے میں نزولِ وحی کے وقت آپ پسینے پسینے
ہو جاتے۔ اس سے شاید کسی عیسائی مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کو صرع کی بیماری تھی۔ اس
تشخیص سے غرض یہ ہے کہ اُن کا دماغ صحیح نہ تھا اور اسی وجہ سے دعویٰ نبوت کر بیٹھے۔ مگر یہ کوئی نیا
اعتراض نہیں۔ کافروں کے ترکش میں کوئی تیر نہ تھا جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ چلایا نہ ہو۔
جھوٹا مفتری کہہ دینا تو خیر معمولی بات تھی کہتے تھے إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ترجمہ اس کو تو سکھاتا ہے آدمی۔
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ترجمہ نقلیں ہیں اگلوں کی جن کو اُس نے
لکھ لیا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اُس پاس صبح و شام أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ترجمہ کیا ہم
چھوڑ دیں گے اپنے ٹھاکروں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے سے أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ترجمہ
بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اس کو سودا ہے۔

اِن اعتراضوں میں سے کوئی اعتراض پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چسپاں ہی نہ تھا اور چونکہ
نری بے تک بونگی بے جوڑ ہانکتے تھے پیغمبر صاحب صلعم کو ایسے بودے پھسپھسے اعتراضات سے اور تقویت
پہنچتی تھی۔ پیغمبر صاحب صلعم کا حال یہ تھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے یہاں تک اُن کی صداقت مسلم
تھی کہ امین آپ کا لقب تھا ایک بار آپ نے نفیر پکار کر سب کو جمع کیا اور کہا کہ بھلا سنو تو اگر میں تم سے

یہ اس غضب کی باتیں ہیں کہ ہمارے زمانے میں کوئی نالایق سے نالایق لُچّے سے لُچّا آدمی جس کو دو آنے پر جھوٹی گواہی دینے میں مطلق باک نہ ہو اگر قسم دیتے وقت اُس کو یہ باتیں یاد دلائی جائیں تو غالب ہو کہ تھرّا اُٹھے پس ایک نیک نہاد راست گو راست باز خداترس شخص کی نسبت ایسا بیہودہ خیال کرنا پرلے درجے کی بے انصافی نہیں تو کیا ہو۔ پھر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہو تو کسی غرض کسی مطلب سے۔ سنّی شیعوں کو کتنے دو چار اُن کا جی چاہے۔ سچ تو یہ ہو کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لیے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ اور کیا ہوتا تو خلافت کے بارے میں اختلاف ہی کیوں واقع ہوتے۔ جو شخص عرب جیسے سخت دلوں کو یہاں تک مسخر کرے کہ بتوں کی پرستش۔ بھائی سے بھائی جورو سے خصم۔ باپ سے بیٹے۔ لوگوں سے آرام و آسایش اور وطن اور کینے اور غصّے سب کچھ چھڑوا دیئے کیا اُس کو اتنی قدرت نہ تھی کہ اپنی جانشینی کو تسلیم کرا دیتا۔ مگر یوں کہو کہ پیغمبر صاحبؐ کو اس سے کچھ مطلب ہی نہ تھا۔ بعض اوقات خاص خاص لوگوں کے ساتھ کسی وجہ سے خصوصیت کی سی باتیں کیں اب ان کی تاویل جانشینی سے کر لو تو تمھاری خوشی پیغمبر صاحب صلعم بلکہ تمام خاندان نبوت نے جس زہد کے ساتھ زندگی بسر کی سب کو معلوم ہو۔ پس بالفرض محال پیغمبر صاحبؐ نے نبوت کا غلط دعویٰ کیا ہوتا تو دنیاوی جاہ و ثروت کی طمع سے۔ سو اس کا یہ حال کہ نہ خود متمتع ہوئے اور نہ اپنے عزیزوں میں سے کسی کو متمتع ہونے دیا اور نہ کسی جانشین کو نامزد کیا حُبِّ جاہ کا کیا اچھا ثبوت ہو۔ یہ ہی حقیقت تہمت دروغ گوئی کی۔ جو نہ دھری جاسکے اور نہ اُٹھائی جاسکے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ۔ کا تیر تھا یا وہ بھی تُکّا اور تُکّا بھی اٹکل پچو۔ عرب میں جو فصیح و بلیغ تھے تمام ملک میں مشہور تھے ان کے قصائد میلوں اور موسم حج اور بازاروں میں پڑھے اور دروازہ خانہ کعبہ پر لٹکائے جاتے تھے۔ اور اسی غرض سے وہ لوگ قصیدے کہتے ہی تھے۔ اور ان کی کیا تخصیص ہو کسی زمانے میں کبھی فصیح بلیغ الیسانیں گزرا جس نے شہرت کی نہ صرف تمنا بلکہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ تو غرض یہ ہو کہ جو لوگ قرآن کی سی عبارت کے کہنے پر قادر تھے ضرور ہو کہ مشاہیر میں سے ہوں اور معلوم ہو کہ جتنے مشاہیر تھے کھُلّم کھُلّا مخالف اسلام تھے پیغمبر صاحب

کی ہجویں کہتے اور لوگوں میں مشتہر اور منتشر کرتے۔ اِن میں سے کسی کو کیا پڑی تھی کہ در پردہ پیغمبر صاحب کی مدد کرتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مشاہیر میں کسی کی نسبت ایسا شبہ ہو نہیں سکتا تھا تو معترضین غیر ملک والوں پر گمان کرتے تھے اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ترجمہ ساتھ دیا ہی اُس کا اس میں اور لوگوں نے۔ اس کا کیا معقول جواب خدا تعالیٰ نے دیا لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝ ترجمہ جس پر تعریض کرتے ہیں اُن کی زبان ہی اوپری اور یہ زبان عربی ہی صاف جس کا یہ مطلب ہی کہ غیر ملک والوں کی طرف ایسا شبہ کرنا لغو صریح ہی کیوں کہ غیر ملک والا کیسا ہی عربی زبان کا ماہر کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ قرآن کی سی عبارت لکھ سکے۔ علاوہ بریں تھوڑی دیر کے لیئے فرض کرو کہ پیغمبر صاحب کو قرآن کوئی دوسرا ہی شخص سکھاتا سہی تو معترض کا کام ہی اُس شخص کو نامزد کرے اور ہم کو سمجھائے کہ ایسے کلام فصیح بلیغ کا کریڈٹ خود اسی شخص نے کیوں نہ لیا یعنی آپ پیغمبری کا دعویٰ کیوں نہ کیا اس سے بڑھ کر تعجب کی بات اور کیا ہو گی کہ ایسے زمانے میں جب لونڈیاں باندیاں تک شعر کہتی تھیں اور فصاحت بلاغت کو بڑا کمال سمجھا جاتا تھا اور اہلِ عرب اپنی زبان کی عمدگی پر یہاں تک نازاں تھے کہ ماسوائے عرب کو عجمی کہتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ ادائے مطلب اور گویائی پر قادر نہیں۔ لوگ قوتِ بیان سے[۱] اس قدر متاثر ہوتے ہوں کہ شعرا جب چاہیں قبیلوں کو قبیلوں سے لڑا ماریں غرض فصاحت بجائے خود ایک پاور (قوت) ہو ایسے وقت میں ایک شخص اُمی جس نے ساری عمر شعر کہنا کیسا شعر کو موزوں پڑھنا بھی نہ جانا ہو وہ پکار پکار کر تحدی کرے فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ترجمہ تو اے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوائے اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو گے فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ترجمہ تم لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ترجمہ اگر جمع ہو ویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن نہ لاویں گے ایسا قرآن

[۱] یعنے لوگوں سے کہے کہ میرے کلام کے مقابلے میں کلام لاؤ ۱۲۔

اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک۔

فصحائے عرب اپنا اور اپنے عزیزوں کا قید ہونا جلاوطن کیا جانا۔ مارا جانا گوارا کریں اور کسی سے اتنا نہ ہو سکے کہ ٹکا بھر سی زبان ہلا کر متحدی سے بمقابلہ پیش آئے ع

اینک بہ شہادت طلبم لوح و قلم را

بخدا میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ جس کسی کو اتنی عربی بھی آتی ہو جتنی کہ مجھ کو اگرچہ جتنی آنی چاہیے اُس کا عشر عشیر بھی مجھ کو نہیں آتا۔ بہر کیف مجھ جیسا کم استعداد آدمی بھی اتنا جان لے سکتا ہے کہ قرآن کی عبارت سے کسی آدمی کا کلام اور آدمیوں میں خود پیغمبر صاحب بھی داخل ہیں لگّا نہیں کھاتا۔ فصاحت بلاغت کے اکثر مسائل بھی منضبط ہیں مگر زیادہ تر میں اس کو وجدانی خیال کرتا ہوں یعنی اگر کوئی خاص آیت لے کر مجھ سے پوچھو کہ اس میں کیا فصاحت ہے تو میں نہیں بیان کر سکوں گا۔ اور آیت تو آیت میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اُردو کے ایک شعر یا ایک مصرعہ کی نسبت بھی ایسا دعویٰ کر سکے۔ لیکن میں نے سینکڑوں دفعہ قرآن کو اوّل سے آخر تک پڑھا ہے اور دوسروں کے کلام پر میری نظر بہت تو نہیں تو خیر ایسی بہت کم بھی نہیں۔ پس میرا پکا استدلالی عقیدہ ہے کہ قرآن کلام البشر تو نہیں اور دوسرے البشر کس گنتی میں ہیں اُن کا بھی کلام نہیں جن کی زبان سے نکلا یعنی پیغمبر صاحب۔ اور ہم کو مخبر صادق نے جس کی صداقت اور راستی اور دیانت کے سینکڑوں نہیں ہزاروں شواہد موجود ہیں ہم سے کہا کہ میں قرآن اپنے دل سے بنا کر نہیں کہتا بلکہ مجھ سے خدا کہلواتا ہے۔ پس ہم نے یقین کر لیا اور میں نہیں جانتا کہ یقین کرنے میں اب کون سی حالت منتظرہ باقی رہ گئی کہ قرآن ضرور خدا کا کلام ہے۔ جتنے قسم کے معجزات پیغمبروں سے سرزد ہوئے بعد الوقوع واقعاتِ تاریخی ہوتے گئے یعنی مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابرائے اکمہ[1] و ابرص[2] اور احیائے موتی کیا تو اب یہ واقعہ تاریخی ہے۔ ہم نے تو اُن کو بیماروں کو چنگا کرتے مردوں کو جلاتے دیکھا نہیں۔ ہم کو تحقیق کرنا پڑے گا کس نے دیکھا اور کس نے روایت کی اور روایت کہاں تک قابلِ تسلیم ہے۔ شہادت کا یہ حال ہے کہ لوگوں کی شہادت کی زمان اور مکان دونوں کے اعتبار سے ایک حد ہوتی ہے کیا تم خیال کرتے ہو کہ چین کی عملداری میں سچ بولنے والے

---

[1] کور مادر زاد ۱۲ [2] کوڑھی ۱۲

جو شخص کسی کام کی بُرائی بیان کرے خود اُس کا مرتکب ہو۔ اور خود یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ کا مصداق بنے۔ پیغمبر صاحب صلعم کو یہ سے اور اپنے اوپر قیاس مت کرو کہ دن بھر بکواس کرتے رہتے ہیں اور سوئے کراماً کاتبین کے بلکہ کراماً کاتبین میں سے بھی سوائے کاتب دست چپ کے اور کسی کو ہماری بکواس کی پروا نہیں ہوتی۔ پیغمبر صاحب صلعم کا تو حال یہ تھا کہ ایک لفظ مونہ سے نکلا اور سینکڑوں ہزاروں دلوں میں لکھا گیا۔ اگر شعر ہوتا تو لوگ اس کو یاد کر لیتے۔ حضرتؐ کے رجز احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ لیکن شعر کہا ہی نہ ہو تو کیوں کر کوئی آپ شعر کہہ کر پیغمبر صاحبؐ کی طرف منسوب کرے اور وعید (مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ترجمہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم ٹھہرا لے) کا مورد بن جائے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ پیغمبر صاحب صلعم شعر کہہ نہیں سکتے تھے یا کہہ تو سکتے تھے۔ مگر بُرا سمجھ کر کہا نہیں ان دونوں میں شق صحیح یہی ہے کہ شعر کہنے سے عاجز تھے اور یہی عجز ان کی رسالت کی دلیل قوی ہے۔ اصحابؓ تو استفادہ اور محبت کی وجہ سے بھی ہر وقت پیغمبر کو گھیرے رہتے تھے۔ داب مجلس نبوی کے لحاظ سے ہر طرح کے مذکور رہا کرتے کبھی کسی کے مُنہ سے بے ساختہ کوئی شعر بھی نکل جاتا کیوں کہ شعر تو ان لوگوں کا گویا تکیۂ کلام تھا۔ تو جناب پیغمبر صاحب اس طرح کے اشعار پسند فرماتے ؎

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ		وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

اس کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کرتے اور آپ خود بھی دُہراتے۔ لیکن از بسکہ طبیعت واقع ہوئی تھی ناموزوں۔ پڑھنے میں وزن فوت ہو جاتا مثلاً اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ کی جگہ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ سِوَی اللّٰهِ بَاطِلُ نکل جاتا تو حضرت ابوبکرؓ پر اس کا عجب اثر ہوتا تھا۔ عرض کرتے بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔

اور سچ بھی تو یہ ہے کہ جو شخص ایک مصرعہ تک تو موزوں نہ پڑھ سکے شاعری کیا جانے۔ اور بڑی حیرت کی

۱؎ اللہ کے سوائے کل چیزیں باطل ہیں ۱۲ ۲؎ اور ہر ایک نعمت البتہ زائل ہونے والی ہے ۱۲ ۳؎ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ رسول خدا کے ہیں ۱۲۔

بات ہو کہ نہ شعر کہہ سکے نہ شعر موزوں پڑھ سکے اور قرآن جیسے کلام فصیح و بلیغ سے متکلم ہو۔ اس حیرت کو اس کے سوا
اور کوئی تاویل دفع کر ہی نہیں سکتی کہ قرآن کو کلامِ خدا مانا جائے۔ اب ایک بات یہ ہو کہ جو شخص عربی نہ جانتا ہو
اُس کو کس طرح تسکین ہو کہ قرآن کلامِ خدا ہو۔ اس کا صرف ایک ہی جواب ہو کہ اُس کو چاہیئے خود استعداد عربی
پیدا کرے۔ یا عربی دانوں کے کہنے پر یقین لائے۔ جیسے ہم سنیں کہ فلاں حکیم کوری چشم کا حکمی علاج کرتا ہو اور
کوئی شخص اس کو باور نہ کرتا ہو تو اُس سے کہا جائے گا کہ بھائی اندھا بن کر آزما امتحان کر یا دوسرے اندھے
جن کو حکیم نے بینا کیا ہو اُن کا کہا مان اور نہیں مانتا تو جا اپنا سر کھا۔

اعتراضات کفار میں سے اب ایک اعتراض اور رہ گیا۔ مجنون۔ اور جنھوں نے صرع کا مرض تجویز
کیا۔ وہ بھی ایک قسم کا جنون ہو۔ اگرچہ مطلق نہیں خدا اور خدا کے رسول سے بہتر کس کا مقدور ہو کہ جواب دے سکے
خدا نے پیغمبر صاحب صلعم کو یہ جواب تعلیم کیا قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا
مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ۔ ترجمہ تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اُٹھ کھڑے ہو اللہ کے کام پر دو دو
ایک ایک پھر دھیان کرو اس تمھارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔

واقع میں عجیب طرح کی از خود رفتگی تھی کہ بحالت از خود رفتگی میں ایسا کلام سرزد ہوتا تھا متین مہذب
معقول۔ مدلل۔ جامع فصیح و بلیغ۔ موثر۔ جس نے ایک عالم کے ہوش درست کر دیئے۔

ایک حکایت مشہور ہو کہ ایک مرزا نے کسی جاٹ سے ہنسی کی کہ جاٹ بے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ۔
جاٹ یہ کلام مقفّٰی سُن کر بہت بھنّایا۔ اور آپ کو جواب سوجھا تو یہ کہ مغل بے مغل تیرے سر پر کولہو۔ مرزا نے کہا کہ
بھئی تُک سے تُک نہ ملی۔ تو جاٹ کیا کہتا ہو بلا سے بوجھ سے تو مرو گے۔ بجنسہٖ یہی حال تھا کفار کے اعتراضات
کا جناب پیغمبر صاحب کی نسبت ایذا دہی کے لیئے جو جی میں آیا آئیں بائیں شائیں بک دیا اُس وقت کے
لوگ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جزو کل حالات سے آگاہ تھے۔ بیہودہ اعتراضات سُن کر اُن کی
عقیدتیں زیادہ تر راسخ ہوتی جاتی تھیں۔

اب ہمارے زمانے میں وہی پُرانے دقیانوسی اعتراضات ہیں یا شاید کسی کا پیرایہ بدلا ہوا ہو مگر
لوگوں کو پیغمبر صاحب صلعم کے حالات اسلام کی حقیقت اور ہسٹری سے پوری پوری آگہی نہیں ہو دے سے

سلہ تاریخی حالات۔

کہا کہ بھلا کہیں بیل بھی بولے ہیں۔ یہ سن کر پیغمبر صاحب صلعم نے فرمایا کہ مجھ کو بیل کا بولنا عجیب معلوم ہوتا
ہے۔ مگر میں خدا اور اُس کی قدرت پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر رضہ بھی غیر سکون نفس کے یہ تو بڑے
اعلیٰ مدارج ہیں ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتے۔ مگر آدمی کو ایسا شکی بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ عقل کے بازو
کو ایسا ہی بند توڑے۔ دنیا اور دین دونوں میں عجیب طور کا نازک تعلق ہے ؎

دنیا خواہی و دین ہم طلبی	این نازنینا نہ پدر باید کرد
ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں	این خیال است و محال است و جنوں

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے مقولات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا اور دین ضد یکدگر ہیں فالضدان
لا یجتمعان ترجمہ ضدین جمع نہیں ہوتیں۔ لیکن اگر دنیا اور دین ضد یکدگر ہوں تو ہم کو دنیا میں پیدا
کرنا اور پھر کہنا کہ دین دار بن کر رہو طلب محال ہوا۔ یا بعبارت دیگر ظلم اور خدا ظلم سے پاک ہے اِنَّ اللّٰہَ
لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ترجمہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا پر لوگ
اپنا آپ برا کرتے ہیں ؎

درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ	باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

جن مقولات سے دنیا اور دین کا ضد یکدگر ہونا ظاہر ہوتا ہے وہ بھی بڑے دین داروں سے منقولے
ہیں پس کوئی وجہ تفریق پیدا کرنی ہو گی وہ یہ ہے کہ حقیقت میں دنیا کو خادم دین بنا کر رکھنا ہے یعنی چاہیئے کہ مقصود
اصلی دین ہو اور دنیا اُس کی تابع جیسے سودے کے ساتھ روکن۔ مثلاً غنی کہ اگر کوئی شخص مال چاہتا ہے۔ تن
آسانی کے لیئے غرور و حشمت کے لیئے تو ایسا مال جی کا جنجال ہے اور عاقبت کا وبال۔ اور اگر کوئی مال کا
خواستگار ہے اس غرض سے کہ بوجہ مشروع خود بھی اِس سے متمتع ہو اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ
پہونچائے تو ایسا ہی مال کے حق میں مولانائے روم فرماتے ہیں ؎

مال را گر بہر دیں باشی حمول	نعم مالٌ صالحٌ گفتش رسول

غرض مدار کار نیت پر ہے اور نیت کا فاعل مختار ہے بندہ۔ مگر دنیا کے موجبات ترغیب اس کو دین کی طرف
متوجہ نہیں ہونے دیتے ورنہ دنیا اور ما فیہا سب دین ہے۔ اگر نیت درست ہو۔ تو جن لوگوں نے انسان کے

ضعف پر نظر کی اُنھوں نے مشکل کو محال سمجھ کر حکم لگا دیا کہ دنیا اور دین ضد یکدیگر ہیں - دنیا کو چاہو مو
دشمن دین ٹھہرالو مگر دنیا گر دین کی دشمن ہو بھی تو ایسی دشمن کہ بدون دنیا کی مدد کے نہ دین کی رونق
ہو سکتی ہو نہ ترقی نہ وقعت ۵

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو	اِعلائے شانِ قادرِ مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل و جود و محق کہاں سے ہو	مصدر رہی جب نہیں ہو تو مشتق کہاں سے ہو
دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا	میں اُس کے مُنہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ہندوستان میں اسلام کے سوائے جتنے دین ہیں سب میں اگر کچھ لحاظ کے قابل ہو تو عیسائیت ہو کچھ
آج سے نہیں بلکہ شروع سے اسلام نے عیسائیوں کا اہلِ کتاب ہونا تسلیم کیا اور جو باتیں اُن میں قابلِ
مدح تھیں اُن کی داد دی -

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ
مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا
یَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ
نَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ترجمہ تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمنی
میں مسلمانوں سے یہود کو اور شریک کرنے والوں کو - اور تو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں
مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ اُن میں عالم ہیں اور درویش
ہیں - اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے اور جب سُنیں جو اُترا رسول پر تو دیکھے اُن کی آنکھیں اُبلتی ہیں آنسوؤں
سے اس پر جو پہچانے بات حق - کہتے ہیں اے رب ہم نے یقین کیا سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ اور
ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور جو پہونچا ہم پاس حق - اور ہم کو توقع ہو کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا
ساتھ نیک بختوں کے - پھر اُن کو بدلا دیا اُن کے رب نے اُس کہنے پر باغ - نیچے اُن کے بہتی نہریں

رہا کریں اُن میں اور یہ بیہود لانیکی کرنے والوں کا۔

اسلام نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ جناب مسیح علیہ السلام کو یہود کے نالائق حملوں سے بچایا۔
اب انہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہی۔ احسان فراموش کہ ہاتھ دھو کر اسلام کے پیچھے پڑی ہی
انہی کی سُنی سنائی دوسرے لوگ بھی دُھرا دیتے ہیں جن کے پاس گھر کی جمع پونجی خاک پتھر نہیں۔
ہم کو عیسائیوں کے مقابلے میں چند در چند مشکلیں واقع ہیں سب سے بڑی مشکل تو یہ ہی کہ عیسائی ہمارے
پیغمبر صاحبؐ کو جو اُن کا جی چاہے کہیں ہم جناب مسیح علیہ السلام یا اُن کی والدہ یا انجیل کی مذمت کا کوئی
کلمہ منہ سے نکالیں سیدھے جہنم میں چلے جائیں ہاں نکٹوں کے ڈر سے اپنی ناک کٹ سے اور تھوڑی دیر کے لئے
یہود بن جائے تب کہیں جا کر عیسائیوں سے بر سر آئے۔ دوسری مشکل جو ہم کو عیسائیوں کے مقابلے
میں اس وقت درپیش ہی یہ ہی کہ زمانہ اس وقت عیسائیوں کا مساعد ہی۔ لیاقت۔ دولت حکومت
یعنی دنیا بحذافیرہا خدا نے اِن لوگوں کو دے رکھی ہی۔ ع

ہر کہ را پنج روز نوبت اوست

تلک الایام نداولھا بین الناس ترجمہ ان دنوں کو ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں۔
یہ ایک بڑی دلیل اُن کے فتور میں ہی ہر شخص جان نہیں سکتا کہ دنیا سے دین کو کہاں تک
تائید پہونچتی ہی الناس علی دین ملوکھم ترجمہ لوگ اپنے بادشاہ کے طریق پر ہوتے ہیں۔ لوگ
منہ سے نہیں کہتے اور کہہ نہیں سکتے۔ مگر انسان کا دل ہی خدا نے ایسا بنایا ہی کہ جس کو اپنے سے
برتر اور بہتر حالت میں دیکھتا ہی۔ اس کی ساری اداؤں کو پسند کرنے لگتا ہی۔ یہ سچ ہی کہ انگریز مذہب
میں حکومت سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے۔ لیکن بے چاہے جو ایک مطلب حاصل ہو تو
چاہنے کی کیا ضرورت ہی۔ جیسے ایک کاشتکار کا کھیت نہر کے کنارے نشیب میں واقع ہی وہ اگر
نہر سے پانی نہ بھی لے تاہم نہر اس کو فائدہ پہونچا رہی ہی۔ اور شاید اسی اصول کے مطابق ایک فاصلہ
خاص تک اُن لوگوں کو پانی کا محصول دینا پڑتا ہی جن کی زمین اطراف نہر میں واقع ہی پانی لیں یا نہ لیں

لہ تمام پہلوؤں سے ۱۲ سے حق ہیں ۱۲

لیکن یہ ساری خارجی قوتیں ایک طرف اور نفس مذہب کا ضعف داخلی ایک طرف مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ۖ وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ ۔ ترجمہ کہاوت اُن لوگوں کی جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو حمایتی بنایا مکڑی کی کہاوت جیسی ہے کہ بنالیا اُس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر۔ کسی مذہب کا پابند ہو کر اسلام پر اعتراض کر بیٹھنا بچّوں کا کھیل نہیں ہے۔ جو شخص شیشے کا گھر رکھتا ہو اُس کو دوسرے گھروں پر ڈھیلے پھینکنے کیا مناسب ہیں ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ ست

اگر کسی نے پتھر کھینچ مارا تو سارا ڈھونڈا چکنا چور ہو کر رہ جائے گا۔ مگر یوں کہو کہ جن پر ڈھیلے پھینکے جاتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ ڈھیلے پھینکنے والوں کا گھر کانچ کا ہے۔ یا جب گھر پر ڈھیلا آتا ہے تو جواب دینے کے لیئے پتھر ہاتھ نہیں آتا۔ احمقوں کو تدبیر بھی سوجھتی ہے تو یہ کہ چلو بھائی گھر چھوڑ چھاڑ کر کلوخ اندازوں کے محلے میں چل بسیں۔ میں نہیں کھڑا ہوا فی مقامی ہذا اس غرض سے کہ اسلام پر جو جو اعتراض لوگ کرتے آئے اور کرتے ہیں ان کے سب جواب دوں یہ کام نہ ایک دن کا ہے نہ ایک ہفتے کا نہ ایک مہینے کا نہ ایک برس کا۔ بلکہ برسوں کا۔ اور اس کے لیئے ایک علم جداگانہ مدّون ہے علم کلام۔ اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں اس علم سے کسی قدر بدعقیدہ ہوں کسی ایک مذہب کا نشان دو جس کو مباحثے اور مناظرے نے معدوم کر دیا ہو اگر ساری عمر ڈھونڈا کرو ایسا مذہب نہیں پاؤ گے جب بُت پرستی جیسی چیز کسی کے کیئے معدوم نہ ہو سکی تو کسی مذہب کے درپے ہونا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ لوگوں کو تبدیل مذہب کرتے ہوئے سُن کر میرے دل پر اس سے زیادہ اثر نہیں ہوتا کہ جیسے سنوں کسی شخص نے فرض کرو چند لوٹے پانی مثلاً دریائے راوی سے لے کر چناب میں ڈال دیا۔ اس سے نہ راوی پایاب ہو گیا اور نہ چناب میں کچھ غیر معمولی طغیانی آ گئی۔ بات یہ ہے کہ مذہب فی نفسہ چیز ہی ایسی ہے کہ جس میں من بھوتی کو بہت بڑا دخل ہے اور اختلاف رائے کا حال یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک شخص نہایت سچے دل سے اچھا سمجھتا ہے۔ اور دوسرا اُسی چیز کو اسی طرح نہایت سچے دل سے بُرا۔ سعدی نے اس مطلب کو کیسی اچھی طرح ادا کیا ہے ۵

یکے جہود و مسلمان مناظرہ کردند — چناں کہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم
یہود گفت بتوریت مے خورم سوگند — وگر دروغ بود ہمچو تو مسلمانم
بلیرہ گفت مسلمان کہ گر مقالت من — صحیح نیست خدایا جہود میرانم
اگر از بسیط زمین عقل منعدم گردد — بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

میں اس اختلاف رائے کو بھی آیات اللہ میں سے خیال کرتا ہوں جیسے وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ترجمہ تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا بھی اللہ کے آیات میں سے ہے۔ اور جب اختلاف رائے آیت اللہ ٹھہرا تو اس کے مٹنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا چنانچہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ ترجمہ اگر چاہتا اللہ لوگوں کو ایک طریق (دین) پر بنا تا لیکن ایسا نہیں بنایا) وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے۔ مگر جن پر تیرا رب رحم کرے لِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ صاف بتا رہا ہے کہ اختلافِ مذاہب خلق انسان کی علت غائی ہے اور منظور یہ ہے کہ لوگ اختلاف کریں اور خدا کو ان لوگوں پر رحمت نازل کرنے کا موقع ملے جو صراطِ مستقیم سے متزلزل نہ ہوں۔ اگر عقل کو اس کی حد سے متجاوز نہ ہونے دو اور اس کو وہیں تک مذہب میں دخل دو جہاں تک اس کی رسائی ہے تو تم خدا کے بندے ہو۔ یقین کر کے ماننا کہ جملہ مذاہب میں اسلام سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ بے شک اسلام میں لوگوں کی غلط فہمی یا افراط و تفریط یا تعصب کی وجہ سے بعض اوپری باتیں بھی داخل ہو گئی ہیں اور کوئی مذہب ایسے تصرفات سے بچا ہوا نہیں۔ اور بہت سی باتیں ظاہر ہیں تو خلافِ عقل معلوم ہوتی ہیں۔ مگر فی الحقیقت ان میں مساغ عقل نہیں۔ لیکن تاہم اسلام کے اصول ایسے عمدہ اور معقول و سلیس ہیں کہ کوئی دوسرا مذہب اُن سے لگا نہیں کھاتا۔ دین کی ساری عمارت اس ایک ستون پر کھڑی ہے خدا ایک ہے۔ جہاں کہیں اس ستون کو ڈگمگایا ہوا پاؤ۔ پس سمجھ لو کہ تمام عمارت بے بنیاد ہے عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ترجمہ ڈھینے والی کھائی کے کنارے پر پھر اسی کو لے کر گر پڑا دوزخ کی آگ میں۔ یہی ستون لڑکھڑا اٹھا تھا۔ مشرک تو مشرک جن کو موحد ہونے کا دعویٰ تھا

جیسے یہود و نصاریٰ۔ انھوں نے بھی توحید کی مٹی پلید کر رکھی تھی۔ اسی ستون کو محکم اور مضبوط اور استوار
اور پائدار کرنے کے لیے پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوئے۔ خدا اور بندے میں باپ بیٹے کا رشتہ بھان متی کا
تماشا ایک تین اور تین ایک جو از روے اصول ہندسہ بداہۃً باطل وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ
وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ
ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ترجمہ
اور یہود نے کہا عزیر بیٹا اللہ کا اور نصاریٰ نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس
کرنے لگے اگلے منکروں کی بات کی مار ڈالے ان کو اللہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں ٹھہراتے ہیں اپنے
عالم اور درویشوں کو خدا اور اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو اور حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں
ایک صاحب کی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہ پاک ہو ان کے شریک بنانے سے۔

چونکہ خدا ازلی ابدی ہو اس کا دین مقبول بھی ازلی ابدی ہونا چاہیے۔ اسلام نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ
نئی چیز لے کر آیا۔ اور اگر ایسا دعویٰ کرتا تو وہ دعویٰ ہی اس کی تکذیب کرتا۔ ہم مسلمان جن ادیان کا منزل
من اللہ ہونا مانتے ہیں ان میں فرق اگر ہو تو جزئیات اور فروع کا نہ کلیات اور اصول کا۔ ہمیں نے کلیات
اور اصول ہی کے اعتبار سے کہا کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں لایا اور کلیات اور اصول ہی کے اعتبار
سے جا بجا قرآن میں پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرمایا ہو مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ترجمہ
سچا کرنے والا جو اس کے آگے ہو۔ لیکن اگر اہلِ کتاب ہم سے اصول میں اختلاف کریں جیسا کہ کرتے ہیں
تو اسلام ہرگز ان کا مصدق نہیں۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہو کہ جتنے پیغمبر خدا نے بھیجے سب بلا خلاف و بلا استثنا
توحید کو تسلیم کرتے آئے یہ پیغمبروں کا نہیں بلکہ ان کی اُمتوں کا قصور ہو کہ توحید کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

دین میں جو عقلی باتیں ہیں ان میں سب سے پہلے اور سب کا مدار علیہ توحید ہو۔ جب تثلیث کہ وہ بھی
شرک ہو خلافِ عقل زبردستی ہمارے دل میں اُتاری جائے تو اس کے صاف یہ معنی ہوں گے
کہ عقل کو دین میں دخل نہیں پھر آدمی مکلف کیوں کر ٹھہر سکتا ہو حقیقت میں ہم کو سخت حیرت ہوتی ہو کہ

پھونچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہی تو چاہئیے کہ حکم مانیں میرا اور یقین لاویں
مجھ پر شاید نیک راہ پر آویں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ترجمہ اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

ان سب آیتوں کے ملانے سے کیا نتیجہ نکلتا ہی کہ توبہ کرو خدا قبول کرتا ہی اور توبہ فعل ہی بندے کا
اختیاری۔ اب پھر مطلب کا وہی سلسلہ اختیار کرو۔ بہشت و دوزخ کے حالات کس نے ایسے شرح و بسط
کے ساتھ بیان کیئے کہ گویا دونوں کو بچشم سر دکھا دیا اسلام نے۔ ورنہ عیسائیوں میں تو بہشت کے واسطے
صرف ایک ہی لفظ تھا۔ خدا کی بادشاہت۔ اس لفظ کے معنی اب بھی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آتے دنیا
میں بھی خدا کی بادشاہت ہی یہاں بھی اعتراض کرنے والے نہیں چوکتے۔ بڑے لفظوں میں کہتے ہیں کہ
مسلمانوں کی بہشت سے خدا کی تقدس کو بٹا لگتا ہی کتنے مسلمان اس اعتراض کو سُن کر بد عقیدت ہو گئے
لیکن میں کہتا ہوں کہ بیش برین نیست بہشت میں دنیا کے سے مزے ہوں گے۔ سو دنیا ہی کے پیدا
کرنے سے خدا کی تقدس میں کون سا بٹا لگ گیا کہ بہشت کی وجہ سے لگ جائے گا۔ یہ پھر وہی خدا کو
خدائی تعلیم کرنے کی بات آئی۔ یعنے خدا نے توالد تناسل کا جو قاعدہ ٹھہرا رکھا ہی اور جس سے ہر شخص ننگ
کرتا ہی اگرچہ علی وجہ الحلال ہی کیوں نہ ہو قابل تبدیل ہی۔ قرآن جیسی کتاب فصیح و بلیغ مواعظ و حکم سے بھری
ہوئی دنیا کی اصلاح کی ضامن دین کی فلاح کی متکفل مُوثر دلوں کو مسخر طبیعتوں کو گداز کرنے والی تسکین
بخشنے والی۔ امراض روحانی سے شفا دینے والی۔ اہل دنیا کو کس نے عنایت کی۔ اسلام نے۔ معاشرت
اور تمدن کے عمدہ ضابطے کس نے ٹھہرائے اسلام نے۔ مسلمانوں کے مسئلہ طلاق پر تو اعتراض کیا جاتا
ہی۔ اور بدون اس کے کار برآری ہو نہیں سکتی تو سِوِل سپریشن کے نام سے اس کے لئے مقدمے لڑائے
جاتے ہیں۔ حق شفعہ اسلام سے پیدا ہوا۔ اب کوئی قوم نہیں جس نے اس کو اختیار نہ کر لیا ہو۔ بات یہ
ہی کہ حضرت موسیٰ کی شرع میں احکام ظاہر پر بڑا زور تھا حضرت عیسیٰ نے ظاہر سے قطع نظر کی باطن پر
توجہ کی یہ خاصہ شرع محمدی ہی کا ہی کہ اس نے ظاہر و باطن دونوں کی درستی کا بیڑا اٹھایا اور موسوی اور

ف ایک عملی طلاق ہی جو عدالت سے حاصل کی جاتی ہی۔ جب مذہب نے عیسائیوں کی مدد نہ کی تو انھوں نے یہ طریقہ حاصل کیا
کہ عدالت ہی سے تفریق زن و شو کی ڈگری حاصل کرتے ہیں ۱۲۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مزے سے تمہارے اسی مدرسے میں طب پڑھتا۔ پہلے ہی برس وظیفہ اور انعام اور تمغہ لیتا۔ چار برس میں فارغ سند لے کر نکلتا تو لوگوں کی تندرستی اور زندگی پر حکمرانی کرتا۔ جو مرتا اُس کا الزام خدا پر اور جو بچتا میری تشخیص صائب کا معتقد میری توجہ کا ممنون۔ مجھ کو کالج کی تعلیم سے بہت بڑا فیض پہنچا اسی تعلیم کے طفیل میں نے بڑی سے بڑی نوکریاں کیں۔ تاہم میں کبھی افسوس کیا کرتا ہوں کہ میں نے طبابت کیوں نہ اختیار کی اگر جم گئی ہوتی تو تین چار نسلوں کے دلدّر پار تھے۔ اگلے وقتوں میں اور اگلے وقتوں سے جالینوس کا زمانہ مراد نہیں بلکہ غدر سے پہلے تک اطبائے یونانی احتساباً علاج کرتے تھے اب ڈاکٹروں کی دیکھا دیکھی لینے لگے ہیں الّا ماشاء اللہ مگر ویسی ہیکڑی نہیں جو لیتے ہیں بھی عجیب مضایقے کے ساتھ با ہزار جان خواستگار اور اوپرے دل سے انکار۔ من چاہے منڈیا ہلائے وہ ادا بھی دیکھنے کے لایق ہوتی ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں محتاج تعلیم ہے مشق و تمرین[1] آنہیں سکتی خدا جانے مدرسۂ طبیہ کے کورس میں ہے یا نہیں مگر ہونی چاہیئے۔ بہر کیف اے طلبۃ الطب تم نے بڑا شریف فن اختیار کیا ہے ہم خرما و ہم ثواب۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ مدرسے کی سند حاصل کرنے سے تم طبیب بن بیٹھوگے۔ بڑی سند ہے مقبولیت عند الناس۔ اور وہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ جس کو چاہیئے۔ استعداد غایر۔ استحضار مطالب تفتیش تحقیق۔ حسن اخلاق تسخیر قلوب۔ یہ زمانہ کامپٹیشن یعنی منافست[2] کا ہے۔ ظاہر بیں یہ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں نے ہم کو بزور سیف زیر کیا زوال سلطنت کی وجہ سے ہم لوگ مفلس و محتاج ہو گئے۔ لیکن یہ خیال محض غلط ہے انگریز ہم سے بزور شمشیر خراج لیتے نہ ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ اُن کی بنائی ہوئی چیزیں خواہی نخواہی استعمال کریں مگر یوں کہو کہ انگریز بزور ہنرمندی ہماری روزی چھینتے چلے جاتے ہیں اس کامپٹیشن نے ہندوستانی سبھی چیزوں کو نقصان پہنچایا اور شاید سب سے زیادہ طب کو۔ اگر اس مدرسے کی اغراض کامل طور پر پوری نہیں کی جائیں گی تو آیندہ بیسویں صدی کا پہلا ثلث یا غایت درجے نصف نہ گزرنے پائے گا کہ طب یونانی کی وہی گت ہوگی۔ جو اس کی آبا و ید کی ہوئی۔ نام معلوم مسمی معدوم۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رٰجِعُوْنَ۔ جن مصیبتوں سے ہم ہیں کے اور اسی شہر کے سر سید احمد خاں نے علی گڈھ کالج کھڑا کیا اور کھڑا کیا کیا۔

[1] مہارت ۱۲ [2] بڑھا بڑھی۔ مقابلہ ۱۲۔

بڑے میاں کے خیالات کے مطابق تو ابھی بالاخانے کا زینہ تک بھی درست نہیں بہرکیف اُن مصیبتوں کو
سید ہی کا جی جانتا ہوگا۔ ہم اُن مصیبتوں میں شریک نہیں ہوئے تو دیکھتے تو رہے ہیں ان مصیبتوں
کی وجہ سے میرا دل دھکڑ پکڑ کیا کرتا تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ آج سارے ہندوستان میں حکیم عبدالمجید
صاحب کی طبابت کا طوطی بول رہا ہے۔ اور ضرورت بھی اُنھوں نے ایسی اختیار کی ہے کہ دنیا کی دوسری
تمام ضرورتیں اسی پر متفرع ہیں۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے اشارہ کرنے کی دیر ہے۔ روپے کے
انبار لگ جائیں تو تعجب نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو وہی سرسید کا سا رونا
روتے ہوئے ھَلْ مِنْ مَزِیْد ہائے چندہ ہائے روپیہ۔ لیکن بُرا ماننے کی بات نہیں فراہمی چندہ میں
حکیم صاحب نے سرگرمی تو کی ع

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

اس سے کہ سالانہ رپورٹ میں دُکھڑا رو دیا۔ اکمل الاخبار میں کبھی کبھار چند سطریں لکھ ماریں یا کسی
تقریب سے کہیں جانے کا اتفاق ہوا اور ضمناً مدرسے کا مذکور کر دیا۔ چہ خوش بود کہ برآید بہ یک کرشمہ دو کار
ان بوسہ بہ پیام تدبیروں سے لنڈ چندہ ملا ہی نہ ملے گا۔ صاحب سرسید احمد خاں کی طرح گلے میں
فقیروں کی سی جھولی لٹکاؤ۔ کوڑی کوڑی دکان مانگو امیروں کی ڈیوڑھیوں پر دھرنا دو تھیٹروں میں کھڑے
ہو کر ناچو گاؤ۔ سوانگ بھرو لوگوں سے مکار طماع اور بہت سے بے فقط سنو اور خبر نہ ہو۔ اپنی ساری طاقت
ساری فرصت ساری عافیت ساری دولت ساری عزت غرض ساری دنیا کو وقف مدرسہ کر دو تب
بانی مدرسہ ہونے کا نام لو۔ پھر حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اسباب کچھ ہی کیوں
نہ ہوں ہنود تو ان کے شریک ہوئے اور نہ ہوں۔ یہ ایک فیصل شدہ بات ہے۔ پس تمام کوشش محدود
ہو گی مسلمانوں میں جو من حیث القوم خود فاقہ مست ہیں

چاہیئے ہے نقد و افر طب کے فن کے واسطے		ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے

ذری شعر کے قافیے کو ملاحظہ فرمائیے گا۔ اصل میں تو شیخ ابراہیم ذوق کا مطلع ہے

چاہیئے زر ان بتان سیم تن کے واسطے		ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے

بندہ نے سرقہ کیا ہو اقراری مجرم ہوں مگر کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ غرض مسلمان مفلسوں سے روپیہ لینا
ہو۔ پھول والوں کی سیر کے لیئے نہیں۔ سلطان جیؒ کی سترھویں کے لیئے نہیں۔ میلہ باغ بہاری کے لیئے
نہیں۔ کشتیوں کے اکھاڑے کے لیئے نہیں کہ ایسی ضرورتوں کے لیئے ہماری قوم کے بے فکرے مسرف
نا عاقبت اندیش قرض وام کرکے کچھ دے بھی گزرتے بلکہ عامۂ خلائق کی جان اور تندرستی کی حفاظت کے
لیئے۔ مسلمانوں میں سر بکف تو بہتیرے نکلیں گے خاص کر گروہ غیر مقلدین میں مگر زر بکف کوئی ایسا ہی اللہ کا
ولی ہو تو ہو ع

گرجاں طلبی مضایقہ نیست	زر می طلبی سخن دریں ست

مدرسے کے پراسپکٹس کو دیکھو کہ کیسے مدرسے کی ضرورت ہو اور کس قسم کا مدرسہ اس زمانے میں چل سکتا ہو
طبیبوں کو دواشناس دوا ساز بناتا ہو۔ تشریح سکھاتی ہو۔ ویدک ڈاکٹری طب یونانی کو ملا جلا کر نئی طب بنا کر
اُس کو رواج دیتا ہو۔ یہ باتیں مُنہ سے کہ دینی آسان ہیں کر دکھانا تو خیر میں کہتا ہوں ایسا حوصلہ کرنا بھی حکیم
عبد المجید خاں صاحب ہی کا کام ہو۔ ابھی تک تمھارا مدرسہ بیش ازیں نیست کہ وہی پُرانے ڈھرّے پر
چلنے والا طب یونانی کا سکول مثلِ ایجرآف سکول ہو وہ تو حسنِ اتفاق سے چند باتیں جمع ہو گئیں حکیم عبد المجید
خاں صاحب پہلے درس طب دیتے تھے۔ شاگردوں کی حیثیت بدل دی۔ تینوں بھائی بے تنخواہ کے نوکر
مدرس بنے۔ نواب صاحب دوجانہ تا بہم رسی سامان کافی متکفل مصارف ہوئے بعض بزرگانِ قوم نے خدا ان کو
جزائے خیر دے۔ ماہوار وظیفے مقرر کر دیئے۔ اتنی باتیں جمع ہو جانے سے تو آج یہ چند صورتیں جلسۂ سالانہ کی
تقریب سے فراہم ہو گئیں ورنہ جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جو ہم کو کرنا چاہیئے اُس کا تو ابھی شمہ بھی نہیں۔ خیر یہ تو
ناامیدی کی سی باتیں ہیں مگر ع

بلبلا مژدۂ بہار بیار	خبر بد بہ بوم باز گزار

ہمت بڑھانے والی جرات دلانے والی روداد یہ ہو کہ ریاست رامپور نے حسب ہی فیاضی خیرات و میراث میں

۱؎ یعنی سلطان نظام الدین اولیاؒ جن کا مزار سوادِ شہر دہلی میں ہو ان کے مزار پر ہر سال سترھویں ربیع کو عرس ہوتا ہو اس وجہ سے سترھویں مشہور ہو گئی
۲؎ دستور العمل ۱۲ ۳؎ چھوٹے پیمانے کا سکول یعنی اسکول بچہ ۱۲

جوں ہی لکچر کا قصد کیا کہ یاد آگئی جنرل اعظم الدین خاں صاحب کی افسوسناک اور بے ہنگام موت۔
میں نے رسم دنیا کے مطابق جنرل اعظم الدین خاں کی موت کو بے ہنگام موت کہا۔ ورنہ کوئی موت بے
ہنگام یعنے قبل الوقت یا بعد الوقت ہو ہی نہیں سکتی اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ وعدے سے دم زیادہ نہ کم۔ اور اگر کسی موت کو بے ہنگام کہا جا سکتا ہے تو بڑی کثرت سے
قبل الوقت کی موتیں وہ ہیں جو شاید طب یونانی نہیں بلکہ یونانی طبیبوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہیں اور
جن کی تعداد کے گھٹانے بلکہ ہو سکے تو بالکل روک دینے کے لیے حکیم عبد المجید خاں صاحب نے اس
مدرسے کا ڈول ڈالا ہے۔ بے شک یہ بھی کیا بری چیز ہے۔ دو منٹ بات کرتے نہیں گزرے کہ میں لیکچر سے باہر
ہو گیا اور تسلسل سخن کے لیے پھر اعادہ کرنا پڑا کہ میں نے امسال کوئی شگفتہ سا لکچر دینے کا ارادہ کیا۔ یاد آگئی
جنرل اعظم الدین خاں کی موت۔ نہیں ہو سکتا کہ مدرسۂ طبیہ کے جلسۂ سالانہ میں لکچر دوں اور اُس کے بڑے
حامی اور مددگار اور سرپرست اور کیا اور کیا کے اندرون سال مرنے اور مارے جانے کا مذکور نہ کروں۔
اور مذکور کروں تو نہیں ہو سکتا کہ بیان میں شوخی اور شگفتگی کو نباہوں۔ میرے اور جنرل اعظم الدین خاں کے
درمیان کبھی کوئی غرض مشترک نہیں رہی۔ میں نے اُن کو اسی جگہ دیکھا اور وہ دیکھنا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ
یعنی فی عمری وغیرہ ایک بار۔ تاہم میں اُن کی وفات پر اظہارِ افسوس کرتا ہوں۔ اولاً بلحاظ ہمدردی انسانی
ثانیاً بداعیۂ اخوتِ اسلامی ثالثاً بتقاضائے سرپرستیِ مدرسہ۔ ہم لوگوں نے جنرل صاحب کو اپنی کمیٹی کا
پیٹرن بنانا چاہا جس کو انھوں نے غالباً ہضماً للنفس منظور نہ کیا۔ ورنہ آج ہم کو دوسرے پیٹرن کی تلاش
ہوتی۔ اور وہ کون ہوتا؟ یہی فقیر کیوں کہ جب کچھ کرنا نہیں اور کرنے کا سلیقہ نہیں اور حوصلہ بھی نہیں تو جیسا
پیٹرن ویسا ممبر ویسا سکرٹری ویسا اور یہی تھنگ (سب کچھ) ویسا نتھنگ (کچھ نہیں)۔ جو کچھ ریاست رام پور
سے ملتا ہے اور میں اپنے مونھ سے کیوں کہوں کہ کیا ملتا ہے کیوں کہ شعر فہمی عالم بالا معلوم ابھی مقدار بتادوں
تو کوئی چودھویں صدی کا سخی کچھ دیتا بھی تو دیتے دیتے دست کش ہو جائے کہ او ہو ایک جگہ سے اس قدر
ماہوار آمدنی ہے اور چاہیے کیا۔ اس میں تو نہ صرف مدرسہ چل سکتا ہے بلکہ عبد المجید خاں اور اُن کے خاندان کی

لہ ماہوار ۱۲۔ کہ اپنی زندگی میں اور اُن کی زندگی میں ۱۲ سہ سرپرست ۱۲ کہ بوجہ کسرِ نفس ۱۲۔

مطلب کی ضرورت نہیں اس لیے کہ عبد المجید خاں سکرٹری ہیں۔ سید ہادی حسین خاں صاحب کو
پنشن کی حاجت نہیں کیونکہ پریزیڈنٹ ہیں۔ بہرکیف ریاست رام پور سے جو کچھ ملتا ہے عطیۂ ریاست ہے
اور سچ تو یہ ہے کہ مجھ کو ٹھیک یاد بھی نہیں کہ کس قدر ملتا ہے۔ یہ میری معلومات ہے اور میں مبرہوں میں نہ
صرف مدرسۂ طبیہ کی طرف سے غافل ہوں بلکہ شامتِ اعمال سے علی گڈھ کالج کا بھی ٹرسٹی ہوں اور
وہاں بھی میری یہی بلکہ اس سے بدتر کیفیت ہے جس کی پاداش میں سید احمد خاں صاحب میری جان کو
روتے تو بجا تھا اور انھوں نے کوسا ہوتا تو اب تک میں کبھی کا مر گیا ہوتا مگر انہیں اس لیے کہ انھوں نے
کوسا نہیں اس لیے کہ کسی مسلمان کو کوسنا گو وہ نیچری نہ ہو اُن کی شان سے نہایت بعید ہے۔ غرض ریاست
رام پور جو کچھ ملتا ہے عطیۂ ریاست ہے مگر مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ ہم اس کو احسان مندی کے
ساتھ مرحوم جنرل کی مہربانی کی طرف منسوب اور ان کی وفات کا ماتم کرتے ہیں۔ اگر خدا کو مدرسے کا چلانا
منظور ہے تو ہماری تقدیر کا کوئی دوسرا جنرل اعظم الدین خاں بلکہ شاید مارشل اعظم الدین خاں پیدا
ہو جائے گا ؎

نخواہد این چمن از سرو و لالہ خالی ماند	یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

لیکن ہمارے مدرسے کی امداد و اعانت کے اعتبار سے اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں تھے قطعہ

فَلَوْ قَبْلَ مَبْکَاہَا بَکَیْتُ صَبَابَۃً	لَسُعْدٰی شَفَیْتُ النَّفْسَ قَبْلَ التَّنَدُّمِ
وَلٰکِنْ بَکَتْ قَبْلِیْ فَہَیَّجَ لِیَ الْبُکَاءَ	بُکَاہَا فَقُلْتُ الْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ

غرض اُن کی فضیلت اُن ہی کے ساتھ خاص تھی اور وہ ہماری شکرگزاری کا لااشتر شیر لے گئے جس کے

۵۱ امانت دار ۱۲ ۵۲ جو آدمیوں کا شکرگزار نہیں ہوتا وہ خدا کا کب شکرگزار ہوگا ۱۲ ۵۳ یہ وہ عہدہ ہے جو جنرل سے بھی
بڑا ہوتا ہے ۱۲ ۵۴ شاعر فاختہ کو ایک عاشق قرار دے کر کہتا ہے کہ جس طرح وہ عشق سرو میں روتی ہے۔ اگر میں اپنے معشوق سعدی کے
عشق میں روتا تو میرے دل کو تسلی ہوتی لیکن اب مجھ کو ندامت ہے کہ وہ مجھ سے پہلے رو دی ہے اور اُس کے رونے
سے مجھ کو بھی تحریک رونے کی ہوتی ہے تو مجھ کو اُس کی فضیلت ماننی پڑتی ہے کیوں کہ وہ موجد ہے اور میں مقلد ۱۲
۵۵ بڑا حصہ ۱۲

وہ مستحق تھے۔ کیسا مشکل ہی کہ اُن لوگوں سے بات کرنا جو اتنی انگریزی بھی نہیں جانتے جتنی کہ میں۔
اب تم کو لائنز شیر کے معنے سمجھاتا ہوں۔ لائنز شیر کے معنی ہیں شیر کا حصہ۔ یعنے حصہ مبتدی بچوں کے
پڑھنے کی انگریزی کتابیں ریڈر کہلاتی ہیں اُن میں یہ مشہور حکایت چلی آتی ہی کہ ایک بار چار جانوروں نے
شکار میں ساجھا کیا۔ چار جانوروں میں دو تو مشہور شکاری ہیں۔ شیر اور بھیڑیا لومڑی اگرچہ شکاری
نہیں ہی لیکن چوں کہ شکار کی پس خوردہ خوار ہی عجب نہیں اس نے بھی ساجھا کیا ہو۔ چوتھا جانور۔ ع

چوں یار ہے برد عزیز است

ہرگز شکاری نہیں اور مجھ کو صاف طور پر اُس کا نام لینے میں تامل ہی۔ کیوں کہ حسن ظن بزرگان معلوم۔
اُس کا نام لیتے وقت جس سے آنکھیں چار ہوں گی وہی برا مانے گا کہ مجھ پر آوازہ کسا لیکن حکایت کو
تو پورا کرنا ہی۔ چوتھے شریک کا نام لئے بدون بن نہیں پڑتی۔ تو میں اپنی آنکھیں ڈھانک کر کہتا ہوں
کہ وہ چوتھا شریک تھا گدھا۔ شرط شرکت یہ تھی کہ چاروں مل کر شکار کریں اور برابر بانٹ لیں۔
کسی جانور کو مارا اور بھیڑیئے نے برابر کے چار حصے لگائے۔ سب شرکا نے شیر کو اختیار دیا کہ جو حصہ
چاہے لے۔ شیر نے کہا کہ ایک حصہ تو میں اس دعوی سے لیتا ہوں کہ جنگل کا بادشاہ ہوں اور زیادہ
نہیں تو جنگل کے محاصل سے ایک ربع خراج مجھ کو ملنا چاہیئے۔ دوسرا حصہ از روے عہد و پیمان شرکت
میرا ہی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ تیسرا حصہ میں چھوڑ نہیں سکتا کیوں کہ اس میں دل اور جگر ہی
جو خاص میری غذا ہی۔ رہا چوتھا حصہ تو حصہ ایک احمق [illegible] تو یہ بڑی مشکل تقسیم ہی۔ سب سے زیادہ آسان
بات یہ ہی کہ وہ بھی میں ہی لوں۔ غرض شیر چاروں حصے چٹ کر گیا۔ اور تینوں ساجھی مونھ تکتے کے تکتے
رہ گئے۔ تو میں نے جو کہا تھا کہ جنرل اعظم الدین خاں ہماری شکرگزاری کا لائنز شیر لے گئے۔ اشارہ
تھا اسی حکایت کی طرف۔ خدا نے دنیا ایسی جگہ بنائی ہی کہ یہاں ملائم اور ناملائم سبھی طرح کے واقعات
پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر یہ چرخہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ بازار میں لڑکے ایک غزل گاتے پھرتے ہیں
اُس کا مطلع تو پھسپھسا ہی مگر اُس کا مطلب وہی ہی جو میں کہنا چاہتا ہوں ؎

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے		جلسے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

اور اسی قبیل سے ہے یہ جلسہ۔ پس اس جلسے کے ہونے کی خوشی ہے تو اسی قدر کہ افتتاح مدرسہ پر ایک
برس اور گزر گیا۔ لوگوں کے تعلقات مدرسے کے ساتھ مختلف طور کے ہیں جس کا جیسا تعلق ویسے
اُس کی خوشی۔ ایک تعلق تو تماشائیوں کا ہے کہ حکیم عبدالمجید خاں نے بلاوے کا رقعہ بھیجا بعض مفت
کرم داشتن کے طور پر بعض حکیم صاحب کی مروت سے اور بعض تفریح کی غرض سے آموجود ہوئے۔
دیکھا کہ چند بھلے آدمی جمع ہیں۔ مکان کی آراستگی۔ مہمانوں کی آؤ بھگت۔ اور محفل کی ترتیب۔ سب
باتیں ویسی ہی ہیں بلکہ اُس سے کہیں بہتر جیسی خوشی کے جلسوں میں ہوا کرتی ہیں۔ سوائے اس کے
کہ ایک بوڑھا کھڑا لکچر دے رہا ہے۔ نہ ناچتا نہ اُس کو ناچنا آتا۔ نہ گاتا نہ اُس کو گانا آتا نہ بتاتا نہ اُس کو بتانا
آتا۔ مگر خدا نے اُس کو گویائی دی ہے جس کے ذریعے سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا آپ یہ خیال
کیجے گا کہ میں اپنی مدح کرتا ہوں۔ زمانِ حال کی شائستگی کی رو سے ناچنا۔ گانا۔ بتانا۔ داخلِ ہنر و
آدابِ تمدن ہے۔ کہتے ہیں کہ رونا اور گانا کس کو نہیں آتا۔ یہاں گانے سے وہ گانا مراد ہے جو اصول
کے ساتھ ہو۔ ورنہ یوں تنہائی میں کبھی مزے میں ہوتا ہوں تو میں بھی گنگنا لیا کرتا ہوں۔ غرض جلسے
کی پوری خوشی تو اُن لوگوں کا حصہ ہے جو صرف تماشا دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اب رہی ادھوری
خوشی اس میں کئی حصے دار ہیں۔ سب سے اول ہمارے سکرٹری صاحب حکیم عبدالمجید خاں فنِ طب
کی خیر خواہی اور ذاتی شوق کے جوش میں آکر مدرسے کا بیڑا تو اُٹھا بیٹھے۔ اب لگیں دِقتیں پیش آنے کہ
عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔ مدرسے کے خبط سے پہلے حکیم صاحب مجھ کو معاف کریں
کیوں کہ میں خبط کو بُرے معنوں میں استعمال نہیں کرتا بلکہ میری مراد ہے عشق[1] وَالعِشْقُ نَوعٌ مِنَ الجُنُونِ
وَالجُنُونُ اَنْحَاءٌ عبدالمجید خاں کیا مِنْ حَیْثُ الفَنِّ اور کیا مِنْ حَیْثُ التَعَرُّفِ[2] مرجعِ خلائق تھے اور
اب بھی ہیں۔ مگر ظاہر بیں لوگوں کی نظر میں اُس میں ذرا سا وہن آگیا ہے کہ چندے کے لیے کرنال۔
میرٹھ۔ علی گڈھ۔ پٹنہ تک کے دھاوے مارتے ہیں اور ابھی کیا معلوم یہ مدرسہ اُن کو کہاں کہاں کا
آب و دانہ کھلائے گا۔ کس کس کی خوشامد کرائے گا۔ اور کس کس سے کیا کیا سنوائے گا۔ میں نے اپنے

[1] عشق بھی ایک قسم کا جنون ہے اور جنون کی بہت سی قسمیں ہیں۔ [2] شکر نذری ۱۲

ہاتھوں سے کرتے تھے۔ ہم اُٹھ کر پانی پینے سے بھی جھینپتے ہیں اور اس کی وجہ کسی طرح کی معذوری یا
مجبوری نہیں بلکہ کبر و رعونت جس کی نسبت حدیث شریف میں وعید موجود ہی کہ جس کے دل میں بقدر
ایک ذرہ رعونت ہو گی اُس کو جنت کی ہوا حرام ہی مجھ کو اکثر اتفاق ہوتا ہی کہ کسی دوست کی دکان پر
بیٹھا ہوتا ہوں اور آم وغیرہ کوئی چیز بکنے آئی۔ اور میں نے بھی خریدی۔ اب اُس پوٹلی کو ہاتھ میں لٹکا کر
ترفع اور کبر نفس کی وجہ سے گھر تک لانا مجھ پر بار ہوتا ہی اور نہیں لاسکتا۔ اور اگر آپ لوگ اپنے اپنے نفوس کا
احتساب کیجئے گا تو میں یقین جانتا ہوں کہ اتنے بڑے شہر میں میں اکیلا خر دماغ نہیں ہوں۔ میں جب
شروع شروع میں ترک خدمت کرکے خانہ نشین ہوا تو مدتوں میرا یہ حال رہا کہ بازار میں پیادہ پا نکلنے سے میری
طبیعت مضایقہ کرتی تھی۔ اگر بازار میں مجھ سے کھڑے ہو کر کوئی بات کرتا تو میں اُس کو بڑی بدتہذیبی خیال
کرتا تھا۔ خدمتگار مجکو اس طرح لازم تھا جیسے آدمی کو ہمزاد۔ لیکن میں نے سوچا کہ جس شہر میں میں نے
مسافرانہ طالب العلمی کی۔ اُس وقت کے جاننے اور دیکھنے والے ہنوز موجود ہیں۔ صرف اتنی بات کہ حسن
اتفاق سے بڑی بڑی نوکریاں کیں یا چار پیسے پلے ہو گئے۔ میرا اس قدر اترانا دلیل کم ظرفی ہی چنانچہ
میں نے اُس رعونت کو کم کیا بمجاہدہ[۱]۔ یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو سواری بھی دی ہی نوکر بھی دئیے ہیں اور
میں اکیلا پیادہ پا جہاں چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں۔ مگر نفس میں ابھی اتنی خباثت باقی ہی کہ کوئی چیز لے
چلتے ہوئے شرماتا ہوں۔ عزت کی بحث تو پیغمبر خدا صلعم کے سامنے بھی پیش آچکی ہی۔ کعب بن اشرف
اور اُبی بن سلول وغیرہ چند منافق بڑے مالدار تھے جو تمول کی وجہ سے مسلمانوں کے گروہ کو حقیر
سمجھتے۔ شاید جنگ اُحد کا مذکور ہی (بھئی کوئی مولوی ہو اور میں غلطی کرتا ہوں تو اصلاح کر دینا) کہ
مسلمانوں اور اُن منافقوں میں کچھ تکرار ہو پڑی اور مجھ کو اُس وقت ٹھیک یاد نہیں کس نے۔ مگر اُبی
یا کعب اِن ہی میں سے کسی نے کہا تھا۔ وَلَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ
ذرا مدینے لوٹنے دو جو عزت والا ہی وہ ذلیل کو مدینے سے نکال دے تو سہی۔ اس منافق نے اپنے تئیں اعز
کہا اور اذل سے جناب رسول خدا صلعم کی طرف اشارہ کیا تو خدا منافق کا جواب دیتا ہی وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

[۱] یعنے کوشش و محنت سے ۱۲۔

وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ عزت تو خدا کی ہے اور اُس کے رسول کی اور مومنین کی
لیکن منافق اس بات کو کیا جانیں۔ وہ تو مال حرام کے جمع کر لینے ہی کو بڑی عزت سمجھتے ہیں۔

اگر مسلمان اصلی عزت کو سمجھیں اور سادہ و بے تکلف اور چست و چالاک و سپاہیانہ زندگی بسر کریں تو وہ بہت سی فضولیوں سے بچ سکیں گے جو ایک یقینی طریقہ تموّل کے بڑھانے کا ہے اور جب اُن کا تموّل زیادہ ہوگا تو ممکن ہے کہ خدا اُن کو مصارفِ خیر کی بھی توفیق دے۔ جن میں ایک بہتر سے بہتر ایک عمدہ سے عمدہ ایک ضروری سے ضروری عبد المجید خاں کا مدرسہ بھی ہے حکیم عبد المجید خاں نے جس کام کا ارادہ کیا ہے۔ وہ سلطنتوں کے بس کا بھی نہیں پھر کس کے بس کا ہے؟ قوم کے۔ اور ہماری قوم ہے کہ اُس کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہیں۔ ہم کرنی اور ناکردنی میں فرق نہیں کرتے۔ جیسا خداے تعالیٰ نے فرمایا ہے فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ قوم کی مت کچھ ایسی ماری گئی ہے کہ آنکھوں کے آگے شواہد موجود ہیں اور نہیں دیکھتے۔ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پٹ رہا ہے اور نہیں سنتے غرض پورے مصداق ہیں اس آیت کے لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ قوم کو اپنی مجموعی قوت مجموعی طاقت مجموعی استطاعت کی خبر نہیں۔ اس واسطے کہ مجموعیت ہی باقی نہیں۔ قوم نہیں جانتی کہ وہی سب کچھ اور اسی میں سب کچھ ہے۔

ہیچ ال خدا و خدا ال ہیچ۔ قطعہ

دوست نزدیک تر از من بمن است	وین عجب تر کہ من از وے دورم
چہ کنم باکہ تواں گفت کہ او	در کنارِ من و من مہجورم

دلوں میں بات بیٹھتی ہی نہیں کہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ کوئی چیز ناممکن اور محال نہیں رہی مگر کرنے والوں کو نہ ہم جیسے کاہلوں اور خود غرضوں کو کہ جس کو دیکھو اپنی ہی ہنڈیا کی خیر منا رہا ہے۔ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

۱۵ اُن کے دل ہیں جو سمجھنے کا کام نہیں دیتے اور اُن کی آنکھیں جو دیکھنے کا کام نہیں دیتیں۔ اور اُن کے کان ہیں جو سننے کا کام نہیں دیتے یہ لوگ ایسے ہیں جیسے جانور بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ غافل ہیں ۱۲

اُس کے نزدیک دنیا عبارت ہے اُسی کی ذات خاص اور اُس کے معدودے چند لواحق سے وہ اس تعلق
ہی سے آگاہ نہیں ہے جو خدائے تعالیٰ نے افرادِ قوم میں رکھا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا عین اپنے تئیں
فائدہ پہنچانا ہے کتنے ہیں جنھوں نے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت کو صمیم قلب سے تسلیم کیا ہو منھ سے کہنے کو سب
اور واقع میں میرے نزدیک ہزار میں ایک نہیں آدھا نہیں تہائی نہیں۔ چوتھائی نہیں کسور عام نہیں۔
اعشاری نہیں۔ اگر کسور عام اور اعشاری کا فرق معلوم ہو تو خیر ورنہ ایک شخص کا نشان دیتا ہوں جن سے
بہتر ہمارے شہر میں اس مسئلے کو کوئی نہیں جانتا۔ وہ میرے اُس بیٹے کے دوست ہیں جیسا سعدی نے کہا ہے
"در ایام جوانی چناں کہ افتد دانی" وہ کون ہیں شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب۔
خیر تو مطلب یہ ہے کہ سرے سے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت ہی تسلیم نہیں جلسوں میں شریک ہو جانے اور
ممبروں کی فہرست میں نام لکھوا لینے کا بندہ قائل نہیں۔ قومی خیالات کو ہم سے بہتر کوئی کیا سمجھے گا مدرسے
کے بارے میں عام خیالات تو یہ ہیں کہ عبد المجید خاں نے اپنی ناموری کے لیے سارا منصوبہ سوچا ہے۔
بعض بعض بدنفس یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حیلے سے لوگوں کو لوٹنا مقصود ہے۔ کیا عبد المجید خاں نہیں جانتے
کہ یہ اور اس سے بھی بُری بُری بدگمانیاں اس شہر میں اُن کی نسبت ہو رہی ہیں اور بڑی شناخت
ان خیالات کی یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی متنفس کمر باندھ کر اُن کی امداد کے لیے کھڑا نہیں ہوا جس نے
جو کچھ کیا وہ متفرع ہے عبد المجید خاں کی وجاہت پر اور بس۔ عبد المجید خاں کے بھائیوں کے علاوہ

	بہ ز برادر نتواں یافت دوست		کار برادر ز برادر نکوست	

شہر کا کوئی طبیب اِن کے ساتھ ہے؟ ایک پیسہ چندے کا ایسا آیا الا ماشاء اللہ جس میں عبد المجید خاں
کی ذاتی انفلوئنس کو مدخل نہ ہو؟ نہیں ہے کام کی اہمیت کی نظر سے جو سرگرمی پبلک میں ہونی چاہیے اُس کا
عشر عشیر بھی وقوع میں آیا؟ نہیں۔ تو ایسی روداد پر عبد المجید خاں کو کیا خوشی ہو سکتی ہے اور اسی وجہ سے میں نے
اُن کو باوجودیکہ مدرسے کی ہمہ اوست اور ہمہ از دوست ہیں ادھوری خوشی کرنے والوں میں گنا
طالب العلموں میں جنھوں نے انعام پائے بلکہ جنھوں نے تری شاباش

۱؎ خلوص دل ۱۲ ۲؎ اقتدار ۱۲ ۳؎ ضرورت ۱۲

پائی وہ بھی اس جلسے کی خوشی کرنے والوں میں سے ہیں لیکن اے طالب العلمو! تم کو سمجھنا چاہیے کہ اگر تم مدرسے سے سند فراغ لے کر نکلے بھی اور خدا کرے کہ کہیں جلد نکلو کیا تم ڈرے کہ میں تم کو بد دعا دیتا ہوں؟ نہیں نہیں حاشا و کلا نکلو اور کامیابی کے ساتھ نکلو تاہم اس سے زیادہ سخت مرحلہ تم کو در پیش آنے والا ہے۔ وہ کیا اُن لوگوں کے دلوں میں اعتماد اور اعتبار پیدا کرنا جن کو تم کو یہاں سے نکل کر اپنی معلومات طبیہ کا تختۂ مشق بناؤ گے۔ سو وہ اعتماد اور اعتبار اس سے تو نہیں پیدا ہوگا کہ تم اپنے تئیں سمجھو کہ ہم منزل علم طے کر چکے ہیں اور ہم کو صرف عمل کرنا باقی ہے۔ میں کہتا ہوں اور میری اس نصیحت کو یاد رکھنا یہ نصیحت کسی طبیب کی نہیں ہے۔ مگر ایک زمانہ دیدہ تجربہ کار کی ہے اور تم نے سُنا ہوگا پیش طبیب مرو پیش تجربہ کار برو۔ کہ تمھاری طالب العلمی اُس وقت سے شروع ہوگی جب تم مستقل مطب لے کر بیٹھو گے۔ اُس وقت تک تم میں اور واقعی طبیب میں ایسا فرق رہے گا۔ جیسا کہ ایک شاطر اور جنرل میں شاطر کے پاس بادشاہ اور وزیر اور اسپ و فیل اور پیادے سب فرضی لشکر ہے۔ اور جنرل کے پاس سچ مچ کے سپاہی۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ شاطر کی ہار جیت کو جنرل کی ہار جیت سے کیا مناسبت ہے۔ یوں سمجھو کہ اب تمھارے سامنے ایک کتابی بیمار ہے مفروض جس کا تم علاج کر رہے ہو اور مطب سے تم کو ایک واقعی بیمار سے کام پڑے گا۔ جس کی تکلیف تم سے دیکھی نہیں جائے گی۔ بیمار اور بیمار دار تم کو چین لینے نہیں دیں گے۔ وہ وقت ہوگا اصلی غور کرنے اور طبیعت پر بوجھ دینے اور معلومات مدرسہ سے مدد لینے کا تم سمجھ سکتے ہو کہ جس زمانہ میں یونانی طب کی تدوین ہوئی تھی تب سے اب تک کیسے کیسے انقلاب واقع ہوئے ہیں آب و ہوا میں۔ لوگوں کی غذا میں طرز و عادات میں۔ دواؤں کی تاثیرات میں۔ نباتات میں۔ حیوانات میں۔ ہر چیز کے مزاج میں۔ انقلابات کے علاوہ ہزاروں نئی دوائیں قرابادین میں بڑھ گئی ہیں۔ تشریح کی تحقیقات نے بے مبالغہ بال کی کھال نکال کر رکھ دی اور کیمیا نے اس قدر ترقی کی ہے کہ اُس کے فائدوں کے آگے کیمیائے متعارف بے قدر محض ہو گئی ہے۔ وہ وہ آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اُن کے ذریعے سے جو تصرف چاہیں کر سکتے ہیں۔ ارادے کے مطیع خیالات کے منقاد[1]۔ تم کو

[1] تابع دار ۱۲۔

طبابت کرنی پڑے گی ان اختلافات اور انقلابات کے لحاظ سے اور وہ کچھ آسان کام نہیں اگر تم سلیقے
سے طبابت کروگے اور تحقیقات اور تجربات کا سلسلہ جاری رکھوگے اور نتیجہ تحقیقات کو اپنے ساتھ قبر
میں نہیں لیجانا چاہوگے تو تم طب کو اس قابل کر دوگے کہ وہ کچھ دن سنبھلی رہے اور واقع میں یہی اصول
اس مدرسے کے قائم کرنے کا اور اگر تم وہی پُرانی لکیر پیٹتے رہے تو سمجھا جائے گا کہ نہ تو مدرسے کی تعلیم
سے مستفید ہوے اور نہ تم نے مدرسے کا حق ادا کیا ارے خدا زمانے کا رنگ دیکھو کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا
اور کیا ہوتا چلا جاتا ہی۔ تم نے وہ فن اختیار کیا ہی جو پہلے نہایت مشکل تھا اور اب تمہارے لیے اور
زیادہ مشکل ہو گیا ہی طب حضیض ظنیۃ سے اوج یقینیہ کی طرف ترقی کرتی چلی جارہی ہی۔ اب اپنے مونھ
میاں مٹھو کہنے سے کام نہیں چلے گا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ نہیں چلے گا۔ ہمارے سارے دنیاوی علوم و
فنون اور حرفت او صنعت انگریزی تفتیش و تلاش کے مقابلے میں ع

ہمچو یخ پیش آفتاب تموز

ہوگئے۔ کوئی کام باریک سے باریک اور موٹے سے موٹا اور نازک سے نازک اور بھدّے سے بھدّا
اور مشکل سے مشکل اور آسان سے آسان اہل یوروپ کا دیسی کام سے ملا کر دیکھو دونوں میں فرق
پاؤگے۔ رکاب دار اور بھٹیاری کا کلاونت او عطائی کا حکیم عبدالمجید خاں کے نسخے اور میرے نسخے کا مگر
خدا نہ کرے کہ میں اُن کی طرح کسی بندۂ خدا کی جان پر ہاتھ ڈالوں) طب کا پڑھ لینا آسان ہی لیکن طب انگریزی
کے مقابلے میں سنبھالنا اُس کو رونق دینا لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو گھٹنے نہ دینا جب کر کے
دکھاؤگے تو حقیقت کھلے گی۔ میرا دل جو لوتی کی دیوار کی طرح بیٹھا چلا جاتا ہو اُس کا سبب یہی ہی کہ فقر
تمہارے کرنے کا کام نہیں۔ تم کرنے پر آمادہ۔ اور قوم مدد دینے پر طیار ہو تب کہیں جا کر کوئی صورت
نکلے تو نکلے۔ تو صاحبان نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ میں نے اس جلسے کی پوری ادھوری
خوشی کرنے والوں کو گنوایا تو میں اپنے تئیں کیوں خارج رکھوں۔ میں اس کی ضرور قدر کرتا ہوں او
اسی قدر خوش بھی ہوں کہ یہی طب یونانی کی تعلیم جو محض بے قاعدے اور بے سلسلے تھی اور اب بھی
جا بجا ہی۔ اس مدرسے کے جاری ہونے سے باقاعدہ او منتظم طور پر ہونے لگی ہی جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوگا

کہ کوئی شخص دعوائے طبابت نہ کر سکے گا صرف اس بنیاد پر کہ وہ طبیب زادہ ہی اُس نے اپنے طور پر کتابیں پڑھی ہیں وہ کسی کے مطب میں نسخہ نویسی کرتا رہا ہی یا اُس نے عطاری کی ہی یا اُس کو فقیروں سے مجرب نسخے پہونچے ہیں۔ یا کسی طبیب کی بیاض اس کے ہاتھ آگئی ہو۔ دیں کو باقاعدہ اور منتظم کر دینا یہ بھی طب یونانی کی تاریخ میں پہلی بات اور حکیم عبدالمجید خاں کی ایجاد ہی جس کے لیئے وہ ہمارے اعلیٰ درجے کی مدح اور شکر گزاری اور ملکی امداد کے مستحق ہیں۔ حکیم صاحب نے جو پرانے فیشن کا سکول جاری کر دیا ہی (اور پُرانے فیشن کے سکول کے سوائے میں اس کو کچھ اور کہہ بھی نہیں سکتا) اس سے یہ خیال کرنا غلطی ہی کہ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے اگر کالج کے قدر چندہ جمع کرنے کا انتظار کرتے تو جس قدر چندہ اب فراہم ہوا ہی۔ اتنا بھی نہ ہوتا۔ پس یہ واقعی سکول خیالی کالج کے حق میں چڑیمار کے مُلّا کا کام دے رہا ہی۔ لیکن میرے کانوں میں گونج رہے ہیں وہ لفظ جو عبدالمجید خاں نے مدرسے کے جاری کرتے وقت علیٰ رؤس الاشہاد من جمہور العباد کہے تھے کہ یہاں دوا سازی اور تشریح بھی سکھائی جائے گی اور یونانی اور انگریزی اور وید کی طبابتوں سے بقاعدہ خذ ما صفا ع

متاع نیک ہر دکاں کہ باشد

اختیار کی جائے گی۔ سو ابھی تک ان چیزوں کا کہیں پتہ نہیں مجھ کو ایسا دکھائی دے رہا ہی کہ ہنوز دلّی دور خیالی کالج کو واقعی کر دکھانے کے لیئے عمریں چاہئیں۔ ابھی تک دوا سازی کی جگہ زمانہ سازی ہو رہی ہی کیا کریں۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ مردہ دل تو دکھائی بھی دیتے ہیں۔ لیکن تشریح کے لیئے کوئی مردہ نظر نہیں آتا۔ خدا جانے کن وقتوں کی ہڈیوں کا ایک ڈھانچ رکھا ہی اگر سامنے لایا جائے تو سب سے پہلا شخص جس کی مارے ڈر کے گھگی بندھ جائے میں ہوں۔ غدر کے دنوں میں فصیل قلعہ پر توپیں چڑھائی گئیں تو شاہزادے جمع ہو کر حضور میں گئے اور عرض کیا کہ اگر توپیں چھوڑی جائیں گی تو خانہ زاد دہل کر مر جائیں گے۔ چنانچہ حضور نے ممانعت کر دی یہ اُن لوگوں کی بہادری تھی جنھوں نے انگریزوں کے مقابلے میں علم بغاوت بلند کیا تھا تو اگر ڈھانچ دیکھ کر میری گھگی بندھ جائے تو اس میں تعجب کیا ہی۔ لیکن اس سے مجھ کو ڈرپوک مت سمجھ لینا میں اس زمانے کے بہادروں میں نہیں تو بزدلوں میں بھی نہیں۔ بہادری کا سٹینڈرڈ ہی گھٹ گیا ہو تو

اُن کو میں کیا کہوں۔ بہادری ایک صفت اکتسابی ہے۔ آدمی خطرات میں رہے اُس کو حملہ اور مدافعت
کی ضرورت واقع ہو بہادر ہو سکتا ہے ہم کیا خاک بہادر ہوں گے۔ امن میں پیدا ہوئے۔ امن میں زندگی
بسر کر رہے ہیں اور انشاء اللہ امن ہی میں رہیں گے۔ ساری عمر کبھی بندوق نہیں چھوڑی تلوار نہیں چلائی حربہ کہو
ہتھیار کہو لے دے کر ایک قلم۔ سو بھی نوکری تک کام دیتا تھا۔ اب تو ہفتوں اس کے ہاتھ میں لینے کی بھی
نوبت نہیں آتی۔ نبرد آزمائی کو پوچھیے تو یہی آپس کی تو تو میں میں۔ اس سے بڑھ کر کسی کو دعویٰ ہو تو سامنے آئے
اور اپنے کارنامے سنائے۔

تشریح تو جب ہوگی تب ہوگی عبدالمجید خاں اتنا تو کریں کہ ڈھانچ کو نکلوا کر باہر تو رکھ دیں تاکہ بیچارے
مدرسوں اور طالب علموں کی وحشت دور ہو۔ عبدالمجید خاں صاحب! میں نے بہت سی باتیں ناامیدی
کی کہی ہیں جو شاید آپ کی دل شکنی کا باعث ہوئی ہوں گی اگرچہ امید نہیں کہ آپ دل کے ایسے بودے ہوں
اور دل کے ایسے بودے ہوتے تو مڈکل کالج کے قایم کرنے کا خیال ہی نہیں آسکتا تھا۔ یہ خیال ہی آپ کے
قوی دل ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن میں آپ کو اخیر میں ایک خوش خبری دینی چاہتا ہوں۔ چندے کی نہیں
بندے کے پاس ایسی خوش خبری کہاں۔ مگر ایک خوش خبری اور ہے۔ کہ اب سے آٹھ نو برس پہلے کا مذکور ہے
میں اُن دنوں حیدرآباد میں تھا۔ اور آنریبل جسٹس سید محمود بھی وہیں تھے۔ میں نہیں جانتا کہ سید احمد
خاں کیا بیمار پڑے مگر علالت ایسی تھی کہ اُن کے فرزند حقیقی سید محمود اور اُن کے فرزندان معنوی
جن کو لوگ نیچری کہتے ہیں سخت پریشان ہوئے۔ سید محمود نے باپ پاس جانے کا قصد کیا اصلی حال دریافت
کرنے کے لیے ڈاکٹر کو جو اُن کا معالج تھا خط لکھا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا کہ گردوں کا عمل ضعیف ہو گیا ہے۔ مگر میں
تم کو پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ تمہارا باپ مرنے والا نہیں۔ کیوں کہ اُس کی جان کالج میں لگی ہوئی ہے۔
جس میں ابھی بہت کچھ کرنے کو باقی ہے۔ عبدالمجید خاں صاحب! آپ کو بھی اپنے کالج کی دُھن ویسی ہی
ہے جیسی سید احمد خاں کو اپنے کالج کی تھی اور ہے۔ اور بے ویسی دُھن کے کالج ہوتا ہوتا نہیں تو آپ کو
اپنی عمر کا بڑھا لینا مبارک اور آپ کو اپنے مدرسے طبیہ کی کون سی سالگرہ بھی مبارک۔ میں لکچر دینے
سے کچھ ملول نہیں ہوتا نہ لکچر دینا میرے لیے کچھ ایسی بڑی زحمت کی بات ہے زحمت کی بات تو اس صورت میں ہو کہ میں سوچوں

بناؤں لکھوں مٹاؤں اور میں آتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہو کہہ گزرتا ہوں۔ اس پر کی پروا نہیں
کرتا کہ لوگ میرے لکچر کی طرف کیا خیال رکھتے ہیں۔ کیوں کہ لکچر دینا میرا پیشہ نہیں۔ لکچر سے مجھ کو کوئی کمائی
مقصود نہیں۔ قوت بیانیہ سے کمانا مقصود ہو تو وعظ کہوں۔ تفسیر لکھوں۔ یہی شہرت اس کی مجھ کو ضرورت
نہیں اور خواہش بھی نہیں۔ یہ میری رائے ضرور ہو کہ مدرسہ طبیہ کے لیئے کوئی پروفشنل لکچرار ہونا چاہیئے جو مدرسے
کی کارروائی اور طریقہ و درس اور امتحان میں نکتہ چینی کر سکے۔ میں صرف چکنی چپڑی باتیں بنانی جانتا ہوں
وہ بھی عام طور کی۔ میں نے بار بار کہا ہو کہ اور اب بھی کہتا ہوں کہ مجھ کو فن طب سے مس نہیں اور مناسبت
بھی نہیں اور اس کی شاہد ہو۔ اس عمر میں میری تندرستی۔ اگر میں طب کو کسی طرح چھو بھی گیا ہوتا تو روگی ہوتا۔
اگر خارج سے کوئی پروفشنل لکچرار ہم نہیں پہونچتا تو کیوں نہیں مدرسے کے معلمین یا متعلمین میں سے کسی کو
لکچر دینے کے لیئے طیار کیا جاتا۔ مجھ میں خیالات کی کمی ہو۔ اور اُس میں شاید گویائی کی۔ سو بھی بالفعل۔ وہ
اپنی کمی کو تھوڑی مشق سے پورا کر سکے گا۔ میں بوڑھا طوطا کوئی نئی بات نہیں سیکھ سکتا۔ کبھی کبھی کچھ صلاحیں
سوجھتی ہیں تو میں پروفشنل میں نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو پیش کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ مثلاً امتحان کا
جو طریقہ تحریری و تقریری جاری ہو مجھ کو اوس پر معترض ہونے کا کوئی منصب نہیں۔ جب مولوی لطف اللہ
صاحب نے جنرل اعظم الدین خاں کی موجودگی میں امتحان لیا میں اُس جلسے میں حاضر تھا۔ لیکن
میں نے دم نہ مارا تاہم دل میں کہتا تھا۔ کہ ممتحن صاحب عالم[۵۱] سہی محقق سہی۔ فرید العصر سہی وحید الدہر سہی لیکن
مولویت کو طبابت سے کیا مناسبت۔ سائیسی علم دریاؤ۔ میں نے دیکھا کہ جس طالب العلم نے کتاب کی
عبارت بمراعات قواعد صرف و نحو درست پڑھی معنی ٹھیک کیے۔ مطلب سمجھا دیا۔ ممتحن صاحب نے
اُس کی تحسین کی یعنی وہ امتحان میں پاس ہوا کیا چوک ہوئی کہ اُس وقت دو چار سطریں ہیں بھی پڑھ کر
سُنا دیتا۔ سند طبابت مل جاتی۔ مگر وہ سند کنکوا بنانے جانے کے سوا اور کس کام کی تھی۔ امتحان کی
نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ شاید یہ بہتر ہوگا کہ ہر ایک طالب العلم کو اُس کی معلومات اور لیاقت کے
مطابق ایک بیمار علاج کو دیا جائے اور اُس کے علاج کی نگرانی کی جائے۔ لیکن اگر اس طور پر امتحان

۵۱ یعنے جو واقف فن ہو۔۔

اپنے کی رائے قرار پائے اور خدانخواستہ میں بیمار ہوں تو جب تک دوسرا لکچرار نہ تجویز کرو مجھ کو ان اناڑی
ہم جلیسوں کے حوالے نہ کر بیٹھنا۔ اور ہاں دوسرے لکچرار کے تجویز کرنے میں اتنا ضرور خیال رکھنا کہ مولوی
حشمت اللہ کی سی بلا کی آمد نہ رکھتا ہو کہ سنتے سنتے کان بھی بہرے ہو جائیں۔

(دسواں لکچر)

لکچر جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس

منعقدہ ۲۷-۲۸-و ۲۹-و ۳۰- دسمبر ۱۸۹۱ء میں بمقام علی گڈھ دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکچرار نے کھڑے ہوتے ہی عربی کا یہ شعر پڑھا

آیا اہل النّھٰی لا تنکرونی	متٰی اضع العمامۃ تعرفونی

اور سردی کی وجہ سے جو گلوبند لپیٹ رکھا تھا کھول کر کہنا شروع کیا کہ۔

امسال کانفرنس کا کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ میں اس کو داہنی آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف محمڈنزم یعنی نمونہ اسلام دکھائی دیتا ہے اور بائیں آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف ہندوازم یعنی نمونہ مذہب ہنود سوجھ پڑتا ہے۔ اور منی ایچر آف محمڈنزم ہے اس لیئے کہ ممبروں کی اکثر کرسیاں خالی ہیں۔ جیسے مسلمانوں کی مسجدیں۔ اور وہ منی ایچر آف ہندوازم ہے اس واسطے کہ اتنے بندے نہیں جتنے خدا ہیں۔ یعنی اتنے سننے والے نہیں جتنے اسپیکرز (گفتگو کرنے والے) ہیں۔

لہ اصحاب خرد مجھ کو اجنبی مت سمجھو ۱۲ جب میں عمامہ اُتار دوں گا تو مجھے پہچان لوگے ۱۲

میں لکچر سے پہلے تبرکاً اپنی نظم پڑھ لیا کرتا ہوں اگرچہ وہ نظم بُودی پُھسپُھسی اور ناہموار سی ہوتی ہے اس لئے کہ میں کچھ شاعر تو ہوں نہیں مگر نظم سے طبیعت میں جولانی اور گویائی میں روانی آجاتی ہے۔ علاوہ بریں جس طرح یحییٰ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھ سے ایک بہتر پیغمبر آنے والا ہے۔ اسی طرح نظم پڑھنے سے میں منادی کرتا ہوں کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھیں گے اور میں اپنی پندار میں ان کی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہوں ۔ ع

وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ[۱]

وہ نظم یہ ہے

مجمع تعلیم کا گو یہ چھٹا اجلاس ہے — ہم مسلمان اور وہی نکبت وہی افلاس ہے

منزلِ مقصود تک اپنی رسائی ہو چکی — یاں تو پہلے ہی قدم پر پاؤں میں آماس ہے

لالہ بھائی کوئی ڈپٹی ہو، کوئی صدر الصدور — ان کو کیا جن کے مقدر میں لکھی چپراس ہے

امتحانوں میں ہیں انگریزی کے جتنے کامیاب — یا کوئی پرشاد ہے یا چند ہے یا داس ہے

شاذ اگر کوئی مسلماں ہے تو اس کا کیا حساب — جوں ہمالہ میں کہیں اک ریزۂ الماس ہے

کیا چمن کا حکم رکھے گا وہ میدانِ فراخ — جس میں اک غنچہ ہے باقی گھاس کتنا گھاس ہے

گر کسی کو ہو مسلمانوں سے امیدِ فلاح — ہم پکارے کہتے ہیں ہم کو تو کُلّی یاس ہے

جب تلک مذہب ہے ہر اک بات میں ان کے دخیل — جب تلک اسلام یہ ہے جو کہ عند الناس ہے

جب تلک ان پر مسلط ہے بلائے رسم و راہ — جب تلک ان پر مُتوَہّم وہم اور وسواس ہے

جب تلک ہے حاکمانِ وقت سے ان کو گریز — گویا یہ ہندو ہیں انگریزی گئو کا ماس ہے

جب تلک اسلاف پر ہے ان کو اپنے فخر و ناز — جب تلک ان کے دماغوں میں بھرا خناس ہے

جب تلک نفسی و نفسانی[۲] ہے ہر اک کا شعار — جب تلک ہر اک کو اپنی ہی غرض کا پاس ہے

زید کو پروائے درد و محنتِ خالد نہیں — اور نہ خالد کو کسی کے رنج کا احساس ہے

[۱] چیزوں کا حال مقابلے سے ظاہر ہوتا ہے ۔ [۲] خود غرضی سے مراد ہے۔

جب تلک یہ لوگ ہیں جفّ القلم کے معتقد
یعنی جو ہونا ہے سب مکتوب فی القرطاس ہے

جب تلک یہ ہیں بزرگوں کی لکیروں کے فقیر
اُن کا فرمانا محلّی اُنثیین فوق الرّاس ہے

ختم ان پر ہوگئے جتنے تھے سب فضل و کمال
اُن کے آگے بولنا ہذیاں ہے بکواس ہے

اُن سے بڑھ کر کیا کوئی سمجھے گا کس کو اتنی عقل
وہ جو کچھ گزرے وہی اصل و وہی مقیاس ہے

جب تلک لوگوں کے ہیں اغراض ایسے مختلف
یہ اگر پنجاب ہے تو دوسرا مدراس ہے

نام کو ایک قوم ہیں جس سے کہ یہ مفہوم ہو
ایک گروہ صاحب قوت شدید الباس ہے

ایک معبود ایک پیغمبر ہے اور اک ہے قرآں
سورۂ الحمد سے تا سورۂ الناس ہے

پر نگاہِ غور سے دیکھو تو کل افراد میں
وحشت و نفرت بجائے حُبّ و استیناس ہے

بھائیوں کا گوشت تھوڑا ہے کہ اس کی بھوک ہے
خون کا لوگوں میں تھوڑا ہے کہ اس کی پیاس ہے

جب تلک القصہ یہ حالت مسلمانوں کی ہے
بس خدا ہی سے ہے ان کی اس گر کچھ آس ہے

کارسازی کو تری اسباب کی حاجت نہیں
وہ جو ہم سے دور ہے قدرت سے تیرے پاس ہے

ہم وہی ہیں اور وہی حالت وہی لیل و نہار
آش ویسی ہے وہی اگلا پرانا کاسہ ہے

وہ جو بیماری تھی اب بھی ہے وہ خفت نہیں
یہ مریضِ جاں بلب مہمان چند انفاس ہے

ہاں مگر بچ جائے تیرے فضل سے تو کیا عجب
یہ دوا ایسے مریضوں کو سدا سے راس ہے

جو مسلمان قومی تعلیم میں انٹرسٹ لیتے ہیں جیسا لینے کا حق ہے اگرچہ اتنے کم ہیں کہ اُنگلیوں پر نہیں تو انگلیوں کے پوروں پر گنے جاسکتے ہیں۔ آج کل اُن میں اس بے مانند کامیابی کا بہت چرچا ہے جو سیّد کو حیدرآباد ڈپوٹیشن میں حاصل ہوئی۔ قبل اس کے کہ آگے بڑھوں میں جتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ چند الفاظ جو میرے مونھ سے نکلے نمونہ ہیں اس طرزِ گفتگو کا جسے میں نے ایسے آڈیئنس کو خطاب کرنے کے لئے جیسا میرے سامنے اور گرداگرد موجود ہے اختیار کیا ہے۔ کیا مجھ کو اُردو میں اداے مطلب کرنا نہیں آتا۔ یا خدانخواستہ میں

لہ اشارہ ہے جفّ القلم بما ھو کائن کی طرف یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اُسے قلم تقدیر لکھ چکا ہے ۱۲ ۲؎ بسرو چشم ۱۲ ۳؎ دلچسپی ظاہر کرتے ہیں ۱۲ ۴؎ حیدرآباد کے سفر مختصر ۱۲ ۵؎ حاضرین ۱۲

انگریزوں کی ولایت جاکر ایسا مبہوت ہوآیا ہوں کہ مجھ کو اپنی ملکی زبان بھول گئی یا مجھ کو انگریزیت نے چرلیاہی- حاشا ان میں سے کوئی بات نہیں بلکہ میں نے اس طرز کو عمداً و ارادةً اس وجہ سے اختیار کیا ہی کہ آڈینس میں انگریزی داں یا انگریزی وضع کے لوگ بکثرت ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ان کے کانوں کو انگریزی الفاظ بھلے معلوم ہوتے ہیں سمجھیں یا نہ سمجھیں کہیں یا نہ کہیں یہ طرز میرے بیئے جدید نہیں بلکہ میں نے پہلے بھی اسی طرز میں لکچر دیئے ہیں اور میں نے یہ بھی سُنا ہی کہ بعض لوگ اس طرز پر ہنستے ہیں ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

جن صاحب کی روایت مجھ تک پہنچی ہی اُن کا طرز زندگی تو اس طرح کا ہی کہ اگر وہ خود موجود نہ ہوں تو کسی طرح گھر اور گھر کے فرنیچر[۱] سے ظاہر نہ ہو کہ اُس میں کوئی ٹھیٹھ[۲] بھلا آدمی رہتا ہی- میں نے جو اپنے لکچر پر ان کا اعتراض سنا تو بے اختیار مجھ کو کسی کا عربی شعر یاد آیا ؎

وَتَعجَبُ اَن اَبصَرتَ فِی عَینِ القَذٰی	فَاِنِّی اَرٰی فِی عَینِکَ الجِذعَ مُعرِضًا

بات یہ ہی کہ میری زبان اُردو ہی اور میں اُردو ہی بولتا ہوں مگر اس میں یا تو عربی الفاظ ہوتے ہیں اس واسطے کہ میں مسلمان ہوں اور چاہتا ہوں کہ سب میری طرح کے مسلمان ہوں اور کم سے کم اتنی عربی جانیں جتنی مجھ کو آتی ہی- یا میرے بولنے میں انگریزی الفاظ ہوتے ہیں اس لیئے کہ گو سرکار انگریزی کا نمک خوار نہیں کسی خصوصیت کا امیدوار نہیں تقرب حکام کا خواستگار نہیں ؎

نے خواجۂ رعیت نہ غلام شہر یارم	نہ بر اُشترے سوارم نہ چو شتر زیر بارم

مگر ہی کیا کہ امپرس وکٹوریہ کا رضامند- خوشدل اور شکر گزار رعیت ہوں- اور چاہتا ہوں کہ سب مسلمان میری طرح کی رعیت ہوں اور کم سے کم اتنی انگریزی جانیں جتنی مجھ کو آتی ہی- یوں تو میری انگریزی لعنت بر ہیچ کچھ بھی نہیں اور کچھ ہوتی تو کہاں سے ہوتی- جن دنوں طالب علمی کا اتفاق ہوا- آج کل کا سا زمانہ تھا کہ در و دیوار سے انگریزی کی تاکید ہو زمین و آسمان سے انگریزی کا تقاضا ہو دنیا نے جان کھا رکھی ہو کہ

[۱] اسباب خانہ داری ۱۲ [۲] ہندوستانی ۱۲ [۳] مجھ کو تیری آنکھ میں شہتیر اڑا ہوا دکھائی دے رہا ہی ۱۲ [۴] اور تو میری آنکھ میں تنکا پڑا ہوا دیکھ کر تعجب کرتا ہی ۱۲-

میری طلب ہو تو انگریزی پڑھو دین آنکھیں دکھا رہا ہی کہ مجھ کو سنبھالنا چاہتے ہو تو انگریزی پڑھو - وہ تو ایسے وقت
تھے کہ خود سید احمد خاں سے بھی پوچھا جاتا تو انگریزی پڑھنے کو کفر نہ بتاتے تو اسے گناہ کبیرہ ہونے کے فتوے
ضرور مہر کر دیتے کالج میں تو یوں انگریزی پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا - کالج کے ٹرم[?] پورے ہونے نہیں پائے تھے کہ
نوکری کی سوجھی اور سوجھی کیا حاجت نے مجبور کیا - بارے اُس وقت تک نوکری میں انگریزی کی قید نہ تھی
ورنہ آج یہاں لکچر دینے کے عوض کالج کی مسجد میں نہیں بلکہ مسلمانوں کی کسی اور مسجد میں مجھ کو وعظ کہتے ہوئے
دیکھتے اور دیکھتے نہیں تو سنتے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ایجوکیشنل لائن میں الہ آباد کا ڈپٹی انسپکٹر تھا کہ میں نے
از خود انگریزی کا شوق کیا - دورہ کی نوکری آج یہاں کل وہاں - ہر روز نیا دانہ نیا پانی ۵

اَیُّ عَیْشٍ عَیْشَتِی اِذَا کُنْتُ مُسْتَہَا	بَیْنَ حَلٍّ وَبَیْنَ وَشْکِ رَحِیْلٍ

لکچر انگیج کرنے کا مقدور نہیں - سرکاری کام کی وجہ سے وقت پر اپنا اختیار نہیں - کوئی دوسرا ہوتا تو کبھی اس
دُر والے پیچھے نہ لگتا مگر میں کچھ نہ کچھ لیے ہی گیا - اور اب بھی کچھ نہ کچھ کیا ہی کرتا ہوں زیادہ نہیں ہو سکتا
تو بالالتزام انگریزی اخبار پڑھتا ہوں - غرض میں نے انگریزی ٹوٹی پھوٹی کر لی - مگر اس کہ انگریزی
میں کارروائی کرنے کا موقع نہ ملا میں اُس کو امپروو نہ کر سکا - انگریزی کے امپروو کرنے کا ایک طریقہ اور تھا - انگلش
لائف یا انگلش وائف سوا اس کے لیے خدا نے مجھ کو پیدا نہیں کیا نہ فراخ شخی[?] بار نہ صورت اچھی میں نے
اپنی انگریزی کو شفقاً للنفس لعنت برپیچ کہا ورنہ اس لعنت برپیچ پر میں بی اے والوں کے ساتھ پالا لینے کو موجود ہوں
مگر بی اے بھی مسلمان بی اے کیوں کہ معلوم ہے کہ انہوں نے میتھمیٹکس نہ لی ہوگی اور بندہ بھی ہارا
ہی تو نہیں ہارا ہے - انگریزی پڑھنے سے ایک گُر تو معلوم ہوا کہ آدمی ایک زبان کو سلیقے سے حاصل کرے تو
دوسری زبان کے سیکھنے میں اُس کو بڑی سہولت ہوتی ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ لنگوائسٹ ہونا کچھ بات
نہیں مجھکو انگریزی گرامر کی ٹیکنیکلیٹیز و مصطلحات ہنوز معلوم نہیں مگر میں نے عربی کسی زمانے میں اچھی طرح

۱ مدت طالب علمی ۱۲ ۲ میری زندگی بھی کیا زندگی ہے جب میرا یہ حال ہے ۱۲ ۳ کہ مقام اور کوچ میں جھولتا رہتا ہوں ۱۲ ۴ استاد کے
آگے رکھنے کا ۱۲ ۵ ترقی نہ دے سکا ۱۲ ۶ انگریزی زندگی یا انگریزی بیوی ۱۲ ۷ بطور تواضع و کسر نفس ۱۲ ۸ ریاضی ۱۲ ۹ زبان دان ۱۲
۱۰ صرف و نحو ۱۲

پڑھی تھی اب تو ایسا ذہول ہو گیا ہی کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ بیٹھیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں۔ مگر زمانہ طالب علمی ہیں ایک ایک لغت اور ایک ایک محاورے کے لیئے کئی کئی سندیں زبان کی نوک پر تھیں

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم	ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

تو گو مجھ کو انگلش گرامر کی ٹرنکلیشر تک معلوم نہیں مگر میں نے عربی پر قیاس کر کے اپنے ذہن میں انگریزی کی گرامر بنا رکھی ہی اور وہ مجھکو کام دیتی ہی بہر کیف انگریزی جانتا ہوں تو چار و ناچار اُس کے الفاظ زبان پر آہی جاتے ہیں۔ دہلی کے متاخرین شاعروں میں اسد اللہ خاں غالب سب میں سر برآوردہ تھے اپنا اپنا مذاق ہی تو ہی۔ میں ان ہی دو شاعروں کا معتقد ہوں۔ متقدمین میں مرزا رفیع السودا اور متاخرین میں اسد اللہ خاں غالب کا۔ غالب کے مضامین انوکھے اور خیالات بلند ہوتے تھے۔ بندش مضبوط مگر شوخی کے ساتھ ان میں اگر عیب تھا تو یہ کہ مشکل گو تھے۔ میں نے عیب کو اُس معنی میں استعمال کیا جیسا کہ علم بیان کی کتابوں میں ہی۔ شعر

وَلَا عَیبَ فِیہِم غَیرَ اَنَّ سُیُوفَہُم ۱؎	بِہِنَّ فُلُولٌ مِن قِرَاعِ الکَتَائِبِ

چنانچہ غالب اپنی مشکل گوئی کے عذر میں خود فرماتے ہیں قطعہ

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل	سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش	گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن اس عیب پر بھی وہ فارسی اور اُردو دونوں کے اُستاد مستند مانے جاتے ہیں۔ باستحقاق میں اُن کی ایک غزل کے چند اشعار نمونے کے طور پر پڑھتا ہوں ؎

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا	کہ اندازِ بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا
ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل	تماشائے بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا
جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ	مبارکباد اسد غمخوارِ جانِ دردمند آیا

میں نے طبیعت پر زور دے کر اِن اشعار کا مطلب ایک بار سمجھ لیا تھا اور اب طبیعت پر زور دوں تو

۱؎ اُن میں سوائے اس کے کوئی عیب نہیں کہ لشکروں کے مارنے سے اُن کی تلواریں جھڑ گئیں ہیں ۱۲۔

سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت تو میں نے بے سمجھے ہی پڑھ دیئے ہیں۔ ان اشعار میں اگر آیا کی جگہ آمد
ہو تو عبارت بتوالی اضافت پنج رقعے کی عبارت سے ملی جلی معلوم ہوگی۔ اگر یہ ایسے بڑے مستند اُستاد کی
اُردو ہو تو میرا کلام صرف چند انگریزی الفاظ کے آجانے سے کیوں اُردو نہ ہو۔ اسد اللہ خاں غالب
کے دیوان ریختہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نظم میں ایک طرزِ جدید کا رواج دینا منظور تھا۔ مگر چوں کہ
کورس آف ٹائم[1] اس کے خلاف پر تھا رواج دینا تو درکنار آخر آخر میں خود غالب کو اسے چھوڑ دینا پڑا۔
اب ایک طرز ہمارے حالی صاحب نے اختیار کی ہے اور وہ مقبول ہو گئی اس واسطے کہ وہ زمانے کے رنگ
کے مطابق تھی۔ اُس کی مقبولیت اس درجہ کی تو ہے نہیں کہ حالی کے اشعار ظفر کی غزلوں کی طرح ہر ایک
گانے والے کے مونہ میں ہوں مگر نیچری مسلمان تو شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس کو مسدس حالی کے دو چار
بند یاد نہ ہوں۔ میں مسلمان ہوں مگر الحمد للہ نیچری نہیں تاہم آزادی رائے کی بھول بھلیوں ہی سی ہوا لگ گئی ہے
یتخبطہ[2] الشیطان من المس مجھ کو بھی بند نہیں تو شعر یاد ہیں۔ میں کسی طرز کی ایجاد کا دعویٰ نہیں کرتا مگر آج
کون دن ہے دوشنبہ اور دسمبر ۱۸۹۱ء کی ۲۰ تاریخ۔ یہ کون مقام ہے؟ علی گڈھ کالج کا سٹریچی ہال۔
یہ کیسا مجمع ہے؟ ایجوکیشنل کانفرنس۔ انگریزی الفاظ سن کر جس کے جی میں آئے کان کھڑے کرے۔
میری آج اور اس جگہ کی پیشین گوئی کو لکھ رکھنا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جس طرح پارسی ناآمیختہ بتازی
بلکہ ریختہ ناآمیختہ بتازی کا لکھنا نہایت دشوار ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ پیور[3] اُردو کا بے انگلش[4]
ایلیمنٹ کے بولنا متعذر ہو جائے گا۔ اور اگرچہ انگریزی کا اتنا رواج دیر طلب ہے مگر جیسی اُردو سے
میں نے لکچر دینا شروع کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہم ایسی دھیمی ترقی بھی کرتے رہے جیسی اب تک کی
ہے تو خدا نے چاہا پچاس برس کے اندر اندر ہم میں کے روادار لوگ ایسی اُردو سمجھنے لگیں گے اُردو میں
جو ہندوستان کی زبان ہے۔ انگریزی الفاظ کو اجنبی سمجھنے کا کیا موقع اور محل ہے جبکہ قسطنطنیہ کے الجوائب
اور طہران کے اختر کا یہ حال ہے کہ جو شخص انگلش یا فرنچ نہیں جانتا کہ یہ دونوں زبانیں ایک ہی تھیلی کے
چٹے بٹے ہیں وہ ان اخباروں کا ایک آرٹکل نہیں سمجھ سکتا۔ یہ سلطنت کے ضروری اور قدرتی لوازم ہیں

[1] رفتارِ زمانہ ۱۲ [2] شیطان چھو کر اس کو مخبوط الحواس کر دے ۱۲ [3] خالص ۱۲ [4] الفاظ انگریزی ۱۲

اور اگر سارا جہان بھی متفق ہو کر ان کو روکنا چاہے تو رک نہیں سکتے۔ ہو رہے ہیں اور ہو کر رہیں گے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو پہلے سے اس انجام کے لیے طیار ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جیسے پارسی ایڈلے نیشن اور اکثر ہندو۔ اور بدقسمت بدبخت بدعقل بدحال بدمآل ہیں ہم مسلمان جنھوں نے شروع میں مدتوں خدا کی ڈگرگئی کو جاری نہ ہونے دیا اور مجبور ہوئے تو اب بھی اُس کی تعلیم میں حیلے حوالے بلکہ اڑنگے لگانے سے باز نہیں آتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی تعلیم کا رستہ پہلے سے ذرا صاف ہو چلا ہی وہ اگلی سی مزاحمتیں باقی نہیں کہ آدمی انگریزی اسکول میں داخل ہوا اور علماء دین اور فقہاء شرع مبین نے مسلمانوں کی فہرست سے اُس کا نام خارج کیا۔ لیکن جبکہ ہم کو ایک منزل دور دراز طے کرنی ہی۔ اور صبح کے ٹھنڈے وقت میں ہم پڑے اینڈا کیے ہیں اور سب کے بعد گھر سے نکلے ہیں تو کیا کیڑے کی چال چلنے سے ہم اُن مسافروں کو جا پکڑیں گے جو کچھ رات رہے سے چل کھڑے ہوئے۔ یا سفر کے محدود وقت میں منزلِ مقصود پر جا پہنچیں گے۔ ایسی توقع کرنا اُس سے بھی زیادہ مکروہ غلطی ہی جو ہم نے آغازِ سفر میں کی تھی[۵]

دَبَبْتَ لِلْمَجْدِ وَالسَّاعُوْنَ قَدْ بَلَغُوْا	جَهْدَ النُّفُوْسِ وَاَلْقَوْا دُوْنَهُ الْاُزُرَا
فَكَابَرُوْا الْمَجْدَ حَتّٰى مَلَّ اَكْثَرُهُمْ	وَعَانَقَ الْمَجْدَ مَنْ اَوْفٰى وَمَنْ صَبَرَا
لَا تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمْرًا اَنْتَ آكِلُهٗ	لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتّٰى تَلْعَقَ الصَّبِرَا

اشعار عربی پڑھتا ہوں مگر مجھی کو لطف نہیں آتا۔ سلطنت کیا گئی ساری چیزیں بے مزہ ہو گئیں یہاں تک کہ زبان عربی۔ میں نہیں سمجھتا کہ لوگوں کو انگریزی تعلیم کے فائدہ کے بتانے اور سمجھانے کی ضرورت باقی ہی۔ جن کو خدا نے سمجھ دی ہی وہ اس کو مان چکے ہیں اِسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ لیکن اگر شواہد درکار ہیں

۵ قوم کی قوم ۱۲ فتوبلی ۱۲ تو بزرگی حاصل کرنے کے لیے رینگتا ہو اور جو کوشش کرنے والے ہیں وہ جان توڑ کر محنت کر رہے ہیں اور بزرگی حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہیں ۱۲ تو اُنھوں نے بزرگی کے لیے گاؤ زوری کی اور اکثر طول اٹھو گئے اور جس نے مصیبت اُٹھائی اور صبر کیا اُس نے بزرگی کو پا لیا ۱۲ بزرگی کھجور نہیں ہو کہ توڑی اور کھالی ایلوے کی تلخی گوارا کرو تو بزرگی پاؤ ۱۲ اُن کے دل اس کا یقین کر چکے ہیں ۱۲

تو بھی سرسید کی حیدرآباد کے ٹرپ کی کامیابی جس سے میں لکچر شروع کیا اس سے بڑھ کر کا ونٹنگ[۵۱]
بیدف کیا ہو سکتا ہی - وہ کامیابی منحصر ہی اس پر کہ حضور پر نور نظام نے جی چاہتا ہی کہ دعاے خلد اللہ ملکہٗ
دل اور زبان پر بھی یہی دعا چڑھی ہوئی ہی مگر خلود تو صرف خدا ہی کی ذات کو ہی - اور اس طرح کی دعا
کی شرع میں ممانعت بھی ہی - تو میں کہتا ہوں کہ خدا اُن کی عمر کو بہت دراز اور اُن کے ملک کو آباد اور منتظم
اور اُن کی رعیت کو آسودہ اور اُن کے خزانے کو معمور اور اُن کے ملک داری کے نتائج کو ایسے عمدہ اور
نمایاں کرے کہ حیدرآباد کی ہسٹری[۵۲] میں سونے کے حرفوں سے لکھے جائیں - غرض حضور پر نور نظام نے
انگریزی تعلیم پائی اور حق قدرہٗ اس کی قدر کی - اگرچہ شکرگزاری سے کسی پیرایے میں ہو ایسے احسان
سترگ کا معاوضہ مشکل ہی - لیکن[۵۳] مَا لَا یُدْرَكُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ کُلُّهٗ شکرگزاری کا ایک ہی پہلو میری
سمجھ میں آتا ہی کہ اگر سارے ہندوستان میں نہ ہو سکے تو کم سے کم یہ کہ اس کالج میں مسجد ہی اور مسجد ہی تو
نماز بھی ضرور ہوتی ہوگی اور بخدا مجھ کو یقین ہی کہ مسلمانوں کی سی نماز ہوتی ہوگی اگر جمعہ بھی ہوتا ہو تو نماز
جمعہ کے ساتھ جو خطبہ پڑھا جاتا ہی اُس میں حضور نظام کے لیئے وہی دعا کی جاے جو میں نے ابھی
کی مجھ کو جب پہلے پہل گورنمنٹ حیدرآباد کے عطیۂ شاہانہ کی خبر معلوم ہوئی - کیوں کر کہوں کہ خوش
نہیں ہوا جس مسلمان نے جو اس کالج کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہی - اور اتنی ہی بات سے ہمارے ملک
کے کٹے مسلمان اُس کو زبردستی سید احمد خاں کے چیلوں میں شمار کر لیتے ہیں - غرض جس مسلمان نے
گورنمنٹ حیدرآباد کے عطیئے کی خبر سُنی ہوگی ضرور خوش ہوا ہوگا اور مجھ کو تو اس کے علاوہ ایک
خصوصیت بھی ہی کہ اُس سرکار عالی کا وظیفہ خوار ہوں - لیکن میں اِس خیال کو بھی مخفی نہیں رکھ
سکتا کہ جس وقت میں نے ڈیپوٹیشن[۵۴] کی روانگی کی خبر سُنی - مجھ کو افسوس ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ
بیشک وہ سرکار اپنی سرچشمی اور فیاضی سے ڈیپوٹیشن کو محروم تو نہیں آنے دے گی - مگر حیدرآباد
کے لوگ ہماری نسبت کیا خیال کریں گے - ہم اُن کے مقابلے میں بے مقدور ضرور ہیں - لیکن ایسے

[۵۱] سفر ۱۲ [۵۲] ثبوت قطعی ۱۲ [۵۳] تاریخ ۱۲ [۵۳] سالم کسی چیز کا حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو اُس سے بالکل دست بردار ہو جانا بھی مناسب
نہیں ۱۲ [۵۴] جماعت وکلا ۱۲

گزرے بھی نہیں کہ سب کے دل سے آمادہ ہوں تو ایک قومی کالج کو بھی نہ چلا سکیں۔ بگڑ جانے والی
باتوں کو کون روک سکتا ہے۔ ڈیپوٹیشن گیا اور جیسا کہ خیال تھا الٹا پھندا واپس آیا۔ گورمنٹ نظام کی
داد و دہش سے اور ہماری فضیحت اور رسوائی سے۔ لیکن بس غنیمت ہے کہ ڈیپوٹیشن نے بھیک بھی
مانگی تو اپنی ہی قوم سے مانگی۔ میں جانتا ہوں اور اگرچہ کالج کا ڈلوانگ پیٹ ٹرسٹی ہوں تو کیا اتنا
بھی نہ جان لوں گا کہ کالج شروع سے دوسری قوموں کی امداد کا شرمندۂ احسان ہے اور کالج کیا شرمندۂ
احسان ہے ہم سب مسلمان شرمندۂ احسان ہیں کیوں کہ اگرچہ کالج کے دروازے کسی قوم پر بند نہیں
مگر کہلاتا تو ہے مسلمانوں کا قومی کالج۔ ہم ہرگز نہ جھینپتے اگر ایسی مثالیں دکھا سکتے کہ ہم میں سے کسی نے
ہندوؤں کے سنسکرت کالج یا عیسائیوں کے مشن کالج میں مدد دی ہے۔ لیکن ہم کیا دوسری قوموں کی مدد
کر سکیں گے۔ جب کہ اپنی ہی چھپر پر پھوس نہیں ڈال سکتے۔ خیر گزشتہ را صلوات۔ اے مسلمانوں جو موجود
ہو اور سنتے ہو اور اے مسلمانوں جو بغیبتی ہیں و مسمع نہیں ہوا اور بلاواسطہ یا بوسائط ان تک پہنچے اب
بھی غیرت اور حمیت کو کام میں لاؤ۔ اور اس دن کو مت آنے دو کہ یہ گدا پیشہ اور بوڑھا سید ہمارے
اور ہمارے بچوں کے لیے غیروں کے آگے جا کر ہاتھ پھیلائے ۵

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است	رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ از خود یا کسی کے کہنے سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تحریک دل میں پیدا
ہوتی ہے اور چوں کہ شیطان کے بہکانے کے ہزاروں رستے ہیں یہاں تو سید احمد خاں بھی وجود
شیطان کے ضرور قائل ہوں گے۔ غرض شیطان کے بہکانے کے ہزاروں رستے ہیں خاص کر
ایسے موقع پر خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مقدار کو کم سمجھ کر لوگ دوں ہمتی پر محمول کریں اس سے بہتر ہے
کہ چپتی سادھ جاؤ۔ اگر ایسا وسوسہ کسی کے دل میں آیا ہو اور میں خیال کرتا ہوں ضرور آیا ہوگا تو
لاحول پڑھ کر اس کو دفع کرو۔ جو چیز خدا کی راہ میں دی جاتی ہے وہ شاید کسی شیخی باز دنیادار کی نظر میں حقیر
ہو بھی لیکن اگر خدا کے یہاں مقبول ہو جائے تو ایک دن بچشم سر دیکھ لو گے کہ وہی دنیا و مافیہا سے

لے یہاں ہاں میں ہاں ملانے والا بیکار ہے ۵ میرے دیکھنے اور سننے میں نہیں ۱۲

زیادہ قدر و قیمت کی ہو تحسبونہ ہینا وھو عند اللہ عظیم۔ ہاں اگر کالج میں دینا خدا کی راہ میں دینا
ہو تو دوسری بات ہو اور یہ سید احمد خاں کا منصب ہو کہ اس خیال کی تردید کریں یا کسی دوسرے
باہمت آدمی کا جو کفر کی بیجا سے نہ ڈرتا ہو۔ میں تو ڈرتا ہوں کیوں کہ جینا تو اب گدن کا ہو میرا مرنا بھی
ان ہی لوگوں میں ہو اگر میرے جنازے کی نماز نہ پڑھیں تو میں کدھر کا ہوا۔ رہا حشر وہ تو بھلائی میں
ہم سے صاف کہوں کہ برے ہیں تو اور بھلے ہیں تو میری تمنا تو یہی ہو کہ ان ہی مولویوں کے زمرے
میں ہو اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین حضرت یوسف
علیہ السلام کا قصہ یاد ہو کیا تو اُن کی ابتدا تھی کہ باپ تو دو مول دیوانے تھے مگر بے مات بھائی مارے
حسد کے چین نہیں لینے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ شکار کے بہانے سے لے جا کر اندھے کوئیں میں ڈھکیل
دیا اور اپنی پندار میں اُن کا قصہ ہی چکا دیا لیکن واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون
خدا کو جو منظور تھا سو ہوا۔ کیوں عین وقت پر کوئے کے نزدیک قافلہ آن کر ٹھہرے کیوں قافلے کا کوئی
آدمی اُسی کوئیں میں ڈول لٹکائے کیوں حضرت یوسف علیہ السلام ڈول میں بیٹھ اوپر آ موجود ہوں
کیوں بھائی جو اُن کی تاک میں آس پاس لگے تھے اُن کو اپنا غلام ظاہر کرکے قافلے والوں کے ہاتھ
بیچیں کیوں قافلے والوں سے عزیز مصر مول لے۔ یہ سب تمہید اس کی تھی کہ آخر کار یوسف عزیز مصر
ہوں۔ دنیاوی لذتوں کا حال یہ ہو کہ اُن سے متمتع ہونے کا بھی ایک اندازہ ہو ؎

جتنے ہیں یاں مزے روش نشۂ شراب		ہو جاتے بے مزہ ہیں جو بڑھ جاتے حد سے ہیں

حد سے بڑھ جانا ایک تو افراط انہماک سے ہوتا ہو اور ایک حد سے بڑھ جانا یہ بھی ہو کہ [illegible]
ہر روز وہی دن وہی رات وہی صبح وہی شام وہی جاگنا وہی سونا وہی کھانا وہی پینا وہی مرنا
وہی جینا ؎

زندگی ہو یا کوئی طوفان ہو		ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

؎ تم اُس کو آسان سمجھتے ہو اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی چیز ہو ۱۲ ؎ اے خدا مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور مساکین
میں میرا حشر کر ۱۲ ؎ اللہ اپنے حکم کے نافذ کرنے پر غالب ہو ولیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہو ۱۲ ؎ بار بار ۱۲

چنانچہ بڑی عمر کو پہنچکر حضرت یوسفؑ کی بھی یہی حالت ہوئی اور آپ نے دعا کی رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ غلامی سے عزیز مصر کے منصب تک ترقی کرنے کے بعد ایک یہ آرزو باقی رہ گئی تھی تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یہ بات مجھ کو اپنے وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ کہنے پر یاد آگئی یہ تذکرے دوسرے قسم کے ہیں۔ آؤ پھر تمہاری کانفرنس کی سی باتیں کریں۔

ہاں تو مجھ کو گورنمنٹ نظام کے عطیئے کی نسبت ایک ریمارکؑ اور کرنا ہے۔ وہ یہ کہ عطیہ عطیہ سُن کر خوش تو بہت ہو رہے ہو وہ عطیہ فی حدِ ذاتہ بے شک وشبہ بہت بڑی قدر کی چیز ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ چھکڑا دیکھ کر تمہارے پاؤں پھول جائیں۔ قوم اور قوم بھی مسلمان اور پھر اُن کی تعلیم اور تعلیم بھی انگریزی جاننے اور سمجھنے والے کے نزدیک ایسی بے تکی باتیں ہیں کہ سوائے سرسید کے اور تو کوئی ایسا خواب پریشان بھی نہیں سکتا

چہ ماست در سرایں سید محال اندیش

اگر آج سرسید اپنا سارا منصوبہ ظاہر کردیں تو ننانوے بیل جوا چھوڑ بھاگیں اور ہر چند سرسید نے بہتیری ہری ہری گھاس دکھائی۔ اسی خیال سے میں نے شروع سے کندھا نہیں دیا۔ جانتا تھا کہ جُتنے پر ہاتھ دھرنے دیا اور انھوں نے نعل جڑے۔ پس میں نے تو اپنا یہ شیوہ رکھا کہ سرسید کو آتے دیکھا اور چھٹک کے دو چور رہا۔ بہر کیف جس کام کا بیڑا سرسید نے اُٹھایا ہے وہ اتنا بڑا عظیم الشان کام ہے کہ گنج قارون بھی اس کے سرانجام کو کافی نہیں ہو سکتا۔ سخت افسوس ہوگا اگر عطیۂ حیدرآباد لوگوں کو اُن کے فرضِ اسلام۔ فرضِ قومی بلکہ فرضِ انسانیت سے فارغ اور بے فکر کردے۔ مسلمان برٹش گورنمنٹ سے اپنی کاہلی اور نادانی کے انعام کے خواستگار ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ اُن کے ساتھ اسکالرشپؑ میں یا لیاقت کے سٹینڈرڈؑ میں یا گورنمنٹؑ سروس میں کچھ رعایت کی جاوے۔ کیوں۔

ف۱ اے پروردگار تو نے مجھے [illegible] دیا اور مجھ کو باتوں کا مطلب سمجھانا سکھایا اے پیدا کنندۂ آسمان و زمین تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے میں مسلمان مروں اور مجھ کو نیکوکاروں میں داخل کر ۱۲ ف۲ یعنی ایک رائے اور دینی ہو ف۳ وظیفہ طالب العلمی ف۴ درجہ ۱۲ ف۵ ملازمتِ سرکاری ۱۲-

جنھوں نے لاٹری کی۔ تھیئیٹر میں سوانگ بھرے۔ گلے میں جھولی لٹکا کر بھیک مانگی۔ یہی معنی سے
کوئی بات اُتاریں تو ہماری قوم کے ایسے ہیں۔ دوسری قسم کے مسلمان جن کی تعلیم پر زور دیا جاسکتا ہی
اور زور دینا مناسب ہی وہ لوگ ہیں جو پڑھنا چاہتے ہیں اور پڑھائے جانے کے قابل ہیں لیکن مصارف
تعلیم کے متحمل نہیں ہوسکتے ہیں۔ مجھ کو معلوم ہی کہ ہمارے رفارمر ایسے ہی لوگوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہیں۔ مجھ کو بھی گو
میں آپ صاحبوں سے معافی مانگ کر کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے لیے لوگوں کے انتخاب میں کسی قدر بے
احتیاطی ہوتی ہی اور ابتدائی جوش میں بے احتیاطی کا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ میں اس پالیسی کا نہایت
سختی کے ساتھ مخالف ہوں کہ لوگوں کو دوسرے پیشوں سے بہکا کر پھسلا کر تعلیم کے ڈربے میں ٹھونسا جائے
تھوڑے پورے تعلیم یافتہ بہت زیادہ مفید ہوں گے اپنے حق میں۔ قوم کے حق میں۔ ملک کے حق میں
گورنمنٹ کے حق میں بہ نسبت بہت سے ادھورے جیک آف آل ٹریڈز اینڈ ماسٹر آف نن کے جس بے احتیاطی کا
میں شاکی ہوں وہ اتنی امداد کے دینے میں نہیں ہوتی جتنی امداد کے لینے میں۔ لوگوں کو دیکھنا چاہیے کہ
ہمارے تعلیمی فنڈ کیسی غریب اور غیر مستقل حالت میں ہیں ہم اسکالرشپ دے سکتے ہیں وہ بھی بڑی ہی
مشکل سے نہ تنخواہ۔ ہم طالب علموں کے تعلیم کے ضروری مصارف کا تکفل کرسکتے ہیں۔ وہ بھی بدقت
نہ اُن کے کنبے کے خرچ کا۔ ہم لوگوں میں یہ عام غلط فہمی ہی کہ اسکالرشپ کو تنخواہ سمجھ لیا جاتا ہی۔ گویا تعلیم پانا
خدمت ہی۔ اور اسکالرشپ اُس کا معاوضہ۔ مجھ کو مرحوم دہلی کالج میں اپنا وظیفہ پانا یاد ہی جس
دن سے وظیفہ شروع ہوا میں نے اور نہ صرف میں نے بلکہ ہمارے خاندان نے اس کو سلسلۂ ملازمت
کا آغاز سمجھا۔ عربی جماعتوں میں تو کچھ ایسے بڑے بھاری وظیفے تھے نہیں مگر انگریزی کلاسوں میں بعض
اسکالرشپ ایسے محاصل کے تھے کہ شروع میں اتنے کی نوکری بھی نہیں ملتی۔ ہم لوگوں میں طالب علمی
کا ایک طریق یہ تھا۔ اور اب بھی ہی مگر کم۔ اس واسطے کہ اُن علوم ہی کا رواج کم ہو گیا۔ بڑے بڑے شہروں
میں جہاں پڑھنے پڑھانے کا چرچا ہوتا تھا۔ باہر کے لوگ طالب علمی کے لیے بکثرت آ بھرتے تھے یہ لوگ
اکثر مسجدوں میں رہتے۔ اور صدقات پر گزران کرتے کسی کو عار کا موجب ہو تو ہو مگر میں اس کو فخراً

ملے رائے ۱۲ ۹۲ ذو فنون کامل ایک میں بھی نہیں ۱۲۔

بیان کرتا ہوں کہ میری طالب علمی کا ابتدائی حصہ اسی طرح پر بسر ہوا ہے۔ ان طالب علموں کا حال یہ تھا کہ بعضیروں کو دو وقت کی روٹی کا بھی سہارا نہ تھا۔ چھاپے خانوں کی تو افراط اب حال میں ہوئی ہو کتاب مشکل سے مانگی ملتی تھی دس دس بیس بیس اور اس سے بھی زیادہ ایک سبق میں شریک ہوتے۔ سب کے سب سامع اور ان میں سب سے زیادہ خوش نصیب قاری۔ اور میں نے ایسے ہی بے سرو سامان لوگوں کو علم سے بہرہ مند ہوتے دیکھا ہے۔ اگرچہ میں بے سامانی میں بعض سے بڑھ کر اور اکثر کی برابر تھا مگر افسوس ہے کہ علم کے اعتبار سے سب سے گھٹا رہا۔ غرض طالب علمی کا ایک رنگ تو وہ تھا اور ایک رنگ کالجوں اور اسکولوں کے طالب علموں کا ہے کہ ان کو دو وقتہ کے کھانے کے علاوہ کہ وہ بھی انگریزی ہو تو ہڑپ اور ہندوستانی طور کا ہو تو تھو تھو دوزخ شکم بھرنے کے لیے چاہیئے بریک فاسٹ[1] اور ٹفن[2] اور ٹی[3] اور ایگز[4] اور فروٹس[5] اور وہاٹ ناٹ[6]۔ ہماری مشرقی[7] اورینٹل۔ طالب علمی میں ستر عورت اور دفع حر و برد کے لیے موٹا جھوٹا کپڑا میسر آگیا تو کافی سمجھا جاتا تھا۔ اب کچھ نہ ہو تو شرٹ[8] پینٹلون[9] اور اوورکوٹ[10] ہینڈکرچیف[11] سٹاکنگز[12]۔ گلوز[13] فز[14]۔ اور پھر مصیبت یہ کہ کھانے کے کپڑے اور ہوا خوری کے اور کالج آورز[15] کے اور۔ سونے کے اور کھانے کے اور جھٹکنے کے اور۔ ایک پاکٹ میں بزاز ایک پاکٹ میں درزی۔ تو یہ ہی یار دوسروں کی کمائی پر اور یہ شتر غمزے۔ کیا فرق ہے ان طالب علموں میں اور ان یورپین[16] سولجروں میں جو گرمی بھر خسخانوں میں پڑے اینڈیں۔ سولجر اور اس قدر آرام طلبی۔ اور طالب علم اور اس درجہ بناؤ سنگار۔ ہے وہ انگریزی ہی طور کا سہی۔ یہ ہنس کے سے پتیرے جو سکھائے جاتے ہیں۔ ہیں تو خوشنما لیکن یہ لوگ کالج کا سا ہموار صحن اپنے گھروں میں کہاں پائیں گے۔ میں تو اس وقت جانوں کہ لوگوں نے حقیقت میں انگریزی تعلیم کی قدر کی جب ایشیاٹک[17] سکالرز کی طرح فقر و فاقے کے ساتھ ان کو پڑھتے دیکھوں اس سے کہ

---

[1] ناشتہ ۱۲ [2] سہ پہر کا ناشتہ ۱۲ [3] چاے ۱۲ [4] انڈے ۱۲ [5] میوہ ۱۲ [6] اور کیا کیا ۱۲ [7] مشرقی ۱۲
[8] چپت ۱۲ [9] پاجامہ ۱۲ [10] بڑا کوٹ ۱۲ [11] رومال ۱۲ [12] موزے ۱۲ [13] دستانہ ۱۲ [14] رومی ٹوپی ۱۲
[15] کالج میں پڑھنے کے گھنٹے ۱۲ [16] انگریزی سپاہی ۱۲ [17] مشرقی طالب علم ۱۲

اگلی سی وحشت باقی نہیں۔ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ لوگوں نے انگریزی تعلیم کی ضرورت کو پورے طور پر
تسلیم کر لیا۔ سید احمد خاں کو چھوڑ کر کہ ان کا تو مذہب ہی دوسرا ہی جن لوگوں نے خوب دل
کھول کر انگریزی تعلیم میں مدد دی ہو اگر انھوں نے کار ثواب سمجھ کر مدد دی ہو تو میرے نزدیک انھوں
نے اس کو اتنا ہی کار ثواب سمجھا ہو کہ محرمات شرعیہ میں ضائع کرنے سے بہتر ہو نہ یہ کہ بھوکے کو کھلانے
ننگے کو پہنانے ع

پل و مسجد و چاہ و مہماں سرا ے

بنوانے کی برابر ہو اور جس دن خدا لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دے گا کہ انگریزی تعلیم میں مدد
دینا واقعی کار ثواب ہو تو مسلمانوں کو نہ سید احمد خاں درکار ہوں گے نہ کانفرنس نہ لکچر ارنہ تم نہ میں۔
اس سے کس کو انکار ہو کہ خیرات کے مروجہ طریقے داخل خیرات نہیں۔ میں تو صرف اتنی بات لوگوں
کے ذہن نشین کرنی چاہتا ہوں۔ کہ تعلیم میں مدد دینا خیرات کے مروجہ طریقوں سے بہتر اور اَنْفَعُ لِلنَّاسِ[۱]
اور اَوْلٰی بِالْقُبُوْلِ عِنْدَ اللہِ[۲] ہو مروجہ خیرات ازالۂ مرض ہو اور تعلیم میں مدد دینا ازالۂ سبب۔ اور
اس کو دہلی جا کر حکیم محمود خاں صاحب سے تصدیق کر لینا کہ علاج کے اِن دو طریقوں میں سے کس کو
ترجیح ہو۔ انگریزی مثل تو مجھ کو یاد ہو پر یونشن از بٹر دین کیور[۳]۔ کچھ اس بات نے بھی تعلیم کے بیج کو ڈھیلا
اور اُس کی رفتار کو دھیما کر رکھا ہو کہ لوگوں نے تعلیم کو سمجھا ہو سرسوں لی اور ہتیلی پر جمالی جو فائدے اہل یورپ
نے ایک صدی کی متصل کاہش سے حاصل کیئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنوں کی توجہ سے وہ بھی ادھورے
اور بادلِ ناخواستہ ہم کو حاصل ہو جائیں ؎

جی عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب
کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب

درختوں کی رسیدگی کے اوقات مختلف ہیں کوئی ایک ہی برس میں پھل لے آتا ہو کوئی دو میں کوئی
چار میں کوئی بارہ میں لیکن وہ درخت جو سب سے زیادہ دیر میں پھل لاتا ہو شجرۃ العلم ہو۔ مگر پھل بھی ایسا مزیدار
ہوتا ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی کی چاٹ میں جنت کے مزوں کی کچھ پروا نہیں کی۔

[۱] لوگوں کو نافع تر ۱۲ [۲] خدا کے نزدیک مقبول تر ۱۲ [۳] مرض کو ابتدائی حالت میں روکنا علاج سے بہتر ہو ۱۲

پولیٹیکل اکانومی کے اصول کے مطابق عاجل منفعتیں ہمیشہ چھوٹے اور ذلیل کاموں میں ہوا کرتی ہیں اور علم کا تو یہ ہی کہ تائم اور ولتھ تو یقیناً اور شاید ہلتھ بھی ان سب کو سیکریفائس کرو تب کہیں جا کر علم حاصل ہو تو ہو اور جب علم حاصل ہو گیا تو اُس کے فائدے ایسے ہی یقینی ہیں جیسے دنیا کے دوسرے نتائج مثلاً کشش سے پتھر کا زمین پر گرنا یا لکڑی کی ناؤ کا پانی پر تیرنا اور اگر نتائج اسباب سے تخلف کیا کریں یعنے اسباب موجود ہوں اور نتیجے کبھی مترتب ہوں اور کبھی نہ ہوں تو دنیا دارالاسباب کیوں ہے اور نظام عالم سارا درہم برہم اور مختل ہو جائے۔ اور یہ جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں کو جستجوے معاش میں حیران و سرگرداں پڑے پھرتے دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ تعلیم بے سود ہے یہ تو خود ان ہی کی غلطی ہے انھوں نے معاش کے لئے علم پڑھا اور پھر ایک طرز خاص یعنی نوکری کی لکیر کے فقیر ہو کر بیٹھ رہے کسی کا کیا اچھا مقولہ ہے کہ پانی کو اکٹھا ہونے دو پھر وہ اپنا رستہ آپ کرے گا۔ دنیا کے اعتبار سے ہماری اور اہل یوروپ کی حالت میں جو تفاوت ہے وہ اَلْجَلِیُّ الْبَیِّنُ ہَیْہَاتِ ہے سب کو سوجھ پڑتا ہے کہ ان کو ترقی ہے اور ہم کو تنزل۔ وہ مالدار ہم مفلس۔ وہ حاکم ہم محکوم۔ وہ لایق ہم نالایق۔ وہ ہنرمند ہم بے ہنر۔ وہ اقبال مند ہم بدبخت۔ غور کر کے دیکھا کس نے؟ خود گورنمنٹ نے جس کو یقین جانو ماں باپ کی طرح ہماری پرداخت منظور ہے۔ اور ہم میں سے اُس نے جس کو خدا نے دردمند دل اور آنکھیں بصیرت دی ہے کہ ہم میں اور اہل یوروپ میں صرف ایک ہی وجہ فارق ہے تعلیم۔ کہ وہ عالم ہیں اور ہم جاہل۔ چنانچہ جس رستے سے اہل یوروپ معراج الکمال کو پونچے تھے اُسی ڈھرے کو لگا دیا۔ صاف دل سے متوکلاً علی اللہ آنکھیں بند کیے چلے جاؤ منزل مقصود کو پھونچو گے اور ضرور پھونچو گے اور اگر یہ صلاح سمجھ میں آتی تو تم خود کوئی تدبیر سوچو۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ غرض تو تمھاری اصلاح حالت سے ہے سید احمد خاں اس میں عذر کریں یا برا مانیں تو میرا ذمہ۔ اور اگر انگریزی تعلیم دینا یا دین میں مضر ہو تو کودن اور کندہ ناتراش رہ کر بہت کچھ دیکھ چکے ہو۔ کچھ کسر باقی ہے تو اور دیکھ لو مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا

ملہ علم سیاست مدن ۱۲ ملہ وقت اور دولت ۱۲ ملہ تن درستی ۱۲ ملہ صدقہ ۱۲ ملہ ظاہر تر ۱۲ ملہ جس کو یہ گمان ہو کہ دنیا اور آخرت میں خدا اُس کی مدد نہیں کرے گا تو چاہئے کہ آسمان میں ایک رسی لٹکا کے پھر پھانسی لے کر مرے اور دیکھے کہ اُس کی تدبیر سے اُس کی شکایت رفع ہوئی۔

وَالْاٰخِرَۃِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ كَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ ۔ تمھارے آگرے
میں ایک صاحب من وجہ بندے کے ہمنام ہو گزرے ہیں نظیر اکبرآبادی۔ من وجہ میں نے اس لیے
کہا کہ نظیر اُن کا تخلص تھا اور میرا نام ہی۔ اُن کا تخلص نذر سے تھا۔ اور میرا نام نذر سے ہی۔ ایک صلاح وہ بھی
بتا گئے ہیں نہیں معلوم تمھی ہو یا واہمی دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہی ؎

چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی ڈنڈ پیل		لونڈے جھنگلے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل

وہ تعلیم جس کی ضرورت ہی اور جو یقیناً مفید ہو گی اور جس کے ہوتے ناکامیابی ہو ہی نہیں سکتی وہ شمشیر ٹنگ
آف انگلش نہیں ہی بلکہ وہ ساؤنڈ سائنٹیفک نالج۔ لیکن ذرا انصاف سے دل میں سوچو کہ ہم لوگوں نے
ابھی تک شمشیر ٹنگ کے سوا کچھ اور بھی سیکھا ہی اور بڑا رونا یہ ہی کہ ہائے ہم کو راتھس چائلڈ کی سی دولت
کیوں نہیں ملتی ؎

که مسکیں ایں ندارد آں ندارد		عمل ایں و انگهش لب نغمه پرداز

ارادے بڑے ہمتیں قاصر۔ کام بنے تو کیوں کر بنے۔ قومی تعلیم مونھ سے کہہ دینے کو تو دو لفظ ہیں مگر
ہندوستان میں قوم عبارت ہی چھ کروڑ آدمیوں سے اور تعلیم سے مقصود ہی اس چیز کا سکھانا جس سے
ان کے کان آشنا نہیں اور کان آشنا نہ ہونے کے علاوہ طلب صحیح پر دیر طلب۔ اور لوگ کارہ اور متنفر
یہ سب باتیں پیش نظر ہوں تو یاس و ناامیدی کا کوئی محل نہیں۔ بڑے کام اسی طرح تدریج کے ساتھ
ہوتے ہیں اور اسی طرح تدریج کے ساتھ ہوں گے۔ جتنا گڑ ڈالا ہی اتنی مٹھاس بھی ہی۔ لوگ کامیابی
کی مثالوں سے تو قطع نظر کر لیتے ہیں اور ناکامیابی کے شواہد نصب العین رکھتے ہیں جس سے اُن کے
دل شروع سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور یہی شکستہ دلی آخر کار اُن کی ناکامیابی کا سبب ہوتی ہی۔
افسوس ہی کہ مسلمانوں میں نام و نمود کے سلف میڈ لوگ کم ہیں مگر الحمد للہ ہیں اور میں جانتا ہوں کو [illegible]
پراونس بلکہ ڈسٹرکٹ ایسے متعدد مسلمانوں سے خالی نہیں تو جو شخص پڑھتا ہی وہ اس اذعان سے

۵۱ انگریزی کی ٹوں ٹاں کرنا ۱۲ ۵۲ کامل استعداد علمی ۱۲ ۵۳ ٹوٹی پھوٹی بولی بولنا ۵۴ ولایت کا ایک مشہور
یہودی دولت مند تھا ۱۲ ۵۵ جنھوں نے اپنی کوشش سے اپنی حالت کو بہتر کیا ہو ۱۲ ۵۶ صوبہ ۱۲ ۵۷ ضلع ۱۲

ساتھ پوچھو کہ ان ناموروں میں سے ایک میں بھی ہوں گا اگر اس کا اذعان پکا ہے تو اس کا میں یقین
دلاتا ہوں کہ وہ اس فہرست کے فرسٹ[۱] ڈویژن نہ ہوگا تو سکنڈ[۲] میں ضرور ضرور ہوگا۔ اور میں کیا یقین
دلاؤں خدا یقین دلاتا ہے اِنِّی[۳] لَا اُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنکُم اذعان رکھو گے تو محنت بھی کرو گے۔
اور محنت کرو گے تو کامیاب بھی ہو گے خدا کی قسم ہو گے۔ ایک تو میں قدر واجب سے زیادہ لیاقت کی
قیمت لگانے سے منع کرتا ہوں اور ایک اہل یوروپ کے ساتھ ہمسری کے خیال سے کہ ان دونوں کا
انجام ہے ناامیدی اور ناامیدی کا بیدلی۔ اور بیدلی کا حرمان۔ اس کو خدا کی طرف سے فیصل شدہ سمجھ لو
کہ ہم کتنا ہی دوڑیں اہل یوروپ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے ہم میں اُن میں اُن دو کاشتکاروں کی سی
نسبت ہے کہ ایک نے ابھی زمین میں ہل چلانا شروع کیا ہے اور ایک کاٹ گاہ کر غلہ کھتوں میں بھر رہا ہے
شَتّانَ[۴] بَینَہُمَا مگر ہاں دنیا کا روٹیشن[۵] اسی طرح پر چلا آیا ہے کہ ایک قوم کی مفلسی اور تباہی حدِ غایت کو
پہونچتی ہے۔ خدا اُن کے دلوں میں ارادے پیدا کرتا۔ اور وہ قوم دولت کے کمانے پر کمربستہ ہوتی۔
جب وہ دولت پر پورا قبضہ پالیتی ہے۔ تو عیش اور آرام طلبی میں پڑ کر غافل اور کاہل ہو جاتی اور ترقی کے
عوض رجعت قہقری کرنے لگتی اور چکر کھا کر پھر مفلسی پر آگرتی ہے کوئی نہیں جانتا کہ اس روٹیشن میں ہم کس
جگہ ہیں۔ اور اہل یوروپ کس جگہ۔ موجودہ حالت تو یہ ہے کہ اہل یوروپ فل سپیڈ[۶] سے ترقی کی طرف چلے
جا رہے ہیں اور ہم نہیں معلوم گر کر تہ نشین ہو چکے یا ابھی اور گرنا تقدیر میں ہے۔ یا سید احمد خاں اور
ان ہی جیسے دردمندانِ قوم کے سہارا لگانے سے اگر کوئی ہوں کچھ ابھرنے لگے ہیں مفلسی اور محکومی بھی کیا بری
چیز ہے۔ انسان میں جو عیب واقعی ہیں ان کے ظاہر ہو جانے تک کا تو مضایقہ نہیں جو عیب نہیں ہیں وہ بھی
ناحق اور ناروا مڑھے اور تھوپے جاتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اس وقت تک انگریزی تعلیم کا ماحصل نوکری
ہے اور اس میں بھی پوری کامیابی نہیں۔ اور یہی نہیں کہ نہیں بلکہ کبھی ہو گی بھی نہیں۔ کیوں کہ ڈمانڈ[۷] سے
زیادہ سٹاک[۸] بھرتا چلا جاتا ہے اب سوائے اس کے کہ ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوکری کے علاوہ معاش کے

[۱] اول درجہ ۱۲ [۲] دوسرا درجہ ۱۲ [۳] میں کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا ۱۲ [۴] دونوں میں بڑا فرق ہے ۱۲ [۵] دورہ ۱۲۔
[۶] تیز رفتار ۱۲ [۷] طلب ۱۲ [۸] ذخیرہ ۱۲۔

کسی میں سرافرازیِ خدمت ہو۔ اور کسی میں عطاے جاگیر اور کسی میں نوازشِ خطاب اور کسی میں
تقررِ منصب۔ اور ظاہر ہو کہ یہ سب مضامین دل کے خوش کرنے والے ہیں مگر بعض مجھ جیسی روتی
صورتوں کو کبھی یہ بھی خیال آجاتا ہی۔ ع

وہ وقت وہ سے وہ زمانے کدھر گئے

لیکن بہرکیف یہ تحقیقاتیں ہیں پیٹ بھرے کی باتیں۔ ہم کو تو اپنی تمام توجہ صرف ایک ہی امر میں محصور
رکھنی چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے لوگ انگریزی پڑھیں انگریزی پڑھنے سے خواہی نہ خواہی انگریزوں کا سا مذاق
پیدا ہوگا۔ اور اس طرح کی تحقیقات میں ضرور مزہ ملے گا۔ کہ آدمی اصل میں بندر تھے اور بمرورِ زمانہ
دُم ندار ہو کر بہیاتِ کذائی رہ گئے۔ ہٹیکوارینیز ابھی تک یہ عقدہ حل نہیں کر سکے کہ دُم کیا ہو گئی۔
مگر جب ہمارے انگریزی خواں اس تحقیقات کے درپے ہوں گے تو ان کو نیچر کے پھندے سے بھی
کچھ نہ کچھ مدد ملے گی اس کا تو مجھ کو عقیدہ ہی کہ بڑے میاں (سید احمد خاں) کو بڑی دور کی سوجھتی ہی
اور جو کچھ کرتے ہیں آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ایک نہ ایک دن مسلمانوں کے حق میں اس کا
فائدہ مترتب ہوگا پر ہوگا مگر کیا کروں میں کچھ ایسا ڈل ہوں کہ مجھ سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ شعر

پر طبیعت ادھر نہیں آتی	جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد

لیکن خدا کا فضل ہو کہ اتنے سارے خیرخواہانِ اسلام جمع ہیں۔ جو اس سردی میں دور دور سے اسی لیے
تشریف لائے ہیں کہ اپنی بدنصیب قوم کی تعلیم کا انتظام کریں۔ افسوس ہو کہ اس جمِ غفیر کی سعی مشکور
نہ ہو۔ مگر یوں کہو کہ ابھی تک سعی کا اسلوب ٹھیک نہیں بیٹھا۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہو کہ لکچرنگ
اور سپیچیفائنگ اور ایڈیٹری ان سب کو تو رکھا جائے بالائے طاق۔ اور کانفرنس کا ماٹو ہو ڈیڈز
اینڈ ناٹ ورڈز کانفرنس کے اجلاس کی ترتیب اس طور پر ہو کہ پراونس اور ضلع ایک دوسرے سے
متمیز ہو سکے۔ ہر ضلع کے ریپریزنٹیٹو ایک تحریری فہرست داخل کریں کہ آیندہ سال کے لیے کون کام

۱؎ حالات زمانہ سابق کے تحقیق کرنے والے ۱۲ ۲؎ رومی ٹوپی ۱۲ ۳؎ سست ۱۲ ۴؎ لکچر دینا ۱۲ ۵؎ سپیچ دینا ۱۲ ۶؎ فصاحت
وبلاغت ۱۲ ۷؎ شعار ۱۲ ۸؎ فعل چاہیے نہ قول ۱۲ ۹؎ وکلاء ۱۲

وہ اپنے واسطے تجویز کرتے ہیں اور کون کون اس کام کا بیڑا اُٹھاتا ہی پھر دوسرے برس جب کانفرنس جمع ہو تو پچھلے برس کی کارروائی کا نتیجہ دکھائیں کہ کیا کہہ گئے تھے اور کیا کرکے لائے۔ اسی کی رپورٹ ہو اسی کی کیفیت اسی میں غور ہو اسی پر بحث۔ اسی طرح ہر کانفرنس میں کارروائی ہوتی رہے۔ تب تو کچھ کام چلے گا ورنہ گستاخی معاف اس مَاکَرِیْ[۵۱] آف کانفرنس سے نہ اب تک کچھ ہوا اور نہ کچھ ہونے کی اُمید۔ بڑی شرم کی بات ہی کہ ہول برٹش انڈیا[۵۲] بلکہ برٹش انڈیا سے باہر دور دراز ملکوں میں شہرت ہو کہ ہم اتنے مسلمان ہر برس مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور حقیقت یہ کہ سید احمد خاں کی ذاتی کوششوں کے نتائج سے قطع نظر کر و توٹَل[۵۳] آر نکسٹ ٹُو نِل اب شاید کوئی ایسا ہی قسی القلب نا احسان مند احمق دشمن اسلام مسلمان ہوگا جو سید احمد خان کا مرنا چاہتا ہو مگر سید احمد خاں مسلمانوں کے رفارمر (اس میں مجھکو تھوڑا سا کلام بھی ہی) مسلمانوں کے خیر خواہ ہونے سے اِمارٹَل[۵۴] تو نہیں ہو گئے۔ ہم نے اِن کے جیتے جی کون سے قلعے فتح کر لیے کہ اِن کے مرنے سے اس کھیل کے بھنڈ ہو جانے کا خوف نہ کیا جاوے۔ جیسا حال کانفرنس کا ہی۔ اس سے بدتر بلکہ بدتر نہایت بدتر علی گڈھ کالج کا تھا۔ جس وقت سید احمد خاں نے کالج کا چندہ شروع کیا ہی سید احمد خاں کے بُوزَم فرینڈز یعنی حوارین کا تو حال معلوم نہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ جس نے سنا یہی کہا ع

دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

اب وہی کالج ہی کہ ماشاء اللہ اس کا ایک عظیم الشان کارخانہ ہی۔ کالج پر قیاس کرکے میں کہتا ہوں کہ اس کانفرنس میں بھی کچھ بھید ہی اور یہ بھی کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ لائے گا پر لائے گا اور تعلیم کی دنیا میں ایک پوزُن ہو گا۔ مگر کون کہہ سکتا ہی کہ اُس وقت تک سید احمد خاں کا ہاتھ بھی اُس کے سر پر ہو گا یا نہیں۔ کالج تو ایک پکی پکائی رسوئی تھی سید محمود جنٹ سکرٹری بن کر پروسنے میں باوا کا ہاتھ بٹوانے کو آ کھڑے ہوئے۔ کانفرنس میں رسوئی کے پکنے اور پروسنے اور جیمنے کا کیا مذکور ہی۔

---

[۵۱] کانفرنس کی ہنسی ۱۲ [۵۲] تمام ہندستان ۱۲ [۵۳] نہیں یا کچھ نہیں کے قریب ۱۲ [۵۴] غیر فانی ۱۲ [۵۵] طاقت ۱۲

ابھی چوکے کی گوبری تک بھی نہیں دی گئی۔ پس سید احمد خاں کو مدد کی بڑی ضرورت ہو۔ کانفرنس میں
ہی کانفرنس تو ایسی چیز ہو کہ اگر اس کی کارروائی ٹھیک طور پر ہو تو کالج در کنار یونیورسٹیوں کو بلکہ
گورمنٹ کے ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ کو ڈکٹیٹ کرے مگر لوگوں نے ابھی کانفرنس کی ماہیت کو نہیں
سمجھا حقیقۃ الحال تو نہیں ہو مگر کہتے ہیں اسی طرح آتا ہو کہ خداے تعالیٰ آدمی کو پیدا کرکے فارغ ہو جاتا ہو۔
یعنی اُس پروردگار نے آدمی کو اِس طور کا بنایا۔ کہ اُس میں چند قوتیں ودیعت رکھ دیں اور اُس کو پورا
اختیار دیا کہ اِن قوتوں کو کام میں لاکر ترقی کرے۔ اس وقت تک کسی پر منکشف نہیں ہوا کہ آدمی کس
حد تک ترقی کرسکتا ہو۔ قطعہ

آدمی زادہ طرفہ معجونیست	از ملائک سرشتہ وز حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں	ور رود سوے آں شود بہ ازاں

بہر کیف ترقی و تنزل دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے۔ انسان کی اپنی ہی کوشش یا غفلت کا
نتیجہ ہو۔ اور یہ بات مسلمات بلکہ یقینیات سے ہو کہ جن قوتوں کے ذریعے سے انسان ترقی کرسکتا ہو اُن کو فقط
تعلیم ڈویلپ کرسکتی ہو۔ پس خدا میں اور تعلیم میں وہ نسبت ہو گی۔ جیسے ایک مصور نے خاکہ بنا دیا اور
دوسرے نے اُس میں خال و خط پیدا کیا۔ نوک پلک نکالی۔ رنگ و روغن بھرا۔ لباس پہنایا۔ آئینہ چوکھٹا
لگایا۔ تو جو لوگ اپنے ابناے جنس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں گویا ان اغراض کی تکمیل کرتے ہیں جن کے لیے
انسان پیدا کیا گیا ہو کانفرنس کو اُس کی ٹرو لائیٹ میں دیکھنے کا یہ طریقہ ہو جو میں نے عرض کیا۔ اب فرماؤ
کہ اتنے بڑے کام کے سرانجام کے لیے کیا اہتمام کیا گیا ہو اور کیا اہتمام کرنا چاہیے کئی برس سے اس کا
بھی غل مچ رہا ہو کہ ٹکنیکل ایجوکیشن کو عام تعلیم کے پروگرام میں شامل کرنا ضرور ہو اور ٹکنیکل ایجوکیشن عام
تعلیم کے پروگرام میں شامل ہوئی تو خواہی نخواہی کانفرنس کے پروگرام میں بھی اس کو لینا ہو گا لیکن میں
بوجوہ چند در چند اس کا سخت مخالف ہوں میں تو سرے سے کانفرنس کی حدود کی توسیع ہی کو پسند

۱ سررشتہ تعلیم کا محکمہ ۱۲ ۲ راہ بتلائے ۱۲ ۳ ترقی ۱۲
۴ حالت اصلی ۱۲ ۵ تعلیم عملی ۱۲

نہیں کرتا طَلَبُ الْکُلِّ فَوْتُ الْکُلِّ[51] دوسرے ٹکنیکل[52] ایجوکیشن ہی کیا چیز۔ عمل بالید جس کو فلسفہ اور
اخلاق کی کتابوں میں حکمت عملی سے تعبیر کیا ہی سو ظاہر بات ہی کہ بدون علم کے عمل ہو نہیں سکتا یہ جو لوگ
مثلاً کلیں ایجاد کرتے ہیں اولاً اُن کے اصول کے مطابق جو اُن کو پہلے سے معلوم ہیں ایک منصوبہ سوچتے
ہیں۔ پھر اُس کو بنا کر چلا کر دیکھتے ہیں اور جو کور کسر رہ جاتی ہی غور کرکے اُس کی اصلاح اور تکمیل کرتے ہیں
تب کہیں جا کر کام بنتا ہی۔ یہاں سرے سے علم ہی ندارد ہی ع

دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہی گریباں سے

منصوبہ سوچیں کیا خاک اور عمل میں لائیں کیا اپنا سر۔ بدون علم کے ٹکنیکل لائن میں صرف نقالی
ہو سکتی ہی۔ اور اس سے کوئی ایسا بڑا فائدہ نہیں۔ ورنہ ہر ایک کل میں جتنے لوہار بڑھئی قلی مزدور کام
کرتے ہیں سب انجینیر ہو جایا کریں اور ایسا نہ ہوا ہی نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہی بدون سائنس کے ٹکنیکل
اِنسٹرکشن کچھ کام نہیں آسکتی۔ اور سائنس ہی وہ چیز ہی جس سے ہماری قوم کے کیا جوان کیا بوڑھے
کوسوں بھاگتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کی دنیوی مشکلات دیکھکر بعض وقت بڑا ہی ترس آتا ہی کہ یا الٰہی یہ کیا تھے
اور کیا ہو گئے اور پھر بھی کبھی کچھ بنیں گے۔ زمانے کا رنگ اِن کی نادانی اور بے سامانی یہ سب خیالات
ہجوم کرتے ہیں تو اندر سے جی بیٹھا چلا جاتا ہی اور ہر چند دفع کرو چار طرف سے یہی آواز آتی ہی ع

ایسے ڈوبے کہیں اُچھلتے ہیں

یہ نہیں کہ ان کی درستی کی تدبیریں نہیں ہیں اور پریکٹیکل[53] بھی ہیں مگر چوں کہ اِن ہی کے کرنے کی ہیں
قریب قریب اِمپاسبل[54] کے ہیں جن کے سنبھالے دنیا نہ سنبھالی جاے۔ اُن کو دین و مذہب کی
ذمہ داریاں یاد دلانا وہی مثل ہی کہ مرتے کو مارے شاہ مدار شعر

مفلس کہ اُس غریب کی دنیا نہیں درست	مشکل کہ اُس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست	

لیکن اس سے کہ ہم ذمہ داری کا خیال نہ کریں وہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی۔ اس کے نتیجے ہم کو بھگتنے
ہوں گے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ سوچیں یا نہ سوچیں۔ اس کارخانہ دنیا میں یہ نہیں کہ ہم کو اختیار نہیں ہی مگر گویا

[51] کل کے درپے ہونے کا نتیجہ ہی کہ کل فوت ہو ۱۲ [52] تعلیم حرفت و صنعت ۱۲ [53] عملی ۱۲ [54] ناممکن ۱۲۔

تو نہیں پڑتی جو باتیں ہمارے اختیار سے خارج ہیں۔ انتظام الٰہی کے مطابق اپنے وقت پر ہو کر رہیں گی
ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔ مثلاً یہ تو بے شک ہمارے اختیار میں ہو کہ موت کا خیال دل میں نہ آنے دیں اور
نہیں آنے دیتے اور آنے دیتے تو دنیا کا کچھ اور ہی رنگ ہوتا۔ مگر ہمارے خیال نہ کرنے سے موت تو
ٹالے نہیں ٹلتی۔ وہ ایسے دبے پاؤں چلی آرہی ہو کہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ اُس کے کتنے
پاس آ پہونچی ہو۔ اور کس وقت کس جگہ کس حالت میں اُس کا ٹینٹوا آ دبائے گی وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ان ہی دنیا اور دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے اللہ جل شانہ
فرماتا ہو إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ان ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں
کے اعتبار سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ خدا کی طرف سے فرمان لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ
مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَيَنْصُرَكَ
اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا مل چکا تھا مگر ساری عمر وہ غافلانہ ہنسی جس کو قہقہہ کہتے ہیں اور جس کی شان
میں يُمِيتُ الْقَلْبَ آیا ہی ہنسنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ہمہ وقت سوچ میں رہتے بار بار آسمان کی
طرف دیکھتے۔ ان ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے صحابۂ کرام کے یہ
مقولے بروایت صحیحہ ہم تک پہونچے ہیں کہ ایک کہتے تھے کہ اے کاش میں پتھر ہوتا۔ دوسرے آرزو
کرتے تھے کہ گھاس ہوتا جانوروں نے چرا اور لید اور مینگنی اور گوبر کر کے نکال پھینکا۔ ان ہی دنیا و دین
کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کی اعتبار سے کسی نے انسان کے حق میں کہا ہو مِسْكِينٌ ابْنُ آدَمَ
أَيُّ مِسْكِينٍ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ ان ہی دین و دنیا کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے

یعنی کسی شخص کو خبر نہیں کہ کہاں مرے گا ۱۲ ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا اُنھوں نے
اُس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اُس کو اُٹھا لیا وہ بڑا جفاکار اور نادان ہو ۱۲ تاکہ اللہ
تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور تم کو سیدھا رستہ دکھائے اور تم کو غالب فتح مندی دے ۱۲
دل کو مار دیتا ہو ۱۲ آدمی بڑا مسکین ہو جس کو بے چھری حلال کیا گیا ہو ۱۲۔

شاعر کہتا ہے ؎

آدم بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی	پیمانہ ہو کے آتا کسی بادہ کش کے کام

ان ہی دنیا و دین کی دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے لوگوں نے جوگ اور سنیاس اور رہبانیت کے طریقے اختیار کیے اگرچہ اس طریقے کو اسلام نے جائز نہیں رکھا اور بجا جائز نہیں رکھا لیکن اس سے اتنا پتہ تو چلتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا و دین کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح جانچا اور تولا ان میں بہتیرے ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنھوں نے اپنے میں اس جوڑی کے ہلانے کی طاقت نہ پا کر اس ریاضت سے جان چرائی ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رہبانیت کے طریقے میں مشقت زیادہ ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ میں نے آزمایا نہیں اور خدا نہ کرے کہ کوئی بھلا آدمی آزمائے مگر سنا ہے کتابوں اور اخباروں میں پڑھا ہے کہ شراب کا نہ پینا چنداں مشکل نہیں جتنا کہ پینا اور اُس میں اعتدال کا لحاظ رکھنا۔ غور سے دیکھا جائے تو رہبانیت بڑے دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اس میں قانون قدرت کی صریح مخالفت ہے اور وہ کسی طرح چل نہیں سکتی قطعہ

دُنیا ہے بُری بلا ارے کیسا ترک	اے ذوق کرے گا کوئی دنیا کیا ترک
جب تک نہ کرے آپ اُسے دنیا ترک	ممکن نہیں ترک ہو کسی سے دنیا

اور شاید باحتمال ضعیف کسی گرانجان راہب کا نچو مرنکال کر چلی بھی تو لازم آتا ہے کہ ابطال حکمت الٰہی کیا خوب فرمایا ہے لہ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ بس یہ شرط عبودیت نہیں اور ہونی چاہیئے بھی نہیں کہ ہم کو بنایا آدمی اور ہم بننا چاہیں پتھر یا بنایا آدمی اور ہم بننا چاہیں فرشتے۔ بلکہ جیسا آدمی بنایا ہے اسی آدمیت کی شان میں رہنا ہی عبودیت ہے۔ اگرچہ اسلام نے رہبانیت کے مٹانے میں کمی نہیں کی اور ربانی اسلام نے بآواز بلند پکار دیا کہ ۲ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ۔ مگر انسان کچھ اس طرح کا مخلوق ضعیف اور ڈھلمل یقین اور متزلزل ہے کہ وہ درجۂ توسط و اعتدال پر قائم رہ نہیں سکتا شعر

لہ اور اگر چاہتے تو ہم تم میں سے ایسے فرشتے بنا دیتے جو روئے زمین پر خلافت الٰہی کرتے ۔ ۲ اسلام میں جوگ و سنیاس نہیں ہے

بسکہ دشوار ہی ہر کام کا آساں ہونا ■ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

ب عموماً دو قسم کے مسلمان پائے جاتے ہیں یا رہبانیت لیئے ہوئے جو زاہد اور تارک الدنیا ہو تو
نیا سکتے ہیں مگر بننا اور بنانا چاہتے ہیں اور یہ ہمارے زمانے کے علما اور مشائخ اور اُن کے شاگرد اور مرید
ہیں اُن کی تعلیم کا ماحصل ہی دنیا سے گریز دنیا سے نفرت یعنی وہی رہبانیت۔ دوسرے وہ ہیں اور یہ
پہلے گروہ سے شمار میں بہت زیادہ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ پیغمبر صاحب سے فرماتا ہی فَاَعْرِضْ
عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ جو ہمارے ذکر
سے روگردانی کرے اور دنیا کی زندگی کے سوا اُس کو اور کچھ درکار نہ ہو ایسے لوگوں کو مونھ مت لگاؤ اِن کے
علم کی رسائی یہیں تک ہی۔ میرا خیال یہ ہی کہ مذہب انسان کے کانسٹیٹیوشن[1] میں داخل ہی۔ اور اگر ایسا نہ
بھی ہوتا تاہم میں بڑے زور سے آپ صاحبوں کو مذہب کی طرف متوجہ کرتا ہوں اِس لیئے کہ تعلیم کیسی ہی
کامل کیوں نہ ہو مارلز[2] کے بدون کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی اور مارلز بدون مذہب کے درست نہیں
ہو سکتے۔ بیشک سوسائٹی کو مارلز کے فارمیشن[3] میں دخل عظیم ہی لیکن جو مارلز صرف سوسائٹی کے انفلوئنس[4]
پر مبنی ہوں راسخ نہیں ہو سکتے کَمَثَلِ[5] الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ
اگر دین و مذہب سے الگ رہ کر لوگوں کو تعلیم دی جائے تو میرے نزدیک اس کی ایسی مثال ہوگی کہ
چلبلے اور شریر لڑکے کو راجرز کا چاقو کھیلنے کے لیئے پکڑا دیا جائے وہ ضرور اپنا ہاتھ کاٹ کر رہے گا۔
اگرچہ تعلیم کا ایوریج[6] تھوڑا ہی مگر اب بھی ایسی مثالیں بہت ہیں کہ کالج یا اسکول سے نکل کر لوگ آفٹر لائف[7]
میں تعلیم سے راحت کی جگہ طرح طرح کی ایذائیں پاتے ہیں اور اس کا یہی سبب ہوتا ہی کہ مارلز کی خبر گیری
نہیں کی گئی۔ بیشک مذہب میں ایسی بھی بہت سی باتیں ہیں جن کو تمدن سے کچھ علاقہ نہیں۔ لیکن
واقع میں مذہب اور خاص کر مذہب اسلام ایسا جامع دستور العمل ہی کہ کسی حالت کا آدمی ہو مرد اور
عورت عالم اور جاہل تونگر اور مفلس تن درست اور بیمار مقیم اور مسافر حاکم اور محکوم لاولد اور صاحب اولاد

۱ ساخت ۱۲ ۲ اخلاق ۱۲ ۳ بناوٹ ۱۲ ۴ دباؤ ۱۲ ۵ اس کی مثال مکڑی کی سی ہی جس نے ایک گھر بنایا اور گھروں
میں سب سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا ہی ۱۲ ۶ اوسط ۱۲ ۷ زندگی مابعد ۱۲

مجرد اور متاہل اس کو تمام زندگی میں جو کچھ کرنا ہو اس دستور العمل میں اس کے لیئے ہدایت موجود ہو۔
خدا کو جب بنی نوع انسان کی اصلاح منظور ہوئی تو اُس نے ایسی خراب سوسائٹی میں جس سے بدتر
اُس وقت روئے زمین پر کوئی قوم نہ تھی اپنے سچے اور سادہ اور بے تکلف اور غیر متصنع پیغمبر یعنی فطرت کے
کامل ترین نمونے کو بھیجا۔ اُن کے اقوال اور افعال سب قرآن اور حدیث میں مدون اور منضبط ہیں
ایسا معلوم ہوتا ہو کہ جس طرح کوئی شفیق باپ ہمہ وقت اپنے اکلوتے بیٹے کی حرکات و سکنات پر
نظر رکھتا اور وقتاً فوقتاً بات بات میں اُس کو روکتا ٹوکتا رہتا ہو۔ ہیں سلام نہیں کیا۔ اُنھوں نے
مزاج پوچھا تھا تم کو کہنا چاہیئے تھا کہ الحمد للہ جب کھانسی یا جمائی لو تو موتھ پر ہاتھ رکھ لیا کرو۔
بعینہٖ یہی بلکہ اس سے بہت بڑھ کر حال تھا پیغمبر خدا صلعم کا اپنی امت کے ساتھ۔ چنانچہ ایک صحابی
فرماتے ہیں کہ آں حضرت[۱] نے ہماری تعلیم و صلاح کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا حَتّٰی عَلَّمَنَا
الْخِرَاءَۃَ[۲]۔ پس مذہب خون کی طرح ہماری سوسائٹی کے رگ و پے میں بیٹھا ہوا ہی۔ اور اگر ہم تعلیم کو
مذہب سے مجرد کرنا چاہیں تو پھر نہ اسلام ہو نہ شِیْڈِیْلِٹی[۳] ہو اور نہ سوسائٹی کچھ بھی نہیں۔ مسلمانوں کی
ڈِفِنِیْشَن[۴] اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ایک گروہ مذہبی ہو
ان میں ذات اور جماعت کا بھی امتیاز ہو مگر عند اللہ معتبر نہیں یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ
ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[۵] سِکَنْدَرِی[۶]
اسباب جو کچھ ہوئے ہوں اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی ہستی اور ترقی و عروج کا پرائمری[۷] کاز
جوش مذہبی تھا لیکن کس قسم کا جوش مذہبی کیا اس قسم کا کہ دنیا سے بھاگو اور اُس کو طلب نہ کرو
اور اُس کے طلب کرنے کی تدبیریں عمل میں نہ لاؤ۔ صرف بڑی بڑی لمبی نمازیں پڑھو دھیر
سارے روزے رکھو اگر ایسا ہوتا تو آج شاید مکے مدینے میں بھی اسلام دوا کو ڈھونڈا

[۱] یہاں تک کہ ہم کو استنجا کرنا تک سکھا دیا ۱۲ [۲] قومیت ۱۲ [۳] تعریف ۱۲ [۴] لوگو ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمھارے
وہ اور جتھے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار وہی تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ
کے نزدیک ۱۲ [۵] دوسرے درجے کے ۱۲ [۶] اول درجے کا سبب ۱۲۔

نہ ملتا۔ نہیں نہیں نماز روزے کے علاوہ ایک اور ضروری مطلب ان کے پیش نہاد خاطر تھا جس کے
لیئے وہ سخت سخت مشقتیں اُٹھاتے جس کے لیئے وہ جان تک کے خرچ کردینے میں مضایقہ نہ کرتے
اور جس کے لیئے بمجبوری وہ نماز کو بھی قضا کر دیتے وہ کیا مطلب تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ یا ملک گیری
یا اعلاء کلمۃ اللہ یا طلب دنیا جن لفظوں سے چاہو تعبیر کر لو۔ مگر طلب دنیا اس مذموم پیرایہ سے نہیں
جو ہم اختیار کر رکھا ہے عاقبت کو تباہ دین کو برباد کر کے غرض اعلاء کلمۃ اللہ کی وہ ایک شان تھی۔
جس کی نہ اب ضرورت اور نہ اُس کا موقع و محل۔ مگر کلمۃ اللہ ویسا ہی محتاج اعلاء ہے بلکہ مَعَ شَیٔ زائد
جیسا پہلے تھا۔ ہاں اُس شان سابق کو بدل دینا ہوگا۔ اس واسطے کہ خدا نے اپنی شان بدل دی۔
كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ[1] ہم کو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے جو شان اختیار کرنی ہوگی یہ ہے کہ صمیم قلب سے
امپرس وکٹوریہ کی وفادار رعایا رہ کر۔ دنیوی عزت اور دولت کے پیچھے ستو باندھکر
پڑیں۔ اور کامپیٹیشن ریس[2] میں کسی سے پیچھے نہ رہیں اور یہ بدون اس کے ہونا نہیں کہ جو پڑھ سکتے ہیں جی لگا کر
پڑھیں۔ کما انگریزی زبان اور انگریزی سائنس۔ اور جو خود نہیں پڑھ سکتے دوسروں کو خرچ دیں اور
پڑھوائیں۔ ا۔ [illegible] رولز گولڈن[3] [illegible] اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[4] کے دو ہی لفظوں میں
دنیا اور دین اور شریعت اور طریقت اور ظاہر و باطن سب کا خلاصہ موجود ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلعم کے
خصائص میں سے جوامع الکلم بھی ہیں اور جوامع الکلم کی فہرست میں یہ حدیث سب سے پہلے ہے اور اس کے متواتر ہونے پر بھی
اجماع ہے۔ مگر اس کے معنی کیا ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال کے حسن و قبح کا مدار نیت ہے پس
میں اس زمانے کے مولویوں کے لیئے بڑی بکار آمد ہدایت ہے۔ یہ لوگ ظاہر پر بڑا زور دیتے ہیں
جس سے عوام ہی کو مقصود بالذات سمجھنے لگتے ہیں حالاں کہ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ پکار
رہی ہے کہ نیت پر زور دینا چاہیئے۔ ایک واعظ اپنے مستمعین کو مثلاً ہدایت کرتا ہے کہ پاجامہ ٹخنے سے
اونچا رکھو مگر اس کی لم نہیں سمجھاتا کہ عرب کے لوگ شیخی کے لیئے اترانے کے طور پر ازار کو لٹکاتے تھے
پس اس ممانعت سے حقیقت میں مقصود یہ تھا کہ لوگ شیخی نہ ماریں اترائیں نہیں اونچا پاجامہ تو بجائے

۱ ہر روز اُس کی ایک نئی شان ہے ۱۲ ۲ بھاگا بھاگی کی گھوڑ دوڑ ۱۲ ۳ عمدہ اُصول ۱۲ ۴ مدار اعمال نیت پر ہے ۱۲

خود اگر کوئی شخص گھٹنا پہن کر بھی اترائے تو عند الشارع ویسا ہی مبغوض ہو جیسے مُسْبِلُ الْاِزَار۔ تو جس واعظ نے صرف نیچا پاجامہ پہننے سے منع کیا اور رمز نہ بتائی اُس نے تنہٗ درخت کی تو خبر نہ لی تولے کے کاٹنے کے پیچھے پڑ گیا اسی طرح اِس زمانے میں کفر بھٹوں اور سنگھاڑوں۔ اور مولیوں اور گاجروں سے زیادہ سستا ہی اگر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا خیال رہے تو مولویوں کو ناحق کے دردِ سر سے بڑی نجات ملے۔ شعر

بر آستانۂ میخانہ گر سرے بینی		مزن بپائے کہ معلوم نیست نیت او

ہمارے انگریزی خواں ایک خاص مشکل میں مبتلا ہیں کہ لوگ انگریزی کی طرف سے بدگمان تو ہیں ہی بُری طرح اِن نوجوان لڑکوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ انسان کی زندگی گو مختصر ہو مگر اُس کے بھی حصے ہیں بچپن ہی جوانی ہو بڑھاپا ہو کسی کی ساری زندگی ایک طرح پر نہیں گزرتی۔ ہر ایک وقت اور ہر ایک رنگ شعر

یہ عمر اور عشق بتِ آزردہ جائے شرم		حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب میں

ایک لڑکا جو آج کھیل کے پیچھے دیوانہ ہو۔ ایک وقت آنے والا ہو کہ وہ خود کھیل کود سے نفرت اور اپنے بیہودہ خیالات پر اپنے تئیں ملامت کرے گا جس طرح بچپن کی باتیں جوانی میں حقیر اور ذلیل معلوم ہوتی ہیں اسی طرح جوانی کی حرکتیں بڑھاپے میں مکروہ ہو جاتی ہیں اور کیا عجب ہو کہ مرے پیچھے تمام زندگی بے صرفہ ولاحاصل دکھائی دے۔ شعر

وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا		خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

تو میرے کہنے کی غرض یہ ہو کہ مذہبی خیالات اور تمکین ووقار کے واسطے بھی عمر کا ایک وقت ہو کم سے کم یہ جو مجھ پر گزر رہا ہو۔ بلکہ میں تو تھوڑے دنوں اَور بھی جوانانہ مزاج رکھنا چاہتا ہوں۔ ع

بہ پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست

واقع میں مذہبی خیالات اور تمکین ووقار کا وقت مناسب وہ ہو جو ہمارے سر سید کا ہو۔ غایت درجے کی بے رحمی اور بے انصافی ہو کہ ہمارے نوجوان انگریزی خوانوں سے اس طرز زندگی کی توقع رکھی

ملہ نیچی ازار پہننے والا۔

جا دے جوڑ زال ۱ - کے لیئے شایاں ہو؟ وَمِنكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۵

شَتَّانِ عَجِيبَانِ هُمَا أَبْرَدُ مِنْ يَخٍّ	شَيْخٌ يَتَصَبَّى وَصَبِيٌّ يَتَشَيَّخُ

میں مانتا ہوں کہ ان لڑکوں سے بتقاضائے عمر کچھ بے تمیزیاں سرزد ہوتی ہوں گی اور اس عمر میں سبھی سے
ہوا کرتی ہیں شاید کسی کو عنان دار طور پر رہنے کا شوق ہوا اور وہ ہر چیز انگلشیہ پسند کرتا ہو اُس کے بزرگ
اُس کو فضولی سمجھ کر بڑبڑاتے ہوں - یا شاید کوئی کھلنڈرا ہو یا کوئی نماز میں حاضر ہونے سے الکساتا ہو
یا شاید بے وضو بھی پڑھتا ہو یا کوئی بک صاحب کے خوف سے قرآن پڑھتا ہو اور غڑپے لگاتا ہو یہ باتیں
بیشک نازیبا ہیں مگر میرے لیئے شاید اور سرسید کے لیئے یقیناً - لیکن کوئی سرسید سے پوچھے کہ کیا آپ نے
اس عمر میں ایسی باتیں نہیں کیں - ضرور کیں - اور ان سے بہت زیادہ کیں لیکن اسی قسم کی باتوں سے
انگریزی بدنام ہو اور کہا جاتا ہو کہ انگریزی لڑکوں کو کرشان یا لامذہب بنا دیتی ہو مگر ان ہی کے ہم عمر جو لڑکے
نہیں پڑھتے یا پڑھتے ہیں مگر انگریزی نہیں پڑھتے - ہم نے تو کسی کو اشراق و تہجد پڑھتے یا پاس انفاس کرتے
نہ دیکھا نہ سنا - اگر شاذ و نادر کوئی انگریزی خواں حد سے زیادہ بگڑا ہو تو یہ اُس کی اپنی طبیعت کا کھوٹ ہو
جو انگریزی نہ پڑھنے کی صورت میں کسی دوسری قبیح ترین شکل سے ظاہر ہوتا شعر

تنگی دل کا گلہ کیا کہ وہ کافر دل ہو	کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

اس شخص نے اگر کالج میں رہ کر کوٹ پتلون پہنا جو تمہارے نزدیک داخل بدوضعی ہو تو تمہارے ہاں
رہ کر کلی دار پاجامہ پہنتا اور چھیلا بنتا - اس نے اگر کالج میں رہ کر کرکٹ کھیلنا سیکھا تو تمہارے ہاں رہ کر گولیاں
کھیلتا پتنگ اڑاتا بٹیریں لڑاتا - اگر کالج میں رہ کر اس کے مزاج میں یہ آزادی سمائی کہ جب کسی بات
میں اشتباہ ہوا گو وہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو بے تامل لوگوں پر ظاہر کر دیا تو تمہارے ہاں رہ کر وہ نفاق
سیکھتا اور اپنے تئیں معصوم اور ولی مادر زاد ظاہر کرتا - مگر شبہہ جو تمہارے نزدیک اصل الزام کی چیز ہو
اس کا دل میں نہ آنے دینا تو اس کے اختیار میں نہ تھا - ما و شما کس شمار میں ہیں اللہ تعالیٰ [illegible]

۱؎ اور تم میں سے کوئی کوئی ذلیل ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہو تاکہ جان بوجھ کر کچھ نہ جانے ۱۲ ۲؎ وہ عجیب چیزیں ہیں جن میں اتنی
بھی گرمی نہیں جتنی برف میں - بوڑھا جو لڑکا بنتا چاہے اور لڑکا جو بوڑھا بننا چاہے ۱۲ ۳؎ قیمتی ۱۲

فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ غرض یہ محض وہم
بے اصل ہو کہ انگریزی تعلیم لامذہبی سکھاتی ہو اگر واقع میں انگریزی تعلیم لامذہبی سکھاتی ہو جس کا دوسرا نام اسلام
یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ہم تو ایسا اسلام رکھتے ہیں یَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ یَقْتُلُوْنَ
ہی تو ہم غازی ہیں اور یُقْتَلُوْنَ ہو تو ہم شہید لیکن جن کا اسلام صرف یُقْتَلُوْنَ ہو اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں
وہ دن گئے کہ خلیل خان فاختہ مارا کرتے تھے۔ اب تو ہندوستان میں بلکہ مجھے تو ایسا سامان نظر آتا ہو کہ
مکے مدینے کی تو کہی نہیں جاتی شاید روئے زمین پر بدون انگریزی تعلیم کے اسلام رہ نہیں سکتا۔
رہنے سے مراد عزت اور آبرو کے ساتھ رہنا ہو ورنہ محتاج اور ذلیل و خوار ہو کر رہنا ہو ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ
وَالْمَسْکَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ تو خدا اُس دن کے لیے سب مسلمانوں کو موت دے۔ میں اگر بدعقیدہ
ہوں تو مجھ کو عقیدۂ بد کا وبال بھگتنے دو۔ مگر مجھ کو تو سہی تم کو بدعقیدہ کرنے میں مجھ کو کونسی رکعت کا ثواب ملے گا
بخدا صرف اخوت اسلامی اور ہمدردی قومی کے خیال سے جو سید احمد خاں کے مونھ دیکھے سے تھوڑی
دیر کے لیے دل میں آجاتا ہو۔ ایک صلاح کی بات بتاتا ہوں و میرے نزدیک اس میں کسی طرح کی قباحت
نہیں اور فرض کیا کہ ہو بھی تو اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ انگریزی تعلیم کے لیے روپیہ خرچ کرو اور یہ
سمجھو کہ مسلمانوں کی دنیوی حالت درست کرتے ہیں تاکہ خدا کا بول بالا اور اسلام کی عزت ہو میں قرآن
اور حدیث کی سند سے کہتا ہوں کہ مرابط فی سبیل اللہ کا سا اجر ملے گا کیوں کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ
لیکن ایمان ٹھکانے ہو تو نیت بھی درست ہو۔ یہاں نفس ایمان ہی میں کلام ہو اگرچہ کسی دوسرے کے
ایمان پر اطلاع نہیں ہو سکتی مگر اپنے اوپر قیاس کر کے یا لوگوں کے اعمال ظاہری سے پتہ
چل سکتا ہو ۔

سلہ ہم نے جو تمہارے اوپر کتاب اُتاری ہو اگر تم کو اُس میں شبہ ہو تو جو کتابیں تم سے پہلے اُتاری ہیں اُن کے پڑھنے
والوں سے پوچھو ۱۲ سلہ اُن کے بوجھ اور قیدیں جو اُن پر تھیں ہلکی کرتا ہو ۱۲ سلہ لوگوں کو مارتے ہیں اور آپ بھی مارے
جاتے ہیں ۱۲ سلہ ذلت اور محتاجی اُن پر لازم کر دی گئی ہو اور اللہ کے غضب کے مستوجب ہوئے ۱۲ سلہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح
کر دیتی ہیں ۱۲ سلہ اعمال کی بھلائی برائی نیت پر موقوف ہو ۱۲

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِئٍ مِنْ خَلِيقَةٍ ـــ وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تُعْلَمِ

تو میں اپنے اوپر قیاس کرکے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اس واسطے کہ مسلمانوں کے یہاں پیدا
ہوئے مسلمانوں کا سا نام رکھا گیا لیکن ای کاش اس قدر مسلمان ہونے کے لیے کفایت کرتا خدا نے اپنے
کلام پاک میں کئی جگہ مسلمان کی شناخت بتائی ہے ان میں سے ایک مختصر سی آیت پڑھتا ہوں۔ اِنَّمَا
الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اس آیت میں صرف دو ہی باتیں ہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانا اور اللہ کے رستے
میں جان و مال سے کوشش کرنا آؤ تھوڑی دیر کے لیے دیکھیں کہ ہم ان دونوں شرطوں کو
کہاں تک پورا کرتے ہیں اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے نہ لفظ مشکل ہیں اور نہ کچھ معنی دقیق ہیں سب جانتے ہیں
اللہ اور رسول پر ایمان لانا یعنی خدا کا بجمیع صفات یقین کرنا اور رسول کو سمجھنا کہ واقع میں اُن کو خدا نے
بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا لیکن یقین ہی کی تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ بے شک ہم کو آگ
کے جلانے کا یقین ہے ہم کو اس کا یقین ہے کہ جس کو تیرنا نہیں آتا وہ ڈوباؤ پانی میں ڈوب جائے گا ہم کو اس کا یقین ہے کہ
مثلاً دلّی میں قطب صاحب کی لاٹ ہے اُس کی چوٹی سے آدمی نیچے فرش پر گرے تو ہلاک ہو جائے گا۔ یہ
باتیں ہمارے مونہہ سے اقرار کرنے کی محتاج نہیں۔ ہمارا برتاؤ ہمارا عملدرآمد ہمارے یقین کا ثبوت ہے
کتنے ہیں جو قصداً آگ میں جا کر جان دیتے کتنے پانی میں ڈوب کر مرتے کتنے اوپر سے گر کر ہلاک ہوتے
اب اس یقین کا مقابلہ کرو اُس صرف زبانی یقین کے ساتھ کہ خدا ہے اور اُس سے ہمارا کوئی فعل کوئی
قول کوئی خیال مخفی نہیں يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ وہ نیکی کو پسند اور بدی کو
ناپسند کرتا ہے۔ اُس کی رضامندی فوز و فلاح ہے اور اُس کی نارضامندی ابدی عذاب و ہلاکت
ذرا انصاف سے کہو کہ دونوں یقینوں میں کچھ بھی مناسبت ہے۔ شیطان نے ایک نافرمانی کی تھی

ـــــــــــــــــــــــــ

۵۱ یعنی جو کوئی اپنی ناشائستہ عادت کو پوشیدہ کرنا چاہتا ہے وہ اپنے پندار میں لوگوں سے چھپاتا ہے مگر لوگ سمجھ ہی جاتے ہیں ۱۲
۵۲ مومن وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر اگر کسی نے شک نہ کیا اور مال اور جان سے اللہ کے رستے میں کوشش
کرتے رہے اور وہی سچے ہیں ۱۲ ۵۳ آنکھوں کی چوریاں اور دلوں کے اسرار کو جانتا ہے ۱۲

نہ لیجاتے ہوں۔ بے شمار کا ثبوت لو وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ اور لو وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ اور لو وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ تو کیا یہ سارا عالم اِس خیال سے خدا کی طرف رجوع کرتا کہ وہ اسباب کا گورکھ دھندا کھڑا کر کے اپنے ہاتھ کٹوا چکا ہی۔ ایسا گمان کرنا صریح غلط ہی سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ بلکہ ہر فرد اسی ذات کے ساتھ دعا کرتا ہی کہ خدا اُس کی سنتا اور اسباب سے قطع نظر اُس کی کاربراری کر سکتا ہی۔ اشعار

ای ترا با ہر دے راز سے دگر	ہر گدا را بر درت ناز سے دگر
تو ہی دیتا ہی مریضوں کو شفا	تو ہی کل عالم کا ہی حاجت روا
تو اُمیدِ جان پُر افسوس ہی	تو ہی تسکین دلِ مایوس ہی
جس قدر محتاج آب و نان ہیں	سب تری سرکار کے مہمان ہیں
تو ہی برساتا ہی پانی ابر سے	مہر سے حاشا کسی کے جبر سے
تو ہی دیتا ہی درختوں کو نمو	تو ہی دیتا ہی گلوں کو رنگ و بو
تو ہی کرتا ہی شجر کو بارور	تو اُگاتا ہی تو ہی برگ و ثمر
آسماں پر ہو کہ ہو زیرِ زمیں	ایک ذرہ تجھ سے مستغنی نہیں
پھونچتا ہی تو ہی سب کی داد کو	تو ہی سنتا ہی ہر ایک فریاد کو
بادشاہ محمود یا بندہ ایاز	سب ترے محتاج ہیں ای بے نیاز
تیرے آگے علت و اسباب کیا	تیرے یاں کمیاب کیا نایاب کیا
ہر گھڑی تیری نئی اک شان ہی	بس یہی دین اور یہی ایمان ہی

جب کل عالم کا یہ حال ہو تو کیوں نہ ایسے خیال کو انسان کے کانسٹیٹیوشن میں داخل سمجھا جاوے

۔۔ جتنی جان دار چیزیں زمین پر چلتی ہیں اور جتنے جانور پر سے اُڑتے ہیں وہ بھی تمہاری طرح کی مخلوقات ہیں ۱۲۔

۔۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں۔ جو تیرے پروردگار کی پاکی اور تعریف بیان نہ کرتی ہو مگر تم اُن کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ۱۲۔

۔۔ تیرے پروردگار کے لشکروں کو وہی جانے ۱۲ ۔۔ سبحان اللہ یہ تو بڑے درجے کا بہتان ہی ۱۲۔

اس سے بڑھ کر سلف کنسیلیٹڈ (پر غرور غلط) کون ہوگا جو ذری سی عقل کے برتے پر مَلَکُوْتُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ کے راز میں دخل دے جیسے گولر کے اندر کا بھنگا فضاے دہر پر معترض ہو۔ یا برساتی پتنگا زمانے
کے حدوث و قدم میں رائے زنی کرے جو شخص اپنی پیدائش کے بھید کو دریافت نہیں کر سکا
جس نے نہیں سمجھا کہ درختانِ ثمردار کیوں کر نر و مادہ دونوں کا کام دیتے ہیں جو نہیں بتا سکتا کہ ابتدا میں
مرغی بے انڈے کے پیدا ہوئی یا انڈا بے مرغی کے اس کو بے مشارکت پدر عیسیٰؑ کے پیدا ہونے میں
چون و چرا کرنے کا کیا حق ہے۔ یہ تمام کارخانہ کیا دنیا کیا موجودات کیا واقعات طلسم حیرت ہے اس میں ہر چیز
عجیب ہے اور کچھ عجیب نہیں جملہ مذاہب کی بنیاد ہے خدا کی ہستی جس پر ایک ظریف نے ایسی پھبتی کہی کہ
بس چھا گئی اندھوں کا ہاتھی۔ یہ اشارہ ہے ایک حکایت کی طرف کہ کسی گانوں میں ہاتھی آیا سارا گانوں
اس کے دیکھنے کو نکل پڑا۔ اندھوں نے سنا اُن کو بھی شوق ہوا۔ مگر مشکل یہ آ کر پڑی کہ آنکھیں نہیں گئے
اور ٹٹولے کسی نے سونڈ ٹٹولی کسی نے دُم کسی نے کان کسی نے پاؤں کسی نے پیٹ اور پھر گئے اُس کے بیان
میں اختلاف کرنے۔ وہ سب سچے تھے اپنی اپنی پندار کے مطابق مگر سب جھوٹے واقع کے اعتبار سے
غرض خدا عجیب اور باوجودیکہ ہم ظاہری اور باطنی حواس کے ذریعے سے کہ یہی ہماری کائنات ہے۔
اس کو سمجھ نہیں سکتے اُس کا ماننا عجیب اور پھر خدا جیسے اَعْجَبُ الْعَجَائِب کو مان کر کسی بات پر تعجب
کرنا سب سے زیادہ عجیب ہے۔ یہ بحث بڑی دلچسپ ہے اور میں اس پر کچھ کہتا۔ مگر سامعین کو دیکھتا ہوں
کہ ملول ہو چلے ہیں اور مجھ کو وہ آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ پوری کرنی ہے ہاں تو میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے
ثابت کر دیا ہے کہ مومن ہونے کی پہلی شرط اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا کو ہم پورا نہیں کر سکے۔ اب
رہی دوسری شرط وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اگر جاهدوا سے ہو مراد جہاد متعارف
یعنی کفار سے اپنے دین کی حفاظت اور حمایت کے لیے لڑنا یہ کتابی لڑائی نہیں ہے

من ترا کافر بخوانم تو مرا مرتد بخواں	من ترا ملعون دانم تو مرا ناری بخواں

بلکہ وہ لڑائی جس میں گیند کی جگہ سر اور بلے کے عوض تلوار ہوتی ہے۔ اگر جہاد سے اس قسم کی لڑائی
مراد ہوتی تو سستے چھوٹے نہ والد بزرگوار کو ایسی بدتہذیبی کا اتفاق ہوا اور نہ جد امجد کو اور کنسٹرین کو

خدا کے فضل سے ہوا بھی نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہونے کا بھی نہیں لیکن آیت میں کچھ لڑائی
کی تخصیص نہیں مطلق جاہدوا ہے جس کا مادہ جہد ہے اور اُس کے معنی ہیں کوشش - بے شک زمانہ
نزول قرآن میں بلکہ اُس کے بعد اور دوسرے دوسرے ملکوں میں اب بھی جہاد فی سبیل اللہ
کی شق متعین یہی لڑائی ہو لیکن بحث اس میں ہے کہ ہماری حالت کے مناسب جہاد کا کون سا پیرایہ
ہے - میں نے اسی مجمع میں اسی جگہ تیورس سال بھی کہا تھا اور مولوی لوگ کچھ پی سے گئے - کیونکہ
اپنی نسبت کفر کا کوئی فتوی میری نظر سے نہیں گزرا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس زمانہ کا جہاد یہی
ہے کہ تعلیم میں جس سے جو کرنے بن پڑے کرے اور جَاهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ کا مصداق
بن کر مومن اور صادق کے دوہرے دوہرے خطاب شاہنشاہِ دوجہاں کی سرکار سے لے۔
وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ لیکن کون ہے جو سچے دل سے مومن کو خان پر صادق کو
بہادر پر ترجیح دے - اور خان اور بہادر بھی سرکار انگریزی کا نہیں کہ خیر اس میں دنیوی وقعت تو
ہے بلکہ ایک پٹی ٹریبوٹری سٹیٹ[۱] کا جس کے خزانے میں ان آنٹی ٹائٹلز کے سوا کچھ بھی نہیں وَاٰخِرُ
دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ -

گیارھواں لکچر

جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے ساتویں سالانہ جلسے پر ۱۸۹۲ء میں بمقام لاہور دیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جن لوگوں نے منطق کے ابتدائی رسالے دیکھے ہوں گے شکل اول کی یہ معمولی بلکہ موروثی
دقیانوسی مثال ضرور اُن کی نظر سے گزری ہوگی اَلْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ وَكُلُّ مُتَغَيِّرٍ حَادِثٌ فَالْعَالَمُ حَادِثٌ

[۱] [illegible] کرنے والوں کو چاہیئے کہ اس میں رشک کریں ۲۰ چھوٹی چھوٹی خراج گزار ریاستیں ۲۰ خالی خطاب ۱۲

مسٹر شاہ دین جیسے کا ہی اور جوں کہ وہ بیرسٹر بھی ہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ پر مداخلتِ بیجا کا جرم
نہ لگا بیٹھیں تو میں اپنے اصلی مطلب تغیرات عالم کی طرف عود کرتا ہوں۔

مقتضائے انصاف یہ ہے کہ ہندوستان کے اُن وقتوں کو دوسرے ملکوں کی اُن ہی وقتوں کے ساتھ ملا کر دیکھا جاوے۔ اگر سواءً بسواءٍ[1] اور مثلاً بمثلٍ[2] مقابلہ کیا جاوے گا تو ہمارے یہاں کی پچھلی عملداریاں کچھ ایسی زیادہ بھونڈی اور قابل نفرت نہیں دکھائی دیں گی۔

تغیرات پر نظر کرنے کے لیئے ہم کو پچھلی عملداریوں کے حالات کی تحقیق کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ اسی عیسوی اُنیسویں صدی کے نصف اخیر پر غور کرو۔ باوجودیکہ عملداری نہیں بدلی اس کو جا ہو عملداری کا بدلنا سمجھ لو کہ پہلے کمپنی کا انتظام تھا۔ اب شاہی انتظام ہے ہمارے دیکھتے دیکھتے اس کثرت سے تغیرات واقع ہوئے ہیں کہ ان تغیرات کی نظیر تو کہاں ملتی تھی۔ نری کثرتِ تغیرات کی نظیر بھی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ سب سے اول ۱۸۵۴ء میں مجھے پنجاب آنے کا اتفاق ہوا اس تقریب سے کہ مسٹر رچرڈ ٹمپل جو آخر کار سر رچرڈ ٹمپل اور بمبئی کے گورنر ہو گئے تھے۔ اُن دنوں ضلع گجرات شاہ دَوْلہ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ہندوستان کے بعض اضلاع آگرہ۔ متھرا وغیرہ میں سررشتہ تعلیم جاری ہو چکا تھا مسٹر ٹمپل نے اُسی کی مختصر نقل اپنے ضلع میں کرنی چاہی اور یوں تعلیم کے آفتاب کی پہلی کرن پنجاب میں ضلع گجرات پر چمکی۔ نہیں معلوم گجرات کے لوگوں نے اِس تقدم کا کچھ پاس کیا اور تعلیم کے اعتبار سے وہ ضلع پنجاب کے دوسرے اضلاع سے پیش پیش ہے یا نہیں۔ میں خیال کرتا ہوں۔ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ سیٹ آف گورنمنٹ (صدر مقام) نہیں ہے۔ مسٹر ٹمپل نے دہلی کالج سے جس کا اُن دنوں تعلیم کی دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا چھ مولوی طلب کیئے۔ بلائے تو تھے چھ مولوی۔ آئے پانچ مولوی اور ایک کٹھ ملا یعنی میں۔ جب اُس حالت میں کہ میں تازہ ولایت تھا ابھی کالج سے اُٹھا ہوا چلا آتا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا سب مستحضر[3] تھا۔ میں کٹھ ملا تھا تو اب سوائے حرف شناس کے میں اپنے تئیں کیا خیال کر سکتا ہوں۔ لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا (جاننے بوجھنے کے بعد کچھ بھی نہ جانے) میں اُس وقت کا لکھا پڑھا بے شک

[1] برابر ۱۲ [2] یکساں یکساں ۱۲ [3] حاضر فی الذہن ۱۲

بہت کچھ بھول گیا ہوں مگر پنجاب کے سفر کو نہیں بھولا اور وہ بھولنے کی چیز بھی نہ تھی عملداری کو بدلے
ہوئے کچھ ایسی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی - بھری برسات تھی ندی نالے اور نالے دریا ہو رہے تھے -
اور دریا سمندر - ٹرنک روڈ (شاہراہ) جاری تھی مگر چوں کہ پل نہیں بننے پائے تھے گویا کہ بند تھی اور
ان سب پر مزید اپنی نا تجربہ کاری نا داری اور بے سامانی - غرض وہ جو کتابوں میں سفر کی مذمتیں پڑھی
تھیں ان کی تصدیق ہو گئی اور تیئیس دن میں بمشکل دلی سے گجرات پہونچا - یہی نہیں کہ مجھ کو اس سفر کی
صرف صعوبتیں یاد ہیں - نہیں - چوں کہ منزل بمنزل کا سفر تھا - میں نے آتے جاتے راہ کے سارے
شہروں کو بھی دیکھا تھا - اور سب کی نہیں تو اکثر کی وہ اگلی حالتیں میری نظروں میں ہیں - ان میں سے ایک
تھا لاہور بھی ہے - ہر چند وہ دیکھنا اجمالی دیکھنا تھا - مگر پارلیمنٹ کے ان ممبروں کے مقابلے میں تو میں
اس کو تفصیلی ہی سمجھتا ہوں جن کو کسی مرض کی شکایت کی وجہ سے ڈاکٹر نے موسم سرما کے چند ہفتوں کے
لئے سفر بحری کی راے دی اور وہ ہندوستان کو دھر لپکے چند ہفتوں میں آئے بھی اور گئے بھی اور
روایت بھونچ کر گئے ہندوستان کے پیچیدہ معاملات میں راے زنی کرنے جیسے بڑے بوجھ بوجھکڑ
سنہ ۱۸۵۴ع کا دیکھا دیکھا میں نے لاہور کو اب یہ چوتھا برس ہے سر سید احمد خاں صاحب کے ایجوکیشنل
کانفرنس کی تقریب سے دیکھا یوں اگر کوئی مجھ کو لاکر لاہور کے سواد میں لاعلمی کی حالت میں چھوڑ دیتا تو میں
ہرگز نہ پہچانتا کہ دنیا میں کہاں ہوں کیا صرف لاہور میں اور لاہور کے بھی صرف مکانات میں یہ عظیم تغیر واقع
ہوا ہے - نہیں بلکہ انگریزی گورمنٹ کے حسن انتظام سے کل ہندوستان کی ہر بات میں حیثیت بدلی
ہوئی ہے - میں انگریزی عملداری میں ہندوستان کو ایسا خیال کرتا ہوں جیسے ایک بچہ جو ایک ہندوستانی پھوہڑ
دایہ کی گود میں نہیں جسے بچے کو روتا دیکھ کر بے تمیزی کے ساتھ دودھ پلا دینے کے سواے بچے کے
ضائع کر دینے کے بہت اور اس کے پالنے کا کوئی قاعدہ معلوم نہیں بلکہ وہ ایک زیرک اور ہوشیار تجربہ کار
ہنر مند دایہ کی کنار عاطفت میں سرسور گزٹ کے ایڈیٹر منشی سراج الدین کے رسالہ تعلیم کے اصول
کے مطابق پرورش پا رہا ہے - اور آناً فاناً اس کے جملہ اعضا اور قوی اپنی اپنی جگہ متناسب ترقی کر رہے
ہیں ہندوستان کے حالات ماضیہ اور موجودہ پر تفصیلی نظر ڈالی جائے اور ہر چیز بدلی ہوئی نظر آتی ہے الا مسلمان

کہ یہ اگر بدسے بھی تو ایسی قدر کہ بد سے بدتر ہو گئے مسلمانوں کی موجودہ حالت اگر ان کی سابقہ حالت کے
مقابلے میں ردی ہوتی تو کہتے کہ زوالِ سلطنت کی وجہ سے ہے اور اس کی شکایت کی کوئی وجہ نہ تھی لیکن
جس رعایت کی شکایت ہے وہ یہ ہے کہ جیسی رعایا یہ ویسی رعایا دوسری قومیں جو حقوق اِن کے - وہی
دوسروں کے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ اُن کے مقابلے میں ہیٹے ہیں تول میں عزت میں۔ تقربِ حکام میں۔
غرض ہر طرح کی دنیاوی رفاہ و خوش حالی میں۔

مجھ کو اپنے عنفوانِ شباب کی بات اب تک یاد ہے کہ از بسکہ عموماً اُس وقت تک مسلمان ہی
صدر الصدور ہوتے تھے ہماری طرف تو صدر الصدور کہتے ہیں۔ پنجاب میں نہیں جانتا انہیں کیا کہتے ہیں
(شیخ خدا بخش صاحب صدرِ جلسہ کی طرف اشارہ کر کے) آپ کا کیا عہدہ ہے؟ سب جج۔ تو ہاں صدر الصدور
ایسے تھے جیسے تمہارے ہاں سب جج۔ مگر مجھ کو تو کچھ صدر الصدوری کا لفظ پسند ہے۔ کیوں کہ بولنے اور
سننے میں بھلا معلوم ہوتا ہے اور سب جج ہو بھی نہیں سکتے غرض میں اُس زمانے میں ایسا خیال کرتا تھا
کہ صدر الصدوری کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے میں نے اول اول منشی کانجی سہائے کا صدر الصدور
ہونا سنا تو تعجب کیا کہ ہندو اور صدر الصدور۔ میں کیا جانتا تھا کہ ایک دن ایسا بھی مجھ کو دیکھنا ہے کہ
جیسے ہندو کے صدر الصدور ہونے پر تعجب کر رہا ہوں ویسا ہی مسلمان کے صدر الصدور ہونے پر
تعجب کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دن آ گیا اور نہیں آیا تو اور دس بیس برس بعد سہی۔

یوں تو رعیت اور غلام دونوں میں ایک صفت مشترکہ ضرور ہے یعنی پرائی تابعداری مگر رعیت
رعیت میں فرق ہے میں انگریزی رعایا ہونے کو آزادی کا مترادف سمجھتا ہوں لیکن فرض کرو رعیت
ہونا مشقت کی بات ہے۔ تو یہ جوا مسلمانوں کی گردن پر اب کم و بیش سو سوا سو برس سے رکھا گیا ہے
جب کہ یہی اور اس سے بھی زیادہ بھاری جوا کھنچتے کھنچتے دوسری اقوام معاصر کی پشتیں کی پشتیں فنا
ہو گئیں تو اس رو سے کس کو زیادہ خستہ حال اور مضمحل و ناتواں ہونا چاہیے اس کا جواب ہے دوسری
قوموں کو۔ مگر قضیہ منعکس ہے۔ انگریزی عملداری میں مسلمانوں سے زیادہ کوئی خستہ حال قوم نہیں۔

[1] اُلٹی بات ہے ۱۲۔

جب قوم کا نام آیا تو قوم عبارت ہی چھ کروڑ مسلمانوں سے جو برٹش[۱] انڈیا میں بود و باش رکھتے ہیں -
بیشک ہم میں بھی کوئی کوئی بڑے بڑے مالدار ہیں - کوئی کوئی بڑی سے بڑی خدمت رکھتے ہیں - کوئی
کوئی صاحب خطاب ہیں لیکن قوم میں یہ کوئی کوئی ہیں کتنے ؟ فی صدی بتاؤ تو آسانی سے سب کی
سمجھ میں آئے - سو میں ایک نہیں - آدھا نہیں - تہائی نہیں - چوتھائی نہیں - ایک پانچواں نہیں - غرض تم
اسی طرح ایک چھوٹی سے چھوٹی کسر بولتے جاؤ اور میں برابر نہیں کرتا رہوں - یہاں تک کہ تم کسور اعشاریہ
پر اتر پڑو اور میں ان میں بھی ایک بڑا لمبا سا کنکھجورا چلتا ہوا دیکھ کر کہوں کہ شاید -

قوم کا پھیلاؤ اور عموم خستہ حالی دیکھ کر کبھی جی چاہنے لگتا ہی کہ یہ کہاں کے معدودے چند
مستثنیات کلیئے کے بنانے میں خلل انداز ہو رہے ہیں یہ بھی نہ رہیں تو اچھا - تا کہ کہہ سکیں کہ مسلمان
سب کچھ تھے اور اب کچھ نہیں - تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تو ہم ہی کو کوسنے لگ گیا میں پانی پی پی کر
نہیں کوستا کہ تمہیں ڈر ہو بلکہ گرم چاے پی پی کر (لکچرار صاحب گلا تر کرنے کے لئے بار بار چاے پیتے جاتے تھے)
مسلمانوں کی سلطنت جا کر اگر کوئی ظالم اور وحشی گورمنٹ ان پر مسلط ہوتی اور ان کے مٹانے
کے درپے رہتی اور مسلمان اس نوبت کو پہونچ گئے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ خدا ہی کو ان کا نیست و نابود کرنا
منظور ہی اور اس صورت میں نہ کوئی کسی کو سمجھاتا اور نہ کوئی کسی کو الاہنا دیتا - مگر بڑا جھینکنا تو اسی کا ہی کہ
انگریزی گورمنٹ اس قدر مہربان اور اپنی رعایا کی اس قدر پرداخت اُس کو منظور کہ نہ صرف روئے
زمین کی موجودہ گورمنٹوں میں بلکہ تاریخوں میں اس کی نظیر نہیں اور اس پر مسلمان تباہ او خستہ حال
انگریزی عملداری میں مسلمانوں کی ایسی مثال ہی کہ ایک دریائے مواج بڑا بہ رہا ہی اور مردم و مرغ
و مور سب اپنے اپنے حوصلے کے موافق اُس سے سیراب ہوتے چلے جاتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ موسم
تابستاں[۲] میں دریا کی ریتی پر پیاسے پڑے تڑپ رہے ہیں ۵

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل	کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

غرض یہ ایک واقعہ ہی جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمان انگریزی عملداری کی برکتوں سے

۱ حکومت انگریزی ۱۲ ۲ گرمی ۱۲-

دنیا میں اسباب کا ایک سلسلہ قائم ہی الف کا سبب بے ہو اور بے کا سبب جیم - جیم کا دال وَ ھَلُمَّ جرًّا (یعنی علیٰ ہٰذا القیاس) مسلمانوں کی خستہ حالی کا سبب ہو زمانے کے ساتھ ساتھ ان کا نہ بدلنا - اب دیکھنا چاہیئے کہ نہ بدلنے کا سبب کیا ہی ؟ واقع میں تو نہ بدلنے کا سبب ہی کوتاہ اندیشی مگر عذر بدتر از گناہ کے طور پر چھدّا رکھا جاتا ہی مذہب پر سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ (سبحان اللہ یہ تو بڑے ہی بہتان کی بات ہی -

میرے نزدیک مذہبِ اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی - سب سے عمدہ - سب سے بڑی دلیل یہی ہی کہ وہ کسی دنیاوی ترقی - دنیاوی بہبود - دنیاوی فلاح کا مانع ہونا کیسا جارج اور مزاحم بھی تو نہیں - یہاں تک کہ سلطنت کا - جو اعلیٰ درجے کی دنیا ہی - کیا قرون اولیٰ کے مسلمان جن میں خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب بھی تھے رِضْوَانُ اللہِ تَعَالیٰ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ اور جو دین کے اعتبار سے ہم عارِ اسلام ع

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

مسلمانوں سے ہزاروں لاکھوں کروروں درجے بہتر تھے - وہ دین کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے - اور ہم سے بہتر اس پر عمل کرتے تھے کیا ان بزرگوں نے دنیا کی سلطنت کے لیئے زحمتیں نہیں اُٹھائیں جانیں نہیں دیں - جہاد فی سبیل اللہ کو صوم وصلوٰۃ پر مقدم نہیں رکھا - تم کہو گے کہ اُن کو سلطنتِ دنیا مقصود بالذات نہیں تھی - بالکل غلط - سوائے تمھارے کوئی اس کو تسلیم نہیں کرے گا اور تمھاری بھی زبان تسلیم کرے گی نہ دل - ہاں یوں کہو تو ایک بات ہی کہ اُن کو سلطنت سے شیخی - تن آسانی اور مردم آزاری - وَاَمْثَالُہَا یہ باتیں منظور نہ تھیں تو تم سے کون مسخرہ کہتا ہی کہ دنیا کو ان رذیلتوں کے لیئے حاصل کرو - ع

خود راز علمائے نکوہیدہ بری دار

دین ہی کیا چیز - شارع علیہ السلام نے جو قاعدے ٹھہرا دیئے ہیں اُن کے مطابق دنیا کو برتنا اسی کا نام دین ہی کیوں ہی یا نہیں - اگر دین کوئی اور چیز ہی تو از برائے خدا لول اُٹھو کہ اس بڑھاپے

میں تم ہی سے ایک بات حاصل ہوا اور میں سمجھوں کہ اس کرتا کے کے جاڑے میں دلی سے لاہور آیا تھا تو خیر ایک نکتہ ہی معلوم ہوا سہی جب دنیا کو شارع علیہ السلام کے قواعد کے مطابق برتنے کا نام دین ٹھہرا تو دنیا اور دین میں وہ نسبت ہو گی جو ہیولیٰ اور صورت میں جوہر اور عرض میں اصل اور فرع میں ہوتی ہے یعنی دنیا کے بدون دین متحقق ہو نہیں سکتا ہے

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو	اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل و جودِ محقق کہاں سے ہو	مصدر ہی جب نہیں ہے تو مشتق کہاں سے ہو
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست	مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کارِ دیں درست

امیری ہو یا غریبی۔ حاکمی ہو یا محکومی۔ عزت ہو یا ذلت دنیا سے تو کسی حالت میں نجات نہیں۔ امیر و غریب حاکم و محکوم۔ عزیز و ذلیل سبھی دنیادار ہیں مگر شانیں مختلف نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (ہم نے اس کی دنیاوی معاش ان میں بانٹ دی ہے اور درجے کے اعتبار سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے تاکہ ایک سے دوسرا کام لے)۔

اور جس طرح لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں ان کے دنیا دی برتاؤ کے قاعدے یعنی احکام شرعی بھی مختلف ہیں امیر کو جود و بذل ایثار و ہمدردی کا حکم دیا جاتا ہے تو غریب کو صبر و قناعت۔ تسلیم و رضا کا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے مقدور سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰهَا (اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس قدر جس کی اس کو طاقت دی ہے) لیکن خدا نے مسلمانوں کے خدا نے۔ خدا کے رسول نے؟ کب کہا کس سے۔ یہ سب جھوٹ۔ افترا۔ بے جا غلط کہ دنیا کے اعتبار سے ذلیل و محتاج اور خستہ و خوار رہو۔ اس سے کہ ایسی حالتوں کے لئے شرع میں احکام پائے جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ خدا ہم کو ان مکروہ اور قابل افسوس حالتوں میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ طب کی کتابوں میں امراض کے علاج لکھے ہوتے ہیں تو کیا ان کتابوں سے یہ غرض سمجھی جاتی ہے کہ مریض رہو۔ اسی طرح دین بھی طب روحانی ہے۔ اس میں کبر و نخوت۔ عجب و غرور حرص و ہوا وغیرہ۔

ہیں اب بھی پائے جاتے ہیں۔ دولت۔ حسب۔ نسب۔ حکومت وغیرہ بہت سے ذریعے عزت کے ہیں
مگر کوئی عزت اُس عزت کو نہیں پاتی جو انسان مذہب کے ذریعے سے پیدا کر سکتا ہے۔ بے شک مذہبی
عزت سب عزتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ اس کی تعظیم کو ایک طرح کی عبادت سمجھتے
ہیں اور اس کی عزت کی آڑ میں خدا کی عزت کرتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ پیغمبر صاحب کی بعثت کے
زمانے میں عرب کے لوگ شرک اور بت پرستی کے بُرے عقائد رکھتے تھے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کے بنائے
ہوئے خانہ خدا کے آگے سارا عرب بلا اختلاف سر جھکاتا تھا۔ حج ارکانِ معلومہ کے ساتھ بے شک اسلام سے
شروع ہوا مگر اسلام سے پہلے بھی لوگ ہر برس خانۂ کعبہ کی زیارت کو عبادت کے طور پر آتے۔ بڑا بھاری
ازدحام رہتا اور عرب کے میلوں میں وہی موسم حج کا میلہ اول نمبر تھا۔ اور از بس کہ خانۂ کعبہ کی کل خدمات
قریش سے متعلق تھیں۔ لوگ یہاں تک اُن کا ادب ملحوظ رکھتے کہ ذی الحج۔ محرم۔ صفر۔ اور رجب۔
امنِ عام کے چار مہینے چھوڑ کر باقی آٹھ مہینوں میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کو جان و مال
سلامت لے جائے۔ مگر قریش سے کوئی شخص کسی وقت متعرض نہیں ہوتا تھا۔ ان میں کا کوئی شخص
کہیں جا نکلتا تو لوگ سعادت سمجھ کر اُس کی مہمان داری کرتے۔ اور قریش سے اہلِ عرب کے دبنے کی
ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کا معبد اِن کے قبضے میں تھا جہاں اِن کو جانا ضرور تھا۔ اور موسم حج میں
تمام عرب گویا قریش کا مستامن[1] اور مہمان ہوتا تھا۔ غرض پیغمبر صاحب اُس قوم کے ایک فرد تھے۔
جس کا ادب مذہبی تمام عرب میں مسلّم تھا۔ اور قریش میں بھی بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں بھی عبد المطلب اور بنی عبد المطلب
میں سے خود آں حضرتؐ کہ اپنی جبلی راستی اور نیکوکاری کی وجہ سے عنفوانِ شباب میں محمدؐ امین پکارے
جاتے تھے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ اِس وقت بھی لوگ اپنے جھگڑے آپ کے پاس فیصلے
کو لاتے اور اگر کوئی پیچیدہ معاملہ پیش آتا اور بحث کی ضرورت ہوتی تو لوگ آپ کو آگے کرتے۔ ابتدا ہی سے
آپ کی طینت ایسی تھی کہ لوگ آپ کو راست بازی اور نیکی کا نمونہ سمجھتے اور آپ کی دیانت اور امانت پر بھروسہ
کر کے آپ کے پاس امانتیں رکھ جاتے ہیں اس کی بھی ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے میرے بیان

[1] پناہ گزیں ۱۲۔

ابھی طرح صداقت ظاہر ہوگی۔

ابھی آپ نے نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا کہ خانۂ کعبہ کو از سر نو بنانے کی ضرورت واقع ہوئی۔
خانۂ کعبہ بن تو گیا مگر اس امر میں اختلاف ہوا کہ ایسا کون ہے جو اُس مقدس پتھر گناہوں کے مقناطیس
حجر اسود کو دیوارِ کعبہ میں اپنے ہاتھ سے نصب کرنے کی بزرگی حاصل کرے۔ عرب میں اختلاف کے یہ
معنی نہ تھے جو ہمارے یہاں ہیں تُو تُو مَیں مَیں۔ یا کوئی ایسا ہی بے باک اور آبرو باختہ ہوا تو ہاتھا پائی۔
بلکہ عرب میں اختلاف اور اختلاف بھی ایسی فضیلت کے بارے میں کہ کوئی دنیاوی شرف اُس کو نہیں
پا سکتا۔ اس اختلاف کے یہ معنی تھے کہ کشتوں کے پشتے لگ جائیں بار سے وہ شرف اُسی کو ملا جو اُس کا
اہل تھا اور جس کے ہاتھ سے چند روز بعد دینِ حق کی بنیاد رکھی جانے کو تھی۔ یعنی لوگوں نے اتفاق
کر کے محمد امین کے ہاتھ سے وہ پتھر اُس کے محل پر نصب کرایا۔

جو شخص تمام عرب میں عزت و آبرو۔ وقار و ادب۔ تعظیم و تکریم کا مرکز ہو۔ یکایک خدا نے اُس کو اپنا
ایک خاص کام سونپا کہ وہ اُس کی الوہیت کو دنیا میں قایم کرے۔ اس کام کا بیڑا اُٹھانا بھِڑوں کے
چھتے کا چھیڑ دینا تھا ایک دم سے ساری موذی لپٹ پڑے اور جان کے لاگو ہو گئے۔ جو مدارات
پیغمبر کے ساتھ ہوئی اُس کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ ان نابکاروں نے بے حرمتی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں
رکھا۔ مُنہ پر تھوکا گلا گھونٹا۔ گالیاں دیں جس طرح اب کمینوں میں حُقہ پانی بند کر دیتے ہیں اسی طرح برادری
سے نکال دیا۔ حصہ بخرہ۔ لین دین۔ کھانا پینا۔ بول چال سب موقوف۔ شادی بیاہ رشتہ ناطہ سب
الگ پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ نماز پڑھ رہے ہیں۔ سجدے میں گئے۔ اونٹ کا اوجھ لا کر گردن پر ڈال دیا۔
جس رستے سے سویرے تڑکے نماز کو جاتے تھے۔ اس میں کانٹے بچھا دیئے کہ چُبھیں۔ خانۂ خدا میں آنے کی
مناہی بیٹھنے کی بندی یہ سب فسادات صرف ایک اتنی بات پر کہ لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلاتے
تھے وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (ان میں
عیب بھی پکڑا تو یہ کہ خدائے غالب قابل حمد پر ایمان لائے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے)۔
ایک بار آپ کو بیٹھے بیٹھے ابتدائے بعثت کی مصیبتوں کا خیال آ گیا اور آپ نے غالباً بعض صحابہ

کی تسکین کے لیئے اُس سفر کا مذکور کیا جو آپ کو ہجرتِ مدینہ سے پہلے طائف کی طرف کرنا پڑا تھا جب آپ کو
اہلِ مکہ کی طرف سے نااُمیدی ہوگئی اور اُن کی ایذائیں کسی تدبیر سے کم نہیں ہوتی تھیں تو آپ نے بمقتضائے
اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ (ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہی) اطراف و اکناف پر نظر دوڑائی اور
آپ نے خدا جانے کیوں رئیسِ طائف کی طرف یہ توقع کی کہ عجب نہیں میں جا کھڑا ہوں تو وہ مجھ کو دھکے
نہ دے۔ اور میں اُس کی پناہ میں چند روز بسر کرسکوں۔ اس خیال سے آپ محض بے سروسامان اور
بے سروسامان جانا چاہتے تو جانے بھی کون دیتا۔ غرض جیسے بیٹھے تھے اُٹھ کھڑے ہوئے باوجودیکہ مستامن [لہ]
کی حمایت اور مہمان داری عرب کا عام دستور تھا۔ مگر خدائے واحد کی طرف بلانے والے مجرم کو امن کہاں؟
اس نالائق رئیس طائف نے پناہ دینا تو درکنار۔ آمد سُن کر چند آوارہ نوجوان لڑکوں کو سنکار دیا ان بدمعاشوں
نے مہمان پر بے دریغ پتھر برسائے۔ پیغمبر صاحب کا بدنِ مبارک زخموں سے چور۔ اور دل نااُمیدی سے
شکستہ سواد کے ایک باغ میں جا بیٹھے۔ رنج و مسرت کے کیسے کیسے خیالات آپ کے دل میں آتے ہوں گے
جس پر وہ مصیبت گزری ہو وہی جانے۔ کہتے ہوں گے کہ اب کیا منھ لے کر مکے واپس جاؤں کے
میں سر چھپانا ہوتا تو میں طائف کا ارادہ ہی کیوں کرتا۔ کیا آپ کے اعوان و انصار نہ تھے؟ تھے مگر مذہبی
پیچ ایسا آ کر پڑا تھا کہ جو زیادہ قریب تھا وہی سب سے بڑھ کر دشمن تھا ؎

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا	موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

آپ اس رو و رعایت کو بھی اس قدر ترس گئے تھے کہ پکارے کہتے تھے لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى بھائیو میں تم سے اس بات کے صلے میں کچھ معاوضہ تو نہیں چاہتا
مجھ کو پاسِ قرابت کا معاوضہ بھی بس کرتا ہی۔
باوجودیکہ کوئی اتفاق مساعد نہ تھا آپ اس اعلیٰ درجے کے صبر و استقلال کے ساتھ جو پیغمبر
کے سوائے کسی فردِ بشر سے ہو نہیں سکتا عموم مزاحمت میں اپنی رسالت کی تبلیغ اور خدائے واحد کی
مُنادی کرتے ہی رہے۔ یہ وصف خدا نے حقانیت ہی میں دیا ہی۔ کہ زمین قابل نہ ہو۔ نہ ہو۔ آپ وہوا

لہ امن لینے والا ۱۲۔

سازگار نہ ہو۔ نہ ہو۔ کہیں بھی حقانیت کے بیج کو ڈال دو۔ وہ جمے گا پر جمے گا۔ آخر کتنے کتنے جن دلوں
میں قبولِ حق کی استعداد تھی گرویدہ ہونے لگے۔ کچھ بوڑھے ایک آدھ نوجوان۔ کچھ عورتیں۔ کچھ غلام۔
کچھ اطفال۔ کچھ مفالیش۔ اسلام جس طرح پر بتدریج پھیلا۔ اُس کا پھیلنا ہی اُس کی صداقت کی بڑی
دلیل ہے۔ وہ بالکل طبعی طور پر پھیلا۔ اس کے جھنڈے کے تلے سب سے پہلے وہ لوگ آئے جن کو
دینِ حق کے اختیار کرنے سے ثروت۔ حکومت۔ شہرت۔ نام ونمود۔ اس قسم کے دنیاوی تعلقات مانع
نہ تھے۔ اس نے سچی اور مستحکم رفارم کی طرح پیغمبر صاحب کے گھر میں نمو پکڑا۔ اور اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ
کے قاعدے کے مطابق پھیلتے پھیلتے آخرکار مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا کو جا دبایا۔

اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہ تھی کہ معترض کہتے پہلے اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ
نیشنل کانگرس کا کئی برس بڑا شور وغل رہا۔ اور اب بھی ہے مگر مدھم اور روز بروز اس کو مدھم ہو کر آخرکار
بند ہونا چاہیے۔ اور وہ بند ہوتا نظر آرہا ہے۔ مسٹر ہیوم کو جو اس کے بانی مبانی ہیں۔ گو برائے نام
روک لیا گیا ہے۔ مگر وہ دست برداری کر چکے ہیں۔ پنڈت اجودھیا ناتھ۔ بیچارے مر ہی گئے۔ اور
یہی دو اس میں کارندے تھے۔ غرض نیشنل کانگرس کے مخالف جہاں اس پر اور بہت سے اعتراضات
وارد کرتے تھے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ لاجواب اعتراض یہ تھا کہ اگر کانگرس والوں کو
حقیقت میں سچے دل سے رفارم کی دھن ہے تو پہلے اپنے گھر والوں کی رفارم کریں۔ اس کے بعد
گورنمنٹ کو رفارم کی صلاحیں بتائیں۔ فرش مثل ذاتی سلف۔ ای طبیب پہلے تو اپنے تئیں تو اچھا
کرے۔ پھر بیمار کے اچھا کرنے کا قصد کیجیو۔

ہندو اپنے بچوں کو بہت ہی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیتے ہیں جس سے بیوہ عورتوں کا شمار بڑھتا
جاتا اور نسلیں کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بیوہ عورت کو دوسرا بیاہ نہیں کرنے دیتے۔ جس سے ان کو
ساری عمر مصیبت مند زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ جبراً بیوہ کا سر منڈوا کر اس کو بدصورت بنا دیتے ہیں۔
کیسی ہی ضرورت سے کوئی سفر بحری کرے۔ برادری سے خارج۔ کھانے پینے میں حد سے زیادہ

سلہ جمع مفلس ۱۲ سلہ قریب تر پھر قریب تر ۱۲ سلہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو ۱۲۔

جھوٹ مانتے ہیں۔ بت پرستی جو تمام بداخلاقیوں کی جڑ ہے بڑے اصرار کے ساتھ اس پر جمے بیٹھے ہیں۔
غرض کانگرس کے مخالفین نے اس قسم کے اعتراضات کی ایک بڑی لمبی فہرست بنا کر پیش کردی۔
اور کہا کہ تمھارے گھر میں ماچیونٹی بھرے کباب۔ پہلے ان کو صاف کرو پیچھے گورمنٹ کی رفارم کا نام لو۔
بے شک اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا تھا۔

سو الحمد للہ کہ اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہیں تھی۔ کہ کسی کو یہ کہنے کا
موقع ملے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ۔ میں نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے اسلام کی اُس وقت تک
پوری پوری قدر نہیں کی جب تک ایک مولوی اور مولون کو اپنے کانوں لڑتے نہیں سُن لیا۔ نہیں
معلوم کس بات میاں بی بی میں تکرار ہو پڑی۔ اور گوشت ترکاری کے سوا وہ بات ہی کیا ہوگی۔
مولوی صاحب بی بی سے اُس ادب کے خواستگار تھے جس کو وہ از روئے مولویت اپنا حق سمجھتے
تھے۔ مولون بگڑی ہوئی آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ موئے تیری مولویت کو لگاؤں جھلسا۔ چلا ہے مجھی
سے مولویت جتانے۔ میں تیرے رگ وریشے سے واقف ہوں۔ اب کے وعظ کہہ۔ قنات کے اندر
سے تیرا اسرار پردہ فاش کروں تو سہی۔ آدمی کتنا ہی ضابط کیوں نہ ہو۔ اس کی اصلی حالات گھر والوں
سے مخفی نہیں رہ سکتی اَهْلُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِي الْبَيْتِ (گھر والے گھر کے حال سے خوب واقف
ہوتے ہیں) اس پہلو سے دیکھا جائے تو آدمی وہی بڑا سچا ہے جس کو اس کے گھر والے سچا مانیں۔
پیغمبر صاحبؐ کی اس وقت کی حالت۔ اہل عرب کا طرز تمدن جس میں زناشوئی کے تعلق کی کچھ وقعت
ہی نہ تھی۔ اور پھر مذہبی معاملہ۔ یہ سب باتیں پیش نظر ہوں۔ تو خدیجۃ الکبریٰؓ کا ایمان لانا سب پر
تفوق[1] رکھتا ہے۔ خدیجۃ الکبریٰؓ بڑی مال دار بی بی تھیں۔ اور پیغمبر صاحب کی دنیاوی وجاہت متفرع
تھی ان ہی کے تمول پر کہ اُنھوں نے پیغمبر صاحبؐ کو اپنا معتمد بنا کر تجارت کے لئے شام کی طرف روانہ
کیا تھا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ کا میکا دین دار میکا تھا۔ اور اُن کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کتب عہد
عتیق[2] و جدید یعنی توریت و انجیل کے بڑے عالم تھے خدیجۃ الکبریٰؓ عمر میں پیغمبر صاحب سے پندرہ برس

[1] فوقیت ۱۲ [2] مراد ہو انجیل سے پہلے کی کتب آسمانی توریت زبور و صحف انبیاء وغیرہ ۱۲۔

بڑی بھی تھیں ایسی عورت کا اپنے تئیں پیغمبر صاحب کی زوجیت میں دینا اور انکے مذہبی خیالات کی نگرانی رکھنا اور آخر کار ان کی نبوت کو تسلیم کرنا کیا کم وقعت رکھتا ہے مجھے تعجب ہے کہ مسلمان پیغمبر صاحب کی صداقت جتانے کو نصاریٰ کے اقوال سے استشہاد کرتے ہیں۔ کون گبن؟ کیسا ڈیون پورٹ، جارج سیل کیا چیز ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی شہادت بھی خدیجۃ الکبریٰ کی شہادت کے مقابلے میں کچھ وزن رکھتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ میں صاحب تصنیف ہوں۔ اگرچہ میں اسے قابل فخر نہیں سمجھتا۔ میری کتابوں کے ساتھ سر ولیم میور کی رائے لکھی ہوئی ہے مجھے اُس سے کچھ خوشی نہیں۔ اگر کوئی ادنیٰ زبان داں مسلمان بھی میری کتابوں کو پسند کرے تو میں اس سے زیادہ خوش ہوتا ہوں۔ کیا لور پول کے مسلمانوں کی شہادت بھی خدیجۃ الکبریٰ اور صحابہؓ کبار کی شہادت گئی گزری ہوئی ایسے استشہاد تو کچھ مسٹر شاہ دین بیرسٹرایٹ لاہی کو بھاتے ہوں گے۔ میری نظر میں تو اُن کی وہ قدر و وقعت ہرگز نہیں جو خدیجۃ الکبریٰ کی شہادت کی ہے اور جو درحقیقت بڑی قدر و وقعت کے قابل ہے۔

غرض اس طور پر طبعی رفتار کے مطابق مسلمانوں کا گروہ چپکے چپکے دو دو چار چار کرکے روز بروز زیادہ ہوتا گیا۔ قاعدہ ہے کہ ابتدا میں بڑا جوش ہوتا ہے جس نے حال میں نماز شروع کی ہے۔ وہ فرائض سے بڑھ کر نوافل کا اہتمام کرتا ہے جس نے پڑھنے کا نیا شوق کیا ہے۔ دن بھر سبق پڑھتا رہتا ہے۔ اسی طرح اُس زمانے میں بھی بعض ایسے جلدباز اور زود فربہ زود لاغر مزاج کے لوگ داخل اسلام ہوئے تھے کہ خروج کے لیے بے قرار تھے۔ مگر پیغمبر صاحبؐ ان کو روکتے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے چپکے چپکے اللہ اللہ کیا کرو۔ اتنا ہی بس ہے۔ پیغمبر صاحب کے مکے رہتے رہتے اسلام نے ترقی تو کی۔ مگر وہی ترقی مغلوبانہ کہ جو جہاں تھا اپنی جگہ چھپا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جس میں پیغمبر صاحب کے چچا بیٹی داماد بھی تھے۔ اپنا دیس چھوڑ حبشے کو ہجرت کر گیا۔ مخالفین اس ترقی کو بھی نہ دیکھ سکے اُنھوں نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ جب ان کا شمار بڑھتا جاتا ہے تو اُن کا ضعف عارضی ہے ع

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

جب سب طرح سے ہار گئے تو آخر الامر یہ ٹھہرائی کہ پیغمبر ہی کا کام تمام کریں وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرنا چاہتے تھے کہ تم کو قید میں ڈال دیں یا مار ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔ لوگ بھی مکر کرتے تھے اور خدا اپنی تدبیر میں لگا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے) یہ منصوبے ہی کرتے رہے۔ اور پیغمبر صاحب ایک دن اور دو رات پاس کے پاس غار ثور میں چھپے رہ کر اپنے انصار میں مدینہ جا داخل ہوئے۔ ہجرتیں ایک چھوڑ دو دو پہلے بھی ہو چکی تھیں مگر یہی وہ بڑی ہجرت ہے جس سے مسلمانوں کا سنہ چلا۔ اور واقع میں وہ واقعہ اسی یادگار کے قابل تھا اب اسلام میں ذرا جان سی آچلی۔ اور وہ یا تو ٹھٹھرا ہوا بے حس و حرکت پڑا تھا یا اب لگا کلبلانے اور پھر تو رفتہ رفتہ اُس نے وہ جولانیاں کیں کہ تمام روئے زمین کو ہلا مارا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے بزور شمشیر اپنی سلطنت قائم کی تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہمیشہ سلطنتیں بزور شمشیر قائم ہوا کی ہیں۔ کیا اوروں کی سلطنتیں سلطنتیں تھیں اور اُن کو زور شمشیر درکار تھا۔ اور ان کی سلطنت بھیک کا ٹکڑا تھا کہ کہیں سے مانگ کر لے آتے یا کنکر پتھر تھے کہ پہاڑوں سے جا کر اُٹھا لاتے۔ سدا سے سلطنت کا یہی قاعدہ رہا ہے اور سدا کو یہی رہے گا جس کی لاٹھی۔ اُس کی بھینس مسلمانوں کی سلطنت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں مگر ہاں یہ کہنا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا واقعات تاریخی کو جھٹلانا ہے اسلام کو مسلمانوں کی سلطنت سے بے شک بڑی مدد پہنچی لیکن کون سا مذہب سلطنت کی مدد سے نہیں بڑھا ہم کو تاریخ سے استشہاد کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہر چند برٹش گورنمنٹ مذہبی نیوٹریلٹی کا دعویٰ کرتی ہے اور وہ نیوٹرل ہے بھی۔ مگر جو خفیہ امداد عیسائیت کو صرف اتنی بات سے پہنچ رہی ہے کہ وہ حکام وقت اور وہ قوم با اقبال کا مذہب ہے ہر منصف آدمی اپنے دل میں اُس کا اندازہ کر سکتا ہے آج دیکھئے عیسائیت کو اگر ابتدا میں روم کے بادشاہ کنسٹنٹائن نے متعصبانہ اس کی امداد نہ کی ہوتی۔ آج دیکھئے عیسائیت کو اگر اہل یورپ اس کے معتقد نہ ہوئے۔ یا ہوتے اور برسر ترقی نہ ہوتے

له داغ تعصب سے کنفری ملی ہے ۱۲

آج دیکھتے پنجاب میں سکھوں کے مذہب کو اگر ان کی سلطنت نہ ہوئی ہوتی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ دنیا اور دین دو سوکنیں ہیں۔ اگر دنیا دین کی سوکن ہے تو ایسی کن ہے کہ بے اس کی مدد کے دین بی بی کے سر کو کبھی اوڑھنی بھی نصیب نہیں ہوئی اور ساری عمر دین بی بی کو دنیا بی بی کا اُتارن ہی پہنتے گزری۔ تو محفل میں منہ دکھانے قابل بھی ہوئیں۔

کسی ایک مذہب کا نشان دو جس نے کسی زمانے میں کسی ملک میں بدون دنیا کی مشارکت کے ترقی پائی ہو۔ تو اسلام بیچارے نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کو بے وجہ نکّو قرار دیا جائے۔ لیکن سمجھے رہو کہ تمکن اور ترقی دو چیزیں ہیں جیسے درخت کی دو حالتیں۔ ایک جڑ پکڑنا اور ایک پھیلنا۔ پھولنا۔ پھلنا۔ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ (جیسے روئید گی کہ پہلے اس کی کونپل نکلتی ہے۔ پھر اس کو تائید پہونچی تو ٹیپ کر موٹی ہوئی اور اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر تعجب کرنے) سو اگر سچ پوچھتے ہو تو اسلام نے جڑ تو اسی وقت پکڑا ہی تھی جب مسلمانوں کو نہ زور کا بل تھا نہ زر کا۔ یہ اعتراض۔ ناحق کا اعتراض کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ اگر تامل کیا جائے تو خود اسی اعتراض میں اس کا جواب بھی موجود ہے۔ تم کہتے ہو بزور شمشیر اسلام پھیلایا گیا۔ بہت خوب۔ تلوار نے تو لوگوں کو مسلمان کیا۔ لیکن تلوار کو کس نے مسلمان کیا۔ یعنی تلوار فی نفسہا کوئی چیز نہیں۔ بزور شمشیر اسلام کے پھیلانے کے یہ معنی ہوئے کہ تلوار چلانے والے اسلام کے حامی ہوئے۔ مگر میں پوچھتا ہوں تلوار چلانے والوں کو اسلام کی حمایت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ تم اس کا کیا جواب دے سکتے ہو۔ مجھ سے سنو۔ آمادہ کیا اس کو ایک تلوار نے جو گوشت و پوست پر نہیں۔ رگ و پے پر نہیں۔ مغز و استخوان پر نہیں۔ بلکہ سویدائے قلب پر کاٹ کرتی ہے۔ یعنی وہ نفس انسانی جس میں خدا تعالیٰ نے قبول حق کی استعداد کو ودیعت رکھا ہے۔ یہ تلوار شروع سے اسلام کی حامی ہوئی۔ اور مجھ کو اس کے کہنے میں ذرا بھی باک نہیں اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

اسلام کو اگر صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹے ہوئے مدتیں ہوئیں تلوار کے چھوٹنے سے سلطنت گئی۔ حکومت گئی۔ عزت گئی۔ خوش حالی گئی۔ فارغ البالی گئی۔ اسلام کی رونق گئی

شان گئی مگر اسلام کا ایک بار دل میں اُترنا شرط ہی۔ پھر جائے جان رہے ایمان۔

جناب پیغمبر صاحب نے اپنے عہد کے تمام ملک و سلاطین کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط جاری کیئے تھے۔ ان میں سے ایک خط ہرقل روم کے نام کا بھی تھا۔ اُس نے خط پاکر حکم دیا کہ دیکھو عرب کے لوگ اس شہر میں تجارت کے لیئے اکثر آتے رہتے ہیں۔ اگر ہوں تو اُن کو حاضر کرو چنانچہ جتنے عرب نظر پڑے۔ سب کو ہرقل کے حضور میں لے گئے اُن میں سے رئیس قریش ابوسفیان بھی تھے۔ جو اُس وقت تک اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے ہرقل نے پیغمبر صاحب کی نسبت ان لوگوں سے بہت سے سوالات کیئے۔ اہل عرب نے ابوسفیان کو جواب کے لیئے اپنا پیشوا بنایا۔ ابوسفیان کا بیان ہی کہ اُس وقت تک میرے دل میں پیغمبر صاحب کی طرف سے کینہ کی توتھی ہی۔ بار بار میرے دل میں آتا تھا کہ پیغمبر صاحب کی نسبت خلاف واقع کچھ کا کچھ کہہ دوں مگر ساتھیوں کے ڈرسے اور اپنی ذاتی وقعت کے لحاظ سے جھوٹ تو نہ کہہ سکا۔ تاہم ایک آدھ بات چبا ہی گیا۔ ہرقل کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جو لوگ جدید مذہب میں آجاتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی مرتد[1] بھی ہوا ہی۔ ابوسفیان نے کہا نہیں تو ہرقل نے ابوسفیان کے ہر ہر جواب سے پیغمبر صاحب کی صداقت استنباط کی چنانچہ اس عدم ارتداد کے بارے میں کہا "حق کا قاعدہ ہی جب ذہن نشین ہو جاتا ہی۔ پھر جی سے نہیں نکلتا"

یہ حدیث جس میں سے میں نے ایک ذری سی بات بیان کی بڑے عزے کی حدیث ہی ہرقل کے سوالات اور ابوسفیان کے جواب۔ اور پھر ہرقل کا استنباط[2] قابل دید ہی۔ مگر حدیث اتنی بڑی ہی کہ سارا کو بیان کرنا چاہوں تو بہت سا وقت وہی لے لے اور میں سمجھتا ہوں کہ منشی شمس الدین ابھی کھسر پُسر کر رہے ہیں اور کہتے ہوں گے کہ کہیں یہ ختم کرے تو چندے کی کارروائی شروع ہو (جواب دیا گیا کہ آپ جو چاہیں فرماتے چلے جائیں) لہذا میں نے اس کی اسی ایک بات پر اقتصار کیا کہ اگر اسلام کو صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹے ہوئے مدتیں ہوئیں۔ کتنے مسلمان مرتد ہوئے مسلمانوں کی مردم شماری کے سامنے اس کا جواب سکوت یا انکار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہی؟

[1] یعنی مسلمان ہو کر پھر اسلام سے پلٹ جانا ۱۲ [2] نتیجہ نکالنا ۱۲

دو دو تین تین۔ لباس کی یہ بری حالت کہ لے دے کر ایک بوسیدہ کمبلی وہ بھی اس قدر مختصر کہ سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ سے پکڑتے ہیں تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ سارے دن رات میں کھانے کو ملا کیا؟ ایک کھجور۔ کہاں تک آدمی ایک کھجور کے سہارے سنبھالا رکھ سکتا ہے۔ جہاد کو چلے ہیں نہ سواری نہ ہتیار۔ پیروں میں چیتھڑے بندھے ہوئے اور اس مشقت پکھانے کو درختوں کے پتے۔ غرض مفلسی یہی کہ ہم لوگ اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ ایسی حالت ہم میں سے کسی پر گزری نہیں۔ ایک وقت وہ تھے۔ اور پھر خدا نے اپنا فضل کیا تو بحرین[1] سے محاصل آیا۔ پیغمبر صاحب صبح سے بانٹنے کو بیٹھے اور لپیں اور جھولیاں بھر بھر کر لوگوں کو دینا شروع کیا۔ جوار۔ باجرا نہیں۔ سونا چاندی۔ تو بانٹتے بانٹتے شام ہوگئی۔ ایک حضرت عباسؓ کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اُنھوں نے انبار کثیر دیکھ کر اپنے لیے اتنا سمیٹا کہ اکیلے اُٹھا نہ سکے۔ پیغمبر صاحب سے کہا کہ اُٹھوا دو۔ آپ نے انکار کیا۔ ناچار کئی بار اس میں سے تھوڑا تھوڑا کم کرکے آخر جتنا لے جا سکے لے گئے۔

جیسے ہم ان مسلمانوں کی ابتدائی مفلسی کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ ان کا تمول مابعد بھی قیاس میں نہیں آتا۔ آخر آخر مدینے میں یہ حال ہوگیا تھا کہ لوگ خیرات کے روپے لیے لیے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نظر نہیں آتا تھا۔

غرض ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد اسلام کی حالت میں جو اختلاف واقع ہوا ایک تو فقر و غنیٰ کا تھا۔ دوسرا خوف و امن کا۔ تیسرا ذلت اور عزت کا۔ چوتھا محکومیت اور حکومت کا۔ اسی طرح اختلافات اَور بھی تجویز کرلیے جا سکتے ہیں۔ مگر جس کو اصلی نیکی کہتے ہیں اور جو اسلام کا اصل اصول ہے اس میں عسر[2] و یُسر۔ صلح و جنگ کسی حالت میں کبھی رتی برابر فرق نہیں آیا۔ دشمنوں سے لڑتے تھے تو کیوں کر۔ اگرچہ مشہور ہے کہ الحرب[3] خُدعة اور جیسے دیکھو لڑائی کے موقع پر جھوٹ۔ فریب کر دغا سے نہیں چوکتا۔ پر جناب پیغمبر صاحب نے نہ کبھی دغا کی۔ نہ کبھی جھوٹ بولے۔ نہ کبھی عہد توڑا۔ نہ کبھی ناحق کے سر ہوئے۔ نہ ظلم کیا۔ نہ بیجا سختی کی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان ایسے پیغمبر کی امت۔

---

[1] ایک مقام کا نام ہے ۱۲ [2] تکلیف و راحت ۱۲ [3] لڑائی ایک مکر ہے ۱۲

ایسے اسلام کے معتقد پھر ان میں یہ خشونت۔ یہ سختی کہاں سے آگئی۔ ہو نہ ہو یہ اُسی خبیث سلطنت کا اثر ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عضوض[1] فرمایا کرتے تھے گندگی تو خدا نے دور کی۔ اُس کی عفونت باقی چلی جاتی ہے۔

عیسائیوں میں تو باوجودیکہ ہم پر حکمرانی کر رہے ہیں عام شکایت ہے کہ مسلمانوں میں ٹالریشن۔ (تحمل) بالکل نہیں یعنی دوسرے مذہب والوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہندو بھی ہم سے مطمئن نہیں۔ اور جب کبھی ہنگامے اور خانہ جنگیاں واقع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی اگر زیادتی نہیں ہوتی تو مسلمان کچھ اُٹھا بھی نہیں رکھتے۔ غرض دوسری قوموں کا یہ عام خیال ہے اور بے وجہ۔ بے سبب نہیں کہ مسلمانوں کا اگر سر کچلا ہوا نہ ہو تو یہ نچلے بیٹھنے والے نہیں۔ اپنے گھروں میں بیٹھ کر اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے سے کیا ہوتا ہے۔ ذرا گورنمنٹ سے پوچھو وہ کیا خیال کرتی ہے۔ وہ فوج اور پولیس اور فوجداری کے انتظام میں مسلمانوں کی آبادی پر نظر کر لیتی ہے۔ اگر مسلمان زیادہ ہوتے ہیں تو اُس کو یہ قہربانی انتظام قوت اور سختی کے ساتھ کرنے پڑتے ہیں اور نہ کرے تو کام بھی نہ چلے۔ فوجداری اور جیل خانوں کی رپورٹیں پڑھو تو معلوم ہو کہ مسلمان کس قدر جلد لاٹھی پونگے پر اُتر پڑنے والے لوگ ہیں۔ شروع شروع میں مجھ کو بھی ایسا خیال آیا کرتا تھا کہ اب دوسری قوم ہندوستان پر مسلط ہے اور تعلیم بھی عام ہوتی جاتی ہے عجب نہیں رفتہ رفتہ ہندو مسلمانوں میں التیام[2] ہو جائے۔ مگر میں دیکھتا ہوں پہلے سے بہت زیادہ پھوٹ بہت زیادہ بدگمانی۔ بہت زیادہ نفرت۔ بے شک تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ دونوں قصوروار ہیں اور دونوں کو قصوروار ہونا چاہیئے۔ مگر مجھ کو ہندوؤں سے کہنے کا کوئی منصب نہیں۔ کوئی حق نہیں اور کہوں تو وہ میرا کہا بھی کیوں کرنے لگے۔ پس میں تو اے مسلمانو! تم ہی کو سمجھا سکتا ہوں۔ اور تم ہی کو سمجھاتا ہوں کہ از برائے خدا وقت کو دیکھو۔ وقت کے تقاضے کو دیکھو۔ اور اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی نہ مارو۔

اگر خدا نے انسان کو ایسا بنایا ہے۔ اور بے شک ایسا ہی بنایا ہے کہ وہ ابنائے جنس کی مدد کا

[1] اصل معنے گزندہ مگر مراد ہیں ایذادہ [2] ملاپ ۱۲۔

محتاج ہی تو ابنائے جنس کا انحصار اپنے ہی کنبے اور اپنے ہی خاندان - اپنی ہی قوم - اپنے ہی ہم مذہبوں میں نہیں ہی بلکہ ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگراند	کہ در آفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنتِ دیگراں بے غمی	نشاید کہ نامت نہند آدمی

اور یہ تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہی - کہ جب ضد اور مخالفت درمیان میں آئی تو امداد و استمداد کا سلسلہ منقطع ہوا اور اے کاش دو مخالف اسی پر بس کریں کہ ایک دوسرے کو مدد نہ دیں - نہیں ایک دوسرے کو مدد دینے کے عوض نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں -

ہم مسلمانوں کو زوالِ سلطنت کی وجہ سے جو اضطراری نقصان پہونچ گیا ہی وہ کیا کم ہی - اور اسی سے ہم کب پنپ سکتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ناحق کی عداوتیں مول لے کر اپنی خرابی کے درپے اور بڑے بڑے بھاری نقصانات پلے باندھیں - اکثر لوگ یہ کہ کر اپنے سر کا جھنڈا اُتارنا چاہیں گے کہ ایسی حرکات ناشائستہ صرف اُن چند مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں جو عوام کالانعام[1] ہیں - لیکن کیوں دائی سے پیٹ چھپانا چاہتے ہو مجھ سے زیادہ مسلمانوں کے رجحانِ طبیعت کو کوئی کیا جان سکتا ہی مسلمانوں کے مزاج کی افتاد کچھ ایسی بُری پڑی ہی کہ جن میں بگاڑ کا مادہ نہیں ان میں بناؤ کا بھی نہیں اور وقت کا تقاضا یہ ہی کہ ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

وَلِلّٰہِ ھِرٌّ ثَوَابُ فَکُنْ فِیْ ثِیَابِہٖ	کَلُبْسَتِہٖ یَوْمًا اَجَدَّ وَاَخْلَقَا
فَکُنْ اَکْیَسَ الْکَیْسٰی اِذَا کُنْتَ فِیْہِمْ	وَاِنْ کُنْتَ فِی الْحَمْقٰی فَکُنْ اَنْتَ اَحْمَقَا

جہاد کا لفظ کچھ ایسی گھڑی کا اِن کے کانوں میں پھونکا گیا ہی کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے بھلے آدمی مزاج سے

[1] عام لوگ مثل چارپایوں کے ہوتے ہیں ۱۲ [2] زمانے کے لیئے کپڑے ہیں ان میں تو بھی رہ ۱۲ [3] اسی کا سا لباس کہ ایک دن نیا ایک دن پُرانا ۱۲ [4] پس اگر دانشمندوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو بڑا بوجھ بوجھکڑ بن ۱۲ [5] اور اگر احمقوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو بھی احمق بن جا ۱۲ -

شمشیر سے اور کچھ نہیں تو قلم سے بیٹھے جہاد کر رہے ہیں یعنی اَور ادیان کا رد۔ اور کیا میں نے تمثیلاً اور استعارۃً مناظرۂ مذہبی کو جہاد سے تعبیر کیا۔ نہیں لوگ ان کو اسی مناظرے کی وجہ سے مجاہد فی سبیل اللہ کہتے اور لکھتے ہیں۔

میں نے یہ بڑا خطرناک مضمون اختیار کیا ہے۔ اور میں اچھی طرح سمجھا ہوا ہوں کہ اُسی وقت سے میری تکفیر کی تجویزیں سوچی جا رہی ہوں گی۔ لیکن مجھ کو اسی قدر بس کرتا ہے کہ میں اپنے پندار میں مسلمانوں کی بہتری کی صلاح اِن کو دیتا ہوں۔

لوگوں میں باہمی بگاڑ کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں اور میں جانتا ہوں ان میں سے ایسا قوی سبب جو تسمہ لگا نہیں رکھتا نہیں رکھتا دین کا اختلاف ہے۔ یہ میل جول چھوڑا دے۔ یہ آپس میں شادی بیاہ نہ ہونے دے۔ یہ ایک جگہ مل کر بسنے نہ دے اور حد سے بڑھ جائے تو ایک کو دوسرے کی جان کا دشمن بنا دے۔ بے شک انسان کی نالائق خواہشوں نے بھی دنیا میں بہت خونریزی کرائی ہے۔ مگر مذہب سب سے زیادہ سفاک ہے اور یہ ایک واقعہ ہے تاریخی جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کتنے نفوس قدسی ہیں (اپنے دیکھنے میں تو آیا نہیں) جو دین کے اختلاف کو اُسی کے دائرے میں محدود رکھیں اور معاملاتِ دنیا میں اُس کو متجاوز نہ ہونے دیں۔ وہ تو بیرسٹر وکلا اور مختار ہی ہیں۔ کہ دو مخالف فریقوں کے ریپریزنٹیٹو بن کر ایسی بُری طرح لڑتے ہیں کہ بھٹیاریاں کیا لڑتی ہوں گی اس وقت تو ایسا خیال ہوتا ہے کہ ان میں آپس میں صاحب سلامت بھی نہ ہوتی ہوگی۔ مگر ان کی لڑائی اسی کمرے کے اندر تک ہے جس میں تمام فسادات کی جڑ وہ حاکم بیٹھا ہے۔ پھر جوں ہی کمرے سے باہر نکلے وہ ایک دوسرے کے ویسے ہی دوست ہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں۔ مگر مذہبی لڑائی کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ ابدی نفرت اور عداوت قائم کر دیتی ہے۔ نہ صرف دو مخالفوں میں۔ بلکہ ان کی نسلوں میں۔ تو بھائیو اگر تم کو غیروں میں رہنا ہے اور ضرور رہنا ہے اور اگر تم کو غیر قوموں میں سے کچھ فائدے پہونچنے ممکن ہیں اور ضرور ممکن ہیں۔ اور تم اِن فائدوں کے محتاج ہو اور ضرور محتاج ہو تو لڑائی کی بات بھول کر بھی مذکور نہ کرو۔ خاص کر مذہبی لڑائی

لہ [illegible] وکیل ۱۲

یہ آگ سلگائے سے بھڑک اُٹھے گی اور بھڑک اُٹھے گی۔ تو تم بیچارے غریب جھونپڑوں کے رہنے والے ٹھہرے۔ تمہیں کو پہلے جلا ئے گی بھی۔

تمہارے دل میں جو خدشے گزر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں اور میں تم کو موقع نہیں دینا چاہتا کہ میرے گئے پیچھے وہ خدشے مذکور ہوں۔ اور میری طرف سے کوئی اتنا نہ ہو کہ تمہاری تسلی کر دے۔ تمہارا خدشہ بجا ہے اور تم کہہ سکتے ہو کہ ؎

کرتے جوں کو وہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت		پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو

تم کہہ سکتے ہو کہ اول تو ہماری طرف سے ابتدا ہوئی نہیں اور جو ہوئی تو تمہارے کہنے سے آئندہ احتیاط کریں گے لیکن لوگ جو بیٹھے بٹھا ئے حملے کریں اور چھیڑیں تو کیا اس کے جواب سے بھی گئے گزرے ہوئے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ کھلم کھلا ہمارے سچے اور پاک مذہب کی توہین کریں اور ہم بیٹھے سنیں۔ بزرگانِ دین کو بُرا کہیں اور ہم کو بُرا نہ لگے۔ تو کیا تمہاری یہ مرضی ہو کہ تمہاری طرح کافر ہو جائیں۔ گرم مت ہو گرم مت ہو۔ کوئی مشکل نہیں جس کے حل کرنے کی تدبیر خدا نے ہم کو نہ بتائی ہو۔ ہمارے سامنے پیغمبر صاحب کا نمونہ موجود ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (رسول خدا میں تم کو پیروی کرنے کے لئے اچھا نمونہ موجود تھا) منکر لوگ رو در رو پیغمبر صاحب تو پیغمبر صاحب خدا کی توہین کرتے تھے وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے۔ کیا تمہارا یہ مطلب کہ جس کے آگے سر جھکانے کو تم کہو اسی کے آگے سر جھکا دیں)۔ علاوہ بریں شرک سے بڑھ کر بھی کوئی اور طریقہ خدا کی توہین کا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (تحقیق شرک بڑی بے انصافی کی بات ہے) یا یہ کہنا کہ خدا کے جورو بچے ہیں۔ اسی میں خدا کی کون سی شان بڑھی جاتی ہے۔ قرآن کے مطالب پر نظر ہو تو کاہے کو کسی کے بتانے سمجھانے کی ضرورت پڑے۔ عین وقت پر آپ سے آپ یاد آ جایا کرے۔

بھلا پیغمبر صاحب کی ذاتی توہین کو تو رہنے دو۔ خدا کی توہین تو خود خدا کو اور پیغمبر صاحب کو اور نہ صرف پیغمبر صاحب بلکہ کل انبیا علیہم السلام کو کس قدر شاق گزرتی ہوگی سو خدا کا برتاؤ تو ان ہندوؤں کے ساتھ

ہو اُس کی اہانت کرتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو جس کسی مذہب کو حقانیت کا بڑا لمبا چوڑا
دعویٰ ہو۔ وہ اپنی کوئی دنیاوی خصوصیت خدا کے ساتھ دکھائے۔ رزق۔ تمول۔ توالد۔ تناسل۔
تن درستی۔ کوئی ایک چیز بتاؤ جو کسی ایک مذہب والوں کے ساتھ خاص ہو۔ قرآن کی وہی ایک آیت
یاد کرو۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ابراہیم
علیہ السلام نے بتقاضائے بشریت خدا کی رحمتوں کو دنیا میں اپنے گروہ کے ساتھ خاص کرنا چاہا۔ اور
مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ کی قید لگائی۔ خدا نے کہا یوں نہیں بلکہ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا جو کفر کرے گا اُس کو
بھی دُنیا کے چند روزہ فائدے یکساں پہونچیں گے اور کفر و ایمان کا فرق آخرت میں ظاہر ہوگا۔
شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اسی مضمون سے اقتباس کیا ہے ؎

اگر باپدر جنگ جوید کسے　　پدر بے گماں خشم گیرد بسے
اگر خویش راضی نباشد ز خویش　　چو بیگانگانش براند ز پیش
اگر بندہ چابک نیاید بکار　　عزیزش ندارد خداوندگار
دگر ترک خدمت کند لشکری　　شود شاہ لشکر کش از وے بری
ولیکن خداوند بالا و پست　　بعصیاں در رزق بر کس نہ بست

ہم کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف حکم دیا ہے اور جملہ مذاہب کا مآل کار بھی یہی ہے تَخَلَّقُوْا
بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ۔ اللہ کی سی عادتیں اختیار کرو۔ ہم کب متخلق باخلاق اللہ ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ درگزر کرے
اور ہم درپے انتقام رہیں وہ سازگاری رکھے۔ اور ہم لڑیں۔ وہ برداشت کرے اور ہم ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے
دیں۔ رہے پیغمبر صاحب اُن کو جا بجا اور بار بار یہی حکم ہوتا تھا۔ فَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ
(صبر کرو۔ خدا احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (صبر کرو بے شک
خدا کا وعدہ سچا ہے) فَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (صبر کرو۔ اور نہیں ہے صبر تمہارا مگر اللہ کی توفیق سے)
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (صبر کرو جس طرح صبر کیا ہمت والوں نے) یا تو لوں کو کہ یہ

احکام پیغمبر صاحب کے ساتھ خاص تھے مگر سوائے تمہارے سلف سے لیکر خلف تک کوئی امام کوئی مفسر
اس کا قائل نہیں۔ یا کہو کہ احکام عام ہیں۔ اور ہم بھی ان کے مخاطب ہیں مگر ہم ان کی تعمیل نہیں کرتے۔
تو سب سے زیادہ مذہبی غیظ و غضب تم کو پہلے اپنے اوپر کرنا چاہیئے۔ نہ کہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت
مذہب کو تم نے سمجھا کیا ہی؟ مذہب نام ہی من سمجھوتی کا۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ٥

ایہ تو ہم کا کارخانہ ہی		یاں وہی ہی جو اعتبار کیا	

جس عقیدت سے ایک مسلمان آب زمزم نوش کرتا ہی۔ اسی ارادت سے ایک ہندو گنگا جلی پیتا ہی یعنی
دونوں کی مذہبی تسلی میں کچھ فرق نہیں۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ جان بوجھ کر سمجھ کر حق بات کو نہیں مانتے۔
یہ بات میری سمجھ میں تو آتی نہیں کہ آدمی خدا کو جانے۔ اُس کی قدرت کو جانے۔ اُس کے احسانات کو جانے
اور یہ بھی جانے کہ وہ کیا چاہتا ہی۔ اور پھر اس سے مخالفت کرے۔ خدا اور خدا کی قدرتیں تو بجائے خود۔
مجھ کو اتنی ہی طاقت ہونے دو کہ اس کتاب کو کہوں کھُل اور یہ کھُل جائے اور کہوں کہ بند ہو اور یہ بند ہو جائے
اور اس میں کسی قسم کی نظر بندی اور چالاکی کا دخل نہ ہو تو اتنی ہی طاقت پر اگر سارے ہندوستان کو اپنی طرف
نہ کر لوں تو پھر میرا لکچر سننے کو نہ آنا۔ مگر یوں کہو کہ جہاں انسان کی دوسری حالتوں کا اختلاف منجانب اللہ
ہی وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (اُس کی نشانیوں میں سے ہی تمہاری بولیوں کا اختلاف
اور تمہارے رنگوں کا اختلاف) اسی طرح اختلاف مذاہب بھی من جانب اللہ ہی وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَ
النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (اگر
خدا چاہتا سارے آدمیوں کا ایک ہی مذہبی گروہ بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ اس میں اختلاف کرتے رہیں گے
مگر جس پر تمہارا پروردگار رحم کرے اور اسی لیئے ان کو پیدا کیا ہی) اگر ذٰلِكَ کا مشار الیہ مُخْتَلِفِيْنَ ہی اور یقیناً
مُخْتَلِفِيْنَ ہی ہی تو یہ اختلاف قیامت تک مٹنے والا نہیں خدا نے انسان کی ایسی بناوٹ رکھی ہی تو اللہ
کی خلقت کون بدلے ع

گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را

۱۵ ہر گروہ اپنے حال میں خوش ہی ۱۲۔

فرض کرو کہ ہم ایک مذہبی رائے رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آدمی اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور معلوم ہو کہ ناحق کی ضد سے اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کا اختلاف قابل رحم ہو نہ مستوجب ملامت چاہیئے کہ جب ہم کو جوش ہمدردی بے چین کرے۔ ہم اس کے حق میں دعا کریں۔ رفق ولینت سے اس کو سمجھائیں مدد کریں کہ وہ راہ راست پر آجائے۔ یا فرض کرو کہ وہ ناحق کی ضد کرتا ہو تو وہ اور زیادہ قابل رحم ہو۔ اگر راہ راست پر آجاتا تو اپنا ہی فائدہ کرتا نہ یہ کہ ہم کو بخشواتا نہیں مانتا اپنا سر کھائے ہمارے چولھے میں۔ ہم کو اس کے ساتھ عداوت پیدا کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔

جو لوگ مذہبی مناظرات کرتے ہیں۔ دشمن عقل اتنا نہیں سمجھتے کہ ان مناظرات سے دوسری قوموں کے ساتھ مخالفت اور عداوت پیدا یا تازہ یا راسخ ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں میں اب اتنا دم نہیں رہا کہ اس مخالفت کی مقاومت کر سکیں۔ بعض کو یہ خیال بھی ہوتا ہو گا کہ مناظرہ بھی دین کی حمایت کا ایک پیرایہ ہے اور عجب نہیں کہ وہ اس کے اجر کے بھی متوقع ہوں۔ میں سرے سے اسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ کہ تقضائے دین داری ہی لوگوں کو مناظرات کا باعث ہوتا ہے اور وہ اِحتساباً اور خالصۃً لوجہ اللہ اس کام کو کرتے ہیں۔ اگرچہ دوسرے کے مافی الضمیر پر آگہی حاصل کرنا مشکل ہے مگر مناظرے ہی میں تو دین داری کا انحصار نہیں۔ دین داری اور بھی بہت سے کام چاہتی ہے۔ دین داری چاہتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آدمی یہ جان کر کہ میں دین حق پر ہوں۔ پھر ہمہ وقت خدا سے ڈرتا ہے کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اگر خطر عاقبت پیش نظر ہو اور یہ ایسا خطر ہے کہ ہر فرد بشر کے پیش نظر ہونا چاہیئے تو میں سمجھتا ہوں اسی ایک خیال میں اس قدر کافی مصروفیت ہے کہ آدمی کو اپنی ہی نفس کی پرداخت سے فرصت مل نہیں سکتی۔ دوسروں کے دین و مذہب کی وہ کیا خبر رکھے۔ غم نداری بز بخر۔

آدمی کو دنیا میں آپ ہی اپنا جج ہونے دو۔ لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ اس کا گناہ اور اس کی برأت۔ اس کی نیکی اور اس کی بدی ایسا جج تجویز کرے گا جس کو اس کے دل کے بھید۔ اس کی آنکھوں کی چوریاں ذرا ذرا معلوم ہیں یَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ (آنکھوں

ھ منصف ۱۲-

کی چوریاں اور سینوں کے راز جانتا ہے)۔

کیا وہ بڑی خوفناک حدیث نہیں سُنی کہ قیامت کے دن ایک شخص نیکیوں کا انبار اپنے ساتھ لیئے ہوگا اور حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں لے جاؤ۔ یہ حکم سُن کر اُس کو سخت حیرت ہوگی اور عرض کرے گا کہ اے پروردگار کیا میں نے تیرے حکم کے مطابق نمازیں نہیں پڑھیں۔ روزے نہیں رکھے۔ زکوٰۃ نہیں دی۔ حج نہیں کیا۔ یہ نہیں کیا۔ وہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آخرکار رکھے گا کہ میں نے تیری راہ میں جان نہیں دی۔ غرض وہ اپنی نیکیاں اور کارگزاریاں ایک ایک کرکے گنوائے گا اور بارگاہِ رب العزت سے ارشاد ہوگا کہ بیشک یہ سب کام تونے کیے مگر یہ سب کام تونے دکھاوے کے لیئے کیئے تھے۔ اور تو دنیا میں ان کا صلہ پاچکا ہے۔ تونے چاہا لوگ تجھ کو سخی کہیں۔ اور لوگوں نے کہا۔ تونے چاہا تو بہادر مشہور ہوا اور تو بہادر مشہور ہوا۔ پھر اب تو کیا چاہتا ہے تونے کوئی کام ہماری رضامندی اور خوشنودی کے لیئے نہیں کیا ورنہ تو اس کا مستحق ہوسکتا ہے

یہ سمعہ اور ریا جس نے اس بدنصیب شخص کے سارے اعمالِ حسنہ خبط کردیئے۔ مذہبی مناظرات میں بڑی آسانی اور مجلت کے ساتھ دخل کرسکتی ہے مناظرے کو اظہارِ حق کی حد سے متجاوز نہ کرنے دینا بڑا مشکل کام ہے۔ بحث میں سخن پروری اور ضد آہی جاتی ہے۔ کون شاعر ہے جو داد نہیں چاہتا۔ اسی طرح کون سا مناظر ہے جو اپنے فریق سے مدح و تحسین کی امید نہیں رکھتا ہے۔ اور اسی کا نام ہے ریا۔ انسان کو خدا نے ایسا مخلوق خود غرض پیدا کیا ہے کہ جب تک جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت محرک نہ ہو وہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اگر خدا کے نام ایک پیسہ دیتا ہے تو اس امید سے کہ اُس کو عاقبت میں اس ایک پیسے کے بدلے دس روپے پندرہ آنے ملیں گے مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اُن کی مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ ہر بال میں سو دانے اور اللہ جس کو چاہتا ہے دوچند سہ چند کر دیتا ہے) تو ہم کیوں نہ سمجھیں کہ بحث مذہبی میں بھی اس کی کوئی ذاتی غرض ضرور ہے اور وہ غرض ناموری

لہ حاصل کرنا ۱۲

اور اظہار لیاقت ہی کیوں نہ ہو۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں مذہب من گھڑت کا نام ہے اور یہ مناظرے کا نہیں بلکہ نفسِ مذہب کا قصور ہے کہ اس کا مباحثہ کبھی ختم۔ اس کا جھگڑا کبھی فیصل نہیں ہوتا۔ اے کاش مذہبِ اقلیدس کا کوئی دعوی ہوتا۔ یا حساب کا سوال یا جبر و مقابلے کی مساوات۔ مذہب کی بنیاد جو عقیدے پر اور عقیدہ موقوف ہے قبولِ طبیعت پر اور طبائع اس بارے میں اس قدر مختلف واقع ہوئے ہیں کہ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔

یہ ظاہر بات ہے کہ ہم پیغمبر صاحب سے بہتر مناظرہ نہیں کر سکتے۔ اول تو خود اُن کا عقیدہ اس قدر راسخ تھا کہ ہم کو اس کا پاسنگ بھی نصیب نہیں۔ دوسرے خدا نے اِن کی بات میں اثر دیا تھا اور جو بات خلوص سے کہی جاتی ہے موثر ہوتی ہی ہے ہماری بات میں اثر کیا خاک ہو کہتے کچھ ہیں۔ اور کرتے کچھ ہیں سکتے سب کچھ ہیں اور کرتے کچھ بھی نہیں۔ ع

اے طبلِ بلند بانگ در باطن ہیچ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں کہتے ہو جو آپ نہیں کرتے) مگر باوجودیکہ پیغمبر صاحب عقیدہ راسخ۔ اُن کی بات میں بھی اثر تھا۔ اور اُن کا اہتمام بھی بلا کا اہتمام تھا۔ پھر بھی جن کی طبیعتوں میں قبولِ حق کی استعداد نہ تھی اِن پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور پیغمبر صاحب اس سے کچھ شکستہ خاطر سے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو سمجھا دیا إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (جس کو تم چاہو ہدایت نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اگر تم کو مناظرے کی کامیابی کا یقین ہے۔ تو کسی ایک صرف ایک مذہبی فرقے کا نام لو جو مغلوب مناظرہ ہو کر معدوم ہو گیا ہو سچ پوچھو تو لوگوں کو حق کی طلب اور تلاش ہی نہیں کہ مناظرے سے فائدہ اُٹھائیں۔ بحث و مناظرے کا نام آیا اور اِن کو خدا واسطے کی کاوش ہوئی۔ بلکہ میری رائے پوچھتے ہو تو جس کو اپنے مذہب پر زیادہ حملے کرانے منظور ہوں۔ وہ اس طرح کی چھیڑ کرے۔ اِس سے زیادہ افسوس کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ تم کرنی چاہو دین کے حق میں دوستی اور وہ ہو جائے اُلٹی دشمنی

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ

عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں - اُن کو بُرا نہ کہو ورنہ وہ لوگ بیجا ناحق خدا کو بُرا کہنے لگیں گے - اسی طرح ہم نے ہر ایک گروہ کی نظر میں اُن کے عمل کو بہتر بنا دیا ہے - پھر اُس کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو جو کچھ وہ کرتے ہیں اُس کی کیفیت وہ اُن پر ظاہر کر دے گا) ہندوستانیوں کو جیسے انگریزی عملداری میں آزادی نصیب ہوئی تھی پہلے سے ہوتی تو بہتیری کچھ بہتری کر لیتے - مگر یہ اس کوچے گھسے مذہب میں - اور مذہب میں بھی گھسے تو ایسی بھونڈی طرح کہ جس سے آپس میں نفاق پڑے - پیرایہ تو بڑا اختیار کیا ہے - مگر ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

ایک دوسرے کی ضد سہی - انتقام کی غرض سے سہی - شہرت اور ناموری کے لیے سہی کسی وجہ سے سہی لوگ جو مذہب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں - اسلام کو غیب سے در پردہ تائید پہونچ رہی ہے - اور اس کے اصول بھی ایسے ہی صاف سلیس اور عام فہم کہ کسی کو حق کی تلاش کا نام تو زبان سے لینے دو - پھر دنیا میں کہیں اسلام کے سوا اس کا ٹھکانا بھی ہے -

اسلام کا لب لباب دو مختصر سے جملے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سو ہیں دیکھتا ہوں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے تو لوگ معتقد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں - اور کیوں کر معتقد نہ ہوں - جو عقل ان کو یہ سمجھا رہی ہے کہ خدا ہے وہی یہ بھی سمجھا رہی ہے کہ وہ ایک بھی ہے - جن مذہبوں میں شائبۂ شرک تھا اب وہ اس کی تاویلیں کرتے جاتے ہیں اور تاویل نہیں کر سکتے تو جھینپ کر دل ہی دل میں پشیمان ہو کر بات کو ٹال جاتے ہیں - یا اس پہلو پر نہیں آتے - غرض مذاہب کا عام رجحان توحید کی طرف پایا جاتا ہے یہ اسلام کی فتح اور کامیابی نہیں تو اور کیا ہے ؟ توحید اور اسلام مرادف یک دگر ہیں - یعنی لفظ دو اور معنی ایک بے شک اسلام ایک مذہب ہے - دوسرے مذاہب سے جدا اور ممتاز - لیکن اصل الاصول توحید ہے - اور باقی شرائع و آداب اوامر و نواہی سب فروع - توحید گویا ہے (نفس قانون) اور باقی تمام مذہب پراسیڈیور یعنی ضابطۂ کارروائی - اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوتِ اسلام میں سارا زور اسی ایک توحید

دیتے تھے اور فرماتے تھے یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱) (اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں یکساں ہے کہ ہم سوائے خدا کے کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی کو اس کا شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی خدا کے سوائے کسی کو اپنا مالک قرار دے) بے شک ابھی لوگوں کی توحید میں خامی ہے۔ نقصان ہے۔ کدورت ہے۔ مگر دوسرے لوگوں کی توحید کو کیا کہا جائے۔ اور کس منہ سے کہا جائے۔ جب خود ہم مسلمانوں کی توحید بھی خامی نقصان اور کدورت سے خالی نہیں۔ ذرا توحید کا پیچ کسا جاتا ہے تو اپنے ہی بھائی وہابی وہابی کہہ کر ٹھٹھا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس عالم اسباب میں اسباب سے قطع نظر کرنا ہے بھی ذرا ٹیڑھی کھیر اپنی چھاچھ کو کون کھٹا کہا کرتا ہے۔ جن عقائد اور جن افعال کی وجہ سے ہم دوسرے لوگوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں وہی عقائد اور وہی افعال ہمارے یا ہم میں سے اکثروں کے بھی ہیں۔ فرق اگر ہے تو اسی قدر کہ اوروں نے اپنے بزرگوں کے حق میں افراط کی ہے ہم نے اپنے بزرگوں کی شان میں۔ لیکن سلسلۂ سخن کشاں کشاں مجھ کو اسی گڑھے میں لے جانا چاہتا ہے جس میں گرنے سے میں تم کو ڈراتا تھا۔ پس اس تذکرے کو چھوڑو اور اصل مطلب کو لو۔

ہاں تو میرا خیال یہ ہے کہ مذاہب کا عام رجحان توحید کی طرف پایا جاتا ہے اور میں اس کو اسلام کی فتح نمایاں خیال کرتا ہوں۔ اور اگر مسلمان لینتؐ واستمالتؐ اختیار کریں۔ اور لوگوں کو سختی اور درشتی سے نفرت و وحشت نہ دلائیں۔ تو میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ کیوں اسلام مذہب عام پسند نہ ہو۔ اور کیوں سب لوگ مسلمان نہ ہوں۔ آخر ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے ایسی باتیں جن سے تزلزل توحید ظاہر ہوتا ہے۔ سرزد ہوتی ہوئیں دیکھتے ہیں۔ اور ان کی تاویلات کو گو فی نفسہا سخیف اور ضعیف ہوں پذیرا رکھتے ہیں۔ اور ان سے مفارقت اور متارکت نہیں کرتے تو ایسی کون سی بڑی قباحت لازم آجائے گی۔ اگر غیر قوموں کے ساتھ ہم دل داری سے پیش آئیں اور مذہبی اجنبیت کو کم کریں۔ کچھ مولفۃ القلوب کی بھی خبر ہے کہ وہ کون لوگ تھے۔ وہ تھے دو دلے تزلزل العقیدہ مُذَبْذَبِیْنَ ذٰلِکَ

(۱) [illegible]

لَا اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ (نہ اِدھر نہ اُدھر یہ بلا کدھر) اگر پیغمبر صاحب ان کو حکمت عملی سے ملائے ملائے نہ رہیں تو وہ کھلم کھلا فریق مخالف میں جا ملیں فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (یہی خدا کی ایک رحمت ہے کہ تم اُن کے لیے نرم ہو گئے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے کبھی کے کھسک گئے ہوتے) لیکن پیغمبر صاحب نے کبھی اِن کی نسبت بدگمانی ظاہر نہیں کی اور نہ اِن پر شبہہ کیا اور اُن کے ساتھ بالکل دوستانہ برتاؤ رکھا۔ فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمْ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (اِن کو معاف کرو اور خدا سے اِن کے گناہوں کی معافی چاہو اور معاملات میں اِن سے مشورہ لو) نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ وہ ایسے سچے اور پکے مسلمان ہوئے جیسے اَوْر۔ انہوں نے ایسے ایسے کارنمایاں کیے جیسے دوسروں نے۔

مسلمان ادنیٰ ادنیٰ بات میں پیغمبر صاحب کی نقل و تقلید کرتے ہیں یہاں تک کہ وضع شکل و صورت بھی ویسی ہی بنانا چاہتے ہیں اور یہ بڑی عمدہ بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پیغمبر صاحب کا سا باطن بنانے میں مطلق اہتمام نہیں جو سراپا حلم۔ سراپا رحمت۔ سراپا سہولت تھی اِن کو سینکڑوں مولفۃ القلوب گھیرے رہتے تھے۔ اُمت نے استمالت اور تالیفِ قلوب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ اور میری آج کی بات کو میں تو چاہتا ہوں دل پر مگر دل پر تو تم کیا لکھو گے کسی کتاب کے پٹھے پر یادداشت کے طور پر لکھ رکھنا کہ جب تک مسلمان برداشت اور درگزر اور سازگاری کا شیوہ اختیار نہ کریں گے نہ اِن کو دنیا میں فلاح ہوگی اور نہ کچھ دین ہی کو فائدہ پہونچا سکیں گے۔

جس طرح فطرت نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے قبول کرنے کا رجحان طبیعتوں میں پیدا کیا ہے اسی طرح وہی فطرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قبول کرنے کی طرف بھی طبیعتوں کو راغب کر رہی ہے۔ بشرطیکہ پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھایا جائے سر پیٹ لینے اور مُنہ کھسوٹ ڈالنے کی جگہ ہے پیغمبر صاحب کی ایسی بھونڈی تصویر دوسری قوموں کے پیش نظر ہو کہ معاذ اللہ وہ ایک شخص ہیں۔ ترشرو۔ بدخو۔ جنگ جو۔ ظالم۔ سفاک۔ کینہ[1] توز۔ حکومت پسند۔ اِن کے داہنے ہاتھ میں سیف

[1] کینہ کش ۱۲۔

مسلول ہو یا دیا اسلائی کا بنڈل یا ڈنامائٹ۔ دبھک سے اڑ جانے والی چیز) اور بائیں ہیں مارشل لا۔ (قانون جنگ) جب کہ واقع میں از روے حق الامر وہ ایک شخص تھے ہنس مکھ۔ خوش خلق بردبار۔ منکسر۔ متواضع۔ نرم مزاج۔ نیک دل۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[۱] ان کے ہاتھ میں گلدستہ یا دستنبو یا آب حیات اور دوسرے میں فوز و فلاح[۲] دارین کا فرمان یعنی قرآن۔ مسلمان کہیں یا نہ کہیں۔ مانیں یا نہ مانیں۔ مگر میں اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں نے پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی پیغمبر صاحب کو ٹھہرایا ہوا اور آپ بنے ہوا اور لوگوں کو چاہتے ہیں کہ گرویدہ اسلام ہوں ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

اب یہ زمانہ کامپٹیشن (مقابلہ) کا ہے جہاں اور سب باتوں میں کامپٹیشن چلتا ہے مثلاً کوئی شخص نوکری کا طلبگار ہے۔ تو کامپٹیشن کی جنتری میں سے نکلے بدون اس کو نوکری نہیں ملے گی۔ کوئی شخص تجارت کرنا چاہتا ہے کامپٹیشن کی کشمکش کے بغیر اس کو بھی کامیابی نہیں ہو گی۔ اسی طرح مذاہب میں بھی کامپٹیشن قائم ہے۔ ہر مذہب والے چاہتے ہیں کہ ہم کو پبلک[۳] کی نظروں میں قبولیت ہو جتنے مذہب ہیں گویا اتنے ایک خاص چیز کے دکان دار ہیں۔ ہر دکان دار اس کوشش میں لگا ہے کہ سب سے زیادہ اس کی دکان چلے۔ لوگ کثرت سے اس کا مال لیں۔ جو تدبیر ایک دکان دار کو اپنی دکان جمانے کے لیے کرنی پڑتی ہے۔ وہی تدبیر اس کو کرنی پڑے گی۔ جو چاہتا ہے کہ اس کا مذہب زیادہ تر مقبول عام ہو اور وہ با تدبیر ہے۔ ملنساری۔ راستی۔ خوش معاملگی۔ آسانی۔ ہزار تدبیروں کی ایک تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں اچھا دین دار بنا کر لوگوں کو اپنا اچھا نمونہ دکھائیں۔ سو افسوس ہے کہ ہم نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی۔

جہاں تک دین داری کو تمدن میں دخل ہے ہم کو بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ مسلمان اگر سوسائٹی کے بہت بڑے ممبر نہیں تو بہت اچھے بھی نہیں۔ حالاں کہ ہم کو اس نبی کی امت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ مگر گو وا سے نہیں بلکہ گفتار سے جو مکارم اخلاق کے متمم اور مکمل تھے۔ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا اُن پر خدا کی

[۱] بے شک تم بڑے ہی خلیق ہو ۱۲ [۲] عائد خلائق ۱۲ [۳] دونوں جہان کی کامیابی۔ و بہبودی ۱۲۔

رحمت پوری اور کامل تر)۔

اسلام کی بے وقعتی کے جہاں اور اسباب ہیں ان میں سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی شکستہ حالی بھی ہے۔ مسلمانوں کی دنیاوی حالت درست ہو تو بہت سی باتیں جو لوگوں کی نظر میں مورد اعتراض ہیں۔ وہی مورد تحسین ہو جائیں لیکن خرابی یہ آکر پڑی ہے کہ اس شکستہ حالی پر مسلمانوں کو زہد تعلیم کیا جاتا ہے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی شکستہ حالی پر صبر کرکے بیٹھ رہے ہیں۔ اور اس کی درستی کی مطلق فکر نہیں کرتے۔ یا کرنا چاہیئے مثلاً من بھر تو یہ کرتے ہیں چھٹانک۔ وہ بھی بادل ناخواستہ کہ ایسا کرنا اور نہ کرنا برابر۔ اگر ایک چھپر مثلاً سو آدمی کی مجموعی پوری طاقت سے اٹھائے جانے کا ہے اگر دو چار آدمی اس کو انگلیوں کے سہارے سے اٹھانا چاہیں تو بھلا وہ چھپر اپنی جگہ سے کب کھسکا۔

میں اس شکایت کی سند میں پیش کرتا ہوں انجمن حمایت اسلام لاہور کی حالت کہ اس نے اٹھتے ہی ایسے بڑے کام کا بیڑا اٹھالیا جو قوم کے کرنے کا ہے۔ اور قوم کے کرنے کا بھی اس صورت میں ہے کہ قوم کشادہ دلی سے اس کی معین و مددگار ہو۔ لیکن قوم اور کشادہ دلی کیا مذکور ہے۔ صرف معدودے چند اس کو اتفاقی طور پر وہ بھی جھجکتے جھجکتے تباہے چلے جاتے ہیں۔ پس انجمن کی گزران بالکل تو کامی سی گزران ہے جس کو شاعر فاقے سے بڑھ کر سمجھتا ہے ؎

زیادہ ہوگا توکل سے بھی کہیں روزہ	کہ اس میں آئی تو روزی ہے اور نہیں روزہ

ہمارے ہندوستان کا تو قاعدہ یہی ہے کہ جتنے چندے کے کام ہیں برائے چندے۔ اول تو جو کچھ ہورہا ہے وہ قومی ضرورت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اور خیر تھوڑا بہت جو کچھ ہے۔ اے کاش اسی کو استحکام ہو پائداری ہو۔ یوں سسک سسک کر دینے سے روپے کا روپیہ خرچ ہوتا اور پیاس تو بھلا اس سے کیا بجھتی ہے سب مل کر ایک دم سے زور لگاؤ کہ یہ ناؤ جو مدتوں سے دلدل میں پھنسی پڑی ہے تیرنے لگے۔ پس وپیش اور حیص و بیص میں وقت گزرا چلا جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ پھر یہ مرض مزمن ہو کر علاج پذیر باقی نہ رہے۔

لہ دیرپا۔ مہلک ۱۲۔

انجمن حمایت اسلام لاہور نے تو ایسا پیرایہ اختیار کیا ہی کہ اس پر کوئی متعصب سے متعصب مسلمان بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اس کو معمولی طور کی انجمن نہ سمجھنا یہ حجت الٰہی ہی جو مسلمانوں پر تمام ہوئی۔ اس وقت تک جو کارروائی انجمن نے کی ہی اس کی رپورٹ ہم انجمن کے دل سوز اور سرگرم سکرٹری سے کل سن چکے ہیں۔ وہ ایک اعتبار سے کریڈیبل ہی لیکن پھر بھی آدمی کے کام کتنے ہی اہتمام اور کتنی ہی احتیاط سے کئے جائیں ہمیشہ اصلاح طلب باقی رہتے ہیں۔ اے ممبران انجمن معاف کیجئے گا اگر میں آپ کی کارروائی میں کوئی نقص نکالوں۔ میں آپ صاحبوں کو پورا یقین دلاتا ہوں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔ اعتراض مخالفانہ نہیں ہی بلکہ صلاح دوستانہ۔

آپ لوگوں میں کوئی **سرسید احمد خاں** صاحب یا اُن کے اعوان و انصار کے وقار[1] اور انفلوئنس کا آدمی نہیں ہی مگر آپ کا ایم (مطلب) وہی ہی جو سرسید **احمد خاں** صاحب کا ہی۔ البتہ فریقین میں اتنا فرق ضرور ہی کہ آپ کی کارروائی مسلمانوں کے وقتی خیالات سے بالکل ملتی ہوئی ہی جس کو سرسید کے گروہ کے وقار اور انفلوئنس کا پورا جواب ہونا چاہیئے اگرچہ آپ کے اور سرسید کے گروہوں میں کامپٹیشن[2] قائم ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور بڑے شکر کا مقام ہی کامپٹیشن ہی بھی نہیں۔ خدا کے فضل سے ہندوستان اتنا وسیع ملک ہی۔ کہ دونوں گروہ بلکہ ایسے ایسے کئی گروہ اس میں جولانیاں کر سکتے ہیں۔ لیکن دونوں گروہوں کے نتائج کارروائی کو مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو آپ سرسید احمد خاں صاحب کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ یہ کیوں؟ آپ کہیں گے وہی وقار کی کمی اور وانٹ آف انفلوئنس میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ حیدرآباد۔ پٹیالہ۔ بھوپال۔ کپورتھلہ۔ بنارس۔ ایسی ایسی سرکاروں اور دوسری موٹی موٹی چڑیوں کو اپنے دام میں نہیں لا سکتے۔ لیکن میں ایک سب سے زیادہ موٹی اور سب سے زیادہ بھولی اور سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ دام میں آجانے والی چڑیا بتاتا ہوں۔ کہ اگر اُس کو پھنسا لو اور یقین جانو کہ اُس کا پھنسانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ صرف تنکے کی اوجھل پہاڑ ہی۔ تو بس یہ سمجھنا کہ تمہارے دولت کو پھنسا لیا۔ بتا دوں کہ وہ کون چڑیا ہی۔ بتا ہی دوں۔ خاص خاص لوگوں نے تم کو بڑے بڑے

[1] اقتدار۔ [2] تقابل ۱۲۔

چندے دیئے اور دیتے ہیں لیکن بندے کی رائے پر عمل کروگے تو بات کی بات میں ایسے ایسے
کتنے چندے جمع کرلوگے۔ وہ چڑیا۔ وہ سونے کی بھی نہیں بلکہ جواہرات کی چڑیا تمہاری ہی قوم ہو
ان تلوں کو زمانے کی گردش نے بیل کر بھربھری کھلی کر دیا ہے۔ مگر اب بھی اس کھلی میں اتنا تیل ہے کہ سب
نکال کر یکجا کیا جائے تو تیل کی ایک ندی بہنے لگے۔ لیکن افسوس ہے کہ تم میں کوئی سلیقہ مند تیلی نہیں
پیاسا کوئیں کے پاس جاتا ہے کوئیں کو پیاسے کے پاس آتا ہوا نہیں سُنا۔ لیکن وہ پیاسے
تم ہو کہ کنواں تمہارے پاس آئے تو تمہاری پیاس بجھے۔ یہ سالانہ جلسے اور ماہواری رسالوں اور
اشتہاروں کے کاغذی گھوڑے اگر پیاسے کا کوئیں کو اپنی طرف گھسیٹنا نہیں ہے۔ تو کیا ہے۔ ناچنے
نکلے تو گھونگٹ کیا۔ آخر تو تم نے قوم کے لیئے گداگری اختیار کی تو جب تک تمہاری جھولی ایک
الکھ پتی مارواڑی کی توند کی طرح خوب تن نہ جائے۔ بس نہ کرو یا اس کام ہی کو چھوڑ بیٹھو کہ یہ تمہارے
بس کا نہیں گدایان قوم کا ایک گروہ کھڑا کرو کہ وہ لوگ جدھر کو جس کا منہ اُٹھے ملک میں منتشر
ہو جائیں۔ ابرام سے لیں۔ الحاف سے لیں۔ اصرار سے لیں۔ دھینگا مشتی سے لیں۔ ہاتھا پائی کرکے لیں۔ بگڑی
سے لیں۔ لگ کر لیں۔ لپٹ کر لیں۔ چمٹ کر لیں۔ سر ہو کر لیں۔ خوشامد سے لیں۔ منت سے لیں۔ لجاجت سے لیں
سماجت سے لیں۔ دھرنا دے کر لیں۔ لڑ کر لیں۔ جھگڑ کر لیں۔ بگڑ کر لیں۔ ہاتھ جوڑ کر لیں۔ پاؤں پکڑ کر لیں۔ گر
لیں پڑ لیں۔ کوئی غریب سے غریب۔ مفلس سے مفلس۔ نادار سے نادار۔ کنگال سے کنگال نہیں
جو نہ دے۔ اور نہ دے تو اس کا دین دار میں ~

ماشتم	رشد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	ای خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

مانگنے والے کو ایک طرزِ خاص یا ایک مقامِ خاص یا ایک شخصِ خاص یا ایک مقدارِ خاص کی پابندی کیا
ہرچہ آید در پیش نگار در درویش ~

دفائیہ	کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا	تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

سید احمد خاں صاحب بڑے آدمی ہیں بڑی بڑی اسامیوں کو ان کے حصے میں رہنے دو
تم غریب لوگ ہو غربا سے۔ صرف غربا سے مانگو۔ اور پھر دیکھو کس کا پلہ بھاری رہتا ہے ~

چو الستانی آتر ہر یک جو سے سیم	اگر گرد آید ترا ہر روز گنج

بس میں ایک دو ٹوک بات اسمال کے جاتا ہوں کرنا تو یہ کرنا۔ ورنہ خیر خواہ یئے قوم اور ہمدردی
قوم کا لفظ مُنہ سے نہ نکالنا۔ زبانی خیر خواہ اور ہمدرد تو بہتیرے نکل پڑے ہیں۔ اور انہی میں تم لوگ
زبردستی مجھ کو بھی دوسرے تیسرے برس تھوڑی دیر کے لئے بلا لیتے ہو۔ ورنہ فی الحقیقت خیر خواہ قوم
اور ہمدرد قوم وہ ہی جو اپنے پاس سے دے۔ اُدھار لے کر دے۔ دوسرے سے مانگ کر دے۔
قرض دے۔ کیا دے ؟ ابیض منقوش (روپیہ) کہ قوموں کو یہی بگاڑے اور یہی بنائے ۔
یہی ڈبوئے یہی ترائے۔

میں نے بڑی خوشی سے وہ تجویز سُنی ہی جو کل کے جلسے میں پیش ہوئی۔ اور دو بزرگوں نے
سوچی ہی۔ یعنی پنجاب میں اس انجمن کے زیر اہتمام ایک کالج بنانا چاہیئے۔ کچھ تعجب نہیں کہ اس پر
یہ اعتراض ہو کہ کالج کھولنے کے لئے بڑے فنڈ چاہیں اور انجمن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہی لیکن
ایسا اعتراض کرنے والوں کو کیا معلوم نہیں کہ خدا کی وہ شان ہی کہ نطفے سے آدمی پیدا کرتا ہی۔
ننھے سے بیج سے وہ شاندار درخت جس کے سائے میں پلٹنیں آرام پاتی ہیں گو انجمن کے پاس
اس وقت کافی روپیہ نہیں۔ لیکن اگر استقلال اور ہمت سے کام کیا جائے گا تو بتدریج کافی رقم کا
جمع کر لینا کچھ بات نہیں۔ پھر یہ کون کہتا ہی کہ ایک دم سے کالج کھول دیا جائے۔ نہیں اس وقت۔
ایف۔ اے کی جماعت جاری کرو پھر فنڈ مہیا ہونے پر بی اے۔ پھر ایم اے۔ اور پھر خدا کرے
ایل ایل ڈی۔ کالج قایم کرنے میں یہ احتمال بھی کیا جاتا ہی کہ علی گڈھ کالج کو نقصان پہونچے گا اور
ہندوستان کے مسلمانوں کے واسطے وہی ایک کالج کافی ہی۔ میں علی گڈھ کالج کو ایسا ضعیف اور
محتاج نہیں سمجھتا۔ جیسا خیال کیا جاتا ہی۔ اس کا اہتمام بڑے زبردست ہاتھ میں ہی اور وہ اس کے
سنبھالنے کو بس کرتا ہی رہی یہ بات کہ وہ سارے ہندوستان کے لئے کافی ہی۔ ماننے کے لائق نہیں
تعلیم کے بارے میں گورمنٹ کی امداد روز بروز مضمحل ہوتی جاتی ہی اور وہ لوگوں کو بتا رہی ہی کہ تعلیم کا
بوجھ تم آپ اُٹھاؤ اس کا ارادہ ہی کہ آخر کار تعلیم کی امداد سے اپنا ہاتھ اُٹھالے۔ اگر وہ دن آگیا اور

ضرور آنے والا ہی تو ہندوستان میں ایک علی گڈھ کالج کیا۔ دو چار کالج بھی کیا کافی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں
خیر تو اب میں پھر اس طرف آتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس انگریزی حکومت میں کیوں کر بسر کرنا چاہیئے
مسلمانوں کے پاس قرآن ایسا جامع دستور العمل موجود ہی کہ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ
(تر و خشک سب طرح کی باتیں کتاب میں صاف صاف مذکور ہیں) کہ اس کے ہوتے کسی کے بتانے
سمجھانے کی ضرورت نہیں اور واقع میں وہ دین کیا جس میں انسان کی ہر حالت کے مناسب ہدایت نہ ہو
مگر ہوتا کیا کہ مسلمان اپنی حالت کے اندازہ کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ جیسے ایک مریض کہ اس کی طبیعت
تو ہو محتاج تنقیہ اور وہ طب کی کتاب میں تقویت کا نسخہ دیکھ کر استعمال کرے۔ بے شک ایسا علاج غلط
ضرور اُس کو نقصان کرے گا۔ اسی طرح مسلمان ہیں تو حقیقت میں مغلوب۔ دوسروں کے محکوم
دوسروں کے مقابلے میں خستہ حال مگر خواب دیکھتے ہیں اُن وقتوں کے جب اسلام کی سلطنت تھی۔ اسلام کی حکومت تھی۔
اسلام مالدار تھا۔ اسلام با وقار با اختیار تھا۔ جہاں تک میں نے خیال کیا ہی ہم لوگوں سے زیادہ چسپاں
زیادہ مناسب۔ اور ہم لوگوں کے حق میں زیادہ مفید ہجرت سے پہلے کے احکام ہیں جیسے لَکُمْ دِیْنُکُمْ
وَلِیَ دِیْنِ (تمہیں تمہارا دین مبارک مجھے میرا دین) لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (دین میں کچھ زبردستی نہیں)
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو
اپنی خبر لو اگر تم راہِ راست پر ہو تو جو گمراہ ہو وہ تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا) اور اگر جستجو کی جائے تو میرا خیال یہ ہی
کہ آدھے سے زیادہ قرآن کے مطالب ایسی ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالت سے متعلق ہیں جیسی ہم
ہندوستانی مسلمانوں کی ہی۔ کیوں کہ سوائے معدودے چند پیغمبروں کے باقی تمام انبیا علیہم السلام بلکہ
کل اہلِ حق مخالفوں کے ہاتھوں سے تکلیفیں ہی پاتے۔ اور ایذائیں ہی اُٹھاتے رہے۔

مناظرات مذہبی کی ایک وجہ عذر یہ بھی کثرت سے زبان زد ہی کہ ہمارے نوجوان لڑکے دوسروں
کے اعتراضات سن سن اور پڑھ پڑھ کر بدعقیدت ہوئے جاتے ہیں۔ اول تو میں اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ
نوجوان لڑکے مذہب کی طرف سچے دل سے متوجہ ہوتے ہیں کیوں کہ سچے دل سے مذہب کی طرف
متوجہ ہونے کی اُن کی عمر نہیں۔ ع ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔

اور فرض کرو کہ نوجوان لڑکے سچے دل سے مذہب کی طرف متوجہ ہیں اور مناظرین بھی انہی کے عقائد کی حفاظت کے لیے اپنی دماغی قوت اور فرصت صرف کرتے ہیں تو اس کا پیرایہ دوسرا ہو۔ زیادہ بحث کروگے تو میں سمجھوں گا۔ تم میرے ساتھ ہرانی جتاتی بات کرنی چاہتے ہو اور میں اس پہلو پانے والا نہیں میں تو اپنی سی کہہ گزرا۔ اگرچہ مسلمانوں سے بہت تھوڑی امید ہو کہ میری نصیحت پر عمل کریں۔ عجب کہ سُنی، شیعہ، وہابی، بدعتی، مقلد، غیر مقلد۔ ایک خدا کے بندے ایک پیغمبر کی امت۔ ایک قرآن کے ماننے والے آپس میں لڑتے مرتے ہیں۔ ان سے دوسری قوموں کے ساتھ سازگاری اور ہمدردی کی کیا امید ہو سکتی ہے

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا		دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام		کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بارھواں لکچر

جو حکیم محمود خاں صاحب کی وفات حسرت آیات پر ٹون ہال دہلی کے ماتمی جلسے میں ۱۸۹۲ء میں دیا تھا

تمہید

حکیم محمود خاں صاحب شہر دہلی کے بڑے نامی متاخرین میں تھے۔ دہلی میں اور بھی طبیب ہیں مگر ان کے ہوتے کسی کو فروغ نہ تھا۔ یہ واقعہ تحقیقی ہے کہ ان کے

جنازے کے ساتھ اور سیوم کی فاتحہ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ کمتر دیکھنے میں آیا ہی۔ اس میں ان کے فرزند حکیم عبدالمجید خاں کی وجاہت کو کچھ دخل ہی مگر مرحوم کی طبابت کے بارے میں عام لوگوں کو بڑی عقیدت مندی تھی۔ کلکتے سے مولوی لطف الرحمن بیرسٹر تعزیت کے لیے آئے۔ اور اس مجمع کے اجتماع کے باعث ہوئے جس میں یہ لکچر دیا گیا۔ عمائد شہر کے علاوہ خود صاحب ڈپٹی کمشنر میر مجلس تھے اور بولنے والوں میں مولوی لطف الرحمن صاحب بیرسٹر محمد اکرم اللہ خاں صاحب بابو گردھاری لعل صاحب اور آخر میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب۔ عام حاضرین کا مقولہ یہ تھا کہ اگر مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے یہ لکچر نہ دیا ہوتا تو مجلس تعزیت پھیکی رہتی لکچر یہ ہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت کو دچاہے وہ کوئی دن ہو یا کوئی تاریخ یا کوئی مہینا یا کوئی سال نحس یا سعد سمجھنا ہم مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہی اور نہ اس کو عقل قبول کرتی ہی۔ لیکن جب دنیا میں ملائم و ناملائم اتفاقات پیش آتے ہیں تو بتقاضائے ضعف بشریت ایسے خیالات خواہی نخواہی دل میں آہی جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا اور نہیں جان سکتا اور سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں جانتا اور نہیں جان سکتا کہ ۱۸۹۲ء کے انجام تک کیا ہو۔ مگر اس کا آغاز تو ایسی آفتوں سے ہوا ہی کہ خدا ہی خیر کرے۔ روس کہ وہاں کے باشندے بھی آخر میں تو اپنے ہی ابنائے جنس

قطعہ

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند	کہ در آفرینش زیک گوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضو ہا را نماند قرار

غرض روس اور اتنی دور روس بھی۔ ل جاؤ۔ بنگالہ مدراس اور بمبئی کے بعض اضلاع۔ ان سب مقامات کی خشک سالی سن سن کر طبیعتیں تو اداس تھیں ہی کہ دفعتہً ملکہ وکٹوریہ کے بڑے پوتے وارث تخت و تاج پرنس وکٹر کی مرگ مفاجات کی خبر آئی۔ جیسے آسمان سے بجلی گر پڑی جوانی اور جوانی کا

بھی عنوان ع ایں ماتم سخت ست کہ گویند جوان مُرد۔
اور پھر سلسلہ بسلسلہ سلطنت کی امیدواری اور سلطنت بھی انگلستان اور ہندوستان کی سلطنت
یعنی دنیا کی بہشتِ بریں۔ اور سب سے بڑھ کر عین ارمان کے دنوں میں کہ تاریخ ٹھہر کر بیاہ کی
تیاریاں ہو رہی تھیں ایسے مرنے سے زیادہ اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے خود مرنے والے کے حق میں۔
بڑھی بیوہ غم زدہ یک سر و ہزار سودا ملکہ کے حق میں۔ مائیوں کی رانڈ پرنسس میری آف ٹک کے
حق میں۔ ہمارے شہزادے ولی عہد کے حق میں۔ ولی عہد بیگم کے حق میں۔ تمام خاندانِ شاہی کے
حق میں۔ اور بلا امتیاز قوم و ملت تمام ملک کے حق میں ابھی اس صدمے سے ہم لوگ پنپنے نہیں پائے
تھے کہ حکیم محمود خاں صاحب نے انتقال فرمایا۔ وہ بھی مفاجات۔ گویا آسمان سے پہاڑ ٹوٹ پڑا
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ حکیم محمود خاں صاحب سے پہلے بھی مشہور طبیب ہو گزرے ہیں۔
مگر ان جیسی شہرت کہ چہار دانگ ہندوستان میں ان کی حذاقت کا غلغلہ تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ متقدمین
میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس زمانے میں کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی خیالات کا جھکڑ ایسے
زور سے چل رہا ہے کہ ہمارے علوم و فنون کا ٹھہرنا مشکل بلکہ محال ہو گیا ہے طبِ یونانی کے اعتبار کو
پبلک کی نظر میں جمائے رکھنا اُن ہی مرحوم کا کام تھا۔ اِن ہی مرحوم کا حصہ اور اِن ہی مرحوم کا حق اِن کی
شہرت کبرٰی فی موت الکبراء کے طور کی شہرت نہ تھی بلکہ مبنی تھی ہزاروں مختلف الاعمار مختلف
الاوطان مختلف الحالات آدمیوں کے ذاتی تجربے اور اجماع پر جن کو حکیم صاحب نے زبردستی [illegible]
شکنجۂ عذاب سے بچایا۔ پنجۂ ہلاکت سے چھڑایا۔ اور موت کے حلق سے اُگلوایا چونکہ دنیا کے تمام کاروبار
متفرع ہیں زندگی اور تندرستی پر جس کا محافظ باسباب ظاہر طبیب ہے۔ اس لئے میں حکیم محمود خاں صاحب
کی وفات کو قومی بلکہ ملکی مصیبت خیال کرتا ہوں وہ مصیبت ہم دلّی والوں پر سب سے زیادہ شاق ہے
اس واسطے کہ دلّی یہ بد نصیب دلّی یہ بد قسمت دلّی یہ بد بخت دلّی سینکڑوں برس دار السلطنت ہونے
کی وجہ سے دولت اور حکومت اور عزت اور لیاقت کا مرکز رہ کر اب ایک ضلع رہ گیا ہے من مضافات

لہ بڑے مرتے گئے تو ان کی جگہ چھوٹے ہوتے گئے ۱۲۔

لاہور تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ جاگیر اور منصب اور معافی کا تو کیا مذکور ہے۔ ہماری اپنی چار دیواری میں سلطنتوں کے اخیر فیصلے ہوتے تھے۔ اب ہم ہیں کہ ذری ذری سے مقدمے کے لیئے لاہور گمسٹنا پڑتا ہے۔ نہ ہمارے یہاں کسی قسم کا کالج ہے نہ کسی صیغے کے اعلیٰ افسر کا ہیڈ کوارٹر اس سے بڑھ کر محرومی اور خفت اور سُبکی اور بے عزتی اور کیا ہوگی۔ عالم مشائخ۔ صناع ہر فن کے اُستاد ہر ہنر کے کامل۔ درجنوں کوڑیوں یا اب لے دے کر ایک حکیم محمود خاں صاحب کا دم رہ گیا تھا۔ صد افسوس ہزار افسوس یہ نعمت بھی سلب ہو گئی۔ یہ فخر بھی چھین گیا۔ یہ چراغ بھی گل ہو گیا۔ خود طبیب بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اصل میں طبیعت مدبر بدن ہے۔ اور طبیب کا کام طبیعت کی تقویت۔ لیکن اگر طبیب لوگوں کے دلوں میں ایسا اعتبار پیدا کرے کہ اسی کی ذات خاص سے طبائع کی تقویت ہو اور اُس کی طرف رجوع کرنے کو لوگ شفا کی ضمانت اور تن درستی کی کفالت سمجھتے ہوں جیسا کہ حکیم محمود خاں صاحب کی نسبت لوگوں کا عقیدہ تھا۔ تو اب دوسرے کی نسبت ایسی عقیدت پیدا ہونے کو عمریں چاہئیں۔ یہ بات طبیبوں میں کم دیکھی ہے کہ وہ جس فن کا عمل دوسروں پر کرتے ہیں اپنے اوپر اُس کا عمل کر کے لوگوں کو اس فن کا گرویدہ کر لیں مگر ہمارے حکیم محمود خاں صاحب طبِ یونانی کے صداقت کا خود ثبوت مجسم تھے۔ اگرچہ وہ ارذل العمر کو نہیں پہونچے اور عمر کی اس حد کو پہونچ کر جینے کا مزہ بھی نہیں مگر اُنھوں نے عمر طبعی سے اَعْمَارُ اُمَّتِیْ بَیْنَ سِتِّیْنَ وَسَبْعِیْنَ پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور جب تک زندہ رہے اعلیٰ درجے کی تن درستی کا عمدہ نمونہ تھے اُنھوں نے اپنی حرارت غریزی کی جو مدارِ حیات ہے اس قدر احتیاط کی تھی کہ اس عمر پر سخت سے سخت جاڑے کے دنوں میں بھی کسی نے ان کو کسی وقت گرم کپڑے پہنے نہیں دیکھا ہوگا وہ اپنی وضع کے ایسے پکے تھے کہ ایسے مستقل مزاج لوگوں کا پیدا کرنا میں جانتا ہوں خدا نے بند کر دیا ہے۔ کیا مِنْ حَیْثُ الْفَنْ کیا مِنْ حَیْثُ الْعمر کیا مِنْ حَیْثُ الْقول کیا مِنْ حَیْثُ الْاَخْلاق

۱؎ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے ۱۲ ۲؎ یہ اشارہ ہے طرف اس حدیث کے کہ میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر برس کے بیچ میں ہیں ۱۲۔

کیا من حیث الوجاہت کیا من حیث التعزز سب طرح پر حکیم صاحب مکرم و محترم تھے مگر وہ اپنے نیازمندوں سے اور مساکین بے توسل سے ایسے بے تکلفانہ طور پر ملتے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنی حالت کی برتری پر کبھی نظر ہی نہیں کی اور یہی ہی خلاصہ تہذیب اور شائستگی و اخلاق اور حسن معاشرت کا۔ غرض ایسے اور اس سے بھاری جوہر رکھتے تھے وہ بزرگ تو من جن کی رسم تعزیت عام طور پر ادا کرنے کے لیئے ہم لوگ جمع ہوئے ہیں حکیم محمود خاں صاحب کی وفات سے جو نقصان عظیم قوم اور ملک کو پہونچا ہی اگرچہ فی حد ذاتہ ناممکن التلافی ہی مگر ؎

نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند		یکے ہمی رود و دیگرے ھمی آید

بڑے شکر کا مقام ہی کہ ہم اُن کے فرزند اکبر حکیم عبد المجید خاں صاحب میں اُنکے نعم البدل ہونے کی توقع رکھتے ہیں اُنھوں نے باپ کی زندگی میں اپنی طبابت کا سکہ بٹھا لیا ہی بلکہ ایک بات میں اُن پر بھی سبقت لے گئے ہیں کہ اُن کو زمانے کی ضرورتوں پر نظر ہی اور مدرسۂ طبیہ جس کے یہ بانی ہیں اس کا شاہد۔ پس میری اور ہم سب کی دلی آرزو اور تمنا ہی کہ خدا حکیم محمود خاں صاحب کی مغفرت کرے۔ اُن کے پس ماندوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حکیم عبد المجید خاں صاحب کی زندگی باپ کی زندگی سے زیادہ کامیاب زیادہ نامور اور زیادہ ممتد ہو۔

تیرھواں لکچر

جو مدرسہ طبیۂ دہلی کے تیسرے سالانہ جلسے میں ۱۵ جون ۱۸۹۲ء کو دیا گیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہاتف نے آج مجھ کو جگا کر علی الصباح	آواز دی کہ اتنا بھی بیگانہ خو نہ ہو
طبیہ مدرسے میں ہی ایک ازدحام خلق	ایسا نہ ہو کہ آج کے جلسے میں تو نہ ہو

اُٹھ چل خدا کے واسطے اور دیر مت لگا
میں نے کہا کہ خیر۔ مگر اس سے فائدہ
تو چاہتا ہی سیر مجھے دُردِ جام سے
ضبطِ معظمات کو درکار ہی دماغ
دولت مدارِ رونقِ باغِ جہان ہی
دنیا میں مفلسی مرضِ لاعلاج ہی
مجھ کو دیا گیا ہی وہ مایوس دل جسے
دیکھے ہیں کتنے کھیل بگڑتے ہوئے بچشم
جو آرزو ہی اس کا نتیجہ ہی انفعال

لوگوں کو رحمتِ طلب و جستجو نہ ہو
قسمت کا چاک تا بقیامت رفو نہ ہو
اور یاں سبو بھی قطرہ پُر گرتا گلو نہ ہو
یہ مغز تخم خربزہ و تخم کدو نہ ہو
زر ہو۔ بلا سے رنگ ہو گل میں بو نہ ہو
اس طرح کے مریض کو صحت کبھو نہ ہو
احساس شادمانی لَا تَقْنَطُوا[۱] نہ ہو
کیوں کر یقین ہو کہ یہ چرچا فرو نہ ہو
اب آرزو یہ ہی کہ کوئی آرزو نہ ہو

اس قسم کے جلسے جیسا کہ یہ ہی اگر سال گزشتہ کی کارروائی کا نتیجہ کامیابی ہی تو خوشی کے جلسے ہیں اس صورت میں سکرٹری جو رپوٹ سُناتا ہی اُس کا انداز ہی دوسرا ہوتا ہی وہ آپ ہی آپ ہنسے دیتا ہی۔ عوب کڑاکے کی آواز سے ایک ایک جملہ پورا کرتا ہی۔ اور داد کے لیئے ہر چہار طرف دیکھتا جاتا ہی۔ اور اُس کی رپورٹ کی نسبت خیال کیا جاتا ہی کہ گویا ایک فتح مند جنرل کا کارنامہ ہی جیسے لارڈ رابرٹس کا وہ مشہور دھاوا جو اُنھوں نے کابل سے قندھار پر کیا تھا۔ اور اگر پچھلا برس مندے کا گزرا ہی نئے چندہ دینے والے دام میں نہیں آئے۔ اور پُرانوں سے وصول نہیں ہوا۔ یا بقدر توقع وصول نہیں ہوا۔ مدرسوں کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور طالب العلموں کے وظیفے۔ اور جن کے راتب مقرر ہیں اُن کو گوشت کے عوض ملنے لگی دال وہ بھی اُبالی۔ جن میں ترمرے کا نام نہیں اور پتلی پانی۔ تو ایسی حالت میں جلسۂ سالانہ محرم کی سی مجلس ہو گی چوں کہ عبدالمجید خاں صاحب رپورٹ سُنا چکے ہیں۔ حاضرین میں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ وہ شریک محفل خوشی ہی یا داخل مجلسِ عزا۔ میری طبیعت ایک خاص طور کی واقع ہوئی ہی کہ مجھکو موافق کم اور مخالف احتمالات بہت سوجھا

[۱] اشارہ ہی طرف اس آیت کے جس میں ارشاد ہی لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ یعنی خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

کرتے ہیں۔ یہ بیچارہ مدرسۂ طبیہ تو آدھی اور کی پیر شدی۔ ہیں تو علی گڈھ کالج کی طرف سے بھی
پورے طور پر مطمئن نہیں ہوں جس کی بنیاد کو سر سید احمد خاں نے اپنے پندار میں اس قدر مستحکم
کر دیا ہی اور کرتے جاتے ہیں کہ فرنٹیئر ڈیفنسیو ورکس[1] کی بھی اس کی مضبوطی کے آگے کچھ حقیقت
نہیں۔ پس میں تو یہی کہوں گا کہ عبد المجید خاں اپنا مرثیہ پڑھ چکے اب میں کچھ تحت اللفظ پڑھنے کے
لیئے کھڑا ہوا ہوں۔ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ نازک وقت بچپن کا ہی کیوں کہ رجسٹر اموات
سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچی ہی کہ بچے بہت کثرت سے ضائع ہوتے ہیں۔ کچھ یہیں ہندوستان میں
نہیں بلکہ یوروپ میں بھی جہاں سینٹیفیک[2] طور پر اطفال کی پرورش کی جاتی ہی۔ اس کی وجہ کا بتانا
عبد المجید خاں کا کام ہی۔ اور اُن لوگوں کا جو مدرسۂ طبیہ میں پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ لیکن میں کہ کوچۂ طبابت
سے نابلد ہوں اور خدا مجھ کو نابلد ہی رکھے۔ کیوں کہ میں عمر طبعی کے قریب قریب آلگا ہوں چلتے چلاتے
کیوں اپنے ایمان کو ڈانواں ڈول کروں۔ غرض میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ سن طفولیت میں روح و
جسد کا تعلق ہوتا ہی جدید العہد۔ اعضا غلبۂ رطوبت کی وجہ سے جس کا ہونا نمو کے لیئے ضرور ہی نازک عمارت
بدن تھوڑے سے جھکولے کی بھی مقاومت نہیں کر سکتی۔ بعینہ یہی حال ہی اس طرح کے قومی کاموں کا
جیسا کہ مدرسۂ طبیہ ہی۔ مدرسۂ طبیہ کی عمر اب تین برس کی ہی۔ اگر یہ آدمی کا بچہ ہوتا تو آج کو دوڑا دوڑا پھرتا
اور بلبل ہزار داستان کی طرح چہکتا۔ لیکن باوجودیکہ عبد المجید خاں کی سرپرستی میں اس نے پرورش پائی
ہی میں اس کو ویسا چونچال اور توانا اور خوش حال نہیں پاتا جیسا کہ اس کو ہونا چاہیئے تھا۔ اس کا سبب
یہ ہی کہ اس بیچارے معصوم کو پیٹ بھر کر دودھ نہیں ملتا یعنی کافی فنڈ نہیں۔ اور اگر ابھی سے اس کی
انتڑیاں سوکھ گئیں تو سمجھ لو کہ ساری عمر کے لیئے ٹھٹھر کر رہ گیا۔ اس مدرسے کو تو اس طرح کا بنانا منظور تھا
کہ ویسا بن گیا ہوتا تو ہندو اور مسلمان سب کی جنٹ پراپرٹی[3] ہوتا۔ کیوں کہ پیش نہادِ خاطر یہ تھا کہ
ویدک اور یونانی اور ڈاکٹری کے اجزائے ثلثہ کو ملا کر ایک معجون طبابت تیار کیا جائے۔ یہ خیال
مجالس میں مجامع میں بار بار باعلان ظاہر کیا گیا۔ اور اخباروں میں اشتہاروں میں رسالوں میں

[1] وہ قلعہ سرحدیں وغیرہ جو سرحد افغانستان پر حفاظت ہندوستان کے لیئے بنائے گئے ہیں ۱۲ [2] علمی ۱۲ [3] مال مشترک ۱۲ –

اس کی تحریری یادداشتیں موجود ہیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور نے سنین ماضیہ کی متصل اور متواتر کامیابی
کے برتے پر حال میں ایف آے کی ایک جماعت کھولی ہو جس کو کالج کی ابجد کہنا چاہیے۔ اس پر سارا
ہندوستان انجمن کی تحسین کر رہا ہو کہ کم سے کم پندرہ لاکھ روپیہ نقد منقد جمع کرکے کالج کا نام لینا تھا۔ وہ
کالج جو انجمن حمایت اسلام لاہور کھولنا چاہتی ہو یہی متعارف طور کا کالج ہو۔ دوسرے کالجوں کی نقل
محض۔ لیکن مدرسۂ طبیہ ایک بالکل نئی چیز ہو جس کی نظیر دنیا میں کسی جگہ موجود نہیں۔ نہ یوروپ میں نہ
نہ امریکہ میں نہ قسطنطنیہ میں نہ مصر میں نہ ہندوستان میں ہم کو نئے کورس بنانے ہیں۔ نئی طور کی کتابیں
تصنیف کرنی ہیں۔ نئے طور کے پروفیسر بہم پہونچانے ہیں۔ مطلب تو ایسا عظیم الشان گ ایسا اہتمام
بالشان اور بے سامانی اس درجے کی کہ چند پیسوں کے سوا (اور وہ چند ہزار ہوئے تو بھی ایسے
کام کے لیئے پیسے ہی گنے میں آتے ہیں) گرہ میں کچھ نہیں اور سب سے بڑھ کر جلدی یہ کہ مدرسے کو
جاری ہوئے اب چوتھا برس شروع ہی نتیجہ کیا ہو اور اس کے سوائے ہو تا بھی کیا تھا کہ بجائے اس
عجیب خیالی مدرسے کے جس کا باغ سبز پراسپکٹس میں پبلک کو دکھایا گیا تھا۔ ایک سکول ایک متی[له] انجمن
آف سکول ہو جس میں صرف طب یونانی کا وہی پرانا دقیانوسی درس ہو۔ اور وہ بھی چنداں فخر و ناز کے
قابل نہیں لیکن ہن ناکامیابی اس فیلیور[له] کا الزام کس پر ہی ہر ہر متنفس پر جس کے اذعان میں اس مدرسے
کی ضرورت ثابت کی گئی۔ اس پر جو اتنی بات سمجھ سکتا ہو کہ ہر بندہ بشر محتاج طب ہو اور مروجہ طب محتاج
اصلاح و ترمیم جہاں تک اس مدرسے کو اور نہ صرف اس مدرسے کو بلکہ قومی یا ملکی یا پبلک اصلاح قومی یا ملکی یا پبلک نام قومی یا
ملکی یا پبلک ترقی کو مسلمانوں کے ساتھ تعلق ہو۔ ان سے امداد و اعانت کی توقع لاحاصل سی ہو۔ مسلمانوں میں اپنی حالت
کی اصلاح کی صلاحیت ہوتی تو یہ اس نوبت ہی کو کیوں پہونچتے ان کے حالات ان کے کمالات
ان کے عادات ان کے معتقدات پر نظر کرکے میں نے تو یہ راے قائم کی ہو کہ مسلمان یا تو کریں سلطنت
اور یا مانگیں بھیک۔ یا رہیں اعلیٰ علیین پر۔ یا گریں اسفل السافلین میں بیچ میں کہیں ان کا ٹھکانا
ہی نہیں۔ سو سلطنت تو بہت کی اور ایسی کی کہ نہ کسی نے کی ہو گی اور نہ کوئی کرے گا۔ خدا کی حرف

له احمق بنار [illegible]، لقد محتہ ۱۲ [illegible] سے بیانے کا اسکول یعنی اسکولیچہ ۱۲ له ناکامیابی ۱۲-

سلطنت کا کوئی استمراری ٹھیکہ نہ تھا ع

ہر کہ را پنج روز نوبتِ اوست

اب بھیک مانگنے کی باری ہی اور اس کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ سلطنتیں نکل گئیں
اور نکلتی جا رہی ہیں۔ اور جو باقی ہیں یوماً فیوماً ضعیف ہوتی چلی جاتی ہیں۔ طبِ یونانی جس کے سمجھانے
کا اس مدرسے نے بیڑا اُٹھایا ہی ہر تو محتاج الیہ عام مگر پھر بھی اس کو مسلمانوں کے ساتھ ایک طور
کی خصوصیت ضرور ہی۔ چاہے اس طب کا ماخذ اصلی یونان ہو لیکن ہندوستان میں اس طب نے
مسلمانوں کی وجہ سے رواج پایا۔ یہ فن ہمیشہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ ہر زمانے میں اور ہر جگہ
مسلمان ہی اس فن کے بڑے سے بڑے ماہر ہوتے چلے آئے۔ الیٰ یومنا ھذا پس اگرچہ باشندگانِ
ہند عموماً صدہا سال سے طبِ یونانی کے ممنون ہیں۔ لیکن دوسروں پر طب کا استحقاق ہی تو مسلمانوں پر
دعویٰ خیرات۔ مبرات کی جیسی کچھ تاکید اسلام میں ہی۔ میں جانتا ہوں کہ کسی دوسرے مذہب میں نہ ہوگی
میں یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مذاہب میں اس کا حکم نہیں ہی۔ مگر نہ اس شد و مد کے ساتھ کہ قرآن میں
جہاں اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ ہی اٰتُوا الزَّکٰوۃَ بھی ضرور ہی پھر میں اس کا بھی قائل نہیں۔ کہ مسلمان ابنائے جنس
احکام مذہبی کی بجا آوری میں کاہل اور بے پروا ہیں۔ ابھی رمضان کو گزرے کے دن ہوئے۔ بلا کی
گرمی اور پہاڑوں اور اس پر حرارت ہوا اور شاید طبیبوں اور ڈاکٹروں کا اجماع کہ فاقہ محلِ خطر ہی۔ مگر
اتنے بڑے شہر دلّی میں دس مسلمان بھی ایسے نہیں نکلیں گے جنھوں نے تکلیف سے جان بچا کر یا دبا سے
ڈر کر روزہ نہ رکھا ہو۔ اور جنھوں نے نہیں رکھا وہ ایسے با ہمت بزرگ تھے جو بڑی عجوزے کے رمضان میں بھی روزہ
نہیں رکھ سکتے۔ بہرکیف میں مسلمانوں کو ابنائے جنس ایسا گروہ خیال کرتا ہوں جو بجا آوری احکام مذہبی
میں کسی دوسرے گروہ سے پیچھے نہیں۔ پر خرچ کر دینے میں بھی ایسے دھنی ہیں کہ اگر مولویوں نے سب نے نہیں
بلکہ اُن مولویوں نے جن کو دل آزاری کے لیے وہابی کہا جاتا ہی۔ روک ٹوک نہ کی ہوتی تو مسلمان
شادی غمی یا اور دوسری تقریبات میں بہت سے فضول اور لایعنی مصارف اپنے اوپر لازم کیے رہتے

سلہ آج کے دن تک ۱۲ قائم رکھو نماز روزہ زکوۃ ۳ بحیثیت قومی ۲ کرنا اکے کا جاڑا ۱۲۱۔

بھلا پھر مسلمان باوجودیکہ مطیع مذہب اور خرچ کرنے پر دلیر بھی ہیں مدرسۂ طبیہ جیسے نیک کام میں
جی کھول کر کیوں نہیں شریک ہوئے۔ اس کی دو وجہیں خیال میں آتی ہیں۔ اول تو لوگ ایسے کاموں
کو صرف خیرات ہی نہیں سمجھتے۔ وہ بیمار کو دیکھ کر بے شک ترس کھائیں گے۔ اور دوا بلکہ غذا بہم پہونچانے
میں بھی اُس کی مدد کو آمادہ ہوں گے۔ لیکن یہ خیال دور از کار اُن کے ذہن میں بھی نہیں گزرتا کہ کار ثواب
سمجھ کر اپنی گرہ کے دام خرچ کریں لوگوں کو طب پڑھوائیں اس توقع سے کہ نئے طبیب تیار ہوں
اور آخر کار مریضوں کا علاج کریں۔ دوسرا سبب اینڈ دی لاسٹ ڈونٹ دی لیسٹ[1] ہی عموماً مسلمانوں
کی بے قدری۔ یہ تو خاص ایک معزز لوگوں کا مجمع ہے اور جتنے مسلمان اس جگہ موجود ہیں ماشاء اللہ سب مقتدر
ہیں لیکن میں عام مسلمانوں کی قوم کا مذکور کر رہا ہوں سو قوم تو بہت بڑی چیز ہے۔ ایک دلّی شہر میں ایسے
مسلمان کتنے ہوں گے شاید مشکل سے محلے پیچھے ایک یا دو ہمارے شہر میں صرف پنجابیوں کی ایک قوم بدولت
تجارت خوش حال ہے اور یہ لوگ مخیر بھی ہیں۔ مگر اُن کے مذاق ہمارے ڈھب کے نہیں۔ پس مدرسے کی
طرف سے ہوئے نہ ہوئے برابر۔ تو غرض یہ ہے کہ مدرسۂ طبیہ کو جہاں تک آسرا اور سہارا مسلمانوں کا ہے۔
مسلمانوں کا حال یہ ہے شعر

کریماں را بدست اندر درم نیست	خداوندان نعمت را کرم نیست

پس مدرسۂ طبیہ کی تقدیر حقیقت میں فیصل شدہ ہے۔ یوں بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑے اور خدا چھپر پھاڑ کر
ہُن برسا دے تو کہی نہیں جاتی ورنہ باسباب ظاہر تو سکول کی حالت افسوس کے قابل ہے۔ اور یہ سالانہ
جلسے اور اژدحام اور اجتماع اور رپورٹ اور لکچر سب چیزیں بے مناسبت معلوم ہوتی ہیں۔ اگر فنڈ
جمع کرنے کی ایک عمدہ تدبیر فیزبل[2] اور پریکٹیکبل میری سمجھ میں نہ آئی ہوتی تو میں اس جلسے میں شریک
ہونے اور لکچر دینے پر ہرگز جرأت نہ کرتا۔ اے حکیم عبدالمجید خاں صاحب آپ اپنے مدرسۂ طبیہ کے
قایم کرنے اور اُس کو ترقی دینے کے لیے وہی یا ویسی ہی تدبیریں عمل میں لا رہے ہیں جو ہر ایک فونڈر[3]
آف سکول یا فونڈر آف کالج عمل میں لاتا ہے۔ لیکن میں آپ سے معافی مانگ کر کہنا چاہتا ہوں کہ آپکی

[1] ترتیب میں آخری مگر درجے میں کم نہیں ۱۲ [2] ممکن التعمیل اور سہل التعمیل ۱۲ [3] بانیِ مدرسہ ۱۲

وہی مثل ہی ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں۔ اے جناب آپ کے فنڈ آپ ہی کی جیب میں آپ ہی کی مٹھی میں اور آپ ہی کے اختیار میں ہیں۔ دوسرے فونڈ بھیک مانگنے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور گڑگڑانے کے سوائے اور کچھ ہنر نہیں رکھتے۔ اگر آپ نے یہ سمجھا ہی کہ آپ بھی ان میں سے ایک ہیں تو آپ نے اپنی قدر نہیں پہچانی ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

آپ خدا کے فضل سے مشہور و نامی طبیب ہیں اور خدا نے ہزاروں دلوں کو آپ کے لیے مسخر کر رکھا ہی تا بحدیکہ لوگ آپ کو اپنی تندرستی کا نگہبان اور اپنی جان کا محافظ باور کرتے ہیں آپ کو بہت سی عام اور کثیر الوقوع بیماریوں کے ایسے مجرب اور بھروسے کے نسخے ضرور معلوم ہوں گے جو خطا نہیں کرتے آپ کی بڑی دولت یہی نسخے ہیں۔ اور اگر آپ چاہیں اور آپ کو چاہنا چاہیئے اور آپ ضرور چاہیں گے تو آپ یہ ایک مدرسۂ طبیہ ایسے ایسے کئی بے منتِ غیرے قائم و جاری کر سکتے ہیں۔ صرف اتنی بات کرنی ہوگی کہ آپ اپنے نسخے کسی کو بتائیے نہیں۔ مگر اُن کے فوائد کو مشتہر کیجئے۔ مشتہر کرنے سے یہ مراد نہیں ہی کہ آپ اکمل الاخبار میں اشتہار دے کر فارغ ہو بیٹھیں۔ بلکہ اس کثرت سے اشتہار دینا ہوگا کہ بھلا زیادہ نہیں تو چہار دانگ ہندوستان میں کشمیر سے لے کر مدراس بلکہ سلون تک اور پشاور سے لے کر برہما تک کوئی بستی جس پر شہر کا اطلاق ہو سکتا ہی ایسی باقی نہ رہے جہاں آپ کا اشتہار نہ پہونچا ہو۔ اے جناب اب وہ زمانہ آگیا ہی کہ ہر چیز سینٹفک ہوتی چلی جاتی ہی۔ اشتہار کا دینا بھی بجائے خود ایک سائنس ہی۔ اور ہر شخص اس سے عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا۔ اشتہار حقیقت میں خریداروں کے پھنسانے کا جال ہی۔ اور اس طریقے جال ڈالنا کہ خالی نہ آئے خاص سلیقہ چاہتا ہی لوگوں کی زبانیں مختلف ہیں مراسم و عادات مختلف ہیں۔ اُن کے مذاہب مختلف مذاق مختلف مشاغل مختلف ان سب کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور نہ صرف متوجہ کرنا بلکہ اُن کو شوق و رغبت دلانا ایک طرز خاص سے نہیں ہو سکتا۔ بے شک تحریر ہی ایک آلہ ہی جس کے ذریعے سے ہم کسی بات کو مشتہر کر سکتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ اخباروں میں اشتہار کا دینا ہی گر متعدد اخباروں میں متعدد خطوں کی زبانوں میں۔ دوسرا طریقہ مناظر عام میں اشتہار کا چسپاں

کرتا ہی۔ مناظر عام میں سب سے عمدہ ریل کے سٹیشن ہیں جن کی دیوارین مارے اشتہاروں کے لپی پڑی ہیں۔ پھر نفس اشتہار کا پیرایہ غور طلب ہی۔ اکثر اشتہار میں کوئی عمدہ تصویر شامل ہوتی ہو کہ خواہی نخواہی اُس پر نظر پڑے کبھی مضمون اشتہار ایسا دلچسپ ہوتا ہی کہ وہ توجہ دلاتا ہی۔ صرف توجہ دلانے کی غرض سے تھا کہ ڈاکٹر سیکوا کو تم نے دہلی میں دیکھا ہوگا۔ ایک عجیب صنعت کی گاڑی میں عجیب الخلقت اونٹ جوتے ہوئے سڑکوں پر اور گلیوں میں بگل بجاتے پھرتے۔ لوگ تمسخر کرتے تھے۔ مگر ڈاکٹر سیکوا اسی تمسخر میں لاکھوں روپے کما کر چین سے اپنے وطن میں جا بیٹھے۔ غرض ادھر تو آپ اشتہار دینے شروع کیجئے اور ادھر کارخانۂ دواسازی میں اگر ہو اور نہ ہو تو اس کو اب قائم کیا جائے دوائیں تیار کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کتنی فوائیں آگرتی ہیں۔ میں کامل یقین کرتا ہوں اور آپ بھی کامل یقین کریں گے اور غالباً تمام حاضرین کامل یقین کریں گے کہ آپ خاک کی چٹکی بھی دیں گے تو لوگ اکسیر سمجھ کر بجز اجابت اُسی کے خواہاں ہونگے دوا فروشی کا فائدہ آپ مدرسے کو دیجئے اور ایک ایک فقیر کا بتایا ہوا بھی کام میں لا کر دیکھئے۔ خدا نے چاہا تو وہ فائدہ جو دوا فروشی پر مترتب ہوگا مدرسے کے لئے کافی اور کافی سے بہت زیادہ ہوگا۔ ہاں یہ نسخا انگریزی دوا کی طرح سریع التاثیر نہیں ہی دیر طلب لیکن اس کی کامیابی متیقن ہی۔ اور چندہ بھی آپ کو کون نقد پر کھا رہا ہی۔ اور چندے کا نتیجہ مشکوک بلکہ موہوم۔ بلکہ معدوم ای جناب یہ میرا خیالی ڈھکوسلا نہیں ہی۔ میں اس کے اتنے شواہد پیش کر سکتا ہوں کہ پھر کسی کو گنجایش انکار نہ ہو۔ آپ صاحبوں میں سے اکثر دل نے ہور ڈس کونین۔ اینوز فروٹ سالٹ۔ گریالٹ سرپ۔ فیلوز سرپ۔ بیچمس پلز۔ کاکلس پلز۔ ہالووے پلز ہالووے آوینٹمنٹ۔ کیلپرس اکسٹراکٹ آف مالٹ۔ کالس بروِن کلوروڈین۔ لیلرس فاسفوڈین۔ اور اس طرح سے بہت سے انگریزی دواؤں کے نام سنے اور نہ صرف سُنے بلکہ اُن کو استعمال کیا ہوگا۔ مگر ان دواؤں سے جو مالی منفعتیں اہل یورپ نے حاصل کی ہیں۔ شاید بہت کم لوگ اس کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ اندازے کے متعلق مجھ کو اپنے بچپنے کی باتیں یاد آتی ہیں کہ ہمارے دہلی کالج میں بڑے مولوی صاحب یعنے عربی کے مدرس اول کو جن کی شاگردی پر مجھے ناز ہی سو روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔ اور اس پر وہ اکثر عسرت کی شکایت کیا کرتے تھے اور ہم طالب العلموں کے وظیفے چار روپیہ سے لے کر

بارہ روپیہ تک تھے۔ تو ہم لڑکے لڑکے آپس میں کہا کرتے تھے کہ کیوں مولوی صاحب خلافِ واقع اپنی تنگ
دستی ظاہر کرتے ہیں۔ کیا ہم لوگ ان کی تنخواہ بڑھوانا چاہتے ہیں کہ دفع دخل مقدر کے طور پر اس تمہید کی ضرورت
ہی۔ اُس وقت ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کوئی شخص سو روپیہ ماہوار کی آمدنی رکھ کر بھی تنگ دست
رہ سکتا ہی۔ پھر ہم ان کے تفصیل مصارف پر نظر ڈالتے۔ مثلاً کھانا۔ ایک دس روپے تجویز کرتا۔ تو دوسرا
بڑی فیاضی کے ساتھ کہتا کہ دس نہیں بیس بلکہ پچیس۔ اسی طرح ہر ہر بات اور ہر ہر رقم پر بحث ہوتی۔
اُسی یا اُس سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ جو گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کی بجٹ[۵] پر ہوتی
ہی۔ بہرکیف مصارف کا مجموعہ پچاس ساٹھ سے متجاوز نہ ہوتا۔ غرض اس خصوص میں مولوی صاحب کی
طرف سے ہم سب کو بدگمانی رہی۔ آخر وہ دن آیا۔ اور آنا تھا کہ میں کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر تھا۔ اور بعد تہ
ملا کر پہلی تنخواہ سوا سو سے بھی زیادہ مجھکو ملی اور اتفاق سے اُس وقت وہ ناکافی بھی تھی۔ مجھ کو فوراً
مولوی صاحب یاد آئے اور اُن کی عسرت کی تصدیق ہوئی۔ اور اب تو یہ حال ہی کہ بڑے سے
بڑا عہدہ دار بھی جھوٹوں شکایت کرے سچوں باور کرلیتا ہوں۔ اسی قبیل کی دوسری بات یہ ہی کہ
جب مجھکو اول اول مدارج اعداد سکھائے گئے تو وہی معمولی سلسلہ تھا۔ اکن۔ دہن۔ سیکڑا
ہزار۔ دہ ہزار۔ لکھن۔ دہ لکھن۔ کروڑ۔ دہ کروڑ۔ ارب۔ دہ ارب۔ کھرب۔ دہ کھرب۔ نیل
دہ نیل۔ پدم۔ دہ پدم۔ سنکھ۔ دہ سنکھ۔ مہاسنکھ۔ اس لیئے بچپن میں تعلیم کی تاکید کرتے ہیں کہ اُس
وقت کا سیکھا ہوا کالنقش فی الحجر[۶] ہو جاتا ہی۔ اس سلسلے کے الفاظ جیسے بے گھڑت ہیں ظاہر۔ مگر
چوں کہ بچپن کے یاد کئے ہوئے ہیں ابھی تک نہیں بھولے اگر کچھ مدارج بے ترتیب یا متروک ہو گئے
ہوں تو شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ سے صحیح کرلیتا خیر تو غرض یہ ہی کہ مدتوں مجھ کو اس
سلسلے پر اعتراض رہا۔ کہ دنیا کا کام لاکھوں کروڑوں سے چلتا اور چل سکتا ہی۔ یہ شیطان کی سی
انتڑی بے فائدہ کیا بنا کھڑی کی ہی۔ بارے جب دائرۂ معلومات وسیع ہوا۔ تو سمجھ میں آیا کہ یہ
فیلوسفی[۷] فگر نہ ہوں تو اہلِ یوروپ کی تجارت اور اسٹرانمی[۸] کے مقادیر کیوں کر سمجھائے جائیں

[۵] تخمینہ آمدنی و خرچ آیندہ۔ موازنہ ۱۲۔ [۶] پتھر کی لکیر ۱۲۔ [۷] یعنی اتنے بڑے بڑے اعداد جو افسانہ معلوم ہوتے ہیں ۱۲۔ [۸] علم ہیئت ۱۲۔

یہاں میرے ایک عزیز دوست حافظ عبدالمجید صاحب کسی جگہ موجود ہوں گے اُنھوں نے مسٹر بیچم کی گولیاں
کے ٹرین میں انجن کا کام دیا ہی - وہ مجھ سے بیان کرتے تھے اور اُن کا بیان معتبر اور واجب التسلیم ہو کہ مسٹر
بیچم نے سنہ ۱۸۹۰ء میں سولہ لاکھ سرسٹھ ہزار روپیہ گولیوں کے اشتہار میں صرف کیا - جو شخص ایک سال کے
عرصے میں اس قدر انبار دولت صرف کرے - ہم لوگوں سے اُس کے مفاد کا کیا اندازہ ہو سکتا ہی جنھوں
نے لاکھوں روپئے خواب میں بھی نہیں دیکھے - مسٹر ہالووے نے اپنی بیم کی یادگار میں رائل کالج بنایا -
جس کی صرف عمارت میں ایک کروڑ سے زیادہ صرف ہوا - اُس کا ایک آرٹ گیلری جس میں تصویریں ہیں
پندرہ لاکھ کی لاگت کا ہی - کالج کے سامنے شفاخانہ ہی جس میں چار سو اسی کمرے ہیں اور تین سو مریضوں
کے رہنے کا ٹھکانا - اس کی تعمیر پر مسٹر ہالووے نے کالج کے علاوہ آدھا کروڑ اور خرچ کیا - یہ سب خرچ
کہاں سے آیا صرف مرہم اور گولیوں سے - لیکن کیا مرہم اور گولیوں سے جو کچھ کہ یا کالج و شفاخانے پر لگا بیٹھے
نہیں - بلکہ نیٹ پرافٹ کی ایک چھوٹی سی کسر کیا یہ رقمیں علم ہیئت کے ہندسوں سے کم حیرت خیز ہیں -
میں نے انگلستان کے چند تاجروں کا مذکور کیا - اگر امریکہ کے تاجروں کا حال بیان کرتا اور صاحب ڈپٹی
کمشنر پریسیڈنٹ نہ ہوتے تو جو صاحب پریسیڈنٹ ہوتے کبھی کا مجھ کو بیٹھ جانے کا حکم دے چکے ہوتے -
یہ لوگ جن کا میں نے ذکر کیا اور ان جیسے سینکڑوں پرنس مرچنٹ اس قدر مالدار ہیں کہ روے زمین
کے بڑے مالدار، خاندان شاہی کے پرنس ان کے تمول پر رشک کرتے ہیں - تعجب سخت تعجب اور
نہ صرف تعجب بلکہ افسوس سخت افسوس اور نہ صرف تعجب و افسوس بلکہ شرم اور نہایت شرم کی بات ہی
کہ اہل یورپ اور اہل امریکہ یہاں سے ہزاروں میل دور بیٹھے ہمارے ملک اجنبی میں اپنی دواؤں کا
سکہ بٹھالیں اور ہمارے طبیبوں کی یہ معاش ہو کہ جس طرح کوئی عملہ رشوت لیتا یا چور چوری کرتا ہی عطاروں
سے چپکے چپکے چہارم وصول کریں - بڑی بدنصیبی یہ ہی کہ ایجاد و اختراع کا تو کیا مذکور ہی نمونے موجود ہیں - ان کی
بھی نقل کرتے بن نہیں پڑتی - اور اس پر بڑا نایہ ہو کہ انگریز ہندوستان کی دولت گھسیٹے لئے چلے جاتے ہیں -
سچ ہی گھسیٹے تو لئے جاتے ہیں - لیکن سلطنت کے زور سے ایک پیسہ اور ہنرمندی کے دعوے سے ایک روپیہ

۱؎ نفع خالص ۱۲ ۲؎ ملک التجار ۱۲

ایسا کوئی قانون نہیں کوئی حکم نہیں کہ ہم خواہی نخواہی انگریزی دوائیں استعمال کریں۔ مگر اُن کے استعمال پر ہم کو مجبور کر رہی ہیں واؤں کی منفعتیں اور ہماری ضرورتیں۔ کیا ہمارے ہاں اِس قسم کی دوائیں نہیں ؟ ہیں۔ مگر ہم کو بلاد دور دست کا تو کیا مذکور ہی اپنے ہی وطن اپنے ہی مُلک اور اپنے ہی متعارفین میں اُن کے رائج کرنے کا سلیقہ نہیں ہی۔ تجارت کی کامیابی کے دو بہت بڑے اصول ہیں۔ ارزانی قیمت اور اشتہار سو ہمارے ہاں دونوں میں سے کسی پر بھی عمل نہیں۔ ایک شخص جو مال کو سوائے پرسال میں چار بار اُلٹ پھیر کر سکتا ہی۔ وہ عقل کا دشمن اُس کے دونے کے انتظار میں چار سال تک رو کے رکھنا پسند کرے گا۔ اور سوائے پر بیچنا کبھی جائز نہ رکھے گا۔ رہا اشتہار وہ تو ہمارے مُلک میں عموماً نقصان عاجل سمجھا جاتا ہی۔ جس طرح راہرس کے چاقو کے آگے ہاتھرس کی بھونڈی بھدی چھُری کا نام لینے کو جی نہیں چاہتا اسی طرح یوروپ اور امریکہ کی تجارت کے مقابلے میں یہاں کی تجارت کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہی۔ تاہم یہاں بھی جو لوگ ارزانی قیمت اور اشتہار کے اصول پر چلتے ہیں وہ اپنے اقران میں ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ ولایت میں ٹِٹ بِٹ اخبار کے چھ لاکھ پرچے نکلتے ہیں۔ یہاں اُردو ناگری بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ تلنگی۔ کنڑی۔ سارے ہندوستانی اخباروں کا مجموعہ بھی پچاس ہزار نہ ہو گا مگر بنگال میں بنگا باشی۔ مدراس میں ہندو گجرات میں راست گفتار۔ اُردو میں پیسہ اخبار اور اخبار عام لاہو کا سرکولیشن[۵] زیادہ ہی۔ اس لئے کہ اِن کی قیمت سستی ہی۔ اسی طرح اشتہار کے میں ملکی نظائر پیش کر سکتا ہوں۔ مگر کہاں تک بدنصیب ہندوستان کا رونا روئے جاؤں۔

غرض فنڈ جمع کرنے کے لئے ایک صلاح کی بات سمجھ میں آئی تھی۔ حُب قومی کے تقاضے سے نہیں کیوں کہیں کھو لگا کر شہیدوں میں نہیں ملنا چاہتا۔ بلکہ حکیم عبد المجید خاں کی خاطر سے میں نے وہ صلاح کی بات بیان کر دی۔ یہی نہیں کہ میں نے لکچر کی بھرتی کے لئے ایک بات بنا دی نہیں۔ میں نے اس کو وقتاً فوقتاً سوچا اور اس کے مالہ اور ماعلیہ پر نظر کی۔ اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی کہ اس تدبیر کو کیوں نہ اختیار کیا جائے اور اختیار کیا جائے تو کیوں نہ چلے۔ ہاں جن لوگوں میں حسد کا مادہ ہی اور نہیں دیکھ سکتے کہ عبد المجید خاں سے

[۵] اشاعت ۱۲۔

ئی نام ونمود کا کام ہو۔ یا خدا نے جن کی مت ماردی ہو اور وہ رفاہ قومی کے ہر ایک کام میں ٹانگ
لگانے کو موجود ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ضرور تعریض کریں گے کہ حرص اور حُبِ جاہ بھی کیا بڑی بلا ہو
عبد المجید خاں جیسے شخص سے بھیک بھی منگوائی اور آخر کار دوا فروشی کرائی۔ مگر یہ لوگ کیا اب نہیں کہتے
اور کیا نہیں کہتے عبد المجید خاں صاحب اگر آپ ایسی بیہودہ باتوں کی پروا کریں گے تو مدرسۂ طبیہ کا
خیال چھوڑ دیجیے۔ متضاد باتیں ایک سر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ میں تو آپ کے مدرسے کے لیے دوا
فروشی کی صلاح دیتا ہوں اگر آپ اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوا فروشی کریں تو عرفاً کی تو میں کہتا نہیں
مگر شرعاً اور عقلاً آپ ویسے ہی معزز و محترم ہوں گے۔ جیسے کوئی شریف آدمی دنیا میں۔ معزز اور محترم
ہوا ہو یا ہو سکتا ہو یا آیندہ ہو گا۔ ہمارے ملک پر یہ ایک عذاب الٰہی ہو کہ پیشوں اور کاموں کے تعزز
میں امتیاز کیا جاتا ہو اور تا وقتیکہ یہ امتیاز بالکل ملیامیٹ نہ ہو جائے گا۔ ملک اور قوم کی فلاح
کی توقع رکھنی فضول ہو۔ ہم اگر اپنی دنیاوی حالت بہتر کرنی چاہتے ہیں تو ہم کو چار ناچار یوروپ کی تقلید
کرنی پڑے گی۔ وہاں کا حال یہ ہو کہ مسٹر گلیڈسٹون کا نام اس وقت روئے زمین پر ہوس ہولڈ ورڈ
ہو۔ یہ شخص جس نے سینکڑوں سر اور لارڈ بنا دیے آپ وہی سیدھا سادھا مسٹر ہے ۵

سینے میں قلزم کو سے قطرے کا قطرہ رہا	بل بے سمائی تیری اُف رے سمندر کے چور

تین بار انگلستان کا وزیر اعظم رہ چکا ہو اور عجب نہیں نئے الیکشن میں جو عنقریب ہونے والا ہو پھر زیب دہ
کُرسی وزارت ہو۔ یہ عجیب شخص ایک اناج بھرتی کرنے والے کا بیٹا ہو اور خود اس کے بیٹے کی دکان
کلکتے میں موجود ہو اور شاید اس کا بھتیجا یا قریب کا کوئی رشتہ دار برھما میں ڈپٹی کمشنر تھا یا ہو۔ لارڈ
سڈلی جام یعنی مربا بنانے والا ہو۔ جسٹر جس کے قفل مشہور ہیں سر کا خطاب رکھتا ہو۔ ایک موچی
سر ولیم پلیشر ہو۔ ہنٹلی پامر کے بسکٹ چائے کے ساتھ کھائے ہوں تو اس فرم کا مسٹر پامر پارلیمنٹ
کا ممبر ہو۔ مسٹر ڈبلیو ایچ اسمتھ چند مہینے ہوئے ایک کروڑ بہتر لاکھ کا سرمایہ چھوڑ کر مرے ہیں۔
ایک کتاب فروش تھے۔ خدا نے برکت دی ہوتے ہوتے ہوس آف کامنس کے لیڈر اور

۵ زبانِ زدِ خلائق ۱۲ ۵ انتخاب جدید ۱۲ ۵ سر کردہ ۱۲

ٹریژری[1] کے فرسٹ لارڈ ہو گئے۔ اور مرتے دم تک تجارت سے دست کش نہ ہوئے۔ اُن کی میم کو
ملکہ نے پیئرس کا خطاب دیا۔ مسٹر ہالوی جن کا میں مذکور کر چکا ہوں اُن کو یہ عزت حاصل ہوئی کہ
اُن کے کالج کو خود کوئین وکٹوریہ نے کھولا نیشنل گیلری میں اُن کی تصویر تیسرے نمبر پر لگی ہوئی موجود ہے
مسٹر کین میمبر پارلیمنٹ جو ہندوستان میں بھی گشت لگا گئے ہیں اور جنھوں نے انتظام آبکاری پر بڑا
عمل مچا رکھا ہے ایک ٹین والا ہے۔

غرض یوروپ کا اصول تو یہ ہے کہ اصلی عزت دولت اور لیاقت کی ہے اور ہے بھی یوں ہی اور
ہونا چاہیئے بھی یوں ہی۔ کچھ ضرور نہیں کہ جو رائے میں نے پیش کی ہے ابھی اس کو ردّ یا قبول کیا جائے
مگر اتنا اصرار ضرور کروں گا کہ اس سے قطع نظر نہ کیا جائے۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب ایمن ایسا
خیال کرتا ہوں کہ آپ اپنے مجربات کی رائلٹی[2] دینا چاہیں گے تو کوئی انٹرپرزنگ[3] مین اس کا بڑا بھاری
معاوضہ دینے کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ اور آپ کے چندے کی فہرست میں وہ ایک بڑی رقم ہو گی۔
میں نے نہایت تعجب سے سنا ہے کہ آپ نے مدرسے کے سرمائے کو جائداد اراضی میں مشغول
کیا ہے۔ بے شک جائداد اراضی سے بھی کچھ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں اس بات کو سعی ورزندگی
سمجھتا ہوں جس کو زیادہ کمائی کرنے کا سلیقہ نہیں وہ ہارے درجے اس تدبیر کو اختیار کرتا ہے۔ میں
بہت زیادہ خوش ہوتا اور آپ بہت فائدہ حاصل کرتے۔ اگر یہ سرمایہ اُس طرح پر صرف ہوتا جو میں نے
بیان کیا۔ میں مدرسۂ طبیہ کے مدرسوں کو تو نہیں طالب العلموں کو بھی دو چار صلاحیں بتاتا۔ مگر گرمی
اور صاحب ڈپٹی کمشنر کی پریزیڈنسی اور وقت کی تنگی اجازت نہیں دیتی۔ اگر برزعم[4] الفت طبابت جیتا رہا تو
اگلے سالانہ جلسے کے لئے لگا کے رکھتا ہوں۔ کیوں کہ اس مدرسے میں لکچر دینا اب مجھ کو لازم سا ہو گیا۔

[1] خزانے کا وزیر اعظم ۱۲ [2] حق ایجاد ۱۲ [3] جو حوصلہ مند ۱۲ [4] برخلاف ۱۲

چودھواں لکچر

جو

ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں سالانہ جلسے پر بمقام دہلی دسمبر ۱۸۹۲ء کو دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانو! اگر تم میں ہے کچھ فکرِ رسا باقی
تو بولو اُٹھو کہ ہے اسلام کے مٹنے میں کیا باقی

شجاعت تھی تو وہ ہم سے گئی گزری ہوئی بالکل
نہ اب وہ مُلک گیری ہے نہ وہ حرب و غزا باقی

نہ ہمت ہے نہ جرأت ہے نہ چستی ہے نہ چالاکی
نہ خو زحمت اُٹھانے کی نہ زورِ دست و پا باقی

خدا جانے وہ کیسی سلطنت تھی کیا تھی کیوں رکھی
کہ تاریخی کتابوں میں ہے جس کا تذکرہ باقی

یہ ٹوٹی پھوٹی گنتی کی ریاستہائے اسلامی
جنھیں روئے زمیں پر دیکھتے ہو جا بجا باقی

مگر اُس سطوت کبریٰ کی چندیں یادگاریں ہیں
مسافر جا چکا لیکن ہے اُس کا نقشِ پا باقی

عروسِ دہرِ زال زشت منظر ہو گئی ایسی
کہ جس میں دل ربائی کی نہیں کوئی ادا باقی

وہ بوٹا سا قدِ رعنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا
خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گئی پشت دوتا باقی

تغیر آ گیا نقش و نگارِ حسن میں یکسر
نہ وہ رنگِ حنا قائم نہ چشم سرمہ سا باقی

ملا دی خاک میں پیری نے سب رونق جوانی کی
نہ رنگت میں ضیا باقی نہ چہرے میں صفا باقی

کہاں کی قوم کیسی خیر خواہی کس کی ہمدردی
کہ لوگوں میں نہیں ہے اب تو پاسِ اقربا باقی

کچھ ایسی اجنبیت ان دنوں میں آکے پھیلی ہے
نہیں گویا کہیں کوئی کسی کا آشنا باقی

بٹھا رکھا ہے آزادی نے وہ سکہ۔ کہ لوگوں میں
نہ قانونِ ادب نافذ نہ آئینِ حیا باقی

وہی طرزوں میں ہے طرزِ پسندیدہ جو رہ جائے
بروئے شیوۂ دَعْ مَا کَدِرْ خُذْ مَا صَفَا باقی

قطعہ

ہے میاں لیاقت جو خدا شرمائے ہم سب کو — کہیں ہو بھی اگر علم و ہنر تھوڑا ذرا باقی

کہ دارالعلم دہلی میں فضیلت اس کو کہتے ہیں — کہ میری طرح کے چند اَور ہیں بحت آشنا باقی

قطعہ

مسلماں ہیں مگر صرف از برائے نام کہنے کو — کہ جیسے ذات کا ہی امتیاز و تفرقہ باقی

وگرنہ دین داری بس حقیقت اُس کی اتنی ہے — کہ ہم جیسے گنہ گاروں کا ہے پردہ ڈھکا باقی

ہمارے کھیل ہیں دنیا میں دولت کے تمول کے — مرا بستر ہے وہ جس کے نہیں پٹے لگا باقی

ہماری قوم کو افلاس نے اس طرح گھیرا ہے — کہ فی صد ایک کچھ خوش ہے تو محتاج و گدا باقی

قطعہ

کسی کے کام آئیں یا کسی کو نفع پہونچائیں — جو ہوتے آج کو ایسے نفوس اولیا باقی

تو کیوں اکثر مسلمانوں کی حالت یوں ردی ہوتی — کہ گھر میں سر پہ بی بی کے نہیں ثابت ردا باقی

مسلمانوں کو ایسا تنگ پکڑا ہے زمانے نے — نہ مرنے کی گنجائش نہ جینے کی جگہ باقی

اسی کو ہم بڑی دولت بڑی حشمت سمجھتے ہیں — کہ مسجد میں ابھی ہے بوریا ٹوٹا پھٹا باقی

لیے جاتے ہیں ہم سب کو گھسیٹے قعرِ نکبت میں — اب ایسے رہ گئے ہیں مولوی اور پیشوا باقی

پڑھاتے ہیں سبق تحصیل حاصل زہد کا جب یاں — ہزاروں سے نہیں ہے ایک میں ایسر و غنا باقی

لڑے مرتے ہیں ادنیٰ بات پر انجام جو کچھ ہو — مزاجوں میں نہیں برداشت کا مطلق پتہ باقی

زمین و آسمان کو اپنا دشمن کر لیا لڑ کر — ہر ایک کے ساتھ ہے کوئی نہ کوئی خرخشہ باقی

غرض دنیا و دیں کے سب فضائل منتزع ہو کر — رہا ہے اک تعصب نامناسب ناروا باقی

قطعہ

وہ بیمار قریبِ مرگ ہے اسلام واویلا — مسیحا کو نہیں ہے جس کی امیدِ شفا باقی

مسیحا کون سر سیّد پکارے سب میں کہتا ہوں — صد و سی سال اس کو اَور رکھیو اے خدا باقی

بھلا ہے یا بُرا یہ جانے اور اس کا خدا جانے — مگر ہے کوئی اس کی شان کا اس کے سوا باقی

عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا — قیامت کو بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی

یہی اک فردِ اکمل ہے کہ جس کو دیکھ کر جاتا — ہماری ناؤ کا بارے ہے اب تک ناخدا باقی

[illegible] اک اللہ خیر اقوام کی اصلاحِ حالت میں — دقیقہ ایک بھی تو نے نہیں رکھا اٹھا باقی

خدا نے تجھ کو پہونچایا ہی اُن اعلیٰ مراتب پر
طریق مختصر پر گرتیرے القاب لکھا ہوں
مگر معلوم ہی تجھ کو مسرّت کچھ نہیں اس کی
محال عقل ہی تجھ کو ہو اس دنیاے فانی میں
نہ ہو بے دل اور اپنی ہی کئے جا صرف ہمت سے
اگر انعام کی تجھ کو توقع ہو تو باور رکھ
تجھے روئے گی سر پہ ہاتھ رکھ کر قوم بدقسمت
نہ ہو ویں کارگر گر لاکھ تدبیریں تو کیا پروا
تصور میں پکڑ کر اپنے نانا جان کا دامن
تباہی چھا رہی ہی تیرے پیغمبر کی اُمت پر
مسلمانوں کو ہمت قرن اول کی عطا فرما
ذرا ٹھہراے طبیعت کس بلا کی تیری آمد ہی
یہ جو کچھ سن چکے ہو اب تلک تمہید مطلب تھی

فزوں تر جن سے اب کوئی نہیں ہی مرتبہ باقی
تو مشکل ہی کہ ابجد میں رہے حرف ہجا باقی
کہ تو ہی درد مند قوم اور تیرا اگلا باقی
سواے قوم کوئی آرزو یا التجا باقی
کہ سب کے سر پہ اب تو ہی ہی اک بوڑھا بڑا باقی
خدا کے پاس ہی تیری جزا تیرا صلہ باقی
اور اس کو دیکھے گا جو کوئی جیتا رہا باقی
ابھی سب سے بڑی بھاری ہی تدبیر دعا باقی
خدا سے عرض کر یا قاضی الحاجات یا باقی
بجز تیرے کرم کے اب نہیں کچھ آسرا باقی
وقار و عزت اسلام تا روز جزا باقی
کوئی حد بھی ہی اس باقی کی آخر تا کجا باقی
ابھی ہی نشتر میں کہنے کو اک مدعا باقی

اگر اس ساتویں نوبت میں بھی ایجوکیشنل کانفرنس کے مفہوم اور اس کی غرض وغایت کے بیان کرنے کی ضرورت تھی تو میں خیال کرتا ہوں اُس ضرورت کو جلسۂ تمہیدی جو آپ سے چند مہینے پہلے ہال کے میونسپل ہال میں منعقد ہوا پورے طور پر رفع کر چکا ہی۔ اس کانفرنس نے پچھلے سات برسوں کوشش میں مسلمانوں کی تعلیم پر جیسا کچھ اثر کیا ہو سر سید احمد خاں سے بہتر کوئی دوسرا اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ کانفرنس کا کوئی سالانہ اجلاس ابھی تک ناغہ نہیں ہونے پایا۔ اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہی کہ لوگ کانفرنس کی قدر کرنے لگے ہیں۔ گو قدر کرنے والے سو بلکہ ہزار بلکہ لاکھ میں ایک دو ہی کیوں نہ ہوں ہم کو ابتدائی ضعف کی وجہ سے نا امید نہیں

ہونا چاہیئے گریٹ تمنگر ہیو سمال بگننگ دمبٹے سے بڑے کام بھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہوا کرتے
ہیں۔ خدا جس کی بے انتہا قدرت کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اگر چاہے اور برکت بھی دے تو کیا عجب
نہیں ہو کہ کانفرنس جو آج سر سید احمد خاں کا خیالی ڈھکوسلا دکھائی دیتا ہے۔ اسی کی بدولت
مسلمانوں کی قسمت کی کھیتی مرجھائی ہوئی کھیتی از سر نو تازہ و شاداب ہو کر لہلہانے لگے ع

شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و بال

اے کاش وہ دن ہماری زندگی میں ہو۔ اجلاس کی جگہ کا ہر سال بدلتے رہنا بھی یقیناً مفید ہے۔
اور اگر دلی والوں میں سے کسی نے جرات نہ کی تو ان شاء اللہ قیامت کے دن سر سید احمد خاں
کے مقابلے میں دلی کی طرف سے میں جج ہوں گا کہ اُنھوں نے مسلمانوں کا کالج علی گڈھ میں رکھ کر
دلی کے گلے پر چھری پھیری تھی۔ سو پھیری تھی۔ مرے پر سو درے اتنے برس کانفرنس کے یہاں
لانے میں دیر کر کے دلی کا یہ دوسرا حق تلف کیا۔

کانفرنس کے لیئے شہروں کے انتخاب میں جن باتوں پر نظر کی جاتی ہے۔ میں جانتا ہوں اُن
باتوں کی جنرل[۱] پروفشنسی میں دلی کسی شہر سے ہیٹی نہیں۔ بلکہ میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہیٹا نہیں اس کی
عظمت ان گئے گزرے ہوئے وقتوں میں بھی ایسی اعلیٰ درجے کی ہے کہ ہندوستان کا کوئی شہر اس کو
لگا نہیں کھاتا۔ ؎

دل و دلی ہیں گرچہ دونوں خراب	پہ کچھ لطف اس اُجڑے گھر میں بھی ہیں

ہر چند[۲] نے زبان اردو میں بہتیری خراش و تراش کی مگر جو فرق آمد و آورد میں ہے جو تفاوت
بے ساختہ پن اور تکلف میں ہے وہی دلی اور لکھنؤ کی اردو میں ہے۔ ع

وَلَیْسَ[۳] التَّکَحُّلُ فِی الْعَیْنَیْنِ کَالْکَحَلِ

دلی کے بدون ہندوستان کی تاریخ ایسی اندھی ہے جیسے بے شکل کے اقلیدس۔ اگر ہمارے شمس العلما

؎۱ دیٖہ ۱۲ ؎۲ حالت مجموعی ۱۲ ؎۳ سرمہ لگانے سے آنکھ قدرتی سرمگیں آنکھ جیسی خوب صورت
نہیں ہوتی ۱۲

خان بہادر مولوی ذکاء اللہ نے اس عمر میں کہ خود اُن کی وہ شکل و صورت نہیں رہی کوئی بے شکل
کی اقلیدس ایجاد کی ہو تو خبر نہیں۔ مگر میں نے جس زمانے میں شوق و رغبت سے نہیں بلکہ سکالرشپ
کے لالچ سے اقلیدس پڑھی تھی میرا تو یہی حال تھا کہ ایک آدھ شکل پر ہی تو دوسری عبارت پر۔ اگر قدامت
اور واقعاتِ عظیمہ کی یادگار قدر و قیمت کی چیز ہو تو دلّی کا ایک ایک روڑا شکاگو کی نمایش گاہ میں بھیجے
کے قابل ہی جو صاحب دلّی کی سیر کی غرض سے تشریف لائے ہیں اور ایسے بیک کرشمہ دو کار بہت
ہوں گے دو چار ہی دن کی سیر گشت میں دیکھ لیں گے کہ چھ چھ سات سات کوس کے چکّر میں کتنی
ایسی عمارتیں ہیں جو انجینئرنگ سکل اور بناوٹ کی عمدگی کے اعتبار سے روئے زمین کی تو میں کہتا
نہیں مگر ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ مجھ کو ہندوستان کے اکثر نامی شہر دیکھنے کا اتفاق ہوا
ہی جس قرینے سے شاہ جہاں آباد بسا بلکہ بسایا گیا ہی کسی دوسرے شہر کو نصیب نہیں۔ الغرض گزشتہ
سے قطع نظر کر کے حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے بھی دلّی کے مفاخر کی فہرست دوسرے شہروں کی فہرستوں
سے بالشت دو بالشت نکلتی ہوئی رہے گی۔ اور یہی مفاخر ہیں جو کشاں کشاں کانفرنس کو یہاں بدر
لائے۔ مگر لائے ؎

لائے اُس بت التجا کر کے	کفر توڑا خدا خدا کر کے

لیکن میری نظر ان مفاخر پر نہیں ہی۔ یہ مفاخر بعض معدوم ہو کر اُن کا افسانہ باقی رہ گیا ہی بعض علیٰ شرف الزوال[1]
ہیں۔ اور جو علیٰ شرف الزوال نہیں بھی ہیں اُن کو بھی کانفرنس کے مقاصد سے کچھ ایسا تعلق نہیں۔

میں جس بات کو دیکھتا ہوں وہ یہ ہی کہ دلّی کو دوسرے بلادِ ہند پر ایک دینی فضیلت ہی۔ یہ امام ہی
اور دوسرے شہر مقتدی۔ یہ مجتہد ہی اور دوسرے شہر مقلد۔ یہ اصل ہی اور دوسرے شہر نقل۔ یہ اسلام کا
متن ہی اور دوسرے شہر فروع۔ میں اس کو ہرگز مبالغہ نہیں سمجھتا کہ اسلام کے اعتبار سے جو نسبت مکّے
مدینے کو عرب سے ہی وہی نسبت دلّی کو ہندوستان سے ہی۔ ہندوستان میں اسلام کے پھیلنے کے
پیرائے خیال میں آتے ہیں۔ کچھ تو وہ ہوں گے جنھوں نے اس ملک کو فتح کیا اور یہیں رہ پڑے

۱؎ معاری سلیقہ ۱۲ ۲؎ زائل ہونے کے قریب ۱۲

افسوس اُن پر اور اُن کی نسلوں پر۔ اور کچھ ایسے بھی ضرور ہوں گے بلکہ عجب نہیں ایسے اکثر ہوں۔
جنھوں نے طوعاً یا کرہاً مذہب اسلام اختیار کیا۔ لیکن چاہے پہلے کے مسلمان رہے ہوں یا بعد کو
مسلمان ہوئے ہوں۔ ہندوؤں کے اختلاط کی وجہ سے اُن دنوں کا اسلام خالص اسلام ہو نہیں سکتا
تھا۔ اور افسوس ہے کہ اب تک بھی خالص نہیں اور شاید ہوگا بھی نہیں۔ اُفتاد تو بگڑی ہوئی پڑی تھی اور
اسلام کے پنپنے کی کوئی توقع نہ تھی مگر سچا خدا اپنے سچے پیغمبر کی زبان سے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ[۵۱]۔ اور
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ[۵۲] کی منادی کر چکا تھا اور اُس کی ڈگری جاری ہونی ضرور
تھی إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ[۵۳] باسے کفرستان ہند میں یعنی ہماری اسی دلّی میں وہ خاندان
ذی شان پیدا ہوا ع

این خانہ تمام آفتاب است

جو شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز سے شروع ہو کر مولوی شاہ اسحاق صاحب پر ختم ہو گیا۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ[۵۴] ان لوگوں نے اور بعض ان کے معاصرین نے بھی قرآن اور
حدیث کے ترجمے کیے۔ تفسیریں اور شرحیں لکھیں۔ دینیات کی کتابیں تصنیف کیں۔ درس دیئے
وعظ کہے۔ یعنی زمانے کی ضرورتوں پر نظر کر کے وہ یا ویسے کام کیے جو اپنے وقت میں صحابہ و تابعین
اور تبع تابعین نے کیے تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین غرض دلّی کی دینی عظمت دینی فضیلت دینی برتری دینی
شرافت اُن بزرگوں کی قائم کی ہوئی ہے۔ خدا اُن کو جزائے خیر دے۔ یہ چھوڑا یا تغلق یا التمش یا کسی
غوری یا شاہ جہان کی عمارتیں نہیں جو یوماً فیوماً بلکہ ساعۃً فساعۃً بلکہ آناً فاناً فرسودہ و مندرس
ہوتی چلی جا رہی ہیں اور ایک دن معدوم ہو کر رہیں گی كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ[۵۵] بلکہ یہ وہ باقیات
صالحات ہیں جن کا قیام ذات خدا کے ساتھ وابستہ ہے۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ[۵۶]

---

۵۱ اللہ اپنے نور ہدایت کو پورا کر کے رہے گا ۱۲ ۵۲ اور جو دین خدا نے اپنی مرضی سے مسلمانوں کو بتایا ہے اُس کو ضرور مستحکم کرے گا۔ ۱۲
۵۳ اللہ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا ۱۲ ۵۴ ہم اللہ کے بس میں ہیں (جو چاہے سو کرے) اور ہم کو اُس کے پاس لوٹ کر جانا ہے ۱۲
۵۵ گویا کل اُن کا کہیں نشان بھی نہ تھا ۱۲ ۵۶ اور پروردگار کی ذات ہمیشہ ہمیشہ کو باقی رہے گی جو عزت والا اور بزرگی والا ہے ۱۲

افسوس تو ہم کو مسلمان بادشاہوں کے مرنے کا بھی بہتیرا ہی کچھ ہو اور نہ کیوں ہو۔ وہ ایک نیچرل بات ہو اضطراری۔ اس کا چھپانا نفاق بزدلانہ ہو اور ہم سے اس کی توقع رکھنا طلب محال ہے گو کہ ان شخصی حکومتوں میں سے اکثر قابلِ شرم و نفرت بھی تھیں۔ مگر ہم اُن کی اصلاح کی آرزو کرتے نہ ان کے زوال کی۔ اُن کی درستی چاہتے۔ نہ اُن کی تباہی۔ لیکن ہماری قوم کو اِن بادشاہوں کے مرنے سے اتنا بلکہ اُس کا عشرِ عشیر بھی نقصان نہیں پہونچا۔ جتنا اِن بزرگانِ دین کے ناپید ہو جانے سے اگر مسلمان بادشاہ مر گئے اور اُن کے مرنے سے آخر کار اسلامی سلطنت جاتی رہی تو خدا نے برٹش گورنمنٹ میں ہم کو اس کا نعم البدل عطا فرمایا ہو کہ اس عملداری میں ہم کو امن اور آزادی بشرطیکہ ہم اُس سے مستفید ہونا چاہیں اس قدر ہو کہ ہم کو اپنی سلطنت میں بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی ہم کو اگر ہندوستان سے اسلامی سلطنت جاتے رہنے کا خیال آتا ہو اور اکثر آتا ہو تو صرف اس وجہ سے کہ ہم کو برٹش گورنمنٹ کی برکات سے متمتع ہونے کا سلیقہ نہیں۔ ورنہ ہم تو اسلامی سلطنت کو جیسی اکثر ہو گزری ہیں یا جیسی ضعیف و نا منتظم جا بجا اب بھی ہیں کبھی بھول کر بھی یاد نہ کرتے۔ دردِ سر کم تر بہ۔ لیکن علمائے دین کے اُٹھ جانے سے جو نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہونچا اور پہونچ رہا ہو اس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وَهٰكَذَا يَذْهَبُ[1] الزَّمَانُ وَيَفْنَى الْعِلْمُ فِيهِ وَيَنْدَرِسُ الْأَثَرُ۔ مدتوں تک میں یہ خیال کرتا رہا کہ جب قرآن میں خدا فرماتا ہو وَلَا رَطْبٍ[2] وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ اور اَلْيَوْمَ[3] أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي تو اب ہم کو دین کے لئے کسی خلیفہ یا امام یا مجتہد یا مجدد یا آج کل کے محاورے کے مطابق ریفارمر کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور میرے اس خیال کی تائید ہوتی تھی واقعۂ قرطاس سے۔ اور وہ واقعہ یہ تھا کہ آں حضرت صلعم نے جان کنی کی حالت میں فرمایا اِيتُونِي بِقِرْطَاسٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي (کاغذ لے آؤ تو میں وصیت لکھوا دوں تا کہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو) عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتِ وقت سمجھ کر لوگوں کو روکا کہ عین انزہاق روح کے وقت پیغمبر صاحب کو

[1] اسی طرح زمانہ گزرتا اور علم فنا ہوتا اور اس کے نشان ناپید ہوتے چلے جاتے ہیں ۱۲ [2] تر و خشک سب کچھ قرآن میں کھلا ہوا موجود ہو ۱۲ [3] آج ہم نے تمہارے دین کو کامل اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ۱۲

وصیت کی تکلیف دینی نامناسب ہے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ لیکن اب جو ان تغیرات کو دیکھا جو
انگریزی عملداری کی وجہ سے واقع ہو رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ
اسی وقت کے لئے کافی تھا کیونکہ پیغمبر صاحب کی وفات کے سوا مسلمانوں کی حالت میں کوئی انقلاب
بین واقع نہیں ہوا تھا کہ ان کو کسی جدید یا مزید ہدایت کی ضرورت ہوتی۔ لیکن ہم پیغمبر صاحب کے
زمانے سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ ہماری حالت اس قدر بدلی ہوئی ہو کہ ہم قرون اولیٰ کے مسلمانوں
کے مقابلے میں گویا بالکل دوسری قسم کی مخلوق ہیں۔ اُن وقتوں کے مسلمان بجائے خود بادشاہ تھے
حاکم وقت رعایا تو رعایا پاس پڑوس کے بادشاہ ان کے نام سے تھراتے تھے سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ
الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ یا ہم ہیں نصاریٰ کے محکوم نصاریٰ کی رعیت ہر بات میں نصاریٰ کے دست نگر
نصاریٰ کے محتاج اُن کو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ
اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ لَا یَتَّخِذِ
الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ
شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً پر عمل کرنا آسان تھا۔ اُن کو یہود اور نصاریٰ اور دوسرے مذہب
والوں کی پرواہی کیا تھی۔ کہ ان کے ساتھ دوستی کرتے اور سازگاری رکھتے۔ مگر ہمارا کیا حال ہے یہود تو
کسی گنتی میں نہیں ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ نصاریٰ کے ساتھ
دوستی کرنا سازگاری رکھنا عزت اور حکومت اور دولت کو تو رکھو بالائے طاق شرط زندگی ہے۔ رہے ہندو
ان میں اور ہم میں سینکڑوں برس سے ایسا میل جول چلا آتا ہے کہ اب ہم اور وہ بٹوارہ کرنا بھی چاہیں اور فریقین کے
احمق چاہتے بھی ہیں تو ہو نہیں سکتا نہ تھوک بٹ نہ کھیت بٹ۔ دوسرا بڑا فرق ہم میں اور آغاز اسلام کے

لے ہم کو اللہ کی کتاب بس کرتی ہے ۱۲ ؎ ہم تمہارا دبدبہ کافروں کے دل میں بٹھا دیں ۱۲ ؎ اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو یار مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے یار
ہیں اور تم میں سے جو کوئی اُن سے یاری کرے گا تو وہ اُن ہی میں گنا جائے گا بے شک اللہ قوم ظالم کو ہدایت نہیں کرتا ۱۲ ـ
؎ مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو یار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اللہ کو اس سے کچھ سروکار نہیں مگر یہ
کہ کافروں سے اپنا بچاؤ کرو ۱۲ ؎ ذلت اور محتاجی ان کو لازم کر دی گئی اور خدا کے غضب میں آ گئے ۱۲۔

مسلمانوں میں یہ ہو کہ وہ پیغمبر صاحب کے ہم عصر تھے۔ اُن میں سے اکثروں نے پیغمبر صاحب کو دیکھا اور اُنکے ساتھ رہے تھے اور جنہیں دیکھا اور نہیں ساتھ رہے تو دیکھنے والوں کو دیکھا اور ساتھ رہنے والوں کے ساتھ رہے غرض وہ اسلام کی حقیقت سے پورے پورے واقف تھے جب کبھی کوئی نئی بات پیش آتی اور قرآن و حدیث میں سند نہ ملتی تو وہ خود اپنے اجتہاد سے ایک رائے قائم کر لیتے اور اُسی واقفیت کا نتیجہ تھا کہ اُن سے غلطی بھی کم ہوتی تھی۔ جس کو ایسا ملکہ ہو اصطلاح شرع میں اُس کو محدث کہتے ہیں۔ اور میں اس لفظ کا ترجمہ کیا کرتا ہوں مزاج شناس خدا۔ جیسے مثلاً عمر رضی اللہ عنہ کہ اُسارائے بدر[1] اور ضرب حجاب[2] اور حرمت خمر اور دوسرے مواقع میں جس طرف کو اُن کا ذہن منتقل ہوا آخر کار اُسی کے مطابق وحی بھی نازل ہوئی۔ تتبع کرنے سے اس طرح کی مثالیں دوسرے صحابہ کی بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ جب آیہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ نازل ہوئی تو آں حضرتؐ نے ایک کاتب کو بُلا کر لکھوانا چاہا خَلْقًا آخَرَ تک بتایا تھا کہ اُس کے مونھ سے بے ساختہ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ نکل گیا اور وہ جزو آیت تھا یہ بھی ایک طرح کی محدثیت ہی۔ صحابہ کے مدارج بھی دینی معلومات کے اعتبار سے متفاوت تھے۔ مگر وہ تفاوت اُن کے آپس ہی میں تھا۔ میرا خیال یہ ہو کہ نہ ہماری یاد نہ اُن کی بھول نہ ہمارا اجتہاد نہ اُن کی تقلید۔ نہ ہمارا یقین نہ اُن کا شک۔ کیوں کہ وہ دیکھنے والے تھے اور ہم سننے والے ہیں ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ہمارا ایمان یا اسلام جو کچھ بھی ہو بس اسی قدر ہو کہ ہم نے اس کو حفظ کر لیا۔ دنیوی کی طرح باپ دادوں سے میراث پایا۔

[1] جنگ بدر میں جو کافر پکڑے آئے تھے پیغمبر صاحب نے اُن کو تاوان لے چھوڑ دیا اور عمرؓ کے نزدیک وہ واجب القتل تھے ۱۲۔

[2] عورتوں کو پردے کا حکم دینا ۱۲ [3] ہم نے آدمی کو مٹی کے اَنس سے پیدا کیا۔ پھر اُس کو نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں رکھا۔ پھر نطفے کا جما ہوا خون بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بندھی ہوئی پھر بوٹی کی ہڈیاں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اُس کو دوسری مخلوق بنا کر کھڑا کیا بابرکت ہو اللہ سب پیدا کرنے والوں سے بہتر ۱۲ [4] مال ۱۲۔

پایا ہے۔ بہتیروں نے تو دستاع کس پیرس کی طرح اس کی پروا نہ کی۔ بعض نے پروا کی تو دیکھا کہ بزرگوں کے پہننے کے کپڑے کچھ ان ہی کے بدن پر ٹھیک تھے۔ انھوں نے بے مصرف سمجھ کر ڈال رکھے۔ اور کچھ ایسے سعادت مند بھی تھے جنھوں نے کوتب بھری رفو کیا کاٹا چھانٹا پیوند لگایا اور تبرکاً پہن پھرے۔ ان باتوں کے علاوہ میں دیکھتا ہوں۔ زندگی کی کوئی حالت اور کوئی شان نہیں جس میں زمانے کے انقلاب کی وجہ سے اَن ہونی[1] اور غیر متوقع معاملات بکثرت پیش نہ آتے ہوں۔ اور اُن کی نظائر زبانِ سلف میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ مال اور فوجداری اور دیوانی کے کل آئین اور تمام ضوابط اور ہمگین دستور بدل گئے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔ ریل اور سٹیمر اور تار برقی اور ہزارہا قسم کی کلیں اور پوسٹ کارڈ اور ویلیو پیبل اور منی آرڈر اور سٹامپ اور جینہ ورکنسی اور پرامیسری نوٹ اور ساز و سامان معیشت کے قریب قریب کل چیزیں نکل کھڑی ہوئیں جن کا اگلے وقتوں میں کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔ سائنس نے کہ یہی حضرت ہمارے زمانے کے شیطان ہیں تمام مذاہب میں ایک غدر مچا رکھا ہے۔ یہ اب حال کا مذکور ہے کہ دو طالب العلم مقلد و غیر مقلد جھگڑ پڑے۔ مقلد نے کہا اگر ائمہ کا اجتہاد نہ ہوتا تو دنیا کے کام بند ہو گئے ہوتے کیوں کہ بہت سی باتیں ہیں جن کے احکام قرآن اور حدیث میں نہیں نکلتے۔ غیر مقلد نے کہا کہ جزئی سے جزئی مسئلہ بھی نہیں جس کو ہم قرآن اور حدیث سے استنباط نہ کر سکیں۔ اور ہم کو کسی کے اجتہاد کی حاجت نہیں۔ مقلد نے ایک فرضی استفتا لکھ کر غیر مقلد کے حوالے کیا کہ اس کا جواب قرآن و حدیث سے دیا جائے۔ زید نے خالد سے مثلاً سو درم کے بدلے کوئی چیز مول لی۔ اب بائع و مشتری کیفیت ثمن میں مختلف ہیں۔ ایک کہتا ہے ثمر قندی دوسرا انجاری تو اس صورت میں کیا کرنا ہوگا۔ بَیِّنُوْا تُوجَرُوْا تُوجَرُوْا[2] کیا پیارا لفظ ہے۔ کیوں کہ اس میں اس کی صراحت نہیں کہ اجر جواب دنیا میں ملے گا یا عقبیٰ میں۔ غیر مقلد نے حدیث[3] اِذَا اخْتَلَفَ الْبَیِّعَانِ فَالْقَوْلُ الْبَائِعِ پیش کی۔ اس پر طرفین کے رسالہ بازی شروع ہوئی۔ اور مذہبی اختلافات کا قاعدہ ہے کہ ایک دفعہ چھڑ جائیں پھر ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ ایک شخص نے اس اختلاف کو میرے سامنے نقل کیا۔ اور نقل کیا بھی تو اس

---

[1] جو پہلے نہیں دکھائی دیئے ۱۲ [2] بتاؤ تم کو اجر ملے گا ۱۲۔ [3] جب بائع و مشتری میں اختلاف ہو تو جو بائع کہے وہی مستند ۱۲۔

تمہید سے کہ مین دو طالب العلموں سے یہ مخاصمت شروع ہوئی ہی تم کو حکم گردانتے ہیں۔ یہ سُن کر مجھ کو
بے اختیار ہنسی آئی۔ اور ہنسی کے ساتھ غصہ بھی۔ ہنسی تو اس وجہ سے آئی کہ مجھ میں مولویوں کی سی کوئی بھی بات
نہیں تو مولوی کی پھبتی بے تکی ہوئی۔ اور غصہ اس سبب سے کہ مین نے اپنے جی میں کہا بھلا یہ تو لکھنے پڑھنے
کی بات ہی۔ میں چاہوں تو آئیں بائیں شائیں کچھ ہانک بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن اگر کل کو کسی نے میری
نسبت از خود خیال کر لیا کہ یہ بڑا کلاونت ہی اور مجھ سے فرمایش کی کہ یہ صبح کا وقت ہی۔ بھلا ایک بھیرویں تو
گا کر سناؤ تو میں کیا کروں گا۔ میں نے اُس شخص کو جو میرے روبرو یہ قصہ لایا تھا مناسب وقت کچھ کہہ کر
ٹال دیا۔ یوں تو میں بھی غیر مقلدوں کے سے عقائد رکھتا ہوں۔ مگر اس مسئلہ خاص میں مقلدوں کے
ساتھ ہوں بلکہ اِن سے بھی دو چار قدم آگے بڑھا ہوا۔ کیوں کہ میرے نزدیک نہ صرف قرآن و حدیث
بلکہ قرآن و حدیث اور اجتہاد ائمہ بھی اس زمانے کی دنیاوی ضرورتوں کو ناکافی ہیں۔ ناکافی کا لفظ جو میں نے
استعمال کیا شاید اچھا نہ ہو مگر میری مراد یہ ہی کہ معاملات میں ہزارہا جزئیات ایسی پیش آتی ہیں جن کے
لیئے اجتہاد جدید کی ضرورت ہی۔ جس وقت دراہم سمرقندی و بخاری کا مسئلہ میں نے سُنا۔ تھوڑی دیر بعد
انگریزی اخبار میں اتفاق سے خلاف ورزی کاپی رائٹ کا ایک مقدمہ نظر پڑا۔ فوراً خیال میں آیا کہ دراہم
سمرقندی و بخاری کی جگہ یہ صورت ہوتی تو غیر مقلد کو قبہت سُننا پڑتا۔ ایسی ہی باتوں نے میرے
خیالات کو بدلا ہی اور اب میری رائے یہ ہی کہ مسلمانوں کو مجدد یا مجتہد کی سخت ضرورت ہی۔
اور بدون ایسے شخص کے ہمارا کام چل نہیں سکتا۔ اور میں جو دلّی کے متقدمین علما کو یاد کرتا ہوں تو وہ
بھی اسی سبب سے کہ مجھ کو اُن لوگوں میں اس بات کا پتہ ملتا ہی۔ مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کتاب
حجۃ اللہ البالغہ لکھی۔ اُن کو اس کتاب کے لکھنے پر ضرور یہی خیال باعث ہوا ہوگا کہ اب خدائے تعالیٰ
دینِ العجائز و الکُتّاب کی قبول کرنے والی طبیعتیں پیدا نہیں کرتا۔ لوگ ہر ایک بات کو میزانِ عقل میں تولنا
چاہتے ہیں۔ یا جیسا مشہور ہی کہ مولوی شاہ عبد العزیز نے دلّی کی شاہی تنخواہوں کو (کہ اُن میں اور وثائق
[illegible] میں اور سرکار انگریزی کے پرامیسری نوٹوں میں کچھ بھی فرق نہیں) جائز ٹھہرا دیا تھا۔ کچھ شک نہیں

لہ سنانے میں آگیا ۱۲ ۲ے بوڑھی عورتوں اور مکتب کے لڑکوں کا دین ۱۲-

کہ انھوں نے دیکھا عموم بلوائے اور سمجھے کہ ان آمدنیوں کو ربوا قرار دے کر اتنے سارے مسلمانوں کو مصداق
فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ[1] بنانا اور خدا اور اُس کے بندوں میں وانڈ کلیر[2] کرنا آسان ہی یا ربوا
کے بیچ کو ذرا ڈھیلا کرنا۔ چنانچہ اُنھوں نے اَهوَنُ البَلِيَّتَيْن کو اختیار کیا جو اُن کا کام تھا ۵

تو برائے وصل کردن آمدی	نے برائے فصل کردن آمدی

وہ اگلے علما زندہ ہوتے یا اُن کے جانشین اُن کے سے دل و دماغ رکھتے ہوتے تو اسلام میں جس کو
اپنے مِلَّۃً سَہلَۃً سَمحۃً[3] ہونے پر ناز تھا اور نازروا بھی تھا۔ ایسی سختی ہرگز داخل نہ ہونے پاتی کہ واقع
میں اس کا سنبھالنا دہکتے ہوئے انگارے کو ہاتھ میں لیے رہنا ہو رہا ہے۔ میں بھی اخبار میں لورپول
کے نومسلموں کے حالات اور امریکہ میں اشاعتِ اسلام کی تجویزیں پڑھا کرتا ہوں مگر بے دلی اور
استکراہ کے ساتھ۔ لورپول اور امریکہ کے نام سے مسلمانوں کے دلوں میں جوش پیدا ہوتا ہے اور
جوش کی بات بھی ہے مجھکو جو بے دلی ہے وہ اس سے ہے کہ ہم ممالک دور و دراز میں تو اسلام کے پھیلانے
کی تدبیریں کرنی چاہتے ہیں اور گھر کی خبر نہیں کہ یہاں چھینکتے ناک کاٹی جاتی اور لوگوں کو مرتد اور
کافر بنانے کے لیے حیلے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ ایک طرف پیغمبر صاحب فرماتے ہیں اَنَا اُبَاهِي
بِكُمُ الْاُمَمَ یعنے قیامت کے دن میں فخر کروں گا کہ میری اُمت میں اس کثرت سے لوگ ہیں کہ دوسرے
کسی نبی کی اُمت میں نہیں اور ساری عمر آپ نے اور سلف صالح نے اسی کوشش میں صرف کر دی
کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کا گروہ بڑھے۔ یَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا[4] اور ہمارے ان
وقتوں کے علما ہیں کہ لوگ پکار پکار کر کلمہ بھر رہے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں مسلمانوں کا سا ظاہر
رکھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور مولوی ہیں کہ ذرا سی خفیف اور مختلف فیہ بات کا
الزام لگا کر زبردستی اُن کو دھکے دیے چلے جاتے ہیں یوروپ کے لوگ جب اُن ہی دنوں اسلام نہ
لائے جب اسلام ماننے کی چیز تھا تو اب ایسی حالت میں کہ ہم موروثی مسلمانوں کو اس میں رہنا

[1] طیار رہو اللہ اور رسول کے ساتھ لڑنے کو ۱۲ [2] جنگ کا اشتہار دینا ۱۲ [3] مذہب آسان سلیس ۱۲ [4] اللہ
کے دین میں جوق جوق چلے آرہے ہیں ۱۲۔

دشوار ہو رہا ہی کون اسلام قبول کیے لیتا ہی اور لاکھوں کروڑوں میں دو چار دس بیس اس خیال کے ہوئے بھی تو اس سے اشاعت نہیں ہوئی جاتی۔

بھلا جن کے تشبہ سے اور تشبہ بھی فی العقائد نہیں کہ وہ نہ کبھی تھا نہ اب ہی نہ ہو سکتا ہی بلکہ تشبہ فی اللباس تشبہ فی الاکل[51] تشبہ فی الرکوب[52] تشبہ فی المشی[53] تشبہ فی القیام[54] تشبہ فی القعود[55] تشبہ فی ہی شئی[56] سے ہم کافر ہوں۔ اُن کا مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ کے ہوتے مسلمان ہونا ہند کے مسلمان کیوں تسلیم کرنے لگے تھے اور کریں تو سید احمد خاں خوشی کے ڈھول بجائیں کہ یہ جیتے اور مسلمان ہارے۔ اُن لوگوں نے یقین ہی عقائد کے سوائے اپنی حالتِ ظاہری بالکل نہیں بدلی ہوگی یا بہت کم بدلی ہوگی۔ اُمید نہیں کہ مسلمان بیبیاں گھونگھٹ کر پردے میں بیٹھی ہوں یا آیندہ بیٹھیں۔ امید نہیں کہ ان لوگوں نے طرزِ تمدن تبدیل کیا ہو یا آیندہ کریں۔ امید نہیں کہ یہ تو سلمنے اُصولِ معاشرت عمل میں لائے ہوں یا آیندہ عمل میں لائیں۔ میں تو اپنی ذات سے ان کے حالات کی تفتیش کے درپے رہتا نہیں۔ مگر یہ آواز بھی کسی طرف سے میرے کان میں پڑی کہ دن کے دس بجے بھی ایک نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہی۔ اور ہارمونیم[57] پر قرآن گایا جاتا ہی۔ اگر ایسا نہیں ہوتا ہم اس میں شک نہیں کہ ہند کے مسلمانوں کا سا اسلام بلکہ میں تو کہوں گا عام طور کا اسلام یوروپ اور امریکا میں کوئی قبول کر نہیں سکتا اور مُنہ سے قبول کر بھی لے تو اُس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہ خدا اُن کو ہجرت کی توفیق دے۔ اور حضرت سلطانِ روم کی عمل داری میں جا بسیں اور اُن کے ہم حالت عرب کے ابتدائی مسلمانوں نے آخر یہی کیا تھا۔ اور جب اُن لوگوں نے اسلام اختیار کیا ہی تو ہم جیسے متشدد مسلمان نہ سہی ان کو پورا پورا مسلمان بننا تو ضرور ہی۔ یٰٓاَیُّھَا[58] الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اور یوروپ میں گھر بیٹھے تو پورا مسلمان بننا معلوم۔ فَلَوْلَا[59] نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ

[51] کھانا ۱۲ [52] سواری [53] رفتار ۱۲ [54] برخاست ۱۲ [55] نشست ۱۲ [56] کوئی سی چیز میں مشابہت ۱۲ [57] انگریزی باجا ۱۲
[58] ایمان والو اسلام میں پورے پورے آجاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہی ۱۲ [59] کیوں نہیں ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ گھر سے نکلے تاکہ دین کو سمجھیں اور اپنی قوم پاس واپس جاکر ان کو ڈرائیں شاید وہ بچیں ۱۲

تحذ دُدقَ بے شک جہاں تک ہوسکے ہم لوگوں کو بھی اُن کی مدد کرنی چاہئیے لیکن ہم دیکھتے ہیں ہمارے
وطن اُن سے کہیں زیادہ محتاج مدد ہیں۔ کیا یہ اتلافِ حق نہیں ہوگا۔ کہ ہم لورپول اور امریکا کے
نومسلموں کو جان نہ پہچان خالہ بڑی سلام چندے بھیجیں اور اپنے ہم وطن بھائیوں کو برباد اور تباہ ہونے
دیں۔ وہ اگر سلام لائے تو اپنی عاقبت درست کی۔ یہاں کے مسلمانوں سے بڑھ کر وہ ہماری ہمدردی
کے کس طرح حق دار بن بیٹھے يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ
عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ[1][2] اُن لوگوں کو چندہ دیا بھی جائے تو اس شرط
سے کہ ہم میں آکر رہیں اور اپنی قومی شایستگی اور تربیت کے نمونے دکھا کر ہماری اصلاح کریں۔ اور
مسلمان مشنریوں کا کام دیں۔ کیا اسلام لاتے ہی اُن لوگوں میں سے بھی ہیومن[3] سیمپیتھی کا سنس[4] نکل گیا۔
یا اسلام لانے کا عاجل صلہ ہی کہ کلمہ بھرا اور سوال شروع کیا۔ لیکن اگر بالفرض والتقدیر امریکا یا لورپول کے
نومسلم ہمارے ان اضلاع میں آنکلیں تو علی گڈھ کے سوائے اَلْجِنْسُ يَمِيلُ إِلَى الْجِنْسِ[5]۔ اور تو کہیں
اُن کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ یوروپ اور امریکا کو مسلمان کرنا چاہو گے تو وہ جہاد کی دلیل جس کے ماننے کے
سوائے کوئی چارہ ہی نہ تھا وہ تو اب پیش رفت جانے کی نہیں۔ اب رہیں دلائل عقلی تو تم نے خود عقل کو
دین میں معطل کر رکھا ہے۔ بلکہ دین کی تخصیص بھی کیوں کروں دنیا میں بھی عقل کو معطل کر رکھا ہے۔ بھائیو
یوروپ اور امریکا کو مسلمان کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ بڑے جنوں کا اُتارنا ہے۔ آج ترقی کی ٹرین میں
یوروپ اور امریکا دونوں کا فورموسٹ[6] ہیں۔ اگر اسلام متعارف کو یوروپ اور امریکا میں لے جانا چاہتے
ہو تو از برائے خدا اسلام کو مت رسوا کرو۔ اپنا گھٹنہ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا۔ اور اگر اسلام متعارف
کے سوائے دوسری قسم کا اسلام ہے اور اشارے اور کنائے میں کہنا کیا ضرور ہے سید احمد خاں
کا سا اسلام ہے تو اہل یوروپ اور اہل امریکا ایز اے نیشن[7] اس کو مانیں گے تو کیا مگر ہاں اس قدر

[1] تم پر اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں تم اُن سے کہو اپنے اسلام کا مجھ پر احسان مت رکھو بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو
ایمان کی ہدایت دی بشرطے کہ تم اپنے بیان میں سچے ہو ۱۲ [2] انسانی ہمدردی ۱۲ [3] صفت ۱۲ [4] کند ہم جنس با ہم جنس
پرواز ۱۲ [5] سب سے آگے [6] من حیث القوم ۱۲۔

وحشت جو اسلام متعارف سے کرتے شاید نہ کریں۔ مذہب کے اعتبار سے یورپ اور امریکا ہم سے
بھی گئے گزرے ہیں۔ وہاں کے ملکی دماغوں میں یہ خلل ہے۔ کہ سرے سے خدا ہی کو نہیں مانتے۔
کیسا مذہب اور کہاں کا اسلام۔ یہ سمجھے رہنا۔ کہ میں ملک اور قوم سے بحث کر رہا ہوں نہ افرادِ خاص
سے۔ بے شک اِن میں خدا کے بندے ایسے بھی ہیں۔ جو خدا کا ادب کرتے اُس سے محبت رکھتے۔
اور محبت کے ساتھ ڈرتے بھی۔ اور شاید اِن میں سے بعض کو عیسائیت سے تسلی نہ ہوتی ہو اور نجات
کے لیئے اُن کو دوسرے مذہب کی تلاش ہو۔ لیکن کوئی سا مذہب بھی ہو اُس میں خلافِ
قیاس تو نہیں برتر از قیاس باتیں ضرور ہوں گی۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ تو جو شخص عقل کے
بدون ٹکرا اور ٹنا نہیں چاہتا وہ کیوں کسی دین و مذہب کا معتقد ہونے لگا۔ ہر ایک چیز کا لائف وقت ہوتا
ہے۔ یہ زمانہ افراطِ عقل کا ہے تو کل مذاہب شکّی[1] ہو رہے ہیں۔ ازاں جملہ اسلام بھی۔ تعلیم تو ناحق نکو بن رہی
ہے میں کہتا ہوں اسلام شکّی ہو رہا ہے تقاضاے وقت اور انگریزی عملداری سے۔ یہ کسی کمینے اور
نا احسان مند آدمی کا کام ہے کہ برٹش گورنمنٹ پر مذہبی پارشیلیٹی[2] یا مذہبی انٹرفیرنس[3] کا الزام دے
لیکن نیوٹریلیٹی[4] ہی سے کوئی مذہب شکّی ہونے لگے تو یہ مذہب کا قصور ہے نہ برٹش گورنمنٹ کا۔ مثلاً
گورنمنٹ کی نیوٹریلیٹی اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ اپنی تمام رعایا کو کسی قوم کسی مذہب کے ہوں
صداقت کے ایک درجے میں سمجھے۔ اور ان ہی اصول پر تمام معاملات تصفیہ پا رہے ہیں۔ لیکن
فرض کرو ایک مذہب ایسا ہے جو دوسرے مذہب والوں کو صرف اُن کے مذہبی معتقدات کی وجہ سے عموماً
جھوٹا سمجھتا ہے تو ایسا مذہب گورنمنٹ کی نیوٹریلیٹی سے کیوں کر ریکنسائل[5] ہو سکتا ہے۔ یا مثلاً گورنمنٹ
اور اُس کی اکثر رعایا مسلمان نہیں ہے وہ بے محابا سود لیتی اور دیتی اور دلواتی ہے۔ سرکاری محاصل
میں آبکاری اور بہت سی دوسری رقمیں شامل ہیں جو از روئے شرعِ اسلام ناجائز ہیں۔ سرکار
رجم[6] اور قطعِ ید[7] کی جگہ جرمانے کرتی اور اِن یک جائی رقموں سے ملازم تنخواہ پاتے ہیں یک قلم

[1] ڈگمگا رہے ہیں ۱۲ [2] طرف داری ۱۲ [3] مداخلت ۱۲ [4] ناطرف داری ۱۲ [5] متفق ساز گار ۱۲ –
[6] سنگسار کرنا ۱۲ [7] ہاتھ کاٹنا ۱۲ –

اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ - اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ هَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ سُن کر سب پکار اُٹھے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا

ایک وہ تھے کہ ایک بار هَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ سُن کر اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا پکار اُٹھے اور خدا رحم کرے ایک ہم ہیں کہ تیرہ سو برس سے شہر شہر قصبے قصبے گانو گانو میں هَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کی آواز پڑی گونج رہی ہے اور بجاے اِنْتَهَيْنَا کے جواب دیا جاتا ہے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سنا مگر ہم مانتے نہیں) - خیر نص حرمت خمر سُن کر بعضوں نے گولیں لنڈھا دیں مٹکے توڑ ڈالے ۔ مشکوں کے دہانے کھول دیے اور بعض کو لالچ آیا کہ شراب جیسی قیمتی چیز مفت کیوں ضائع ہو سرکہ بنانا چاہا ۔ آنحضرت تک خبر پہونچی ۔ سُن کر بہت ناخوش ہوئے اور سختی کے ساتھ حکم دیا کہ جس کے پاس شراب ہو تلف کردے جو تم کرنا چاہتے ہو ایسی ہی حرکت یہود بے بہبود نے بھی کی تھی حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا وَاسْتَصْبَحُوْا بِهَا لیکن ہم مسلمانوں کا حال کیا ہے ۔ کتاب اللہ کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور کاش بالائے طاق رکھتے نہیں نَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ ہم اپنے اعمال کو قرآن سے ملا کر دیکھیں اور دیکھیں بھی تو انصاف کے ساتھ تو پائیں گے کہ ہم میں نہ وہ اگلے مسلمانوں کی سی ہمدردی ہے اور نہ وہ اسلامی اخوت (بھائی چارہ) ہے نہ وہ اسلامی غیرت ہے نہ وہ اسلامی خودداری ہے نہ وہ دل ہیں نہ وہ دلوں کی نیکی ہے نہ وہ دماغ ہیں نہ وہ خیالات ہیں بذلِ اموال کا کیا ذکر ہے وہ لوگ خدا کی راہ میں بذلِ نفوس بھی دریغ نہیں کرتے تھے وہاں جان بازیاں تھیں یہاں نری بازی اور بازی بھی نہیں بازیچہ اور بازیچہ بھی بازیچۂ اطفال ۔ ایک حدیث ایسی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے تم پچھلی امتوں کی تمام ادائیں پوری کر کے رہوگے شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ پچھلی اُمتوں سے مراد ہیں یہود و نصاریٰ ۔ سو یہود کا حال تو ناگفتہ بہ ہے ۔ الفاظ و عبارت کی تو ہیں کیا نہیں انھوں نے عملاً تورات کو منسوخ کر دیا تھا جو تحریف کا بدتر سے بدتر پیرایہ ہے ۔ رہے نصاریٰ ان کے

---

۵۱ ہم باز آئے ہماری توبہ ہے ۱۲ ۵۲ ان پر چربیاں حرام کی گئیں تو ان کو پگھلا کر بیچا اور چراغ جلائے ۱۲ ۵۳ پس پشت ڈال دیا ۱۲ -

۵۴ بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر ۱۲ -

اور یہاں بھی کتاب میں کچھ ہے اور کرتے کچھ ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا وہی شیوہ مسلمانوں نے اختیار کیا ہے اور زمانہ اس حدیث کی پیشین گوئی کی تصدیق کر رہا ہے۔ یوں احکام شرع کی بجا آوری میں کوتاہی کس سے نہیں ہوتی قطعہ

	عذر بدرگاہ خدا آورد		بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش	
	کس نتواند کہ بجا آورد		ورنہ سزاوار خداوندیش	

نمازیں قضا ہوتی رہتی ہیں۔ مجھ جیسے کم ہمتے بندۂ شکم روزوں سے جان چراتے ہیں۔ اس خیال سے کہ تمام عمر میں ایک حج فرض ہے۔ جاڑوں میں حج ہونے لگے قرنطینہ کی طرف سے اطمینان ہو تب دیکھا جائے گا۔ ابھی مرے تھوڑے ہی جاتے ہیں۔ غالب ہے کہ دنیا ہی سے ہجرت کریں تو کریں حج تو ہوتا ہوا تا معلوم ہوتا نہیں۔ اوامر شرعی میں سب سے زیادہ مبغوض ہے زکوٰۃ۔ سو اول تو مسلمان بہت ہی کم صاحب نصاب ہیں اور جو ہیں معلوم ہے کہ زکوٰۃ نہیں دیتے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ اور دیتے بھی ہیں تو پوری نہیں اور زکوٰۃ کے طور پر نہیں۔ پس کیا فرق کیا جا سکتا ہے ہم مسلمانوں میں اور یہود و نصاریٰ میں۔ انھوں نے کتاب اللہ کو صرف تلاوت کے لئے رکھا تھا نہ عمل کے لئے۔ ہم بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں عمل و ل خیر صلاح۔ قرآن میں ایک آیت ہے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ[1] اور اس آیت کے متعلق ایک اثر بھی ہے۔ صحابی صاحب اثر کہتے ہیں کہ ابھی ہم کو مسلمان ہوئے پورے چار برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ خدا کے نزدیک ہم قابل ملامت ٹھہرے۔ جب صحابہ کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو وائے ہم چودھویں صدی کے مسلمانوں پر۔ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمَلَامَةِ وَ اَوْلٰی بِهَا وَ اَحْرٰی بِهَا اگرچہ مسلمان کیا دنیا اور کیا دین دونوں کے اعتبار سے تنزل کے اسفل السافلین درجے میں پہونچ گئے ہیں۔ مگر ان کا تنزل اتنا قابل افسوس نہیں جتنا ان کا تنزل سے [illegible]

[1] کیا مسلمانوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا اور احکام کے لئے جو ان پر نازل ہوئے ہیں ان کے دل عاجزی کریں اور ان لوگوں جیسے نہ ہوں جن کو پہلے دی گئی کتاب اور وہ آگنا اٹھے اور ان کے دل سخت پڑ گئے اور ان میں اکثر نافرمان ہیں [illegible] ملامت

بے خبر ہونا۔ ان کو تنزل کا شعور ہو تو شعور کے ساتھ تنبہ بھی ضرور ہو اور تنبہ ہو تو لا جرم اُن کو کچھ نہیں تو سنبھلنے کی تدبیر کریں پر کریں کتنے ہیں جو قوم اور قوم کی وسعت پر نظر کر سکتے ہیں۔ پھر کتنے ہیں جو قوم کی تباہی دیکھ کر حساؔدی ہوں۔ پھر کتنے ہیں جو حساؔدی ہوں اور کچھ کرنا چاہیں۔ اگرچہ ان سوالات کا جواب ہوتے ہوتے آخر کار صفر ہوگا یا صفر سے متجاوز ہو کر کوئی مقدار منفی لیکن طبیب اگر ہو بھی کیا کرے گا جب بیمار اپنے تئیں بیمار ہی نہ سمجھتا اور اُلٹا علاج سے گریز رکھتا ہو۔ جہاں کچھ نہ ہوا اور ہونے کی توقع بھی نہ ہو وہاں یہ جو کچھ ہو رہا ہے بس غنیمت ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جو لوگ مسلمانوں کے رفارمر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بعض اُن میں کے ہیں بھی اُس چیز سے جس کی رفارم کی سخت ضرورت ہے اور اُسی کے رفارم پر مسلمانوں کی تمام تر بہبود و فلاح موقوف و منحصر ہے اس کی طرف کسی قدر بے توجہی کی جاتی ہے یا جتنا اہتمام اُس کے بارے میں ہونا چاہیئے نہیں ہوتا۔ وہ کیا چیز ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی خیالات۔ وہ خیالات ہماری اسی دلّی میں پیدا ہوتے اور اسی دلّی میں نشو و نما پاتے اور اسی دلّی میں زور پکڑتے اور ان کی درستی بھی ہوگی تو اسی دلّی میں ہوگی اور اسی دلّی سے ہوگی شیعہ سنّی کی تو میں کہتا نہیں کہ یہ تفرقہ خاندانِ نبوت کے ساتھ پیدا ہوا۔ لیکن وہابی بدعتی مقلد غیر مقلد ذوالّین[1] ذوالین وغیرہ وغیرہ کہاں سے نکلے۔ اسی دلّی سے۔ اور کون جانتا ہے کہ ابھی یہاں سے کیسے کیسے اختلافات پیدا ہوں گے اور مسلمانوں میں کیسے کیسے فتنے برپا کریں گے۔ سید احمد خاں اور اُن کے اعوان و انصار بخوبی سمجھے رہیں کہ جب تک دلّی کی اصلاح نہ ہوگی نہ ان کا علی گڈھ کالج کچھ کر سکے گا نہ کانفرنس نہ انسٹیٹیوٹ نہ لکچر نہ تفسیر نہ آرٹکل نہ اخبار نہ رسالے۔ جس طرح تھرمامیٹر سے سردی گرمی کا اندازہ کیا جاتا ہے جس طرح منی[2] مارکٹ سے امن کا۔ جس طرح نبض سے مرض کا۔ جس طرح میٹیرولاجکل[3] آبزرویشن سے برسات کا۔ میں دلّی کے مسلمانوں سے عام مسلمانوں کی حالت کا اندازہ کرتا رہتا ہوں۔ سید احمد خاں نے تعلیم سے اپنا نمونہ دکھانے سے باہر جو کچھ کیا ہو اُس کو یہی بہتر سمجھتے ہیں۔ دلّی کا یعنے سید احمد خاں کے وطن کا تو حال یہ ہے کہ ابھی دو یا تین مہینے کا مذکور ہے یہیں کے میونسپل ہال میں اسی کانفرنس کا تمہیدی جلسہ ہو رہا تھا

[1] یہ لفظ ضالّین کے دو طرح پڑھنے کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [2] نقدی کا بھاؤ ۱۲ [3] ستارے جو ٹوٹتے ہیں اُن کا حساب و کتاب ۱۲

اور باہر یا ہر مولویوں نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اور مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کی منادی ہو رہی
تھی۔ کانفرنس تو تھیٹر کی کمپنیوں کی طرح ایک دن دو دن حد تین دن اپنا کھیل کر کے رخصت ہو گا اور
پھر جو اس کی روئی دھنکی جائے گی دیکھیئے کہاں کہاں تہل اُکر جائیں۔ اے جناب زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا پر
مغرور نہ ہو جیئے گا اگر آپ کو کچھ کرنا ہو اور بے شک کرنا ہو تو دلی میں کانفرنس کی ایک پرمننٹ برینچ (مستقل
شاخ) قائم کیجئے کہ وہ ہر روز نہیں تو ہر ہفتے اور ہر ہفتے نہیں تو ہر مہینے اور ہر مہینے نہیں تو ہر تیسرے مہینے
بس اس سے زیادہ نہیں اجلاس کیا کرے تب کچھ اثر ہو تو ہو وہ بھی شاید اور کہیں مدتوں میں جا کر۔ اس برینچ کا
صرف یہ کام ہو کہ مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی اصلاح کرے تو اصلاح کس قسم کی۔ سب سے پہلے مسلمانوں
کو مذہبی ٹالریشن سکھائے ٹالریشن اسلام کی ابجد ہو اسی سے اسلام شروع ہوا جب ٹالریشن حد سے گزر گیا
مجبوری اپنے تحفظ کے لیئے لوگوں سے لڑنا پڑا۔ رفتہ رفتہ ٹالریشن میں کمی آتی گئی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو
وہ سبق ایسا بھولا کہ اب ہر چند یاد دلایا جاتا ہو نہیں آتا۔ یہ کیا دوسروں کے ساتھ ٹالریشن سے پیش
آئیں گے جب کہ آپس ہی میں سازگاری اور صلح کاری قائم نہیں رکھ سکتے اور اس کے بدون ان کو
فلاح ہوئی ہو اور نہ ہو گی۔ مذہبی خیالات کے متعلق دوسری بات جس کی میں صلاح دیتا ہوں یہ ہو۔
کہ دائرہ مذہب اب بھی بہت وسیع ہو گیا ہو اور یوماً فیوماً وسیع ہوتا چلا جاتا ہو اگر اس کو سکیڑ نہ سکو تو خیر اتنا تو
کرو کہ یہ زیادہ پھیلنے نہ پائے۔ دائرہ مذہب کے سکڑنے اور پھیلنے سے میری مراد یہ ہو کہ مسلمان ہر ایک
بات کو مذہب میں نہ گھسیں اور حتی الامکان آزادی رائے کو قائم رکھیں۔ آزادی رائے کے قائم
رکھنے کو نہ میں اپنی طرف سے کہتا ہوں بلکہ خدا جس نے دین اسلام کو پسند کیا اور فرمایا رَضِیْتُ لَکُمُ
الْاِسْلَامَ دِیْنًا اور اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اسی کی مرضی ہو کہ
ہم آزادی رائے کو ضائع نہ ہونے دیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ

۱؎ جو اپنی شرکت سے کسی قوم کے گروہ کو زیادہ کرے تو وہ اُن ہی میں گنا جائے گا ۱۲ ۲؎ بدید ملو تو محبت زیادہ ہو ۱۲۔
۳؎ برداشت۔ درگزر ۱۲ ۴؎ ہم تمہارے دین اسلام سے رضامند ہیں ۱۲ ۵؎ اللہ نے تمہارے لیئے دین اسلام کو پسند کیا ہو۔ تو تم
اسلام ہی کے دین میں مرنا ۱۲ ۶؎ ایمان والو بہت باتیں نہیں پوچھا کرتے اگر تم کو بتا دی جائیں تو بری لگیں اور جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو
پوچھو گے تو بتا یا بھی جائے گا اللہ نے تمہاری یہ خطا معاف کی اور اللہ معاف کرنے والا بردبار ہو ۱۲ تم سے پہلے بھی لوگوں نے باتیں پوچھیں پھر لگے نافرمانی کرنے

تُسْؤكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوْا بِهَا كَافِرِيْنَ یہ آزادی راے نہیں ہو تو کیا ہے - پھر بنی اسرائیل کا وہ قصہ جو سورۂ بقرہ میں ہے کہ خدا نے ذبح بقرہ کا حکم دیا - میں اُس وقت ہوتا تو صلاح دیتا مگر موسیٰ کی نہ سُنی جو اُن کو لاٹھی کے زور سے سُناتے تھے تو میری کیا سنتے بہرکیف میں تو صلاح دیتا کہ ہندوؤں کو تو خبر نہ ہو چپکے سے کالی گوری موٹی دبلی بچھیا بوڑھی سستی مہنگی جیسی ملے ایک گائے کہیں سے پکڑ لا حلال کر دو - وہ لگے موسیٰ سے حجتیں کرنے اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ - اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا جوں جوں چھانتے گئے کرکرا ہوتا گیا - یعنی قیدیں بڑھتی گئیں - آخر کار گاے تو ذبح کی مگر بڑی ہی مشکلوں سے فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ میں ایسی بہت سی باتیں بتا سکتا ہوں جو وف[illegible] ریمبش زیل کی وجہ سے داخل مذہب ہو گئی ہیں - اور اگر میری راے غلطی پر ہو تو خدا معاف کرے اور مجھکو سیدھا رستہ دکھائے - میرا خیال یہ ہے کہ یہ غلو ابتدائے اسلام میں بہت ہوا کیوں کہ اُن لوگوں کے مذہبی ولولے اور جوش و خروش بہت بڑھے ہوئے تھے - ان کو پیغمبر صاحب کے ساتھ اس درجے کی محبت اور عقیدت تھی کہ اُن کے تمام افعال اور اقوال اور حرکات اور سکنات اور نشست و برخاست اور عادات اور اطوار اور اوضاع سب کو دین ہی سمجھتے اور دین ہی سمجھ کر ان کی تعمیل اور تقلید اور پیروی اور نقل کرتے تھے - اور اگر صحابہ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ اس درجے کی محبت اور عقیدت نہ ہوتی تو کیوں کر ممکن تھا کہ اس قدر جلد درخت اسلام بو یا بھی جاتا جڑ بھی پکڑ لیتا اور پھل بھی لے آتا یعنی اسلامی سلطنت بھی قائم ہو جاتی اور سلطنت بھی قایم ہو جاتی تو ایسی زبردست کہ اس نے تمام ربع [illegible] ل کو اپنی مٹھی میں لیا وَالْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهُ میں اس محل پر چند مثالیں بیان کروں گا - [illegible] سے مستعین صحابہ کی محبت اور عقیدت کا کچھ اندازہ کر سکیں - قریش کو تو پیغمبر صاحب کے ساتھ شروع ہی سے جانی دشمنی تھی اور اُنھوں نے پیغمبر صاحب کے ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہیں کی جو بیان نہیں

۵۱ ہماری طرف سے خدا سے پوچھو کہ وہ بتائے گا کیسے [illegible] ۱۲ ہماری طرف سے خدا سے پوچھو کہ وہ بتائے

۱ کیسی رنگ کی ہو ۱۲ ۵۳ گائے حلال [illegible] مگر اُن سے [illegible] ۱۲ [illegible] مذہبی ۱۲ -

کہ صلح حدیبیہ کا مذکور ہی یا فتح مکہ کا۔ اور جو بات میں بیان کرنے والا ہوں وہ ابوسفیان کا مقولہ ہی یا کسی اور شخص کا جو قریش کی طرف سے ایلچی بن کر آیا تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ یہ واقعہ تاریخی کہ قریش اپنے اعوان و انصار سمیت لڑنے کے لئے طیار تھے یہ شخص قریش کی طرف سے لشکر اسلام میں آیا۔ اور اس نے واپس جا کر قریش کو سمجھایا کہ احمقو کس سے لڑنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ میں فارس اور روم دونوں سلطنتوں کے حال سے واقف ہوں۔ محمد صلعم کے ساتھیوں کی سی جاں نثاری میں نے کسی بادشاہ کی فوج میں نہیں دیکھی۔ جہاں محمد صلعم کا پسینہ گرے ان میں کا ایک ایک متنفس اپنا خون گرانے کو فوز عظیم سمجھتا ہی۔ صحابہ کی عقیدت کی یہ کیفیت تھی کہ پیغمبر صاحب صلعم کے وضو کے پانی کی آب حیات سے قطرات عرق کی جواہرات سے زیادہ قدر کرتے تھے۔ خون حجامت۔ تراش ناخن۔ بال۔ کپڑے۔ یعنے ہر چیز جس کو پیغمبر صاحب کے ساتھ کسی طرح کی نسبت یا ادنیٰ ملابست تھی اُن کو جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔ لوگوں کی اس درجے کی ارادت دیکھ کر پیغمبر صاحب کو ہمیشہ خوف رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ میری تعظیم میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنے لگیں۔ اور اسی خیال سے کئی مواقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھنا میرے مرے پیچھے کہیں میری قبر کو نہ پوجنے لگنا۔

غرض جس نے پیغمبر صاحبؐ کی لائف پڑھی ہی وہ ضرور میری اس رائے سے اتفاق کرے گا کہ صحابہ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ اس درجے کی محبت اور عقیدت تھی کہ ان کے تمام افعال اور اقوال اور حرکات و سکنات اور نشست و برخاست اور عادات اور اطوار اور اوضاع سب کو دین ہی سمجھتے اور دین ہی سمجھ کر اُن کی تعمیل اور تقلید اور پیروی اور نقل کرتے تھے۔ لیکن اگر پیغمبر صاحبؐ کے تمام افعال و اقوال اور حرکات و سکنات اور نشست و برخاست اور عادات اور اوضاع اور اطوار دین ہوں تو لازم آئے بشریت سے پیغمبر صاحبؐ کی تجرید۔[1] حالاں کہ آپ پکارے فرماتے تھے اور چوں کہ خدا کہلواتا تھا دوسری بات فرما نہیں سکتے تھے قُلْ[2] اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ یہ تو قرآن ہوا اور حدیث میں ہی لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ اور اسی حدیث

[1] جدائی علیحدگی ۱۲ [2] تم اُن سے کہو کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر وحی آتی ہی ۱۲۔

مضمون کو سعدی نے اقتباس کیا ہے اور کہتے ہیں۔ گاہے بجفصہ وزینب پرداختے و وقتے بالملائکہ مقرب درنساختے ؛ یہی سعدی حضرت یعقوب کے بارے میں کہتے ہیں **قطعہ**

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند ۔۔۔ کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی ۔۔۔ چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہان ست ۔۔۔ دمے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم ۔۔۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

غرض حقیقتِ نبوت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر برزخ ہے بَیْنَ الْبَشَرِیَّۃِ وَالْمَلَکُوْتِیَّۃِ تو جو کام وہ بشری حیثیت سے کرے یا جو بات وہ بشری حیثیت سے کہے وہ خلاف دین تو نہیں ہونے کی، مگر جزو دین بھی نہیں۔ مثلاً یہ کہ جب آں حضرت ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے دیکھا کہ یہ لوگ کھجوروں کے نر و مادہ درختوں کا گابھا ملاتے ہیں۔ آپ نے بتقاضائے بشریت خیال کیا کہ یہ لوگ شرک بت پرستی اور بے دینی کی وجہ سے مبتلائے اوہام تو ہیں ہی کہیں درختوں میں نر و مادہ کی تفریق اور گابھے کا ملانا اسی قبیل سے نہ ہو آپ نے گابھا ملانے کی ممانعت کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ درخت بار ور نہ ہوئے لوگوں نے عرض حال کیا تو آپ نے فرمایا[1] اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اس سے معلوم ہوا کہ گابھا ملانا دنیاوی بات تھی اور اس کے بارے میں آپ کا ارشاد واجب التعمیل نہ تھا۔ اس میں پیغمبر صاحب کی کچھ بھی کسر شان نہیں۔ وہ لوگوں کو خدائے واحد کا گرویدہ کرنے آئے تھے نہ باغبانی سکھانے اسی طرح آپ کو شعر کہنا کیسا موزوں طور پر پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ تو کیا اس سے نبوت میں کسی طرح کا وہن آگیا۔ حاشا۔ یا مثلاً یہ کہ پیغمبر صاحب کو علم غیب نہ تھا[2] لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ہو اس زمانے کے مشائخ میں کوئی جو اپنے مریدوں کے روبرو اپنی بے اختیاری اور درماندگی کا اس طرح پر صاف صاف اقرار کرے؟ وہ دعویٰ

[1] دنیا کی باتیں تم مجھ سے بہتر جانتے ہو ۱۲ [2] علم فصاحت ۵۳ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ فرشتہ ہوں ۱۲۔

کوئی دوا یا تدبیر بتادی۔ میں اس کو ایک دنیاوی بات کہتا ہوں اور میں کیا کہتا ہوں پوچھو حکیم
عبدالمجید خاں صاحب[1] کہ یہ قانون شیخ پر علاج کرتے ہیں یا طب نبوی پر تو کیوں طب نبوی دنیاوی بات ہے اور پھر
عمل کرنا غیر ضروری اور دوسری باتیں اس سے کہیں اخف و اہون دنیاوی نہ ہوں۔ اگر صرف کتب
حدیث میں ہونا دینی ہونے کی شناخت ہو تو طب نبوی اور دوسری بہت سی باتیں یکساں ہیں اسی طرح
مثلاً یہ جو مشہور ہے کہ سر کے سارے بال رکھنے سنت ہیں۔ بے شک معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب کے سارے
سر پہ بال تھے مگر اس کو لغوی سنت کہنا تو ٹھیک ہے مگر دینی سنت کہنے سے لازم آجائے گا اس کا
اتباع۔ اور پھر ایک بال ہوں تو مضائقہ نہیں۔ اس طرح کی سینکڑوں باتیں نکلیں گی جتنی باتیں و تنی
قیود جتنی قیود و تنی سختی۔ جتنی سختی و تنا حرج۔ اگرچہ شروع شروع کے مسلمان عموماً ہر چھوٹی سے چھوٹی بات
میں پیغمبر صاحب کی پیروی اور نقل کرنی چاہتے تھے اور میں اُن کے اس خیال کو ایک طور پر بڑی
عزت اور استحسان کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ پھر بھی اس بارے میں اُن کے مدارج کو متفاوت پاتا ہوں
میں اکثر تعجب کیا کرتا ہوں حضرت عمرؓ اور اُن کے بیٹے عبداللہ رضؓ پر۔ باپ کی وہ شدت کہ درخت بیعت
رضوان کو جس کا مذکور قرآن میں ہے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ[1]۔
اکھڑوا پھینکا۔ بیٹے کی یہ احتیاط کہ پیغمبر صاحب کی کوئی ادا رہ نہ جائے۔ میں جانتا ہوں اگر اس کا پتہ مل سکتا
کہ پیغمبر صاحبؐ ایک سکنڈ میں کتنے سانس لیتے تھے یا کے بار آنکھ جھپکاتے تھے تو ابن عمرؓ اس کو بھی
دین سمجھ کر کرتے اور التزام کے ساتھ کرتے۔ وہ ایسی ذری ذری سی باتوں کا خیال رکھتے تھے کہ اگر
اُس راہ سے سفر کرنے کا اتفاق ہوا جدھر سے پیغمبر صاحب کا گزر ہوا تھا تو اد بدا کر وہیں اُترتے جہاں
پیغمبر صاحب اُترے۔ وہیں سوتے جہاں حضرتؐ سوئے۔ اور اُسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے جس جگہ حضرتؐ
نے نماز پڑھی مثلاً راستے کے داہنے ہاتھ ٹیلے کے پاس نشیب میں ابن عمرؓ کے معاصر اُن کی ان باتوں
کو جس نظر سے دیکھتے تھے وہ ایک اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیب یعنی مقام محصب میں ٹھہرنے
کو ابن عمرؓ سنت پیغمبر سمجھتے تھے اس واسطے کہ واقع میں پیغمبر صاحب مکے سے لوٹتے وقت وہاں ٹھہرے

---

[1] اللہ مسلمانوں سے خوش ہو گیا جب وہ ایک درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے ۱۲۔

تھے لیکن ابن عباس کہتے ہیں لَیْسَ التَّحْصِیْبُ بِشَیْءٍ اِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مقولہ ہے اِنَّمَا نَزَلَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِاَنَّہٗ کَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِہٖ ان
باپ بیٹوں میں میرا تو کیا مونھ ہے کہ ایک کا تخطیہ اور دوسرے کی تصویب کروں لیکن یوں جس کا جی چاہے
جتنا چاہے اپنے اوپر تشدد کرے۔ گفتگو اس میں ہے کہ وہ تشدد داخل دین بھی ہے یا نہیں۔ رہبانیت کیا
چیز تھی وہ بھی ایک طرح کا تشدد تھا اِبْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ آنحضرت
صلعم نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا سواری کوتل اور آپ پاپیادہ حج کے لئے گھسٹتی ہوئی چلی جارہی ہے۔
فرمایا نیک بخت کیوں لاحاصل زحمت اٹھاتی ہے۔ سوار کیوں نہیں ہو لیتی۔ ایک اور صاحب تھے انھوں نے
ناک چھدوا کر ایک ڈوری پروئی تھی اور جس طرح مداری ریچھ کو لے چلتا ہے اُن کو کوئی آدمی اس خاص ادا سے
حج کرانے لیئے جارہا تھا پیغمبر صاحب نے دیکھ کر یہ سوانگ موقوف کرایا خود پیغمبر صاحب کی صاحبزادی
زینب نے مسجد نبوی کی چھت میں ڈوری لٹکائی۔ رات کو ذکر الٰہی کرتیں اور بال ڈوری سے باندھے رہتیں
کہ نیند آئے تو جھٹکے سے آنکھ کھل جائے۔ پیغمبر صاحب دیکھ کر ناخوش ہوئے اور ڈوری کھلوا دی ایک صحابی
کھیتی کرتے تھے۔ شام کو تھکے ماندے گھر آتے سویرے سے جماعت کے ساتھ نماز عشا پڑھ کر سو رہتے۔
معاذ ابن جبل تھے امام ایک دن خدا جانے اُن کے جی میں کیا آئی کہ نماز عشا میں سورۂ بقر شروع کر دی
کاشت کار بیچارہ بہت سٹ پٹایا۔ اور سوائے اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ نیت توڑ الگ نماز پڑھ کر گھر کا رستہ
لیا۔ آں حضرت کو اس کی خبر لگی تو آپ پر بہت ناخوش ہوئے اور تین بار فرمایا اَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مُعَاذُ
ایک شخص نے تلاوتِ قرآن کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا مہینے میں ایک۔ اُس نے عرض کیا
میں زیادہ پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا دو۔ اُس نے عرض کیا میں زیادہ پڑھ سکتا ہوں فرمایا تین۔ اُس نے
پھر عرض کیا میں زیادہ پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا ہفتے میں ایک اس سے زیادہ نہیں۔ یہ رمضان کی تراویح جو

۵۱ محصب میں ٹھیرنا کچھ چیز نہیں وہ ایک اُترنے کی جگہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اُتر پڑے ۱۲ ۵۲ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم محصب میں صرف اس غرض سے ٹھہرے کہ مکے سے روانہ ہونے کی وہاں سے آسانی تھی ۱۲ ۵۳ انھوں نے رہبانیت کو
آپ ایجاد کیا ہم نے اُن پر فرض نہیں کی مگر انھوں نے اس کو ایجاد کیا اللہ کو خوش کرنے کے لیے ۱۲ ۵۴ معاذ کیا تو لوگوں کو مصیبت میں ڈالتا ہے

حضرت عمرؓ کے وقت سے شروع ہوئی ہی صحابہ نے آں حضرت کی زندگی میں بہتیرے ہی زور مارے
آں حضرت صلعم اس کو طرح ہی دیتے رہے صوم الدہر کی ممانعت آپ صاحبوں نے سُنی ہی ہو گی۔ بڑے تشدد
کو بھی آپ نے صوم داؤد یعنے ایک دن بیچ کی بمشکل اجازت دی ہی پیغمبر صاحب نے صحابہ میں مواخات
کرادی تھی۔ ان میں سے ایک صحابی اپنے برادر خوانده کے یہاں مہمان گئے صاحب خانہ کی بی بی کو دیکھا
کہ شوہر دار عورتوں کی سی ان میں کوئی بات نہیں۔ پوچھا تو ان بی بی نے کہا تمھارے بھائی کو تو عبادت
الٰہی سے فرصت نہیں۔ بناؤ سنگار کس کے لیئے رات کو دونوں بھائی ایک مکان میں سوئے صاحب
خانہ جب جب نماز کے لیئے اُٹھنے کا قصد کرتے۔ مہمان کہتے ابھی نہیں۔ آخر جب تہجد کا وقت آیا۔ دونوں
نے نماز پڑھی۔ اور مہمان نے صاحب خانہ سے کہا کہ تم پر تمھارے نفس کا حق ہی۔ تمھاری بی بی کا حق ہی مہمان کا
حق ہی اور ایک خدا کا بھی حق ہی۔ تو ہر ایک حقدار کو اس کا حق پہونچاؤ۔ آں حضرت نے سنا اور مہمان
کی تصویب فرمائی۔ اور خود آں حضرت کا تو حال یہ تھا کہ نماز پڑھا رہے ہیں پیچھے سے کسی عورت کے بچے
کے رونے کی آواز آئی اور آپ نے جلدی جلدی نماز تمام کی۔ ان باتوں سے اور ایسی اور بہت سی
باتوں سے ثابت ہی کہ دین میں تشدد کرنا شارع اسلام کو ناپسند تھا۔ مگر لوگوں نے جوش میں آکر
از خود اپنے شوق سے کیا۔ اگلوں کا کرنا پچھلوں کے لیئے پسند ہوتا گیا۔ خیر ایک سنت پیغمبر تھی سو تھی۔
اس پر مستزاد ہوئی سنت صحابہ جس کو اصطلاح میں اثر کہتے ہیں وَ هَلُمَّ جَرًّا ہر اُستاد کی سنت شاگردوں
کے اور ہر پیر کی سنت مریدوں کے لیئے۔ غرض ہر کہ آمد براں مزید کرد۔ کسی کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اس
ظلم کو سمجھتا اور اسلام کو تشددات سے پاک کرتا۔ شدہ شدہ اب مسلمانوں کو دین نے ایسا اپنے شکنجے
میں کسا ہی کہ بیچاروں سے کچھ کرتے نہیں بن پڑتا۔ کانفرنس بڑا ہی ثواب لے اگر مسلمانوں کو ان
تشددات سے جو نہ داخل دین ہیں اور نہ شارع کی رائے تھی کہ داخل دین ہوں بچا لے۔ بھلا اور کچھ
نہ ہو سر دست اتنا تو ہو کہ دین اور زیادہ پاؤں نہ پھیلانے پائے۔ اگر مسلمانوں کا دین درست ہو جائے
تو ان کا اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ لیکن مذہبی خیالات کے درست ہوئے بغیر تو سید احمد خاں
دوسرا جنم بھی لیں مسلمان دنیاوی ترقی نہیں کرسکتے۔

مذہب ہی کیا چیز - انسان کی نیچر کو گھڑی سمجھو تو مذہب اس کا رگیولیٹر[1] ہی - اس گھڑی کی سپرنگ[2]
کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہو کہ بے رگیولیٹر کی روک کے ہمیشہ تیز چلنا چاہتی ہی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ[3]
بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ - یہ ہی ماخذ تشدید و تشدد کا جس سے کوئی مذہب خالی نہیں اور خالی ہونا
چاہیے بھی نہیں - لوگ رگیولیٹر سے کام لینے میں غلطی کرتے ہیں - بجائے اس کے کہ رگیولیٹر کے ذریعے
سے سپرنگ کی رفتار کو دھیما کریں - چاہتے ہیں کہ سپرنگ کے زور کو معدوم کر کے گھڑی کو بے کار بنا دیں
اسلام کی بڑی عمدگی یہی ہی کہ اس نے اس عام غلطی کی اصلاح کرنی چاہی - بے شک اصلاح ہوئی اور بہت
کچھ ہوئی یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ - لیکن وہ تشدد جو شروع دنیا سے مذہب
کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا تھا دلوں سے کم تو ہوا مگر مٹا نہیں - حامل دین اسلام دو گروہ ہیں - علما اور
مشائخ - میں بیان میں اب تک علما کی طرف متوجہ تھا - حال آں کہ تشدید و تشدد کا الزام علما پر ایک
چھٹانک تو مشائخ پر ایک من نہیں بلکہ ایک ٹن - اگر تشدد نہیں تو طریقہ کوئی چیز نہیں - دیکھو ان کے
مجاہدات ریاضات ترک حیوانات اربعینات اور کیا اور کیا یہ لوگ اس کو کہتے ہیں نفس کشی اور میں کہتا ہوں کشی یہ سب
تدبیریں ہیں ابطالِ فطرت اور نقضِ قانونِ قدرت کی - اور یہی وجہ ہی کہ دنیا میں کبھی کوئی مذہب
اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوا - کامیابی سے مراد ہی اس مذہب والوں کا اطمینان کہ ہم امتحان
میں پاس ہوئے - جو مرتا ہی متشکی - گندہ بائی ہم سلف - اور جب تک جیتا ہی اپنے قصور کا معترف اور
نجات سے مایوس - بات یہ ہی کہ مذہب کا کوہ گراں دیکھ کر لوگوں نے جوا چھوڑ دیا ہی - جس قدر بوجھ
اٹھا سکتے اور خدا کو اسی قدر ان سے اٹھوانا منظور ہی لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس کو بھی کندھا
نہیں دیتے - جانتے ہیں کہ قسائی کے گھر اول جانا آخر جانا کیوں لاحاصل زحمت اٹھائی -
مذہب کی یہ حالت بڑی ہاریبل اور ڈس ہارٹننگ ہی - اور میں اس کو ہوپ فل اور چیرنگ بنانا چاہتا

[1] ایک پرزہ ہی جو کمانی کے کھلنے اور زور کو تیز یا سست کرتا ہی ۱۲ [2] کمانی ۱۲ [3] انسان کا نفس بدی کی خواہشیں بہت کیا
کرتا ہی مگر یہ کہ خدا اپنی مہر رکھے ۱۲ [4] لوگوں سے اُن کے بوجھ ہلکے کرتا اور اُن پر جو قیدیں ہیں اُن کو توڑتا ۱۲ [5] تعداری مجھ
[6] اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدر اس کی طاقت کے ۱۲ [7] خوفناک ۱۲ [8] مایوسانہ ۱۲ [9] امید دلانے والا ۱۲ [10] خوش کن ۱۲

ہوں۔ اور یہی اصل مطلب ہے جس کو کانفرنس پر موشنٹ تو ریلی پر پیش کرتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ بات کا پہلو بدلوں ایک دخل مقدر کے دفع کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ باوجودیکہ تشدد اصلی وجہ کا تشدد صاحب عیسائیت میں داخل ہے اس پر بھی عیسائی دنیاوی ترقی کے معراج الکمال پر پہونچ گئے ہیں۔ اور مسلمان ہر چند ان کے اصل مذہب میں تشدد نہیں سختی نہیں اور جو تشدد اور سختی دیکھتے ہو وہ خارج اس میں گھس پڑی ہے۔ اس پر بھی ان کی دنیاوی حالت ابتر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائی صرف نام کے عیسائی ہیں۔ ان میں جو تعلیم یافتہ صاحب الرائے ہیں اکثر دہریئے یا ان کے چھوٹے بھائی نیچری ہیں اور جو مذہب کا ادب کرتے ہیں انھوں نے ایک اَنٹیسٹریکٹ ریلیجن بنالیا ہے اور اس کی دنیاوی باتوں میں انٹرفیئر نہیں کرنے دیتے۔ نہ تو تھر پیدا ہو نہ مذہبی غلامی سے ان کو آزاد کرے اور نہ دنیاوی ترقی کے رستے میں یہ لوگ ایک قدم سرکیں۔ ہمارے یہاں بھی خدا نے لوتھر تو پیدا کر دیا ہے قوم کو بھی اس کی رائے پر عمل کرنے کی توفیق خدا دے تو بس سب کام سدھ ہیں۔ پانی نے جگہ کر لی ہے اور قطرہ قطرہ جمع ہو رہا ہے انشاء اللہ ایک نہ ایک دن تمام مزاحمتوں کو ایسا بہا کرے جائے گا کہ کہیں پتہ بھی تو نہیں لگے گا۔ جھینگر دیکھا ہے؟ دیکھا تو ہوگا مگر شاید خیال نہ کیا ہو۔ اس کی دو بڑی بڑی موچھیں سی ہوتی ہیں۔ ان کو انگریزی میں فیلرز کہتے ہیں۔ یہ فیلرز جھینگر کو وہ کام دیتی ہیں جو ہم میں اندھوں کو ہاتھ۔ ایسے ہی دو فیلرز خدا نے اہل یوروپ کو بھی دیئے ہیں۔ بھلا اس پہیلی کو بوجھو تو کہ ان کے دو فیلرز کیا ہیں۔ طبیعت پر زور دو۔ ہارے تو میں بتاؤں۔ اہل یوروپ کے فیلرز ہیں مشنریز اور مرچنٹس یہی دو گروہ پہلے دوستانہ یا درلستانی لبتم می رسد غیر ملکوں میں جاتے اور وہاں کے حالات کی ٹٹول کرتے اور آخر کار یوروپ کے جھینگر کو چاٹنے کے لیئے لا بٹھاتے۔ بس اتنی ہی بات سمجھ لو کہ مشنری گاسپل کی منادی سناتے آتے ہیں۔ یا کانکرنگ کی۔ اور سوداگر مال بیچنے جاتے یا ملک خریدنے۔

۱ نہایت زور سے ۱۲ ۲ یعنے کانفرنس کو زبردستی اس طرف متوجہ کرتا ہوں ۱۲ ۳ خلاصۂ مذہب ۱۲ ۴ مداخلت ۱۲ ۵ انگریزوں میں بڑا نامی رفارمر ہو گزرا ہے ۱۲ ۶ پادری ۱۲ ۷ سوداگر ۱۲ ۸ انجیل ۱۲ ۹ فتوحات ۱۲

اب تک میں نے جو کچھ بیان کیا اس سے لوگ ایسا سمجھے ہوں گے کہ میں دینیات کی تعلیم کا مخالف
ہوں اگر فی الواقع ایسا سمجھا گیا ہو تو میرے بیان کا قصور ہے۔ میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیا اور دین
میں جتنی علیحدگی شارع کو رکھنی منظور ہے باقی رہے۔ اتنی بات ملحوظ رکھ کر دینیات میں جو چاہو پڑھو اور جتنا
چاہو پڑھو۔ بلکہ میں تو دینیات کی تعلیم کو ضرورت سے کم بہت کم سمجھتا ہوں۔ مثلاً بلادِ اسلام کا جغرافیہ اور
مسلمانوں کی تاریخ۔ میں ان دونوں کو ضروریاتِ دین میں سے خیال کرتا ہوں۔ اور ہمارے ہاں وہ
سلسلۂ درس سے خارج۔ نتیجہ یہ ہے کہ حدیث پڑھنے بیٹھو جگہ جگہ مقامات کے پہاڑوں کے نام آتے ہیں
بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ان کی لوکیلٹی (موقع) معلوم ہو نہ کسی نے کبھی نقشہ بنایا اور نہ دیکھنے میں آیا۔
بہت تفتیش کی تو اتنا پتہ لگا وہ بھی کسی کا۔ بَلَدٌ فِی الشَّامِ[1] جَبَلٌ[2] عَلٰی مَسَافَۃِ عَشْرِ لَیَالٍ مِنْ مَکَّۃَ
إِسْمُ مَاءٍ[3] وَکَانَ بَنُوْ فُلَانٍ یَنْزِلُوْنَ بِہٖ یہی تاریخ باوجودیکہ مسلمان ضبطِ تاریخ میں کسی قوم سے پیچھے
نہیں رہے اور چوں کہ ان کا زمانہ متاخر ہے ان کی تاریخ بھی سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے لیکن از بس کہ
عموماً تاریخ داخلِ درس نہیں پڑھے لکھے یعنی مولوی تک اسلام کی تاریخ سے گویا کہ ناواقفِ محض ہیں
اور عوام تو اپنے پیغمبر کے حالات سے بھی اچھی طرح آگاہ نہیں۔ حدیث بھی ایک قسم کی تاریخ ہے۔ مگر
مسلسل اور جامع نہیں اور وہ تاریخ کی حیثیت سے مدوّن بھی نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کو گدگدانے کا سب سے
بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کو ان کے بزرگوں کے حالات سے آشنا کیا جائے۔ اور یہ سمجھیں کہ ان کے بڑے کیا تھے
اور انھوں نے کیسے کیسے کارنمایاں کیے تھے۔ پھر کہاں تک ان کو غیرت نہ آئے گی اور کب تک عرقِ
حمیت چڑھی سویا کرے گی۔ مگر یہ اس سے نہیں ہونے کا کہ موٹی موٹی ضخیم کتابیں جو اٹھائی نہ اٹھیں
بنا کر مسلمانوں کے سر ماریں۔ کسی کو ان کے خریدنے کا مقدور ہوا اور اس کو افکارِ دنیا سے فرصت
بھی ملی اور تاریخ دانی کا مذاق بھی ہوا تو اس نے کبھی کبھی مشغلے کے طور پر سرسری نظر سے دیکھ لیں۔ نہیں۔
تاریخ اور جغرافیے کو کورس میں لینا ہوگا۔ دینیات کا ہو یا علومِ دنیاوی کا۔ انگریزی[4] میں تاریخ پڑھی ۱،

[1] ملک شام میں ایک شہر ہے [2] مکے سے دس دن کے رستے پر ایک پہاڑ ہے [3] ایک تالاب کا نام ہے جو فلاں قبیلے کے
لوگوں کا تھا اور وہ اس کے پاس آکر رہا کرتے تھے ۱۲۔

چیز بھی گئی ہے اور بلاشبہہ وہ بڑی اہم چیز ہے بھی۔ لیکن سرکاری تعلیم میں جو تاریخیں ہیں وہ اُن ہی کے
مطلب اور اِن ہی کے ڈھب کی ہیں۔ ہم کو اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق کتابیں بنوانی ہوں گی۔
مٹیریل (مسالے) موجود ہیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ کانفرنس کے فنڈ (سرمایہ) اگرچہ ہوں۔ اِس سے کسی بہتر مصرف میں انوسٹ
(مشغول۔ بکارآمد) کیئے جاسکتے ہیں۔ بات یہاں تک پہونچی ہے۔ اس بنا پر کہ میں کانفرنس کو مسلمانوں
کے مذہبی خیالات کے اصلاح کی صلاح دیتا ہوں۔ اگرچہ اسلام میں بہت سی باتیں جن کو دین سے
کچھ علاقہ نہیں داخل دین ہوگئی ہیں۔ مگر تاہم ہندوستان کے دوسرے ادیان کے مقابلے میں بہت کچھ
آزادی اسلام میں باقی ہے۔ اور اگر اصلی آزادی جو اسلام ہی میں ہے حاصل نہ کی جاسکے اور بلاشبہہ اس کا
حاصل کرنا ہے بھی مشکل تو جس قدر باقی رہی ہے اسی کی احتیاط کی جاے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ
اتنی ہی آزادی کی بنیاد پر مسلمان بہت کچھ ترقی کرسکتے ہیں۔ اور یہی آزادی جس کے لیئے میں اتنی دیر
سے غل مچا رہا ہوں اس آپس کی پھوٹ کو بھی روکے گی۔ یا کم سے کم اس کو کم کرے گی جس کی وجہ سے
اسلام ضعیف ہوتا چلا رہا ہے۔ میں نے تو اس خیال کو ایسا پکا یا ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کی تو میں
تارِ عنکبوت کی برابر بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ اِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ۔ وہ سُنی شیعہ کا بڑا اختلاف
جس نے شروع سے مسلمانوں کو دو بڑی پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اصل دین کے اعتبار سے میں
اُس کو بھی فضول و لایعنی خیال کرتا ہوں اور اگر مسلمان میری آج کی باتوں کو سُنکلے
اگرچہ بداقبالی کی وجہ سے جو اِن کے سر پر سوار ہے سنتے ہوئے نظر نہیں آتے
لیکن اگر سُنکلے تو ایک دن بشرطِ زندگی سُنی شیعہ کے اختلاف پر ایک خاص لکچر دوں گا۔ اور شاید
اسی کانفرنس میں۔ اب مجھکو تعلیم دینیات کے متعلق کانفرنس کو ایک صرف ایک صلاح اور دینی ہے۔ وہ
یہ کہ مولوی لوگ تعلیم دینیات کے گویا ٹھیکہ دار ہیں۔ لیکن جو مولوی تعلیم دینیات کے ٹھیکہ دار ہیں وہ
توکل پیشہ بھی ضرور ہیں۔ یہاں تک کہ جو مولوی توکل پیشہ نہیں عالمِ دین نہیں سمجھا جاتا یعنی عالمِ دین ہونے کے لیئے توکل

۵؎ گھروں میں سب سے بودا گھر مکڑی کا ۱۲

لازم ہی۔ اب ہم اسی ایک بات کو دیکھتے ہیں کہ آیا دین میں اس کی بھی کچھ اصل ہی یا نہیں۔
اِنَّ اتنا پتہ تو چلتا ہی وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ
ہیں سے علما کے گروہ باشکوہ کے ہونے کی ضرورت تو ثابت۔ اب رہی توکل پیشگی تو اگر مولوی اپنی
مدنی سے (جو اکثر نہیں بلکہ کل صدقات کی قسم میں سے ہی گو اُس کو زبردستی ہدیہ قرار دیا جائے۔)
رضامند ہوں وہ ضرور رضامند ہیں مجکو اُن سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ لینے والے جانیں اور
دینے والے۔ مگر مولویوں کی توکل پیشگی سے جو ایک بڑی قباحت پیدا ہو رہی ہی۔ اس کے انسداد
کے لیئے جہاں تک مجھ سے ہو سکے ضرور اصرار کروں گا۔ وہ قباحت یہ ہی کہ مولوی لوگ دینیات کی تعلیم
ڈیرکٹلی جیسی کرتے ہیں سو کرتے ہیں۔ ایک اَن ڈیرکٹ تعلیم ان سے اپنے نمونوں کی ہی جو وہ اپنے
تلامذہ اور معتقدین اور پبلک کو دکھاتے ہیں۔ مولوی نہ بھی کہیں تاہم اُن کے نمونے لوگوں کو سکھاتے
ہیں کہ دین داری یا کمال دین داری کے لیئے زہد و توکل شرط ہی۔ اور یوں مسلمانوں کو دنیا کی طرف
سے نفرت اور بے دلی پھیلتی چلی جا رہی ہی۔ اور دنیا کا حال یہ ہی کہ طلب صحیح پر بھی اس کا حصول
دشوار تو نفرت اور بے دلی کے ساتھ اس کو محال ہونا چاہیئے اور وہ محال ہی بھی۔ آخر مولویوں کی
معاش لوگوں کی امداد پر ہی تو کیوں اس امداد کو قاعدے کے پیرایئے میں لا کر مولویوں کو دوسرے مدرسوں کی
طرح تنخواہ دار ملازم نہ بنایا جائے۔ مولوی بھی عار صدقات سے بچ جائیں گے اور زہد و توکل ہی
باقی نہ رہے گا کہ لوگ اس کی تقلید کریں۔

میں دو پیغمبروں کو دیکھتا ہوں۔ ایک نے رہبانہ زندگی کی گو وہ زندگی بہت ہی مختصر تھی۔
نہ بیاہ کیا نہ گھر بنایا۔ نہ کوئی پیشہ لے کر بیٹھے۔ نہ دنیا سے کسی طرح کا تعلق رکھا۔ اور اپنی قوم و امت کو
تعلیم بھی کی تو ایسی ہی کہ کل کے لیئے ذخیرہ مت کرو۔ دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی صمیم قلب سے
ایسی محبت رکھو جیسی اپنے اکلوتے فرزند سے۔ اگر تمھارے ایک کلّے پر کوئی طمانچہ مارے دوسرا

[illegible] تم میں ایک [illegible] ایسی ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائیں نیکی کرنے کو کہیں بدی سے منع کریں ۱۲ ۵؎ صاف طور
سے ۱۲ ۶؎ ضمنی طور سے ۱۲ ۔

بھی اُس کے آگے کردو کہ بھلا یا باؤ اور مار۔ ان کی تلقین کا لب لباب تھا جوگ۔ سنیاس۔ زہد۔ ترک دنیا
فقر۔ درویشی۔ اُن کی اُمت کو دیکھتا ہوں سلطنت کرتے ہوئے۔ اور سلطنت بھی ایسی ہی کہ اگر کوئی نظر
بھر کر دیکھے تو اُس کی آنکھیں نکالیں۔ اور کتنوں کی نکال لی ہیں اور اب نکال لینے کو طیار ہیں۔ دولت مندی
کا یہ حال ہے کہ مٹی سونا ہے اور سونا مٹی۔ دوسرے پیغمبر صاحب کو دیکھتا ہوں تو اُن کے اُصول ہی دوسرے
ہیں وہ دنیا کو دنیا کی جگہ سمجھتے اور جس قدر کی وہ لائق ہے اس کی قدر کرتے اور فرماتے ہیں [۱] رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا اور [۲] كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اور [۳] مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ
مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اور [۴] زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ
مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ
ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ اور [۵] وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً اور
[۶] وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
غرض ان کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ تھا کہ دنیا دار خدا پرست بنو۔ ایسے ہی وہ آپ تھے اور اپنی اُمت کو بھی
وہ ایسا ہی بنانا چاہتے تھے اور جیسا بنانا چاہتے تھے بنا گئے تھے۔ اب اُن کی امت ہے خستہ حال۔
خراب تباہ۔ مفلس۔ محتاج دوسری قوموں کی محکوم۔ مغلوب۔ بے وقعت۔ ذلیل۔ خوار۔ یعنے مسلمانوں
نے عیسائیوں کی شان اختیار کر لی ہے اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی ٭

[۱] اے پروردگار تو نے اس دنیا کو نکما نہیں بنایا ۱۲ [۲] کھاؤ اور پیو اور فضول نہ کرو ۱۲ [۳] اللہ کی بنائی ہوئی زینت کی
چیزیں جو اُس نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا کیں۔ اور پاک روزی ان کا حرام کرنے والا کون۔ اِن لوگوں سے کہہ دو
کہ جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہیں قیامت کے دن یہ چیزیں خاص کر اُن ہی کو ملیں گی ۱۲ [۴] لوگوں کو فریفتہ کر دیا گیا
خواہشوں کا عورتوں سے اور بیٹوں سے اور سونے چاندی کے ڈھیروں سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے اور چارپایوں سے
اور کھیتی سے۔ یہ جیتے جی کے فائدے ہیں اور اچھا انجام خدا کے پاس ہے ۱۲ [۵] اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ ان پر سواری
کرو اور زینت کی چیزیں ۱۲ [۶] جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن
ملک کا مالک بنائے گا جیسے اِن لوگوں کو بنایا جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں ۱۲

زخاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست	حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم

اس سے بڑھ کر بوالعجبی یہ ہے کہ نذیر احمد مسلمان ہو کر اسے بنیر پنشنر آف ہز ہائینس دی نظام۔ اور لارڈ لینسڈون کرسچن ہو کر والیسرائے۔ اُن کو پنشنر آف نظام نہیں تو کم سے کم مولوی لینسڈون ہونا چاہیئے اور مجھ کو والیسرائے نہیں تو کم سے کم لارڈ نذیر احمد۔ لارڈ نذیر احمد کے نام سے تم کو بڑی ہنسی آئی اور بے شک ہنسی کی بات بھی ہے مگر ہمارے ہی بھائی بندوں نے سلطنتیں کی ہیں۔ ملک گیریاں کی ہیں۔ ملک داریاں کی ہیں[۱]

اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ	آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم

پندرھواں پ فطرت اللہ

یہ لیکچر انجمن حمایت اسلام لاہور کے آٹھویں سالانہ جلسے میں توحید پر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء کو دیا گیا یہ وہ مشہور لیکچر ہے جس کی بنا پر لاہور کے مشہور مقدمات لائیبل (توہین مذہب) وغیرہ عدالت میں ظاہر ہوئے اور جس طور پر اس قضیہ نامرضیہ کا خاتمہ ہوا وہ محرم علی صاحب چشتی اڈیٹر اخبار رفیق ہند کے معافی نامہ مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوگا۔

معافی نامہ

مَیں محرم علی چشتی نہایت عاجزانہ طور پر سچے دل سے مولوی نذیر احمد صاحب سے معافی کا ملتجی ہوں۔ مجھے نہایت ہی رنج ہے کہ مَیں نے اپنی تحریرات میں اُن کی نسبت متعدد سخت الفاظ اور بلا موقع اور نا ملائم اور بیجا[۲] سے اور گالیاں لکھیں جن کی وجہ سے اُن کو رنج اور تکلیف ہوئی۔

[۱] سرکار نظام کا ایک وظیفہ خوار ۱۲ [۲] اس لیکچر کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو لیا ہے۔ ناظرین سے میری عاجزانہ التماس ہے کہ براہِ مہربانی اس لیکچر کو غور سے پڑھیں اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں کہ اس میں کیا ایسی گھول کر ملا یا گیا تھا جو اس قدر شور و شغب مچایا گیا ۱۲۔

اِن سب کی تلافی کا جو کچھ مجھ سے ممکن ہی میں سچے دل سے اور نہایت انکسار سے بذریعہ اس تحریر کے کرتا ہوں اور یقین واثق دلاتا ہوں کہ آئندہ کسی قسم کی بیجا تحریر اُن کی نسبت شائع نکروں گا۔ اور نیز صفحہ اول رفیق ہند میں اس تحریر کو چھاپنے کے علاوہ اخبارات پنجاب میں جن کی تفصیل ۱۹ اپریل ۱۸۹۳ء کے رفیق ہند میں ہی اور جنھوں نے مولوی صاحب کے برخلاف لکھا ہی ایک ایک بار معافی کو مشتہر ہونے کے لیے بھیجدوں گا۔ نیز یہ اقرار ہی کہ میری طرف سے جس قدر استغاثے مولوی صاحب پر دائر ہوئے ہیں اُن سب میں بازدعویٰ داخل کر دوں گا۔ میں نہایت افسوس اُن بیجا دلائل اور لاطائل الفاظ کی نسبت کرتا ہوں جو میں نے اپنی تحریرات میں استعمال کیے۔ مولوی صاحب نے مقدمہ کا خرچہ معاف کر دیا ہی۔ راقم محرم علی چشتی ۱۹۔ جون ۱۸۹۳ء مقام لاہور

دستخط انگریزی

رام ناتھ مجسٹریٹ درجہ اول لاہور

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ[1]

اب سے غالباً پینتیس برس پہلے کا مذکور ہی کہ ایسٹ انڈین ریلوے کا وہ حصہ جو الہ آباد اور فتح پور کے درمیان واقع ہی کھولا گیا۔ میں اُن دنوں ضلع الہ آباد کا ڈپٹی انسپکٹر تھا۔ اور مجھکو دورے کی ضرورت سے اکثر ریل پر سفر کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چوں کہ ریل نئی چیز تھی۔ انتظام میں بھی بہت سے نقص تھے۔ اور لوگ ریل کے ضبط اوقات اور اُس کی قوتِ رفتار سے بھی اچھی طرح آگاہ نتھے لیکیڈنس۔ (حادثات) اکثر واقع ہوتے رہتے تھے اُس وقت کی دو باتیں ابھی تک مجھے یاد ہیں۔ ایک ہنسی کی اور ایک افسوس کی ہنسی کی بات تو یہ ہی کہ اتفاق سے خبر نہیں کہاں کے۔ مگر وضع سے معلوم ہوتا تھا لکھنؤ کی طرف کے دو صاحب ایک سٹیشن پر گھنٹوں پہلے سے ریل کے منتظر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں گھنٹی ہوئی

[1] اللہ کی بناوٹ جس کے مطابق لوگوں کو بنایا اللہ کی خلقت کو کون بدلے یہی ہی ٹھیک دین لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ۱۲۔

اور ریل کے کسی ملازم نے آواز دی کہ پمپم کے جانے والو ٹکٹ لینے چلو۔ ان دونوں نے بھی ٹکٹ لیے اور پھر فراغت سے اپنی جگہ جا کر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ریل آموجود ہوئی۔ اور گاڑیوں پر سوار ہونے کے لیئے دوڑے یہ دونوں بھی ٹکے گز کی چال سے چلے۔ اول تو جس تکلف سے انھوں نے اسباب اٹھایا ہی قابل دید تھا۔ دونوں ہاتھ اور بستر۔ اسباب کی گٹھری۔ پاندان۔ حقہ اور اس کے اجزاے ثلاثہ نیچہ چلم ٹکیوں کی تھیلی۔ ایک کف دست کے برابر ٹوپی جو سر پر اوڑھے تھے یا انھی کے محاورے میں کیوں نہ کہوں سر پر دئیے تھے۔ وہ اور شاید ناشتہ بھی۔ اتنی چیزیں سنبھالنے کو اب مجھے یاد نہیں کہ انھوں نے ان چیزوں کو کیوں کر سنبھالا۔ مگر گٹھری کو تو میں دیکھتا تھا۔ الگ سے بغل میں پکڑے تھے اور کر بل کھا کھا جاتی تھی۔

اللہ اللہ کیا اختلاف اوضاع ہے ایک تو وہ ٹوپی تھی کہ میں نے اُس کو کف دست کے برابر بتلایا اور ایک تمھارے صافے ہیں کہ باقی سارا لباس ایک طرف اور ایک سربند ایک طرف۔ پھر مختلف بندش کی پگڑیاں ہیں اپنے ہاتھ کی باندھی ہوئی۔ دستار بندوں سے بندھوائی ہوئی۔ ایک منی ایچر آف دی پرامڈز آف ایجپٹ آن دی سمالسٹ سکیل یعنی ننھا منا اہرام مصر کا نمونہ پارسیوں کی پگڑی اگر کہیں نظر پڑی ہو۔ اور ایک منصب داری پگڑی ہمارے حیدرآباد کی ہے۔ ہلکی سبک۔ پگڑی کی پگڑی اور ٹوپی کی ٹوپی۔ عمامے ہیں پھیلے ہیں۔ ہمارے ہاں کے نیچریوں کی وضع مختص لال پھندنے دار ترکی ٹوپی ہے۔ نیچری تو یہاں بہت ہوں گے۔ مگر لال ٹوپیاں کم دکھائی دیتی ہیں اور خدا جانے کتنی قسم کی ٹوپیاں ہیں۔ جتنے سرِ وتنی پوشینں اور دی لاسٹ ودنوٹ دی لیسٹ (سب سے آخر مگر سب سے کم نہیں) ایک بنگالہ ہے کہ اُس کو ٹوپی یا پگڑی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ غرض ہمارا ہندوستان بھی عجیب مختلف الشئون خطہ ہے۔ ہر ایک کی وضع نرالی۔ ہر ایک کی طرح جداگانہ۔ اور جتنا اختلاف ظاہر کا ہے اُس سے کہیں زیادہ مذہب کا معتقدات کا۔ تم کو تعجب ہوتا ہو گا کہ وہ بقدر کف دست ٹوپی سر پر کیسے سنبھلتی ہو گی۔ اگر اوڑھنے کا ارادہ ہو تو تدبیر میں بتا دوں وہ ٹوپی آل پینوں سے بالوں میں اٹکائی جاتی ہے لیکن اب پرانی باتیں چھوٹتی چلی جاتی ہیں۔ الا یہ ایک عجیب سیر دیکھنے میں آئی

ہو کہ جو صوبے بعد کو انگریزی عملداری میں آئے وہ جلد جلد انگریزی اثر سے متاثر ہوتے گئے۔

خیر تو وہ ریل کے دو مسافر اپنا سارا بکھیڑا لیے ہوئے سوار ہونے کی غرض سے چلے۔ پلیٹ فارم پر جانے کو اکیلے اکیلے ایک گلیارے میں سے گذرنا ہوتا تھا۔ گلیارے کے سرے پر دونوں ٹھٹکے اب یہ اُس سے کہتا ہو کہ ای قبلہ آپ اور وہ اُس سے اصرار کرتا ہو۔ ای قبلہ آپ۔

یہ قبلہ قبلۂ بیت المقدس تو نہ تھا کہ حکم آیا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (ای پیغمبر اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف کو پھیر لو اور تم لوگ کہیں بھی ہوا کرو مسجد حرام کی طرف اپنا مُونھ پھیر لیا کرو۔) اور حکم کے ساتھ سب کے سب کعبہ شریف کو مڑ گئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تحویل قبلہ کے بعد پہلی نماز پڑھی اور نماز پڑھکر گھر جا رہے تھے راہ میں ایک مقام پر بیت المقدس کی طرف کو نماز جماعت ہو رہی تھی اُنھوں نے نمازیوں سے کہا تم کدھر کو نماز پڑھ رہے ہو۔ قبلہ تو بدل گیا اور میں آں حضرت صلعم کے پیچھے ابھی کعبہ کی طرف نماز پڑھے چلا آتا ہوں وہ لوگ رکوع میں تھے سنتے ہی کعبہ کو پھر گئے۔

غرض ہمارے ان لکھنوی دوستوں کا قبلہ قبلۂ بیت المقدس تو نہ تھا کہ ایک حکم میں اس کی تحویل ہو جاتی۔ بلکہ وہ قبلہ تھا تکلف اور ظاہرداری کا۔ وہ قبلہ تھا دکھاوے کا۔ تپاک کا۔ وہ قبلہ تھا وقتی ضرورت پر نظر نہ کرنے کا۔ وہ نام کو قبلہ تھا اور حقیقت میں قطب از جا نجنبد نتیجہ یہ ہوا کہ ریل نکل گئی اور یہ دونوں افسوس کرتے رہ گئے۔

دوسری حکایت یہ ہو کہ ایک مقام پر ریل کی سڑک دور تک اونچا ٹیلہ کاٹ کر نکلی تھی دونوں طرف ٹیلی کی سلامی دیواریں۔ بیچ میں سڑک۔ میں نے کہا تھا نہ کہ یہ اُن دنوں کا مذکور ہو کہ ریل نئی نئی جاری ہوئی تھیں معلوم بیلوں کا ایک گلّہ کا گلّہ کیوں کر سڑک میں اُتر آیا۔ ڈرائیور نے دیکھ کر دور سے ڈراؤنی آوازیں نکالنی شروع کیں۔ پانی اُڑایا۔ غل مچایا۔ بیل کیا سمجھیں۔ یہاں تک کہ ریل اُن دونوں دیواروں کے بیچ میں آ داخل ہوئی۔ دو بیلوں نے عجیب تماشا کیا۔ ایک تو بیچ سڑک میں گردن جھکا کان کھڑے کر پھنکارے مارتا ہوا ریل سے ٹکر لینے کو تیار ہوا۔ اُس نے ریل کو شاید

بھینس سمجھا ہوگا۔ اور دوسرا دُم دبا کر نہیں بلکہ اُٹھا کر ریل کے آگے ہو لیا۔ اور باقی حیران و مبہوت ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ کدھر جائیں کدھر نہ جائیں چٹکی بجاتے میں ریل نے اُس کا جو لڑنا چاہتا تھا اور اُس کا جو ریل کے آگے آگے بھاگتا تھا مگر ریل کی تیزی کو کیا پاتا اور اُن کا جو حیران و مبہوت تھے مگر کچھ کرتے نہ تھے غرض سب ہی کا قیمہ کر دیا۔ وہ ہا ریل سین (منظر) خوفناک، مجھے ابھی تک بھولا نہیں اور بھولے گا بھی نہیں۔

اِن دونوں حکایتوں سے سوچنے اور سمجھنے والے کے لیئے بہت بڑی نصیحت نکلتی ہو۔ ریل کو سمجھو کہ وہ زمانہ کا نمونہ ہو۔ اور بیلوں کا گلہ ہم لوگ ہیں۔ اگر ہم زمانہ کی قوتِ رفتار سے واقف نہ ہوں تو۔ اور اُس کا مقابلہ کرنا چاہیں تو۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ نہ چل سکیں تو اور کچھ نہ کریں تو زمانے کی ریل ہم میں کسی کو سپیئر کرنے والی (چھوڑنے والی) نہیں۔ یہ وہ چکّی ہو کہ خدا کسی کو اس کے پاٹوں میں ڈالے ہی نہیں پاٹوں میں آیا اور چاہے آٹا ہو یا گھن سب کو پیس کر رکھ دیتی ہو۔ یہ وہ درانتی ہو کہ گیہوں یا سرسوں یا السی جو کچھ اُس کے مُنھ پر چڑھ گیا بے کاٹے نہیں چھوڑتی۔ اب یہ تمھارا کام ہو کہ زمانہ کی رفتار کو پہچانو۔ اُس کی قوت کو سمجھو۔ اور پھر یہ دیکھو کہ تم کن میں ہو۔ اُن لکھنؤ والوں کی ٹکّے گز کی چال چل کر ریل پر سوار ہو لوگے یا زمانے کی ریل کا مقابلہ کروگے یا بھاگ کر اُس کی زَد سے بچ جاؤگے۔ یا آنکھوں پر پٹی باندھ کر کانوں میں رُوئی پُرانی روئی ٹھونس کر زمانے کی ریل کی آمد سے بہنے (؟) بے خبر ہو رہو گے۔ گُم سُم کھڑے دیکھا کروگے اور ریل اوپر اوپر چلی جائے گی۔ ریل کے پہنچنے میں اب کچھ دیر نہ سمجھنا۔ وہ آئی یہ آئی۔ بھاگو بھاگو بچو بچو۔

أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ فَالنَّجَا

یہ عربی سمجھے؟ حدیث شریف ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اہلِ مکہ میں منادی کرائی کہ مجھکو تم لوگوں سے کچھ ضروری بات کہنی ہو فلاں وقت فلاں مقام پر جمع ہو جاؤ تو جو کچھ مجھ کو کہنا ہی تم کو اُس سے آگاہ کر دوں۔ لوگ جمع ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ بھلا اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن کی فوج تم کو لوٹنے مارنے کے ارادے سے اس پہاڑ کی آڑ میں آ کر چھپی پڑی ہو تو تم میری بات کا یقین کروگے یا نہ کروگے۔ سب بولے کہ ضرور یقین کریں گے۔ کیوں کہ تم اپنی قوم کے بدخواہ نہیں جھوٹ بولنا تمھارا شیوہ

نہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہاری خرابیاں حد سے گزر گئی ہیں اور نزولِ عذاب کا وقت آ گیا۔ اور
میں نے مارے جلدی کے کپڑے بھی نہیں پہنے اور جیسا بیٹھا تھا تم کو ڈرانے کے لیے بھاگا ہوا
آیا ہوں۔

یہی مضمون قرآن میں بھی ہے مگر دوسرے الفاظ میں فَاِنِّی نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ
بڑے لوگوں کی بڑی باتیں مگر میں نے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقولہ سے تمثل کیا تو صرف اتنی
بات پر کہ میرا نام نذیر ہے اور چاہیے یوں سمجھو کہ مجھی کو سوجھی۔ یا کسی دوسرے کے سمجھانے سے سوجھی
مگر میں تمہارے اس بھرے مجمع میں اقرار کرتا ہوں وَلَا اُبَالِیْ کہ دوسرے کے سمجھانے سے نہیں
بلکہ اُس کی دیکھا دیکھی سوجھی۔ کہ مسلمان دُنیاوی تعزز دُنیاوی تمول کے اعتبار سے تباہ اور برباد ہوئے چلے جاتے
ہیں۔ اصل میں غل مچانے والا سوتوں کو جگانے والا اَور ہے اور میں تو اُس کی ہاں میں ہاں ملانے
والا ہوں۔ وہ بھی اُس کی سی دل سوزی سے نہیں۔ اُس کی سی انگڑائی سے دبے قراری نہیں
میں تو سمجھا تھا کہ مسلمانوں کا بدقسمت گروہ اُبھرتا چلا ہے۔ اور جب سر سید احمد نے اہلِ
پنجاب کو زندہ دل کا خطاب دیا تو میں نے ایسا خیال کیا کہ ایسا دور اندیش۔ ایسا تجربہ کار
جس نے مسلمانوں کی دنیاوی اصلاح کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے اور شبانہ روز اسی دُھن میں
غلطاں پیچاں ہے۔ ایک خطہ کے مسلمانوں کی نسبت ایسی عمدہ رائے ظاہر کرے تو یہاں کے مسلمان
ضرور ایسے ہی ہوں گے لیکن سوائے اس ایک انجمن حمایت اسلام کے پنجاب کے مسلمانوں میں اور
کوئی فلاح قومی کا کام کیا ہو تو بول اُٹھو۔ کیا اتنے بڑے پنجاب کو پنجاب کے اتنے سارے مسلمانوں
کو بس اِس ایک انجمن کی اور ایسی انجمن کی حاجت تھی جس کی گزران محض توکل پر ہے **شعر**

زیادہ ہوگا توکل سے بھی کہیں روزہ　　کہ اس میں آئی تو روزی ہے اور نہیں روزہ

یاد تو کیوں نہ ہو مگر ایک مہینے سے بھی کم میں رمضان شریف تشریف لانے والے ہیں۔ گرچہ
گزشتہ سالوں کی سی سختی اب کے رمضان میں نہیں ہوگی۔ مگر آخر روزہ روزہ ہے۔ اُس وقت انجمن
کی حالت کی تم کو قدر ہوگی اور پھر بھی جیسی قدر ہونی چاہیے نہیں ہوگی کیوں کہ تمہارے یہاں

برس دن بعد رمضان آئے گا اور انجمن میں بارہ مہینے امیر خانی رمضان رہتا ہے۔

امیر خانی رمضان کا قصہ یہ ہے کہ امیر خان پنڈارا ایک لوٹیرا آدمی تھا اور اُس نے اپنی قسم کے سپاہی جمع کر لیے تھے۔ ان لوگوں کو کبھی تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔ اتفاق سے نقالوں کا ایک طائفہ اس کے لشکر میں پہنچا اور لوگوں کو اپنا تماشا دکھانا چاہا۔ لوگوں نے عذر کیا کہ ہم کو دانے گھاس کی مشکل پڑی رہتی ہے۔ تم کو انعام و اکرام کہاں سے دیں گے۔ سرگروہ طائفہ نے کہا کہ ہمارا تماشا کراؤ تو ایسی نقل کریں گے کہ شاید تمھاری تنخواہیں بھی تقسیم ہو جائیں۔ چنانچہ ایک شخص بہت بزرگ صورت جیسے ہماری انجمن کے نقیب الاولیا (خان نجم الدین صاحب)[1] موجود ہوئے طائفے میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ کون بزرگ ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ رمضان شریف اتفاق سے وہ مہینہ شاید ربیع الاول کا تھا تو دوسرے نے حیران ہو کر پوچھا کہ رمضان شریف کے اس مہینے میں آنے کا کون سا موقع ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ تم کو معلوم نہیں میری تعیناتی امیر خاں کے لشکر میں ہے۔ صرف ایک مہینے کی رخصت ملتی ہے اسی میں سارے جہاں میں پھر آتا ہوں اور پھر اپنے ٹھکانے آلگتا ہوں۔ سُنا ہے کہ یہ حکایت امیر خاں کے کان تک پہنچی اور اُس نے تنخواہ کے تقسیم کیے جانے کا حکم دیا۔

کیا ہمہ وقت کوئی آدمی تمھارے آگے جھولی پھیلائے کھڑا رہے۔ یا ہر ماہواری رسالہ میں تمھارے پاس عرضیاں بھیجی جایا کریں۔ یا ہر سالانہ جلسے میں تم کو یاد دلایا جائے گا ایک انجمن ہے اور اُس نے قوم کی اُمید پر رفاہِ قومی کے بہت سے کام اُٹھا رکھے ہیں۔ اُس نے ہول پراونس دکل صوبے کے یتیموں کو اپنی حفاظت میں لیا ہے اور یتیم آدمی کے بچے ہیں لاوارث بےکس اُن کو تمھاری طرح دو وقت بھوک لگتی ہے۔ جاڑوں میں سردی اُن کو رہنے کا مکان۔ ستر عورت کے لیے کپڑا درکار ہے۔ غرض وہ بھی آدمیوں کی سی ضرورتیں رکھتے ہیں اور سوائے خدا کی ذات کے کوئی اُن کی ضرورتوں پر نظر کرنے والا نہیں۔ یا نیچے تم۔ اگر خدا تمھارے دل میں رحم ڈالے

[1] یہ انجمن کے بڑے سرگرم ممبر ہیں۔ لکچر کے وقت جلسے میں لوگوں کو یہی با ترتیب بٹھا رہے تھے۔

در یتیموں کا ترس کھاؤ۔ یا انجمن بیوہ عورتوں کی پرداخت کرتی ہو۔ یا انجمن نے اسکول جاری کیا
ہو اب وہ اُس کو کالج کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور ان سب باتوں کو چاہیے خرچ۔ انجمن کیمیا بنانی نہیں
جانتی۔ اُس کو دستِ غیب کا عمل نہیں آتا۔ اُس نے کہیں سے دبا گڑا خزانہ نہیں پالیا۔ انجمن کے پاس
چھو نہیں۔ ڈاکو نہیں کہ کسی کا مال جا کر مار لائیں۔ اُس کا سرمایہ وہی جو تم ہاتھ اُٹھا کر دے دو تم میں سے
کون انجمن کی سی بے آس بے سہارے زندگی پسند کرے گا۔ کون ایسی زندگی کرتا ہو۔ کون ایسی
زندگی کر سکتا ہو۔ تم کو شروع میں سمجھنا چاہیے تھا کہ یہ انجمن کہاں تک پاؤں پھیلائے گی۔ اور پبلک
کی نظر میں۔ غیر قوموں کی نظر میں۔ خدا و رسول کی نظر میں اُس کے جاری ہوتے سے تم کہاں تک
ذمہ دار ٹھیروگے۔ اگر یہ انجمن سسک سسک کر جی جیسی کہ اب تک جی اور اب جی رہی ہو تو مجھ کو
کہ میرے منھ میں خاک یہ اک دن مرے گی اور ضرور مرے گی۔ لیکن خدانخواستہ مری تو اکیلی نہیں
مرے گی مسلمانوں کی عزت کو ساتھ لے کر مرے گی مسلمانوں کی غیرت کو ساتھ لے کر مرے گی۔
مسلمانوں کی جمعیت کو ساتھ لے کر مرے گی۔ میں انجمن کے استنے ثبات کو بھی اپنے زمانے کا
اسلامی معجزہ سمجھتا ہوں۔

سر سید پر جنھوں نے ہندوستان میں اس طرح کی نباشی (کفن کھسوٹی) کو رواج دیا جیسی چاہو
بدگمانیاں کر لو۔ میں سر سید احمد کا بھاٹ نہیں۔ وہ اگر پیر ہوں تو اُن کا مرید نہیں۔ اُستاد ہوں تو اُن کا
شاگرد نہیں۔ مرثیہ خواں ہوں تو اُن کا بسوریا نہیں۔ امیر ہوں اور مجھ کو معلوم ہو کہ نہیں ہیں۔ لیکن
امیر ہوں تو اُن کا دست نگر نہ کبھی تھا نہ اب ہوں۔ اور نہ ان شاء اللہ مدت العمر ہوں گا۔ مگر ہو کیا
آدمی ہوں۔ دوست دشمن میں تمیز کرنے کی۔ قومی حالت اور قومی ضرورتوں کی شناخت کی عقل رکھتا
ہوں۔ تمھارے اس لاہور میں اور لاہور کیا چیز ہو علی گڈھ میں اور علی گڈھ کے شہر میں بھی نہیں۔ [illegible] گڈھ
میں یعنی محمڈن کالج میں خود سر سید اور اُن کے حوارین کے روبرو میں نے اس بات کے کہنے
میں مطلق باک نہیں کیا۔ اور کیوں کرتا کہ میں اُن کے سب نہیں بعض معتقدات کو غلط سمجھتا ہوں۔ لیکن
جیسا مجھ کو اُن کی غلطیوں کا تیقن ہو۔ اس بات کا بھی تیقن ہو کہ وہ شخص منافق نہیں۔ بزدل نہیں۔

مکار نہیں اور قومی خیر خواہی سے ملت جھڑا رہا ہو کہ اُس کا بس چلے تو اپنی تو پہلے ہی سے اُتار رکھی ہو ۔
دوسروں کی پگڑی بھی اُتار کر مسلمانوں کے حوالے کر دے وہ جو کہتے ہیں حُبُّكَ الشَّيءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ
آدمی کو ایک چیز کی محبت اندھا بہرا کر دیتی ہو (سید احمد خاں کو مسلمانوں کی دنیاوی اصلاح
کی دُھن میں آگا پیچھا کچھ نہیں سوجھتا۔ افراط تو ہر ایک چیز میں مذموم ہو۔ پس میرے نزدیک سید احمد
خاں میں عیب ہو تو یہ ہو میری رائے سید احمد کی نسبت اگر صحیح ہو تو میں کسی سے اُس کی تائید
نہیں چاہتا اور اگر غلط ہو تو اصلاح کے لیے اس کو کسی کے روبرو پیش نہیں کرتا میں نے سید احمد خاں
کے ساتھ کسی امر میں مخالفت کی ہو تو سب سے زیادہ مجھی کو اس کا افسوس ہو۔ اگر مجھ سے اُس میں کسی طرح
کی بے تہذیبی سرزد ہوئی ہو۔ اُن کو خدا نے شرف دیا ہی باعتبار عمر کے شرف دیا ہی باعتبار نسب کے شرف دیا ہی باعتبار تعزز
دنیاوی کے۔ بہت بڑا شرف دیا ہی باعتبار خیر خواہی قومی کے اور حدیث شریف میں آیا ہی مَنْ لَمْ
يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا (جو چھوٹے پر مہربانی نہ رکھے اور بڑے کا ادب نہ کرے
وہ ہم میں کا نہیں) حدیث میں صغیر و کبیر دونوں لفظ مطلق واقع ہوئے ہیں۔ صغیر سے نہ صرف بیٹا یا
چھوٹا بھائی مراد ہو اور کبیر سے نہ صرف باپ یا رشتہ کا کوئی بزرگ اور نہ اس میں مذہب و عقائد
کی قید ہو بلکہ جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں کچھ وفود یعنی ایلچی آئے اور وہ اُس وقت تک مسلمان
نہیں ہوئے تھے۔ اُن کے سرگروہ کو آتا ہوا دیکھ کر اصحاب سے جو حاضر خدمت تھے فرمایا۔ قُومُوا إِلَى
سَيِّدِكُمْ (اپنے سردار کو استقبال کر کے لو) غرض مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا الخ ایسا گولڈن رُول
(قاعدہ زرین) ہو کہ اگر مسلمان اس پر پورا پورا عمل کریں تو اُن کی سوسائٹی سے بہتر شایستہ و مہذب
اور متفق و یکدل دنیا میں کوئی سوسائٹی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر مسلمان اپنے پیغمبر کی بات نہ مانیں اور
لوگوں کو زبان قلم سے ایذائیں دیں اور اپنے بڑوں کا ادب ملحوظ نہ رکھیں اور یوں مسلمانوں میں رنجشیں اور
عداوتیں پھیلیں اور وہ سنار کی سی کھٹ کھٹ کرتا ہی رہے اور یہ ایک لوہار کی سی جڑ دیں اور یہ سلسلہ
تا آخر کار اسلام پر گرے تو آئین اسلام اور بانی اسلام کا کیا قصور ہو۔

مسلمان رسول کی کیا مانیں گے جب وہ خدا کی نہیں مانتے۔ میں اس کی تائید میں قرآن کی چند

چند آیتیں پڑھتا ہوں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا
نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ
بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ یٰٓاَیُّھَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ
بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ
تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (اے ایمان والو کوئی گروہ دوسرے گروہ کی ہنسی نہ اڑائے عجب نہیں جن کی ہنسی
اڑائی جاتی ہے وہ ہنسی اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں عجب نہیں
جن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے وہ ہنسی اڑانے والیوں سے بہتر ہوں اور اپنوں کو چھیڑو مت اور نہ برے
لقبوں سے یاد کرو ایمان لائے پیچھے نافرمانی بڑی بدنامی کی بات ہے اور جو توبہ نہیں کرے گا تو وہی لوگ
ظالم ٹھیریں گے۔ اے ایمان والو اکثر بدگمانیوں سے بچتے رہو کیوں کہ بہت سی بدگمانیاں داخل گناہ ہیں
اور لوگوں کے حالات کی ٹوہ میں مت لگے رہو اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ کیا تم میں سے
کوئی اس بات کو پسند کرے گا۔ کہ اپنے مردہ بھائی کے گوشت کو کھائے اس سے تو تم کو ضرور گھن آتی
ہوگی اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔)

اور خیر سید احمد خاں سے یہاں بحث بھی کیا ہے۔ وہ اس انجمن کے سکرٹری نہیں۔ ممبر
نہیں۔ پیٹرن (مربی سرپرست) نہیں۔ بلکہ من وجہ یہ چاہتے ہوں تو تعجب نہیں کہ انجمن کے فنڈ
جو کچھ ہوں لے جا کر علی گڈھ کالج میں ٹھونس دوں کہ نہ ہزار ادھورے اور نہ ایک پورا۔ مگر جن کی
طبیعتیں نیش زن واقع ہوئی ہیں وہ ہر ایک کی گاڑی میں کسی کی بھی ہو بے روڑہ اٹکائے نہیں رہتے

دود شوندار بد ماسنے رسند		با دشوندار بچر اسنے رسند	

ان کی مثال خچر کی سی ہے کہ گدھوں کو لادنے لگے تو کہا میں گھوڑا ہوں گھوڑوں پر زین کسنے کی نوبت آئی
تو لگا ہچوں ہچوں کرنے اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (سب سے بری آواز گدھے کی ہے)
اے ظالم کہیں تو لدا اور لدے گا نہیں تو یہ قومی بوجھ کیوں کر اٹھے گا۔ یہ لوگ کیسا ہی نیک کام ہو ہمیشہ

رسے موٹوز (اغراض) پرڈھال سے جاتے ہیں۔ شعر

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد	میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اور کوئی جیتی ہوئی پھبتی نہیں سوجھتی تو مذہب کا حیلہ نکال کھڑا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تعدیہ امراض میں اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن جس میں اختلاف ہے وہ تعدیہ امراض جسمانی ہے۔ روحی امراض کے متعدی ہونے میں کچھ بھی شبہہ نہیں۔ ایک گندہ دل سارے کمیونٹی (جماعت) کے دلوں کے بگاڑ دینے کو کافی ہے۔ جیسے ایک دیاسلائی ایک شہر کے جلادینے کو بس کرتی ہے۔ اگر میٹریل (درائی (چیزیں خشک) اور ہوا موافق ہو فکونوا علیٰ حذر (خبر دار ہو)

ای بسا ابلیس آدم روئے ہست	پس بہر دستے نباید داد دست

میں اپنے زعم میں بہت ہی آزادانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ نہ کسی کالج کا بانی ہوں۔ نہ کسی انجمن کا سکرٹری نہ کسی اخبار کا اڈیٹر۔ لوگوں کی مدح وذم سے مستغنی تحسین وتحمیق سے بے نیاز۔ میں نے ساری عمر لکچر نہیں دیئے۔ خدمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہوا۔ نہیں معلوم لوگوں نے کیوں کر سمجھ لیا کہ میں ہوا کا رُخ پہچانتا ہوں جو کچھ آپ سمجھتا ہوں دوسروں کو سمجھا سکتا ہوں۔ بشرطیکہ سمجھنا چاہیں اور سمجھ کے پیچھے لاٹھی لئے نہ پھر رہے ہوں۔ دس دفعہ بلایا ایک دفعہ آ کھڑا ہوا تو کیوں کر ہوسکتا ہے کہ دل میں ہو کچھ اور کہوں کچھ

راست می گویم و یزدان نپسندد جز راست	حرف ناراست سرودن روش اہرمن است

مجھ سے اختلاف ہو تو مجھے جو جی چاہے کہو اور جو جی چاہے سمجھو مگر از برائے خدا یہ نہ کرنا کہ جیسے سید احمد خاں کے ساتھ مجھ کو سمیٹ لیا۔ میرے ساتھ اس بیچاری انجمن کو سان لو۔

مجھ کو تو نیچری کہلانا عار تھا۔ مگر نیچریت کے اب وہ معنے نہیں رہے۔ جن کی وجہ سے میں نیچریت کو عار سمجھا کرتا تھا۔ اب نیچریت یہ ہو کہ سید احمد خاں کو علی گڈھ کالج کا بانی کہو۔ نیچری علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا اڈیٹر کہو۔ نیچری۔ سٹر کہو۔ نیچری۔ ڈاکٹر کہو نیچری۔ آدمی کہو۔ نیچری۔ تو ایسی نیچریت کا قبول کرنا اس سے زیادہ موجب عار نہیں ہونا چاہیئے جیسے دو اور دو کا چار کہنا۔ میرا نیچریت کو تسلیم کرنا اسی

قبیل سے ہو جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

إن كان رفضاً حب آل محمد	فليشهد الثقلان إني رافضي

اگر آل محمدؐ کے ساتھ دوستی رفض ہی تو دونوں جہان اس پر گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔
میں جو اپنے نفس کا احتساب کرتا ہوں تو میرا صرف ایک ہی خیال ایسا ہو جس کو کوئی
معاند نیچریوں سے ملتا ہوا کہہ سکتا ہو۔ یہ میری رائے ضرور ہو کہ تاویل کرنے سے کسی حکم کی ایسی
بے حرمتی نہیں ہوتی جیسے اصرار اور اعلان اور تعمیم کے ساتھ اس کی تعمیل نہ کرنے سے بات کو صبر و
سکون کے ساتھ سنو ہی نہیں تو اس کا کیا علاج ہو۔ مگر سنو گے۔ او زمانہ۔ ہماری دعا تو یہ ہی
کہ تم ہی کو سنائے ورنہ تمھاری پہلی نسل نہیں تو دوسری اور دوسری نہیں تو قسم کھانے کی بات
ہو کہ تیسری ضرور سنے گی کیا چھوٹی چھوٹی باتوں کی فکر میں پڑے ہو انگریزی ایجوکیشن (تعلیم) کو
روکو۔ اگر تم سے رکی جاے اور اب تو یہ ایسی جڑ پکڑ گئی ہو۔ کہ بعض انگریز بھی جن کی یہ بلا لائی ہوئی
ہو ع ای صبا این ہمہ آوردۂ تست ۔

اس کو روکنا چاہتے ہیں اور نہیں رکتی۔ جن لوگوں نے ایجوکیشن کی قدر وقیمت کو جانا
پہچانا وہ ایسے اس کے گرویدہ ہیں کہ اگر گورمنٹ اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے دست کش ہونا چاہے تو
ہمارے ایجیٹیشن کے یہاں سے ولایت تک گورمنٹ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ لیکن اگر گورمنٹ
اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے دست کش ہو بھی جاے تو وہ لوگ چاہے بھوکے مریں ننگے پھریں۔
بھیک مانگیں۔ مگر ایجوکیشن کا بال بیکا نہ ہونے دیں۔ بنگالی تو بنگالی ہمارے نارتھ ویسٹرن پرونسز
(ممالک مغربی وشمالی) میں گورمنٹ نے دو کالج بند کر دیئے لوگوں نے چندہ کرکے دونوں کو بدستور
قائم رکھا۔ تو جو لوگ اسلام کو معرض خطر میں سمجھتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ ایجوکیشن کو روکیں ۔ اگر
اُن سے روکی جائے اور یہ نہ رکی اور نہیں رکے گی تو جن باتوں کا سننا ناگوار ہو وہ اور اُن سے
بڑھ بڑھ کر تم آپ کہو گے یہ اپنے آنکھوں دیکھے واقعات ہیں کہ جن باتوں کی اب کوئی مطلق پروا
نہیں کرتا۔ اب سے چالیس برس پہلے ایک ایک بات کفر و زندقہ سمجھی جاتی تھی میں ایسے باپ کا

بیٹا ہوں کہ دہلی کالج کے پرنسپل نے ہر چند چاہا کہ میں انگریزی پڑھوں والد مرحوم نے جو ایک غریب
آدمی تھے مگر اپنے وقت کے بڑے دین دار صاف کہہ دیا کہ مجھے اس کا مر جانا منظور۔ اس کا بھیک
مانگنا قبول مگر انگریزی پڑھنا گوارا نہیں۔ میں ایسے مولوی کا شاگرد ہوں جنھوں نے لاٹ صاحب سے
باکراہ ہر چہ تمام تر از مجبوری ہاتھ ملا کر اُس ہاتھ کو مٹی سے رگڑ رگڑ کر دھو ڈالا تھا۔ انگریزی صابون
سے نہیں جنھوں نے پانی پینے کا مٹکا جو جماعت میں رکھا رہتا تھا تُڑوا ڈالا تھا۔ اس واسطے کہ
اُس میں سے ایک شامت زدہ انگریزی خواں مسلمان پانی پی گیا تھا۔ تم کیا دین داری برتو گے ۔
دین داریاں یہ تھیں جو ہم نے دیکھیں ہیں اور اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ اور ایک دین داری
یہ ہی جو ہم اور تم سب دیکھ رہے ہیں۔ اِن سَنَتَین کا ہی لیکھ۔ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔ اور ایک دین داری
اب سے پچاس برس بعد ہوگی اگر امام مہدیؑ نہ آگئے۔ تم ایک سر سید کو لیے پھرتے ہو۔ کچھ خبر بھی ہے۔
زمانہ کتنے سر سید پیدا کر چکا اور کرتا چلا جا رہا ہے جن میں کے سر سید ہیں۔ ان کا تو یہ مقولہ ہے ۔

اِذَا مَاتَ مِنَّا سَیِّدٌ قَامَ سَیِّدٌ	قَؤُلٌ لِّمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلٌ

(جب ہم میں سے ایک سردار مر جاتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا سردار کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ بڑے بزرگوں
کی سی باتیں کرنے لگتا ہے اور انھیں کے سے کام)

قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ پر جہاں اور اعتراض ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ جو کچھ تمھاری
کتاب میں لکھا ہے اس پر تو عمل کرو۔ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ
الْإِنْجِيْلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ (توریت لے آؤ اگر تم سچے ہو تو اُسے پڑھ کر دیکھو۔ اور جن پر انجیل اُتری
ہے اُن کو چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں اُتارا ہے اُس کے مطابق تو حکم دیں) یا اُن وقتوں کی باتیں
رہنے دو۔ احکام عشرہ میں کے یہ احکام کہ کل کے لیے ذخیرہ مت کرو۔ یا تمھارے داہنے کلے پر
کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا اُس کے سامنے کر دو۔ ہم نہیں کہتے کہ خدا نے یہ ناممکن التعمیل احکام بھیجے
تھے شاید اُس زمانہ میں ایسے متوکل ایسے بے نفس لوگ رہے ہوں گے۔ مگر اب ہمارے وقتوں
میں کوئی ایک یہودی کوئی ایک نصرانی یا کوئی ایک آدمی ان حکموں کی تعمیل کرتا یا کر سکتا ہے۔ تو خود اُن ہی کی

[illegible] قانون ان کو گنہگار کر رہا ہے مجرم قرار دے رہا ہے اب تم اپنی جگہ آپ احتساب کر لین کہ
مسلمان کسی ایسے الزام کے مورد ہیں یا نہیں۔ کیوں کہ معاملہ خدا کے ساتھ ہے

با خداوند غیب دان نرود	زورت از پیش می رود با ما

کوئی نہیں کہتا اور کسی کو کہنا چاہئے بھی نہیں کہ مذہب سے قطع نظر کرو۔ مذہب قطع نظر کرنے کی
چیز نہیں ہے آدمی کی اور خصوصاً ہم مسلمانوں کی دنیاوی اور دینی فلاح موقوف ہے مذہب پر۔ ہم اس
گروہ کے لوگ ہیں جن کو مذہب نے کھڑا کیا۔ مذہب نے ہم کو ترقی دی۔ مذہب نے
ہماری حالت درست کی۔ مفلس تھے مذہب کی بدولت امیر ہو گئے۔ خاکِ ذلت پر پڑے
تھے۔ مذہب کی بدولت اوجِ عزت پر متمکن ہوئے۔ محکوم تھے مذہب کی بدولت حاکم بنے۔ رعیت
تھے مذہب کی بدولت بادشاہ بنے۔ شاہنشاہ بنے۔ غرض کچھ نہ تھے مذہب کی بدولت سب کچھ
ہو گئے۔ کیا یہ کچھ کم افسوس کی بات ہے کہ اب وہی ہم ہیں اصل ابتدائی حالت سے بھی کم تر۔ فروتر حالت
میں اتنا انقلاب ایسا ردو بدل۔ اس قدر اختلاف۔ یہ کیوں؟ یہ وہی مذہب کا [illegible] یعنی مذہبی
غلط فہمی۔ مذہب کو بُری طرح سے عمل میں لانا۔ یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ اس کا فیصلہ
کر لے۔ کہ ہم مسلمان ہندوستان میں انگریزوں کی عملداری میں اسلام کو دنیاوی عزت۔ دنیاوی
تموّل کے ساتھ جمع کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کر سکتے۔ تو کچھ بحث نہیں۔ تکرار نہیں لڑائی نہیں جھگڑا
نہیں۔ چلو اپنا اپنا بوریا بدھنا باندھ باندھ کر ان ظالموں کی عملداری سے نکل بھاگیں لیکن کتنے آدمی
ہیں جو ایسا ارادہ کریں یا چلنے والوں کے ساتھ چل کھڑے ہوں۔ جس سے کہو گے وہی کانوں پر
ہاتھ دھرے گا کہ نا بابا ہم ایسا امن۔ ایسی آسایش۔ ایسی آزادی کہاں پائیں گے۔ [illegible] مذہب
وہ ہمارے دل کے ساتھ ہے جہاں ہم وہیں مذہب ہے

میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں	میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں

یہاں ہم کو کاہے کی روک ٹوک ہے۔ نماز پڑھنی چاہیں روزہ ر[illegible] چاہیں۔ کوئی مانع نہیں۔ زکوۃ دینی
چاہیں یعنی انجمن حمایت اسلام کی مدد کرنی چاہیں۔ کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ حج کو جانا چاہیں کوئی

مزاحم نہیں ہاں ٹک سمجھو کہ مجھ کو صرف اتنی کہ دوسرے مذہب والوں کے حقوق میں دست انداز نہ ہوں۔ لیکن کچھ ایسے بھی نکلیں گے جن کے حق میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سات سو برس پہلے کہہ گئے ہیں ؎

ترکِ دنیا بمردم آموزند	خویشتن سیم و غلہ اندوزند

اور شاعر عربی کہتا ہے ؎

عَجِبْتُ مِنْ شَيْخٍ وَمِنْ زُهْدِهٖ	وَذِكْرِهِ النَّارَ وَأَهْوَالَهَا
يَكْرَهُ أَنْ يَشْرَبَ مِنْ فِضَّةٍ	وَيَسْرِقُ الْفِضَّةَ إِنْ نَالَهَا

مجھ کو اپنے پیر صاحب اور اُن کی پرہیزگاری پر تعجب آتا ہے اور وہ جو دوزخ اور اُس کی ہولناک باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں اس سے بھی تعجب آتا ہے چاندی کے باسن سے تو پانی پینا مکروہ سمجھتے ہیں اور اگر دست رس ہو تو چاندی چرا کر ڈب میں رکھ لیتے ہیں حافظ شیراز فرماتے ہیں ؎

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد	کہ مے حرام و لے بہ ز مالِ اوقاف ست

یہ ہیں جو مسلمانوں کو اُبھرنے نہیں دیتے عام مسلمانوں میں اتنی لیاقت نہیں کہ انجام کار کو سوچیں بیچارے بہکائے پھسلائے میں آجاتے ہیں۔ اور یوں مسلمانوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ رفتار يُقَدِّمُ رِجْلًا وَيُؤَخِّرُ أُخْرٰى (ایک پاؤں آگے رکھیں اور ایک پیچھے) اس بعد مسافت نظر کرتے کچھ بھی نہیں جو ہم کو طے کرنی ہے۔ کب تک اس تذبذب میں رہو گے بات کو یکسو کر چلو۔ یا تو کچھ مت کرو کہ اوپر والوں کو صبر آجائے اور کرتے ہو تو جی کھول کر کر دو یا مرغے لڑانے منظور ہیں اور اسی میں کچھ مزا ملتا ہے تو ویسی کہو میں تو اس مرتبہ تم سے دو ٹوک بات کرنے آیا ہوں۔ میری نسبت اگر بدگمانی ہے اور میرے عقائد بُرے ہیں تو مجھ کو اُن کا وبال بھگتنے دو۔ میں تم میں کسی سے شفاعت کا خواستگار نہیں ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر ست	رفتن بہ پائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

میری کبھی خواہش نہیں ہوئی اور انشاء اللہ ہوگی بھی نہیں کہ لوگوں کو مذہبی عقائد میں اپنا ہم خیال بناؤں اور اقل جماعت کا بھی لیڈر سمجھا جاؤں۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مجھ سے میرے اور لوگوں سے

اُن کے افعال و معتقدات کا حساب لیا جائے گا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (ایک کا بوجھ دوسرے پر
نہیں ڈالا جائے گا) لیکن کہلواتے ہیں تو کہتا ہوں۔ پوچھتے ہیں تو بتاتا ہوں۔ سوال کرتے ہیں تو جواب
دیتا ہوں کہ میرے نزدیک اسلام لازمہ انسانیت ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ
لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (اللہ کی بناوٹ جس کے مطابق
لوگوں کو بنا دیا اللہ کی خلقت کو کون بدلے یہی ہے ٹھیک دین لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں) کھانے
سے پینے سے پہننے سے کسی وضع میں رہنے سے کسی زبان کے سیکھنے سے کسی علم کے پڑھنے سے اب
ہوا ہے۔ دنیاوی حکومتوں کے ردوبدل سے اس میں فرق نہیں آسکتا۔ اگر انسان ایک خدا کا
قائل نہیں تو وہ اوجِ انسانیت سے ساقط ہو کر حضیضِ حیوانیت پر آ گرا ہے۔ اور اگر ایک خدا کا قائل
ہے۔ اور بعدہٗ بشر ہے کوئی امر نامشروع بھی اُس سے سرزد ہو جاتا ہے تو وہ ڈسپلن (قواعد) کو توڑتا ہے اور
اُس کی پاداش میں شاید اُس کی ڈیل بولی جائے یا اُس کا رینک (درجہ) توڑ دیا جائے یا اُس کا
ریشن (مراتب) گھٹا دیا جائے یا اُس کا بھتہ موقوف یا اور کوئی سزا دی جائے
اگر فوج سے اُس کا نام نہیں کٹے گا۔ اُس کو گولی نہیں ماری جائے گی اُس کو پھانسی نہیں لگے گی
دیٹس آل (بس ہو چکا) اسلام کی جزیلٹی (عمومیت) کہ قیامت تک اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ خدا کے رسول ہیں جن پر نبوت ختم
ہو گئی اور ہم نے تم کو کل دنیا کے سارے لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا ہے) غرض کیا بلحاظ زمان
اور کیا باعتبار مکان۔ اسلام کی جزیلٹی (تعمیم) پڑی پکار رہی ہے کہ اس کو کیا ہونا چاہیئے اور لوگوں نے
اس کو کیا بنا رکھا ہے۔ مگر وہ اپنی اصلیت پر آئے گا ضرور آئے گا۔ اور یہی ایجوکیشن اس کو اس کی اصلیت
لائے گی۔ لیکن یہ جنریشنز کے کام ہیں۔ ایجوکیشن اور مذہب یعنی مذہب متعارف میں کسر و انکسار
جنکو مدتیں چاہئیں۔ اُس وقت تک پیشین گوئی کے جرم میں جس جس کی قسمت میں گالیاں کھانی
لکھی ہیں گالیاں کھائے اور جس جس کی تقدیر میں لعنتیں بدی ہیں لعنتیں سن لے پھر جو ہونا ہے وہ ہو گا

کسی ایک نسخے کی بہت سی نقلیں کرا رکھتے ہیں۔ نہ نبض دیکھیں نہ حال پوچھیں مریض آیا اور جھٹ انھوں نے
مسند کے تلے سے نسخہ نکال حوالے کیا۔ اُدھر ایک عطار لگا ہوا ہو وہ حکیم صاحب کے دستور سے واقف
ہو اُس نے پہلے ہی سے پڑیاں باندھ رکھی ہیں اتنا دیکھ لیا کہ نسخہ حکیم صاحب کا ہو۔ دواؤں کے نام
اور اوزان پڑھے اُس کی بلا لونڈے سے کہا فلاں خانے میں جو پُڑا رکھا ہو ان کو لا کر دے دے۔
لائیے حضرت ساڑھے چار پیسے۔ قریب قریب یہی حال ہو۔ اِس زمانے کے کفر کے فتووں کا
لیکن اے آریو۔ اے برہمو۔ اے ہندو بھائیو۔ اے عیسائیو۔ اے اسلام کے سوا کسی اور مذہب کے ماننے والو۔
اے مذہب کی تلاش رکھنے والو۔ ان لوگوں کی بات پر مست جاؤ۔ اگر تم آدمی ہو اور ضرور آدمی ہو
اگر تم عقل بھی رکھتے ہو اور ضرور رکھتے ہو تو تم خدا کو مانتے ہوگے اور اُس کو ایک بھی جانتے ہوگے اب تم ساری
دنیا کو چھان مارو دیکھو تو اتنی ہی بات پر کوئی بھی تم پر ہاتھ دھرتا کوئی بھی تم کو نجات ابدی دلادینے کا
وعدہ کرتا ہو۔ ہاں ایک شخص ہو محمدؐ عربی اسلام کا پیغمبر منکسر۔ متواضع۔ سیدھا سادہ۔ بے تصنّع۔
بے تکلف۔ بے طمع وہ اطمینان کرتا ہو کہ چلو۔ میں تم بخشوا دیتا ہوں۔ بے شک لوگوں نے اس کی
بُرائیاں تم سے کی ہوں گی اور اب بھی کرتے ہوں گے لیکن اگر کوئی تم سے کہہ دے کہ کوا تمھارے
کان لے گیا۔ تو کیا سننے کے ساتھ کوّے کے پیچھے دوڑے دوڑے پھروگے۔ کیوں نہیں پاس
کے پاس ٹٹول لیتے کہ سر میں کان بھی ہیں یا نہیں۔ اس کی بات کو تو جانچو کہ کتنا کیسے پتے کی ہو۔
ابدی نجات اور ایسی سستی۔ اور اگر نجات کی قدر ہی نہیں اور بدے میں مرنا منظور ہو تو پڑو چولھے میں
ہم تو اپنا اُلاہنا اُتار چکے۔

مذہب کا گُڈ یُوس (یعنے اچھا استعمال) یہ ہو کہ ہم اپنے نفوس کی اصلاح کریں ہم کو آپ اپنا جج بننے
کا کوئی استحقاق نہیں لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (اپنے مونھ آپ نیکوکار مت بنو
خدا ہی کو خبر ہو کہ اُسکے نزدیک کون نیکوکار ٹھیرتا ہو) میں خیال کرتا ہوں کہ انسان کو اپنے نفس کی
اصلاح کا ایسا شغل ہو کہ اگر وہ اس ڈیوٹی کو اچھی طرح ادا کرے تو اُس کو دوسروں کے حالات کی
تجسس کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔ میری باتوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہوگا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں

اس پر عمل کرتا ہوں لیکن اگر عمل کرتا ہوتا تو تم سب پر عمل مقناطیسی کر دیا ہوتا۔ اثر جو نہیں ہوتا اسی سے
نہیں ہوتا کہ کہا سب کچھ جاتا ہے اور کیا کچھ بھی نہیں جاتا۔

	ہر یکے ناصح برائے دیگراں		ناصح خود یافتم کم در جہاں

کہنے کو تو چھوٹے چھوٹے دو جملوں میں سارے اسلام کا خلاصہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
(خدا ایک محمد برحق) لیکن منہ سے ایک اور برحق کہنے کی سند نہیں۔ کردار سے۔ گفتار سے۔ رفتار سے
ثابت کرو کہ تم نے خدا کو ایک اور محمدؐ کو برحق سمجھا۔ ایک توحید ہی کی ایسی ٹیڑھی کھیر ہے کہ آئیں کی آئیں اسی امتحان
میں فیل ہو گئیں۔ باوجودیکہ عقلی شہادت موجود ہے اور جو عقل ہم کو بتاتی ہے کہ خدا ہے۔ وہی یہ بھی بتاتی
ہے کہ وہ ایک ہے۔ مگر آدمی کچھ ایسا ڈھلمل یقین مخلوق ہے کہ وقت پر بہک ہی جاتا ہے اسلام سے پہلے خدا
ہی کی اُتاری ہوئی شریعتیں تھیں۔ ان شریعتوں میں اوامر تھے۔ نواہی تھے آداب تھے مواعظ تھے۔
حکم تھے۔ سب ہی کچھ تھا یہی باتیں تھوڑی ردوبدل سے اسلام میں بھی ہیں۔ پھر کیا ضرورت داعی
ہوئی کہ ایک نیا مذہب جاری کیا جائے کہ وہ جورو کو خصم سے۔ باپ کو بیٹے سے۔ دوست کو دوست
سے مالک کو جائداد سے۔ گھر سے۔ وطن سے۔ آدمی کو آدمی سے جدا کر دے اور ایک جدید قانون ہو اور
وہ فیصلہ کرے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (ایک گروہ جنت میں ایک گروہ دوزخ میں) ہاں ضرورت تھی
اُسی توحید کی خامی۔ اُسی توحید کا تزلزل۔ پس بڑی بات سب سے بڑی بات۔ عظیم الشان بات جو
اسلام میں ہے وہ توحید ہے۔ پاک صاف۔ خالص۔ بے آمیزش۔

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ ساری عمر اسی کی رخنہ
بندیوں میں لگے رہے۔ اپنی تعظیم تک جائز نہیں رکھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ مبالغہ کرنے لگیں۔ اور میرے
ساتھ وہ معاملہ کریں جو یہود نے حضرت عزیر اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ
والسلام کے ساتھ کیا۔ بدر کی لڑائی فتح ہوئی تو انصار کی لڑکیاں بیت الرسالت میں آ کر شادیانے
گانے لگیں۔ آپ خاموش پڑے سنتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے کہا ہم میں رسول ہیں جو غد
کی باتیں جانتے ہیں۔ جھٹ اُٹھ بیٹھے۔ اور فرمایا کہ نہیں نہیں وہی اپنا پہلا گیت گائے جاؤ۔ اپنی

قبر کے بارے میں تو آپ نے بار بار فرمایا کہ دیکھنا میرے بعد میری قبر کو نہ پوجنے لگنا تصویر کے کھینچنے تصویر کے رکھنے کے باب میں جیسے جیسے وعید ہیں وہ سب تدبیریں تھیں سدباب بت پرستی کی ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے بڑھ کر انسان اور کیا کر سکتا ہے۔ کہ پانچوں وقت نمازمیں ہر مسلمان کے منہ سے کہلوا جاتا ہے کہ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ۔

اس نبی موحد علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی امت کو دیکھو ہم کو دوسرے ملکوں کی تو خبر نہیں مگر غالب ہے کہ یہی حال ہوگا جو یہاں کا ہے کہ بزرگانِ دین کی تعظیم کو حدِ عبادت تک پہنچا دیا ہے۔ جب تک منہ سے نہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کس سے حاجت طلب کر رہے ہیں اور کس کی شفاعت چاہتے ہیں اور اگر خَیۡرُ الۡقُرُوۡنِ قَرۡنِیۡ ثُمَّ الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَهُمۡ ثُمَّ الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَهُمۡ (بہتر لوگ میرے زمانے کے پھر جو ان کے بعد پھر جو ان کے بعد) کے سلسلے کی رعایت کی جائے اور رعایت ہونی چاہیے کیونکہ وہ فرمودۂ رسول ہے۔ تو ان بزرگوں کی نوبت بھی نہ آئے لیکن مسلمانان در گور مسلمانی در کتاب۔ معدودے چند مسلمان ہیں جو توحید کا پاس کرتے ہیں سو ان کو وہابی وہابی کہہ کر اس فکر میں لگے ہیں کہ ان کو باغی سرکار ٹھہرا کر بن پڑے تو جلا وطن کرا دیجئے۔ سورۂ مائدہ کا اخیر رکوع میرے اس مطلب سے بہت ہی چسپاں ہے فرماتے ہیں۔ وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَاُمِّیَ اِلٰهَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِحَقٍّ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ۝ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبَّكُمۡ وَكُنۡتُ عَلَیۡهِمۡ شَهِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡهِمۡ وَاَنۡتَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ۝ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ۝ (اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھکو اور میری ماں کو معبود قرار دو تو حضرت عیسیٰ بارگاہِ رب العزت میں عرض کریں گے

کہا ای خداوند تو عار شرک سے بری ہی بھلا یہ کہیں مجھ سے ہو سکتا تھا کہ جو بات مجھ کو سزاوار نہیں منھ سے نکالوں؟
اگر میں نے کہی ہو گی تو ای خدا ضرور تجھکو اُس کا علم ہوا ہو گا۔ کیوں کہ تو میرے دل کی بات جانتا ہی۔
اور مجھکو تیرے اسرار قدرت کی کچھ خبر نہیں میرے دل کی بات کیا تجھ کو غیب کی ساری باتیں معلوم
ہیں۔ مجھ کو جو تو نے ارشاد فرمایا تھا وہی جوں کا توں میں نے اُن لوگوں کو کہہ سنایا تھا اس کے سوا ایک
حرف نہیں کہ اللہ کی پرستش کرو جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہی اور جب تک میں اُن کے ساتھ
موجود رہا میں اُن کے حالات دیکھتا رہا جب تو نے مجھ کو اپنے پاس بلا لیا۔ تو تو اُن کا نگراں حال تھا۔
اور تو سبھی چیزوں کو دیکھتا رہتا ہی۔ اگر تو اُن کو سزا دینی چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں تیرے حکم سے باہر
نہیں اور اگر معاف کر دے تو تو اختیار رکھتا ہی اور مصلحت شناس ہی۔ اس پر اللہ جل شانہ فرمائے گا۔
آج کا دن وہ دن ہی کہ سچوں کو اُن کا سچ کام آئے گا ان کے لئے باغ ہیں جن کے تلے نہریں پڑی
بہ رہی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اُن میں رہیں گے اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے خوش یہی بڑی
کامیابی۔)

انبیا کے بھی مدارج ہیں چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ
بِرُوحِ الْقُدُسِ (یہ ہمارے رسول ہیں۔ اِن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر مدارج کے اعتبار سے
بزرگی دی اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے معجزے دیئے اور روح القدس سے مدد دی)
جب تک قرآن یا حدیث میں صراحت نہ ہو ہم کسی پیغمبر کے درجے کی تعیین نہیں کر سکتے اس آیت
میں جو میں نے ابھی پڑھی عیسیٰ علیہ السلام کا بالتخصیص مذکور ہی اور ایک جگہ فرماتے ہیں شَرَعَ لَكُم مِّنَ
الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ (تمھارے
لیئے دین کی ایسی راہ نکالی جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور اسی کی وحی ہم نے تمھاری طرف بھیجی اور اسی
کی وصیت ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی تھی) اور ایک جگہ فرماتے ہیں وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَ
إِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ثُمَّ قَفَّيْنَا

عَلیٰ اٰثَارِھِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ (اور ہم نے نوح اور
ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب کو رکھا تو اُن میں سے بعضے راہ یاب ہیں
اور اکثر اِن میں سے بدکار ہیں۔ پھر انہیں کے قدم بقدم ہم نے اپنے دوسرے رسولوں کو چلایا اور
انہیں کے قدم بقدم عیسیٰ کو چلایا اور ہم نے اُن کو انجیل بھی دی) ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
عیسیٰ بھی بڑے درجے کے پیغمبر ہیں اور صاحب کتاب ہونے میں تو کچھ شک ہی نہیں۔ ایک بات اُن
میں خاص ہے کہ دوسرے انبیا کو معجزے دیئے گئے تھے اور حضرت عیسیٰ کو بھی دیئے گئے تھے مگر وہ خود
بھی ایک معجزہ تھے۔ کیوں کہ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ بہرکیف وہ ایسے کچھ تھے کہ لاکھوں کروڑ
آدمیوں نے غلطی کی۔ بے جا کیا۔ بُرا کیا۔ مگر اُن کو خدا مانا۔ اچھا خدا مانا تو کیا کیا۔ وہ کیا جو خدا کے ساتھ
کرتے ہیں۔ اُن سے دعائیں مانگیں۔ اُن سے حاجتیں طلب کیں اُن کو خدا کی طرح متصرف بااختیار
سمجھا۔ اُن کی وہ تعظیم کی جو خدا کی کی جاتی ہے اسی کا نام ہے شرک اور یہی وہ بلا ہے جس کی خدا کو چڑ ہے۔
وہ فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (شرک بڑی ہی ظلم کی بات ہے۔ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ
اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (اللہ کے ہاں سے اُس کی تو مغفرت نہیں جو شرک
کرتا ہے لیکن شرک سے کم جو گناہ ہوں وہ جس کو چاہے معاف کر دے) اور واقع میں شرک تو کھلی
کھلی بغاوت ہے۔ جب ایک شخص خدا کو خدا ہی نہیں مانتا۔ پھر اُس سے اُمید مغفرت کیسی۔ جو تیرا خدا ہو
اُس کے پاس جا اور اُسی سے مغفرت مانگ۔ خیر تو لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو اور اُن کی والدہ کو
شریک خدائی گردانا۔ آدمی سے سب حمق ہو سکتے ہیں۔ مگر نہیں ہو سکتا تو یہ کہ وہ اپنے تئیں خدا
سمجھے اور فرعون کا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی سنا ہو تو وہ اُس کی بیہودہ شیخی تھی۔ اور خوش حالی اور حکومت
کے غرّہ میں آکر حضرت موسیٰ کی ضد سے اُس نے نالائق بات منہ سے بک دی۔ مجبور و بےکسی کا
وقت آیا تو اُس کی ساری قلعی کھل گئی۔ حَتّٰی اِذَا اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا
الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (جب لگا ڈوبنے تو بول اُٹھا کہ میں ایمان لایا
اس بات پر کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں [illegible]

اور فرعون پر کیا موقوف ہے تمام آدمیوں کا یہی حال ہے کہ مصیبت کے وقت اُن کو خدا یاد آتا ہے اور
خوش حالی میں خدا کی کچھ پروا نہیں کرتے چنانچہ انسان کی اس عادت کو خدا تعالیٰ نے اس طرح پر بیان
فرمایا ہے حَتّٰٓی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ
جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا
مِنْ هٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ
اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (یہاں تک
کہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور بادِ موافق اُس کو لے چلتی ہے اور مرضی کے موافق ہوا پاکر خوش ہوتے
ہیں تو ہوا کا جھونکا ناؤ کو الٹتا ہے اور ہر طرف سے موجیں آنے لگتی ہیں اور لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ اب تو
ہم گھر گئے تو بڑے خلوص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر ہم کو اس بلا سے نجات دے تو ہم تیرے
شکر گزار بندے ہو کر رہیں گے جب اُن کو خدا نجات دیتا ہے تو ناحق خشکی میں جا کر بغاوت کرنے لگتے ہیں
لوگو یہ بغاوت تمہارے ہی حق میں مضر ہے دنیا کے جیتے جی کے فائدے ہیں پھر تم کو ہماری طرف
لوٹ کر آنا ہے اُس وقت ہم تم کو بتا دیں گے کہ تم نے کیسے عمل کیے) منہ بھر بھر کر فرعون پر لعنت کرنے کو
تو سب ہی ہو جاتے ہیں اور مجھے ایک دن خیال آیا کہ فرعون کی طرح اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ
الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ (کیا میں ملک مصر کا مالک نہیں ہوں اور یہ نہریں میرے محلوں کے تلے پڑی بہ رہی
ہیں) ہوا اور پھر آدمی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی نہ کہے تو جانیں۔ وہ شیخی جو مادۂ فرعونیت ہے ہمارے ہاں کے
ناموں اور خطابوں میں بڑی جھلک رہی ہے تو غرض یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شان سے نہایت بعید
تھا کہ دعویٰ خدائی کریں اور اپنی پرستش کرانا چاہیں۔ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ
تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَةَ وَالنَّبِیّٖنَ
اَرْبَابًا اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ خدا اُس کو کتاب اور
حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے لگے کہنے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو بلکہ

وہ تو یہ کہے گا کہ خدا پرست بنو کیوں کہ تم کتاب اللہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہو اور تم ایسا حکم نہیں
دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بناؤ۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم تو اسلام سے آئے اور وہ تم کو
کفر کا حکم دے) لیکن حضرت عیسٰی کے معتقدین نے ان کی پرستش کی اور ان کو اور ان کی والدہ
کو خدائی کے درجہ میں لیا۔ لیکن یہ ایسا ان کو سپری سمبل (خلاف قیاس) خیال ہے کہ واقع میں سخت
تعجب ہوتا ہے۔ لوگوں نے کیوں اس کو ایک لمحہ کے لیئے بھی دل میں آنے دیا۔ مگر پھر کچھ بھی تعجب
نہیں ہوتا۔ کیوں کہ حضرت عیسٰی تو پھر بھی بڑے رتبے کے پیغمبر تھے۔ بے باپ کے پیدا ہوئے
تھے معجزے کی طاقت سے مردوں کو جلاتے۔ اندھوں کو بینا۔ کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے۔
ان کی نسبت ایسا شبہہ کر لیا گیا ہو کہ یہی خدا ہیں یا یہ بھی خدا ہیں تو انسان کے ضعف سے کچھ
بھی بعید نہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کا کیا حال ہے کہ ہم میں کا ایک جم غفیر قریب قریب اسی طرح کی
مدارات ہر ایک شخص کے ساتھ کرتا ہے جس کو وہ بزرگ سمجھ لے تو ہم کس منھ سے اعتراض کر سکتے
ہیں۔ یہود پر نصاریٰ پر مشرکین پر۔

باقی رہی تاویل کہ ہم ان کی تعظیم کرتے ہیں نہ پرستش ہم اُن سے شفاعت چاہتے ہیں نہ
حاجت سو یہ تاویل تو نئی نہیں بلکہ مشرکین سے لی گئی ہے اور خدا کی جناب سے نامنظور ہو چکی ہے
وہ بھی یہ کہتے تھے هٰؤُلَآءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یہ ہیں ہمارے سفارشی اللہ کی سرکار میں۔)
مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (ہم تو ان کی پرستش اسی لیئے کرتے ہیں کہ اللہ کی سرکار
میں ہماری رسائی کی تقریب کر دیں) کیا انصاف ہے کہ وہ خدا کی نظر میں ایسی ہی شفاعت اور
ایسی ہی تقریب کے ہوتے مشرک ٹھہریں اور ہم موحد کے موحد توحید نہ ہوئی بی بی تمیز کا دھوبا
کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہیں۔ پس ہم نے بنی اسرائیل کی طرح خدا کے ساتھ ایک ادعائی خصوصیت
پیدا کر رکھی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے نَحْنُ اَبْنٰۤؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۤؤُهٗ (ہم اللہ کے فرزند ہیں اور اس کے
دوست) لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (سوائے چند روز کے ہم کو آتش دوزخ چھوئے گی
بھی تو نہیں) اُن سے پوچھا جاتا ہے اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہی کہ خدا اپنے عہد کے خلاف نہیں کر سکتا یا بے جانے بوجھے خدا پر بہتان بندی کرتے ہو) اگر ہم سے پوچھا جائے تو کیا جواب؟

تو اصل مطلب کی طرف دو باتیں متیقن تھیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی اور اپنی والدہ کی پرستش نہیں کرانی چاہی دوسری یہ کہ خدا کو بھی علم تھا کہ اُنھوں نے نہیں کرانی چاہی با ایں ہمہ چوں کہ خدا کو شرک سے حد درجہ کی ناراضی ہی خدا نے نہ تو حضرت عیسیٰ کے تقرب کا پاس کیا اور نہ اُن کی برات پر نظر فرمائی۔ اور ہمارے محاورے کے مطابق اُن سے نہ صرف کیفیت دریافت کی بلکہ جواب طلب کیا ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ (کیا تو نے لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا سمجھو) حضرت عیسیٰ کو اپنی برات معلوم تھی اور یہ بھی جانتے تھے کہ خدا کو بھی میری برات معلوم ہی۔ چاہیئے تھا کہ ہیکڑی اور بے باکی سے جواب دہی کرتے مگر دہی ؎

بہ تہدید بر کشد تیغ حکم	بماند کروبیاں صُم و بُکم

سوال سن کر تھرا اُٹھے اور جواب دہی کا وہ پیرایہ اختیار کیا کہ اقراری مجرم بھی نہیں کرتا ؎

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ	تو در طریقِ ادب کوش گو گناہِ من ست

چھوٹتے ہی تو یہ عرض کیا سُبْحٰنَکَ اے پروردگار تیری شان اس سے کہ کوئی تیرا شریکِ خدائی ہو ارفع و اعلیٰ ہی۔ اے عیسیٰ تم پر خدا کی رحمت اپنی صفائی ظاہر کرتے ہیں مگر کس خوبی سے۔ تعلیم شرک کا الزام تھا پہلے ہی شرک کی جڑ کاٹ دی۔ اس کے بعد عرض کیا مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ (بھلا میں اور ایسی بات کہتا جو مجھ کو کبھی سزاوار نہ تھی) میں تو تیری طرف سے رسول بن کر گیا تھا اگر خدائی کا دعویٰ کرتا تو اپنے تئیں آپ ہی جھٹلاتا۔ اور مجھ کو وہ خدائی بھبتی ہی کب تھی۔ دوسرے لوگوں میں اور مجھ میں رسالت کے سوائے امتیاز ہی کیا تھا کہ میں خدا بننا چاہتا۔ ساری حاجتیں اور ضرورتیں جو دوسروں کو پیش آتی ہیں مجھکو بھی پیش آتی تھیں بے اختیاری اور درماندگی جیسی دوسروں میں ویسی مجھ میں حضرت عیسیٰ چاہتے تو صرف سُبْحٰنَکَ کہکر چپ کر جاتے۔ یا خیر مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ پر بس کرتے کیوں کہ اتنا کہنے سے وہ اپنی صفائی کر چکے تھے۔ مگر انبیا کو تقرب کے بھوکے

ہوتے ہیں ان کو خدا سے بات کرنے کا موقع ملے تو ایک منٹ کی جگہ ایک گھنٹہ لگا دیں۔

جس وقت حضرت موسیٰ کو خلعتِ پیغمبری عطا ہو رہا تھا تو خدا تعالیٰ نے پوچھا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ (موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا هِيَ عَصَايَ هِيَ کا لفظ بھی زیادہ تھا مگر عَصَايَ سے هِيَ عَصَايَ کہنے میں کچھ مزہ آتا ہی ہے پھر موسیٰ تو هِيَ عَصَايَ پر بھی کب بس کرنے والے تھے - عرض کرتے ہیں اور کہتے ہی چلے جاتے ہیں أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ (میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور درختوں کے پتے جھاڑ کر بکریوں کو کھلاتا ہوں۔ اور اس سے میرے اور بھی مطلب نکلتے ہیں۔

یہی حال حضرت عیسیٰ کا ہوا۔ بلکہ اُن کو تو اپنی صفائی بھی کرنی تھی۔ جہاں تک زبان نے یاری دی کہتے ہی چلے گئے۔ کہ میں نے ایسی نالائق بات مُنھ سے نکالی ہوگی تو تجھ کو ضرور خبر ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ تُو تو میرے دل تک کا حال جانتا ہے۔ اور میں تیرے دل کی بات کیا جانوں کہ تو مجھ سے تبلیغ رسالت کے سوائے اور کیا چاہتا تھا۔ اور تجھ سے تو غیب کی بھی کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ ابھی حضرت عیسیٰ کیا چپ کر سکتے ہیں اُن کو اپنی برأت کا جوش آرہا ہے اور کہے چلے جاتے ہیں کہ مجھ کو تو جو حکم ملا تھا میں نے بے کم و کاست وہی کا وہی اُن کو سنا دیا تھا کہ اللہ کی پرستش کرو جو میرا تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں اُن کا میرا ساتھ رہا۔ اُن کی خبر رکھتا رہا کہ کہیں تو جی رستے سے بھٹک نہ جائیں۔ پھر جب تو نے مجھ کو اپنے پاس بلا لیا تو اے خدا تو آپ اُن کا نگراں حال تھا تجھ کو خبر ہوگی کہ اُنھوں نے میرے بعد کیا کیا ہائے ہائے نبوت کی شان نہیں جاتی۔ اُمت کی وجہ سے مفت جواب دہی میں پکڑے گئے اپنا قصور نہیں۔ لگاؤ نہیں مگر اُمت کے حال پر جو شفقت تھی اُس میں کمی نہیں آئی۔ وہ لوگ خدا کے ساتھ شرک کریں۔ اِن کو جواب دہی میں کھچوائیں اور یہ اُن کی سفارشیں کریں کہ اے خدا اگر تو اِن کو سزا دینی چاہے تو تیرے بندے ہیں تیرے حکم سے باہر نہیں جو چاہے سو کر اور اگر تو اِن سے درگزر فرمائے تو کوئی تیرا ہاتھ پکڑنے والا نہیں کہ تو کیوں ان کو معاف کیے دیتا ہے۔

اسی طرح میں ایک دن سورۂ یوسف پڑھ رہا تھا جب اُس مقام پر پہنچا جہاں حضرت یوسف قید
ہو چکے ہیں اور اُن کے ساتھ کے دو قیدیوں نے خواب دیکھے ہیں اور اُن سے تعبیر پوچھی ہے
تو آپ نے فرمایا لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا
عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ وَاتَّبَعْتُ
مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ
فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ
مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا
أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا
إِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا
(حضرت یوسف بے گناہ قید ہو گئے تھے اول تو قید ہی بے حرمتی کی چیز ہے اور پھر ایک جھوٹی تہمت پر
ضرور مستعجل ہوں گے کہ کب وہ وقت آئے کہ میں عذاب سے چھوٹوں۔ بارے خدا کا کرنا۔
اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا ھَیَّأَ اَسْبَابَہٗ (جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے اسباب مہیا
کر دیتا ہے) کیوں بادشاہی رکاب دار اور بٹلر (ساقی) یوسفؑ کے ساتھ قید میں جائیں اور کیوں
اُن کو خواب دکھائی دیں۔ اور کیوں حضرت یوسف سے تعبیر پوچھنے کی ضرورت واقع ہو اور
یوں یہ واقعہ قید خانے سے حضرت یوسف کے خلاص پانے کا سبب ہو جائے۔ اُنھوں نے
خواب بیان کیے تو حضرت یوسف نے کہا گھبراؤ نہیں کھانے کے وقت سے پہلے پہلے میں
تم کو تعبیر بتا دوں گا۔ خدا نے مجھ کو اس کا سلیقہ دیا ہے کیونکہ میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو خدا کو
نہیں مانتے۔ اور آخرت کے منکر ہیں۔ میں اپنے آبائی دین یعنی ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوبؑ کے دین پر
ہوں۔ ہم لوگ کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں سمجھتے۔ اور یہ اللہ کا احسان ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن اکثر
لوگوں کا دستور ہے کہ احسان نہیں مانتے) ای یارانِ مجلس بھلا سمجھو تو سہی کہ کئی خدا کا ہونا بہتر یا
ایک زبردست خدا کا جو سب پر حکم رانی کرے۔ خدا کے سوا جن کو تم پوجتے ہو بس اُن کا نام ہی

نام ہو۔ خدا کے پاس سے تو اُس کی کوئی سند آئی نہیں اور خدا کے سوا دوسرے کو حکم دینے کا اختیار نہیں اُس نے تو یہی فرمایا ہو کہ میری ہی پرستش کرو سچا دین یہی ہو مگر بہتیروں کو معلوم نہیں۔ اے یاران مجلس تم میں کا ایک) آگے چل کر خوابوں کی تعبیر کا بیان ہو تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ حضرت یوسف سے پوچھی تو گئی خواب کی تعبیر وہ دوسرا دُکھڑا لے بیٹھے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ دُکھڑا رسالت کا دُکھڑا تھا جو ہمہ وقت حضرت یوسف ؑ کے نصب العین تھا۔ ان کی تمام دنیاوی ضرورتوں پر مقدم لَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ۔ (مجھے اس کے سوا کہیں پناہ ہی نہیں کہ خدا کا پیغام پہنچا دوں اور حق رسالت ادا کر دوں) مَیں یہیں سے اِدھر اُدھر ہو جاتا ہوں اور اس کی وجہ ہی میری کم مشقی بے مہارتی۔

جب حضرت عیسیٰ اپنا اظہار دے چکے تو اللہ جل شانہ احکم الحاکمین نے یہ حکم اخیر صادر فرمایا کہ آج وہ دن ہی جو سچ بولتا ہی سچ اُس کے کام آئے اور وہ سچ سے فائدہ اُٹھائے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کی کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمھاری اُمت آپ بہکی۔ تم نے کسی کو نہیں بہکایا۔ تم ہمارے بندے تھے اور بندگی کی شان سے رہے اور اب بھی ہمارے مقبول بندہ ہو۔ یہ باغ جن میں نہریں دوڑ رہی ہیں۔ تم ہی جیسوں کے لئے ہیں یہ نہیں کہ دیکھا بھالا اور رخصت۔ بلکہ تم ہی اِن باغوں کے مالک ہو اطمینان کے ساتھ اِن میں رہو سہو ع

چشمِ ما روشن و دلِ ما شاد

اِس رکوع کے پڑھنے سے ذہن میں یہ بات کھٹکتی ہو کہ جب حضرت عیسیٰ سے باز پرس کی گئی تو ایسا نہ ہو کہیں ان بزرگوں سے بھی خدا پوچھ بیٹھے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ ہماری قبریں شاندار بناؤ۔ اُن پر قیمتی غلاف اُڑھاؤ پنکھے چڑھاؤ۔ روشنی کرو میلے جماؤ۔ ڈھولک بجاؤ ناچ کراؤ اور ہماری ایسی تعظیم کرو کہ اس میں اور عبادت میں تمیز کرنی مشکل ہو۔ شفاعت کے لئے ہمارے آگے گڑگڑاؤ۔ اور حاجت کے لئے خدا کے آگے نہیں۔ یہ بزرگ تو حضرت عیسیٰ ؑ کی طرح عذر و معذرت کرکے چھوٹ ہی جائیں گے مگر دیکھئے امت پر کیا بنتی ہو۔

یہ ہو وہ اسلام جس کو لوگ منوانا اور یورپ او امریکہ میں لے جانا چاہتے ہیں۔ بھلا کوئی شخص
جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل اور عقل میں سلامت ہو ایسے اسلام کو مان سکتا یا ایسے اسلام میں
رہ سکتا ہو اور پھر اس زمانے میں۔ وہی تمہارے قادیانی صاحب کی مثل ہوئی۔ مجھ کو تو اُن
بزرگ کی خدمت میں نیاز نہیں۔ مگر میں نے اُن کا دہلی تشریف لانا سُنا اور یہ بھی سُنا۔ خدا جانے
غلط یا صحیح کہ اپنے تئیں مسیح موعود کہتے ہیں میں نے تو سُن کر یہ کہا تھا کہ آج کو سچ مچ کے مسیح اُتر آئیں تو
یہ ایسا ٹیڑھا اور بُرا وقت ہو کہ اُن کو بھی اپنا منوانا مشکل ہو۔ ان بیچاروں کو کون پوچھے گا۔
آخر وہی ہوا۔ کہ اب تو اُن کا غُل دب دبا سا گیا لیکن میں مسلمانوں کو آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ یہ تحریک
کا غُل آسانی سے دبنے والا نہیں۔ اس واسطے کہ یہ شورش کسی ایک شخص خاص کی پیدا کی ہوئی
نہیں۔ ای کاشس یہ شورش سید احمد خاں کی ذاتِ خاص سے پیدا ہوئی ہوتی کہ ایک دن
اُن ہی کے ساتھ مٹی میں دب جاتی۔ ع

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

نہیں نہیں۔ یہ شورش پیدا کی ہوئی ہو زمانہ کی۔ یہ شورش پیدا کی ہوئی ہو انگریزی عملداری کی۔ یہ
شورش پیدا کی ہوئی ہو انگلش ایجوکیشن کی یہ شورش پیدا کی ہوئی ہو لوگوں کے مخمصہ و اضطرار کی۔ سید احمد خاں
کو اگر اس سے تعلق ہو تو اسی قدر کہ اُن کو خدا نے گِدھ کی سی آنکھ دی کہ جو بلا آنے والی تھی اور آگئی انھوں
نے اُس کو پہلے سے دیکھ لیا۔ پہلے سے ہوتے تو دیکھ کر چپ کر رہے ہوتے۔ ع

خدا جو بیٹھے بٹھائے اُسے خراب کرے

لگے غُل مچانے۔ یہ شورش تو تب دبے کہ خدا انگریزی عملداری کو غارت کرے اور وہی اگلے وقتوں
کی سی گھس گھس پھر ہونے لگے۔ نہ ریل ہو۔ نہ تار ہو۔ نہ ڈاک ہو۔ نہ منی آرڈر ہو۔ نہ ویلیو پی ایبل پارسل
ہو۔ نہ دیا سلائی ہو۔ نہ چاقو ہو۔ نہ سوئی ہو۔ نہ انگریزی کپڑے ہوں۔ نہ امن ہو۔ نہ آسایش ہو۔ نہ آزادی
ہو۔ نہ حقوق کی حفاظت ہو۔ نہ فریاد کی شنوائی ہو۔ نہ بندوبست ہو۔ نہ انتظام ہو۔ اگر یہ منظور ہو تو میں قرآن
کے لفظوں میں کہتا ہوں تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

لَّعْنَتَ اللّٰهِ (آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم بھی اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم بھی گھر کی بیبیوں کو بلائیں اور تم بھی گھر کی بیبیوں کو بلاؤ اور ہم بھی ہوں اور تم بھی ہو پھر خدا کے آگے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر لعنت کریں) نصاریٰ نجران میں سے چند لوگ آں حضرت صلعم کی خدمت میں مباحثہ مذہبی کے لیئے آئے اور جناب رسولِ خدا صلعم کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ تہ دل سے اپنے عقائد کے قائل نہیں ہیں اس پر آپ نے ان سے مباہلہ یعنے قسما قسمی کو کہا۔ اور آن حضرتؐ نے اپنے ساتھ حضرت علیؓ۔ جناب بتولؓ اور دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کو لیا اور فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلِ بَیْتِیْ (اے پروردگار یہ ہیں میرے گھر والے) لیکن نصاریٰ نکل بھاگے اور قسم کھانے پر رضامند نہ ہوئے۔

قرآن میں تو ہے عَلَی الْکَاذِبِیْنَ ہم کو کہنا چاہیئے عَلٰی اَھْلِ یُوْرِپَ یا عَلَی الْاَنْکِلِیْز تو میں تمہارے ساتھ قسما قسمی کرنے پر راضی ہوں۔ کوئی ایک تو تم میں سے آمین کہو۔ مگر یہ سمجھے رہنا کہ دن رات میں کوئی نہ کوئی گھڑی قبولیت کی بھی ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ آمین کہنے کے ساتھ لاہور میں سکھ آکر اپنا عمل دخل کر لیں۔ اور حمایتِ اسلام کے ممبر چوہوں کے بلوں میں گھستے پھریں۔ غرض یہ نیچریت کی شورش تب دبے کہ انگریزی عملداری اُٹھ جائے۔ یا تب دبے کہ مسلمانوں کو کچھ کرنا نہ پڑے اور ان کی دنیاوی حالت آپ سے آپ درست ہو جائے۔ مگر یہ تو شیخ چلی کے سے منصوبے ہیں نہ انگریزی عملداری کے اُٹھنے کی کوئی صورت ہے اور نہ اُٹھے گی۔ اور مسلمانوں کو اپنی دنیاوی حالت کے مزاج کو اصلاح پر لانے کے لیئے آج کے آج اور کل کے کل چار و ناچار انگریزی تعلیم کا مسہل لینا پڑے گا۔ علی گڈھ کالج کا مسہل لیں تو اور حمایت اسلام کا مسہل لیں تو۔ وہ جلاب یا کسٹرائیل کا جُلاب ہے۔ اور یہ تمہارا دیسی املتاس۔ اب جس کو جو پسند ہو بہتر ہے کہ یہ املتاس کا جُلاب تیار ہے۔ آنکھیں میچ کر پی بھی جاؤ۔ غٹا غٹ شاباش شاباش۔ وہ پی لیا وہ پی لیا۔ اب ذرا طبیعت کو میری باتوں میں مشغول کرو کہ جلاب اچھی طرح اُتر جائے لیکن جس کی دُکان سے جلاب بندھ کر آیا ہے یعنی انجمن حمایت اسلام کے سکرٹری منشی شمس الدین صاحب دست جلاب کے دام بھی مانگ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں لکچروں کی اصلی شیر خشت اور نظموں کی ترنجبین قیمتی دوائیں ہیں تو بھائی مانگیں سو دو۔ بلا سے روپیہ ہاتھ کا میل ہے۔ تم اچھے ہو جاؤ گے تو بہتیرا کما لوگے۔

یہ حاکم ہر اک شخص ان کی رعیت
یہ آفت تمام آدمی ان کے نوکر

زمانے میں اُس وقت جتنے ہنر تھے
یہی سب میں فائق یہی سب میں بہتر

یہ ممتاز تھے حق بجانب کہ کوئی
نہ ند مقابل نہ ثانی نہ ہم سر

طبیعت میں ہر ایک کے غمگساری
مزاجوں میں سب کے شرافت کا جوہر

خدا نے عجب دل دیئے تھے کہ جن میں
کسی کی طرف سے نہ تھا کینہ مضمر

اگر صبح کو لڑ لیئے بھائی بھائی
تو پھر شام تک ہو گئے شیر و شکر

کبھی رونق افزائے بزم مسرت
کبھی مرد میدان و سالار لشکر

لڑائی میں ایک ایک سو سو پہ بھاری
شہیدان بدر و شجاعان خیبر

لگیں دشمنوں کے نئیں ہو کے پتھر
اگر پھینک دیں بے کئے مٹھی میں کنکر

بھگا یا ہی اعدا کو یوں غازیوں نے
اُڑا کر ہوا جیسے لے جائے مچھر

خدا اور رسول خدا اُن کے حامی
کوئی آ سکے اُن سے کس طرح بر سر

ہلا ڈالی بنیاد ایوان کسریٰ
رگڑ دی پکڑ گردن ملک قیصر

پر اس سے کہ دادا کو تخمہ ہوا تھا
بھلا بھوکے پوتوں کو سیری ہو کیونکر

بڑوں نے پہنے ہوں شال و دو شالے
میسر نہیں اُن کی نسلوں کو دھوتر

بہے ہوں گے اگلے خزانوں کے مالک
ہمیں ایک پیسا ہی کبریت احمر

ہمیں مر گئے جب کہ فاقوں کے مارے
بزرگوں کے کٹ کٹ کے نکلے فرعفر

خدائی بدل جائے واللہ باللہ
اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر

مگر کیا کیا جائے آخر تو دل ہی
سریع التاثر نہ لوہا نہ پتھر

پگلتا ہی دیکھے سے درد و مصیبت
اذیت سے ہوتا ہی بے چین و مضطر

خصوصاً وہ دل جس کو سینے میں اپنے
لیئے بیٹھے ہیں یہ بزرگ[15] معمّر

[15] لکچرار نے سر سید کی طرف اشارہ کیا ۱۲

خدا کے لیے کوئی صورت نکالو — بتاؤ کوئی ایسی تدبیر مل کر
مسلمان فاقوں سے مرنے نہ پائیں — کہ اب ان کی حالت ہے بدتر نکمتر
اگر تم میں ہو مردمی اور مروت — اگر کچھ ہو پاسِ خداؤ پیمبر
جو تم کو حمیت ذرا چھو گئی ہے — اگر تم پہ چلتا ہے غیرت کا منتر
سہارا لگاؤ علیٰ قدرِ طاقت — اسی طرح اٹھتے ہیں لوگوں کے چھپر
جو سر کو تو منزل پہ پہنچو ہی پہنچو — بشرطیکہ ان کو کرو اپنا رہبر
بہت سو چکے کھو چکے اب تو جیتو — کہاں تک کروگے ستم اپنے اوپر
کوئی حد بھی ہے بدگمانی کی آخر — ارے ظالموں! خیر خواہوں سے بدتر
سنا بھی کرو گوشِ دل سے نصیحت — کہ سوئے مظنہ ہے ممنوع مُنکر
جو دنیا و دیں میں ہوا ایسا تخالف — کہ یہ جائے دکھن تو وہ جائے اتر
تو تم کس طرف کے ہوئے منہ سے پھوٹو — کشاکش میں دونوں کی مجبور و مضطر
کوئی بات ہو اس میں دیں کے اڑنگے — کوئی کام ہو اس میں مذہب کی پچر
یہ دنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں — اٹھاؤ چلو تہ کرو اپنا بستر
مگر ترکِ دنیا کچھ آساں نہیں ہے — دکھائے کوئی کرکے بر رقم نیچر
ضوابط یہ باندھے ہوئے ہیں خدا کے — نہ بدلے نہ بدلیں الیٰ یوم محشر
یہ طامات دعوے ہیں جو کے کی ٹٹی — اگر زہد ہی بھی تو زہدِ مزوّر
پڑے کیا ہو سید مذہب کے پیچھے — سنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر
وے گر کیے دنیوی فائدے کی — تو کیا ضد سے کر لوگے نقصان سراسر
سیادت کا دعویٰ اور امت کا دشمن — ہمیں تو نہ آیا نہ آئے گا باور
اسی باغ کو جڑ سے کاٹے اجاڑے — کہ جو باغ ہو اس کی میراثِ مادر
جو کیجئے کوئی بات ایسی تو کیجئے — کہ دائر ہو امکانِ عقلی کے اندر

نہ ایسی کرشن کر جیسے گرپٹ جیت	نکل جائے کستنوں کا دب گر گھمر
پڑھا ہو گا قرآن میں روز نشر ہی	کریں یہ تو تم کیوں بھرو اُس کا کیفر
خدا کو بھی سمجھ ہو گیا اپنے دل میں	کہ جج ہو سشن جج تم اُس کے اسیسر
دیا اُس کے ہاں بھی کوئی کونسل ہے	تم اس کونسل کے اراکین و ممبر
اُسے رائے لینے کی تم سے ضرورت	خدا ہو کے محتاج تعلیم دیگر
پڑی کیا پڑی تم اپنی نبیڑو	فکُلٌّ دَھِیْنٌ وَّ کُلٌّ مُیَسَّرٌ ہ
ہر یکے را بہر کارے ساختند	میل آن اندر دلش انداختند

اب ہم اسرار الٰہی کی سرحد پر پہنچ گئے ہیں ۵

اگر یک سر موئے برتر پرم	فروغ تجلی بسوزد پرم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَدُّوْا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ یہ ٹکڑا ہے قرآن مجید کی ایک آیت کا جو سورہ ن میں واقع ہے وَدُّوْا کا مادہ ہے وُدٌّ اور اسی سے ہے مَوَدَّۃٌ وِدَاد ثلاثہ جس کے معنی ہیں دوستی محبت رغبت خواہش میلانِ خاطر وامثالہا تُدْھِنُ اور یُدْھِنُوْنَ دونوں باب اِدْھَانٌ سے ہیں اور اُس کا مادہ ہے دُھْنٌ جس کے معنی تیل کے ہیں اور چونکہ تیل کا خاصہ ہے چکناہٹ۔ اِدہان اور مداہنت کے معنی ہیں نرمی ملایمت وَدُّوْا اور یُدْھِنُوْنَ کی ضمیریں راجع ہیں کفارِ قریش کی طرف اور تُدْھِنُ خطاب ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو وَدُّوْا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ کے معنی ہوئے کہ اے پیغمبر کفارِ قریش چاہتے ہیں کہ تم اُن کے ساتھ نرمی اختیار کرو تو وہ بھی تمہارے ساتھ نرمی اختیار کریں قرآن میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ کفارِ قریش پیغمبر صاحب سے کس طرح کی نرمی چاہتے تھے۔ اور نہ اُس نرمی کا

ف دَھِیْنٌ اشارہ ہے کُلُّ امْرِءٍۭ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ کی طرف اور کُلٌّ مُیَسَّرٌ سے مراد ہے کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ۔ ۱۲

مذکور ہی جس کے کرنے پر کفار قریش آمادہ تھے۔ اس کا پتہ چلتا ہی احادیث سے بیشتر سے۔ اس بار[ے]
میں بڑی لمبی لمبی حدیثیں نظر سے گزری ہیں۔ اور توضیح مطلب کے لیے اُن کے سُنانے کو بھی جی چاہتا ہو۔ مگر
مجکو معلوم ہی کہ کتنے مسلمان عربی سمجھ سکتے ہیں اور جو سمجھ سکتے ہیں۔ اُن میں کتنے ہیں جو عربی سن کر خوش ہوتے ہیں
یہ جو میں کہہ رہا ہوں حاضرین پر نظر کر کے کہہ رہا ہوں جو تعلیم کے اعتبار سے مسلمانوں میں منتخب اور سر برآوردہ ہیں ورنہ
عام مسلمانوں کے شمار کی رو سے بلکہ خواندہ مسلمانوں کی شمار کے رو سے بھی مجکو کہنا چاہیے کہ ایک
مسلمان بھی عربی داں نہیں کیوں کہ کوئی چھوٹی سی کسر ہوئی بھی تو وہ کس گنتی میں ہیں۔ جنھوں نے برٹش
انڈیا کے زمانۂ جاہلیت میں یعنی ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے یہ نادانی کی۔ اور انگریزی عملداری کے لحاظ
سے طالب دنیا کے حق میں عربی کے حاصل کرنے کو نادانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہی۔ غرض
جنھوں نے ۱۸۵۷ء سے پہلے عربی حاصل کی تھی اور اُن میں ایک کم سواد سا کٹھ ملا میں بھی ہوں میرا
یہ خیال ہی کہ ایسے سب لوگ افسوس کرتے ہیں کہ کیوں ہم نے عربی جیسی بے کار چیز کے پیچھے اپنا
وقت ضائع کیا۔ اور غدر کے ادھر جو یوں ہی سا چرچا عربی کا دیکھتے ہو۔ ان میں مدرسے کے پڑھے
ہوؤں کو تو میں کچھ عربی داں سمجھتا و مجھتا نہیں۔ اور وہ بیچارے عربی داں ہو بھی کیسے سکتے ہیں کسی نے
بڑی ہمت کی عربی کو سکنڈ لینگویج[۱] کے طور پر اختیار کر لیا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ وہ کیسی عربی
جانتے ہیں اور کیسی عربی جان سکتے ہیں فرسٹ اور سکنڈ کیسی میاں ساری عمر عربی۔ دی اونلی لینگویج[۲] بھی ہو اور آئی تو اتنی ہی آئی کہ
یوں تنہائی میں شاید صفحے کے صفحے اپنے دل میں گھڑتا چلا جاؤں مگر اجیا تا کسی عرب سے بات
چیت کرنے کا اتفاق ہوتا ہی تو پہلے ہی جملے میں سٹی بھول جاتی ہو۔ دو سطری خط قلم برداشتہ
نہیں لکھ سکتا۔ سبب کیا؟ بے مہارتی۔ اور عدم مزاولت۔ یہ ہیں زمانے کے خلاف کوشش
کرنے کے نتیجے۔ عربی تو سوائے کتابوں اور پرانے کھنڈروں اور قبروں کے کتبوں کے اور
کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اور نہ سوائے نماز کی اس کی کہیں آواز سُن پڑتی ہو مگر ہاں انگریزی ہی کہ
ریل پر سوار ہو گاڑی گاڑی اور سٹیشن کے دروازے دروازے پر انگریزی دیا سلائی کے بکس پر

[۱] دوسری زبان ۱۲ [۲] صرف یہی ایک زبان ۱۲

انگریزی بسوت کی چپک پر انگریزی جما تو پر انگریزی۔ متراض پر انگریزی۔ کپڑے کے تھانوں پر انگریزی
کر ندیکھو تو دیکھو اور نہ سنو تو سنو۔ عربی ہماری ملکی زبان نہیں۔ دنیاوی کوئی حاجت اس پر بند نہیں
بجز جہالت اور مزاولت ہو تو کیوں کر ہو۔ شکر ہو کہ سنسکرت اور لیٹن جیسی تو نہیں کہ روئے زمین
سے ناپید ہو گئی ہو۔ مگر اپنے حساب سے تو عربی بھی ڈڈ لینگویج (زبانِ مردہ) ہی ہو اگر دین اسلام کا
سہارا نہوتا تو ابجد اور الحمد کے اختلافات کبھی کے نکل کھڑے ہوئے ہوتے۔ اتنا غنیمت ہو کہ کتاب اللہ عربی
ہو۔ کتاب الرسول یعنی حدیث عربی ہو۔ نماز عربی ہو۔ اور ان شاء اللہ جنت میں بھی ہم تم جن کو عربی
آتی ہو وہ اور جن کو نہیں آتی وہ سب عربی ہی بولیں گے۔ ورنہ ہندوستان میں اور انگریزی عملداری
میں عربی ایسی ہی بے جوڑ ہو جیسے امریکا اور لورپول میں اشاعتِ اسلام مجھ میں ایک یہ بڑا
سخت عیب ہو کہ تسلسلِ سخن قائم نہیں رکھ سکتا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ مداہنت کے متعلق جی چاہتا ہو
کوئی حدیث پڑھ کر سناؤں۔ مگر پہلے ہی جی بیٹھا ہوا ہو۔ با دلِ ناخواستہ کچھ پڑھا بھی تو پڑھنے والے
کا پڑھنا بے لطف اور سننے والوں کا سننا بدمزہ۔ مگر مداہنت کا مطلب تو بیان کرنا ضرور ہو۔
ایک مختصر سی حدیث اس بارے میں یہ ہو۔ اِنَّ نَاسًا مِنْ قُرَیْشٍ اِجْتَمَعُوْا فِیْهِمْ اَبُوْ جَهْلِ بْنُ هِشَامٍ
وَالْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَالْاَسْوَدُ بْنُ الْمُطَّلِبِ وَالْاَسْوَدُ بْنُ عَبْدِ یَغُوْثَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ مَشْیَخَةِ قُرَیْشٍ
فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِنْطَلِقُوْا بِنَا اِلٰی اَبِیْ طَالِبٍ فَلْنُکَلِّمْهُ فِیْهِ فَلْیُنْصِفْنَا مِنْهُ فَلْیَکُفَّ عَنْ شَتْمِ
اٰلِهَتِنَا وَنَدَعُهُ وَاِلٰهَهُ الَّذِیْ یَعْبُدُهُ فَاِنَّا نَخَافُ اَنْ یَمُوْتَ هٰذَا الشَّیْخُ فَیَکُوْنُ مِنَّا اِلَیْهِ شَیْءٌ
فَتُعَیِّرُنَا بِهِ الْعَرَبُ یَقُوْلُوْنَ تَرَکُوْهُ حَتّٰی اِذَا مَاتَ عَنْهُ تَنَاوَلُوْهُ فَبَعَثُوْا رَجُلًا مِنْهُمْ یُقَالُ لَهُ
الْمُطَّلِبُ فَاسْتَاْذَنَ لَهُمْ عَلٰی اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ مَشْیَخَةُ قَوْمِكَ وَسَرَاتُهُمْ یَسْتَاْذِنُوْنَ
عَلَیْكَ قَالَ اَدْخِلْهُمْ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یَا اَبَا طَالِبٍ اَنْتَ کَبِیْرُنَا وَسَیِّدُنَا فَاَنْصِفْنَا
مِنِ ابْنِ اَخِیْكَ فَمُرْهُ فَلْیَکُفَّ عَنْ شَتْمِ اٰلِهَتِنَا وَنَدَعُهُ وَاِلٰهَهُ قَالَ فَبَعَثَ اِلَیْهِ اَبُوْ طَالِبٍ
فَلَمَّا دَخَلَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ هٰؤُلَاءِ مَشْیَخَةُ
قَوْمِكَ وَسَرَاتُهُمْ وَقَدْ سَاَلُوْكَ اَنْ تَکُفَّ عَنْ شَتْمِ اٰلِهَتِهِمْ وَیَدَعُوْكَ وَاِلٰهَكَ قَالَ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَا عَمِّ اَفَلَا اَدْعُوْھُمْ اِلٰی مَا ھُوَ خَیْرٌ لَّھُمْ قَالَ وَاِلٰی مَا تَدْعُوْھُمْ
قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَدْعُوْھُمْ اَنْ یَّتَکَلَّمُوْا بِکَلِمَۃٍ تَدِیْنُ لَھُمْ بِھَا
الْعَرَبُ وَیَمْلِکُوْنَ بِھَا الْعَجَمَ فَقَالَ اَبُوْ جَھْلٍ مِنْ بَیْنِ الْقَوْمِ مَا ھِیَ وَاَبِیْکَ لَنُعْطِیَنَّکَھَا وَعَشْرَ
اَمْثَالِھَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ تَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَنَفَرُوْا وَقَالُوْا سَلْنَا غَیْرَھَا
قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَوْ جِئْتُمُوْنِیْ بِالشَّمْسِ حَتّٰی تَضَعُوْھَا فِیْ یَدِیْ مَا سَاَلْتُکُمْ
غَیْرَھَا فَقَامُوْا مِنْ عِنْدِہٖ غِضَابًا وَقَالُوْا وَاللّٰہِ لَنَشْتِمَنَّکَ وَاِلٰھَکَ الَّذِیْ اَمَرَکَ بِھٰذَا
وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْھُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰی اٰلِھَتِکُمْ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ اس حدیث کا
حاصل مطلب یہ ہے کہ رؤسائے قریش نے جمع ہوکر مصلحت کی کہ چلو ابوطالب پاس چلیں اور اُن سے چل کر
درخواست کریں کہ تمہارے بھتیجے صاحب ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اس کا انصاف آپ کے
ہاتھ ہے ایسا ہو کہ یہ گالیاں دینے سے باز رہیں۔ اور ہم بھی اُن سے اور اُن کے خدا سے معترض نہ ہوں۔
چنانچہ سب لوگ ابوطالب پاس گئے اور اپنا مدعا ظاہر کیا اُنھوں نے پیغمبر صاحب کو بلا کر کہا بھتیجے یہ
لوگ تمہاری قوم کے سردار ہیں اور تم سے اتنی بات چاہتے ہیں کہ ان کے معبودوں کو بُرا نہ کہو تو یہ بھی
تم سے اور تمہارے خدا سے دست بردار رہیں پیغمبر صاحب نے کہا تو کیا چچا جان آپ کی یہ مرضی ہے
کہ میں ان کے فائدے کی بات بھی ان سے نہ کہوں۔ ابوطالب بولے آخر وہ کیا بات ہے پیغمبر صاحب
نے فرمایا میں ان سے ایسے دو لفظ کہلانے چاہتا ہوں جن کی برکت سے کیا عرب کیا عجم سب اِن کے
مطیع ہو جائیں یہ سن کر ابوجہل بول اُٹھا وہ کون سے دو لفظ ہیں۔ اگر ان میں ایسی برکت ہے تو دو نہیں
بیس کہنے کو ہم طیار ہیں۔ آپ نے فرمایا بس وہ لفظ ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، یہ کہنا تھا کہ سب کے سب
بکھر گئے اور لگے کہنے یہ نہیں اس کے سوائے کوئی اور بات کہئیے آپ نے فرمایا تم روٹھو یا بگڑو ویسی
میں تو یہی ایک بات چاہتا ہوں۔ اور اگر آسمان سے آفتاب کو اُٹھا کر میری مٹھی میں رکھ دو تو بھی یہ
دوسری بات کہنے والا نہیں۔ اس پر سب کے سب خفا ہوکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور لگے کہنے بخدا ہم
تم کو گالیاں دیں اور تمہارے خدا کو گالیاں دیں تو سہی۔ اس حدیث کے متعلق مجکو ایک ذرا سی بات

جملۂ معترضہ کے طور پر کہنی ہی کہ کفار قریش کو گالیوں کی شکایت تھی تو کیا واقع میں پیغمبر صاحب اُن کے معبودوں کو گالیاں دیا کرتے تھے حاشا وکلا پیغمبر صاحب کی لائف نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہوئی موجود ہی اور پیغمبر صاحب کا کوئی قول کوئی فعل اس سے چھوٹنے نہیں پایا حتی کہ پردے تک کی باتیں لوگوں نے قلم بند کر دی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی ہی کہ پیغمبر صاحب کی لائف کو لوگ دین دارانہ زندگی کا نمونہ بنانا چاہتے تھے تاکہ اُس کی تقلید کر سکیں۔ اور ایسی کاوش کے ساتھ واقعات کی تفتیش کی گئی ہی کہ از آدم تا ایں دم کسی شخص کے ایسے تفصیلی حالات معلوم نہیں پیغمبر صاحب کی لائف کو بالاستیعاب پڑھو اور بار بار پڑھو اور موافقت اور مخالفت دونوں سے قطع نظر کرکے پڑھو تو ضرور تمہارا دل اندر سے گواہی دے گا کہ اس طرح کی بے داغ بے لوث پاکیزہ اور مقدس زندگی پیغمبر کے سوائے کسی بشر سے ہو نہیں سکتی۔ میں نے جو پیغمبروں کی طرف سے اپنے دل کو مطمئن کیا ہی تو اُن کی لائف ہی سے کیا ہی مثلاً حضرت یوسف ہی کو لو۔ عام مسلمانوں کا یہ خیال ہی کہ ان کی پیغمبری کا ثبوت تھا اُن کا حسن کیا تم نے یہ شعر نہیں سنا ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بے شک میرے نزدیک کوئی پیغمبر کریہ المنظر مبعوث نہیں ہوا اور چاہیے بھی تھا کہ نہ ہو تاکہ لوگ نہ تو اُس سے وحشت و نفرت کریں اور نہ اُس کو نظرِ حقارت سے دیکھیں۔ مگر حسنِ صورت کو کسی پیغمبر کا معجزہ قرار دینا ہم تو ایسی باتوں کے قائل نہیں ہیں۔ لوگوں کو گرویدۂ حسنِ یوسف ہونے کا اختیار ہی میں تو حضرت یوسف کی تین اداؤں کا فریفتہ ہوں۔ ایک تو اُن کا امراۃ العزیز سے کہنا اِنَّہٗ رَبِّیٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔ کہ عزیز میرا آقا ہی اور میرے ذمے اُس کے حقوق پرورش ہیں مجھ سے ایسی نمک حرامی نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف کی طبیعت میں اعلیٰ درجہ کی احسان شناسی اور مروت کی صفت ایسی راسخ تھی کہ کوئی ترغیب اُن کو متزلزل نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ہی یوسف ع کی پیغمبری کی ایک شناخت۔ یا اُن کا ایک معجزہ۔ دوسرے حضرت یوسف کا بھائیوں سے کہنا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ مجکو تم سے کچھ شکایت نہیں۔

میں نے تمھارا قصور معاف کیا۔ خدا بھی تمھارا قصور معاف کرے۔ یہ ہی عفو بعد القدرت سے یہی صلۂ رحم یہ ہی پاس اُخوت تیسرے یوسف ؑ کی آخری تمنا تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۵۱ یوسف ؑ نے سلیمان ؑ کی طرح نہیں کہا هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۵۲ اور اگر یوسف ؑ نے ایسا کہا ہوتا تو کچھ تعجب نہ تھا۔ کیوں کہ وہ غلامی اور قید کی مصیبتیں میں جھیل کر سلطنت پر پہنچے تھے۔ اور ان کو سلطنت زیادہ عزیز ہونی چاہیے تھی۔ لیکن خدا کا بندۂ فرماں بردار رہ کر دنیا سے اُٹھ جانے اور اللہ کے نیکوکار بندوں میں جا شامل ہونے کو وہ سلطنت سے زیادہ عزیز رکھتے تھے جس سے کمال عبودیت ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کی بہت باتیں ہیں جن کو میں حضرت خاتم النبیین کی لائف میں لا ہوں۔ از انجملہ حلم وانکسار عجز و تواضع چشم پوشی و درگزر۔ تہذیب و شائستگی۔ نرمی۔ و لینت۔ پیغمبر صاحب کو بہت کثرت سے غیظ و غضب کے مواقع پیش آتے تھے۔ کیوں کہ مذہبی پرخاش کی وجہ سے لوگ اُن کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے رہتے تھے کبھی کبھی بشرے پر غصہ کے آثار کا مترتب ہونا تو کتابوں سے ثابت ہے۔ مگر کسی دشمن نے جھوٹوں بھی بدزبانی اور سخت کلامی اور درشتی کا الزام نہیں دیا اُن کی ہدایت تھی۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۵۳ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۵۴ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ۵۵ حضرت کے خادم انس رضؓ گواہی دیتے ہیں کہ میں نے دس برس حضرت کی خدمت کی۔ اس اثنا میں خدمت کے متعلق میرے کسی فعل پر آں حضرت ؐ نے اعتراض نہیں فرمایا یعنی میں نے کوئی کام کیا تو نہ پوچھا کہ کیوں نہ کیا۔ اور کیا تو نہ پوچھا کہ کیوں کیا۔ اور حالاں کہ حضرت انسؓ اُن دنوں لڑکے تھے نو عمر

۵۱ موت دے مجکو اسلام پر اور ملا مجکو نیک بختوں میں ۵۲ بخش مجکو وہ بادشاہی کہ نہ چاہیے کسی کو میرے پیچھے ۱۲۔
۵۳ جواب میں تو کہہ اُس سے بہتر پھر دیکھے تو جس میں تجھ میں دشمنی ہے جیسے دوست ہے ملتے والا اور یہ بات ملتی ہے انھیں کو جو سہار رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اُس کو جس کی بڑی قسمت ہے۔ ۵۴ جھگڑا نہ کرو کتاب والوں سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو ۱۱ ۵۵ اور تم لوگ بُرا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کہ وہ بُرا کہیں گے اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھ کر ۱۲۔

آں حضرت کسی کام کو بھیجتے۔ اور یہ جیسے لڑکوں کا قاعدہ ہے کھیل میں لگ جاتے۔ ایک یہودی کا آپ پر قرض آتا تھا۔ اُس نے ایسی سختی سے تقاضا کیا کہ صحابہ کو ناگوار ہوا تو آپ نے فرمایا اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا[۱] ایک یہودی نے آکر السلام علیکم کہنے کے عوض دبی زبان سے اَلسَّامُ عَلَیْکَ کہا اور سام کے معنی ہیں موت تو اُس نے دعا کے بدلے بددعا دی۔ حضرت تو عَلَیْکَ کہ کر خاموش رہے۔ حضرت عائشہ رض نے سُن پایا تھا۔ اُنھوں نے کہا عَلَیْکَ السَّامُ وَاللَّعْنَۃُ جناب رسول خدا ناخوش ہوئے اور زجر فرمایا۔

مالِ غنیمت میں سے ایک چادر گم ہو گئی۔ کسی بدنفس نے کہا پیغمبر صاحب نے لے لی ہوگی۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں خدا مجھکو رسالت کے لیئے امین سمجھے اور میں ایسی ادنی چیز پر نظر کروں وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَغُلَّ وَمَنْ یَغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ[۲] قصہ افک سے بڑھ کر بھی کوئی بات ہوگی اور مسطح نے جو حضرت ابوبکر رض کے خالہ زاد بھائی تھے اور ان ہی کا دیا کھاتے تھے۔ اس نالائق بات کو شہرت دی تھی۔ ابوبکر اُن کی اعانت سے دست کش ہو بیٹھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[۳] مجکو تو پیغمبر صاحب کی نبوت اور ابوبکر رض کی صدیقیت پر ایمان لانے کے لیئے بس یہی ایک آیت بس کرتی ہے۔

غرض پیغمبر صاحب کی بُردباری اور تہذیب تو اس درجہ کی تھی کہ اپنی زبان سے بُرا کہنا کیسا وہ اس کو بھی جائز نہیں رکھتے تھے کہ ان کے دشمن سے دشمن کو بھی کوئی ان کی طرف سے سخت بات کہے۔ پس ہو نہ ہو وہ سب وشتم جس کی شکایت کفارِ قریش ابوطالب پاس لے کر

[۱] صاحب حق جو کچھ لے اُسکو پہنچتا ہے ۱۲ [۲] اور نبی سے خیانت نہیں ہو سکتی اور جو کوئی خیانت کرے گا قیامت کے دن اُسی چیز کو حاضر کرے گا ۱۲ [۳] اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں اور کشایش والے اس پر کہ دیویں ناطے والوں اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۱۲

گئے تھے وہ اس قسم کی باتیں تھیں ۱؎ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ
مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۲؎ اِنَّكُمْ وَ مَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا
وَ كُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ هُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ۔ ضرور یہی باتیں تھیں جن کا بتنگڑ بنانے
کے لیئے اینڈ لو کلر ٹو دی کمپلینٹ (اپنے بیان شکایت کو رنگ مبالغہ دینے کے لیئے) سب و شتم
سے تعبیر کیا۔ پس مداہنت جو پیغمبر صاحب سے چاہی جاتی تھی یہ تھی کہ بتوں کو عاجز و مجبور و جماد کہنے
فی زعم معتقدیہم اُن کی توہین ہوتی ہے پیغمبر صاحب اس سے باز آئیں۔ یا بعبارت دیگر خدائے واحد
کی منادی جس کے لیئے وہ مبعوث ہوئے تھے بند کریں۔ یا بہ تغیر الفاظ منصب رسالت چھوڑ
بیٹھیں۔ یا دوسرے پیرایہ میں اُس وقت کے ادیان باطلہ میں سے کسی دین میں رہیں۔ پس
مداہنت کا ہے کو تھی۔ کفار قریش پیغمبر صاحب سے اقبال دعویٰ داخل کرا کے اپنے حق میں ڈگری
چاہتے تھے مع خرچہ۔ اچھا تو اس مداہنت کے بارے میں خدا نے پیغمبر صاحب کو کیا حکم دیا۔ درخواست
مداہنت کو دو ممانعتوں کے بیچ میں رکھا۔ پہلے فرمایا فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ اور پھر وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ
فَیُدْهِنُوْنَ سے درخواست مداہنت کا بیان کر کے ارشاد کیا ۳؎ وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ هَمَّازٍ
مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ قرآن میں جا بجا کافروں کی بہت ہی مذمت ہے مگر وہ
غلطے ہیں تو یہ گریپ ہے میں چاہوں تو اس مضمون کو اتنی وسعت دے سکتا ہوں کہ تمام وقت جو میرے لیئے

۱؎ اے لوگو ایک کہاوت کہی ہے سو اس کو کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں اور اگر
کچھ چھین لے اُن سے مکھی نہ چھڑا سکیں وہ اُس سے بودا ہے چاہنے والا اور جس کو چاہتا ہے اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اُس کی قدر
ہے بے شک اللہ زور آور ہے زبردست ہے ۱۲ ۲؎ تم جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا جھونکنا ہے دوزخ میں تم کو اس پر پہنچنا ہے اگر ہوتے
یہ لوگ ٹھاکر نہ پہنچتے اور سارے اس میں پڑے رہیں گے ان کو وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں بات نہیں سنتے ۱۲ ۳؎ اور کہا نہ مان
کسی قسم کھانے والے بے قدر کا طعنے دیتا اور چغلی کرتا پھرتا بھلے کام سے روکتا حد سے بڑھتا بڑا گنہگار ۱۲۔

مقرر تو اس ایک آیت۔ اور آیت بھی نہیں جزو آیت میں تمام ہو جائے جب میں جانتا ہوں کہ
لوگوں کو سوائے خاموش بیٹھے سنتے رہنے کے اور کچھ چارہ نہیں تو رطب و یابس جو کچھ مونھ میں آئے
کہتا چلا جاؤں مگر یہ تو فرمایئے کہ جو کچھ میں نے اب تک کہا اُس کو اس مجمع سے اس تقریب سے
اس حال سے مناسبت کیا؟ ہاں تو مناسبت یہ ہی کہ میں کئی کئی برس سے دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے
بزرگ سر سید نے مداہنت کی پالسی اختیار کی ہی اور اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے
اکثر لوگوں کو کہتے سُنا ہی کہ سر سیّد اگر مذہب کی کرید نہ کرتے تو وہ لوگوں میں زیادہ مقبول ہوتے
اور علی گڈہ کالج کبھی کا یونیورسٹی ہو گیا ہوتا۔ مجکو اس رائے سے اتفاق نہیں میرا خیال یہ ہی کہ اگر مذہب
کی کرید نہ ہوتی تو سر سیّد کو کوئی پوچھتا بھی تو نہیں کہ کدھر رہتے ہیں۔ اور یونیورسٹی ہونا تو درکنار
علی گڈھ کالج حضیض لوور سکول ہی میں پڑا سڑتا۔ سر سید کے مقبول و مردود ہونے کی تو میں جانتا
نہیں مگر یہ جو کچھ ہوا ہی اور بہت کچھ ہو رہا ہی اور بہت کچھ ہونے کی امید ہی یہ سب متفرع ہی اس پر کہ
سر سید نے مسلمانوں کے اصلی مرض کو دریافت کیا۔ اس کے اسباب تحقیق کیئے اور آخر کار ازالہ
سبب کے قاعدے کے مطابق علاج شروع کیا۔ علاج تو ٹھیک ہی۔ اور بیمار کی حالت میں افاقہ بھی ہی۔ مگر
خدا جانے کیا سمجھ کر بیمار کو بد پرہیزی کی اجازت دے دی ہی اور مجکو بڑا خوف ہی کہ کہیں خدانخواستہ مرض
عود نہ کر آئے اگر نکس ہوا تو پھر جالینوس بھی قبر سے اُٹھ کر آئیں تو بیمار سنبھلنے والا نہیں۔ تشبیہ و استعارہ
کو الگ رکھ کر صاف صاف کیوں نہ کہوں۔ مسلمانوں کو بیماری کیا تھی؟ افلاس اور ذلت اور غلامی
اور محکومی یہ سب اس کے لوازم۔ پھر مسلمانوں میں اکثر ایسے تھے جو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ہم بیمار ہیں
روگی ماں باپ کی روگی نسل۔ اُنھوں نے سمجھا ہماری خلقت ہی ایسی ہی اور جب بیماری مزمن ہو جاتی
ہی تو اس کی ایذا کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ یا مدہم پڑ جاتا ہی۔ بعض نے اپنے تئیں بیمار سمجھا تو اُن سے
تشخیص سبب میں غلطی ہوئی۔ تقدیر الٰہی پر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہے۔ اَلْیَاسُ اِحْدَی الرَّاحَتَیْنِ۔
مسلمانوں میں یہ تقدیر کا مسئلہ ایک اعتبار سے عمدہ بھی ہی تو حد سے زیادہ عمدہ اور ایک اعتبار سے
بُرا بھی ہی۔ تو حد سے زیادہ بُرا اور حد سے زیادہ عمدہ ہی اس اعتبار سے کہ مرتے کو سکرات تک کی تکلیف

نہیں ہونے دیتا اور بُرا اور حد سے زیادہ بُرا ہے اس اعتبار سے کہ انسان کو اُبھرنے نہیں دیتا۔ فر
جنھوں نے تقدیر الٰہی پر حوالہ کیا وہ تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے کہ خدا ہی کو منظور نہیں تو ہمارے سے کیا
ہوتا ہے اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ چند روز کی بات ہے۔ ان شاء اللہ عاقبت میں
جھونپڑوں کے بدلے زمرد و یاقوت کے محلوں میں چل کر رہیں گے۔ یہاں آٹھ آنے مہینے
کی ماما نوکر رکھنے کا مقدور نہیں نہ سہی وہاں حوروں سے خدمت لیں گے۔ رہی ظاہری عزت۔
دو دن کی کوتوالی پھر وہی کھرپا اور جالی۔ اصلی عزت ایمان کی جیسا کہ اللہ خود قرآن میں فرماتا ہے۔
لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ؂

الٰہی بحق بنی فاطمہ		کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ	

جن۔ ایسے خیالات تھے اُن کا مرض بڑھتے بڑھتے اُس میں ایسی ردائت آگئی کہ متعدی ہو گیا جو
اُن کو چھو گیا وہ بھی انھیں کی طرح لُنج لُنج کرنے لگا۔ سامری نے حضرت موسیٰ کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل
کو گئو سالہ پرستی کی ترغیب دی تھی حضرت موسیٰ نے واپس آکر دیکھا تو بڑے ناخوش ہوئے اور سامری
کو بددعا دی۔ اُس کا حال یہ ہو گیا تھا کہ احیاناً کسی سے اُس کی بھینٹ ہو جاتی تو دونوں کو بخار چڑھ
آتا۔ پس وہ لامساس لامساس (بچنا بچنا) کہتا ہوا اکیلا جنگلوں میں مارا مارا پڑا پھرتا۔ کوئی ہے جو
ایسی ہی بددعا اُن لوگوں کو دے جو آپ کاہل ہیں اور دوسروں کو بہکا کر اپنے بُرے
نمونے دکھا کر کاہل بناتے ہیں۔ نہ صرف ہم سعدودے چند مسلمانوں میں بلکہ شاید
نارتھ وسٹرن پراونسز۔ بلکہ شاید انڈیا کی ہول محمڈن کمیونٹی میں سر سید ہی ایک ایسے مسلمان
ہیں جنھوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کا یہ مرض افلاس زوال پذیر ہے۔ اور جہالت سے پیدا ہوا ہے اور اگر
ان کو علوم مفیدہ سکھا پڑھا کر ان کی جہالت دور کر دی جائے تو یہ خاصے بھلے چنگے جنٹلمین ہو سکتے ہیں
مالدار مرفہ الحال۔ دنیا میں اسباب کا ایک سلسلہ قایم ہے اس قاعدے کے مطابق مسلمانوں کے
افلاس کا سبب تھا۔ (اور تھا کیا معنے ؟) ان کی جہالت۔ پھر ان کی جہالت کا سبب تھا (اور تھا

؂ دنیا مومن کو قید خانہ اور کافر کو بہشت ہے ۱۲ ؂ اصلی عزت تو اللہ اور رسول اور مسلمانوں ہی کی ہے ۱۲۔

کیا معنی؟ ہو یہ ان کا تعصب مذہبی۔ اس گر کو بہت تھوڑے آدمیوں نے سمجھا ہی کہ مذہب کے صحیح و
غلط ہونے کا معیار شناخت کیا ہی؟ اب میں کہتا ہوں ولا اُبالی۔ اینڈ ڈونٹ فیر کنٹراڈکشن (اور میں
مخالفت سے نہیں ڈرتا) کہ اس کا معیار شناخت ہی دنیاوی رفاہ۔ دنیاوی فلاح۔ دنیاوی بہبود
اور اس کی تصدیق ہوتی ہی کلام خدا سے[۱] وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ إِنَّ الْأَرْضَ
يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ اس آیت میں کوئی لغت غریب نہیں۔ تعقید نہیں۔ اس کے سیدھے اور
صاف معنی یہ ہیں کہ ہمارے نیک بندے بادشاہ یا حاکم وقت ہوتے ہیں مشکل یہ آکر پڑی کہ لوگوں نے
صلاح کو منحصر سمجھ رکھا تھا نماز و روزہ میں اور اب بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہی اور دیکھا تو ایسی صلاح اور
وراثت الارض کو اپنے زمانے میں مانعت الجمع پایا تو ضرور ہوا کہ دونوں میں سے ایک کی تاویل
کریں پس صالحوں کو نکالا صلاحیت سے۔ اس تدبیر سے وہ اشکال دفع تو کیا ہوتا مگر سمجھوتی
سی ہو گئی اشکال رفع نہ ہوا اس واسطے کہ[۲] إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ تاویل کو جمنے نہیں
دیتا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص انگریزوں کی طرح ملک داری کرے۔ اور خلق اللہ کو آسائش پہنچائے
گو وہ معتقد اسلام نہ بھی ہو تاہم اُس سے صالح اور عابد کے خطاب کو کیوں دریغ کیا جائے آخر عدل
کے لیے حدیث میں آیا ہی کہ ایک ساعت کا عدل ایک برس کی عبادت سے بہتر ہی۔ اسی طرح کی
دقت ایک اور آیت کی تفسیر میں بھی واقع ہوئی[۳] إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ
إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
یہاں مسلمان اپنے تئیں اور صرف اپنے تئیں الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ کا مصداق سمجھتے ہیں تو چار و ناچار ان کو
فوقیت کے معنی الغلبة بالاستدلال کرنے پڑتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ڈر سے اس تاویل کو مان
بھی لیا جائے تو دل کو تسلی نہیں ہوتی۔ ایک تاویل مجکو سوجھی ہی جو مناسب مقام ہی مقام سے میری مراد سباق و

[۱] اور ہم نے لکھ دیا زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے ۱۲ [۲] اس میں مطلب پہنچے
ایک لوگ بندگی والے ۱۲ [۳] جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ دُنیا میں تمھارے رہنے کی مدت پوری کر کے ہم تم کو
اپنی طرف اٹھالیں گے اور پاک کریں گے کافروں سے اور رکھیں گے تیرے تابعوں کو اوپر منکروں سے قیامت کے دن تک ۱۲

سیاقِ عبارت نہیں بلکہ یہ مقام جہاں میں کھڑا ہوں کیوں کہ اس قسم کی تاویلیں ہمیں بہت سوجھا کرتی ہیں۔
وہ تاویل یہ ہو کہ یہود نے مذہبی غلامی کو حدِ غایت تک پہنچا دیا تھا یہی مذہبی غلامی ہو جس کو قرآن میں اِصر
اور اَغلال سے تعبیر کیا گیا ہو۔ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ [۱] ان کی مذہبی
قیود اور رسوم اس قدر سخت ہیں کہ اگر اُن کی پوری پوری تعمیل کی جائے تو حقیقت میں زندگی وبال ہو۔
ہمارے ملک کے ہندوؤں کو بھی بڑی بڑی مذہبی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں اگر کریں تو۔ مگر یہود کے مقابلے
میں وہ ایسے ہی دنیا کے مزے اُڑاتے ہیں جیسے ہندوؤں کے مقابلہ میں ہم۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ [۲]
مَنْ يَشَاءُ سنا ہو اور سنا ہی ہیں اس لیئے کہتا ہوں کہ اول تو یہود اس ملک میں بہت ہی کم ہیں اور
کثرت سے ہوتے بھی تاہم ان کو خاص کر ہم مسلمانوں سے سخت مذہبی عداوت ہو لَتَجِدَنَّ [۳] أَشَدَّ النَّاسِ
عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا اور ہم مسلمان تو کچھ ایسے کھرے مزاج کے ہیں کہ نصاری
جن کی نسبت اسی آیت میں ارشاد ہو۔ وَلَتَجِدَنَّ [۴] أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا
إِنَّا نَصَارَىٰ اور یہ لوگ کثرت سے بھی ہیں۔ اور حاکمِ وقت بھی ہیں۔ کم بیش سو برس ان کو ہم پر حکومت
کرتے ہوئے ہو گئے اِن ہی سے ہم نے کونسا ربط بڑھا لیا ہو سید احمد خاں پر یہ ساری بھرمار ہو کیوں
رہی ہو اُسی لیئے نہ کہ انگریزوں سے ربط رکھتے اور مسلمانوں کو اُن کے ساتھ ربط پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔
غرض سُنا ہو آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ یہودیوں کے یہاں ایک ذبیحے میں ایسی ایسی نازک اور باریک
احتیاطیں کرنی پڑتی ہیں کہ ایسا ویسا ربیؔ ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس مذہبی غلامی کا نتیجہ
کیا تھا۔ اور اس کے سوائے نتیجہ اور ہوتا بھی کیا کہ یہود کی دنیاوی حالت یوماً فیوماً اور ساعۃً فساعۃً
اور آناً فآناً متنزل ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک بڑی عظیم الشان سلطنت کھو کر ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ [۵]

[۱] اور اُتارتا ہو اُن سے بوجھ اُن کے اور شکنجے جو اُن پر تھیں ۱۲ [۲] یہ اللہ کا فضل ہو جسے چاہے دے ۱۲ [۳] تو پاوے گا
سب لوگوں سے زیادہ دشمنی میں مسلمانوں سے یہود اور شرک کرنے والوں کو ۱۲ [۴] اور تو پاوے گا سب سے زیادہ محبت
میں مسلمانوں کی وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم نصاری ہیں ۱۲ [۵] ماری گئی ہو اُن پر ذلت جہاں دیکھیے سوائے دستِ آویز اللہ کے اور
دستِ آویز لوگوں کے۔ اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری گئی اُن پر محتاجی ۱۲۔

اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الْمَسْکَنَۃُ
کی لاٹھیں آگئے اور جہاں حضرت مذہب نے دنیا میں اس طرح پر تنزل دیا ہو وہاں دنیا کی ایسی ہی مٹی پلید
ہوئی ہو ہم مسلمانوں ہی کی دنیا کو کہ معراج الکمال ترقی پر پہنچ کر اسفل السافلین تنزل میں آگرے اور
ابھی ٹھیرے نہیں گرتے چلے جاتے ہیں لیکن دنیا کو خدا نے کسی مصلحت سے بنایا ہو [۵۱] رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
ھٰذَا بَاطِلًا اور اس کو منظور ہو بلکہ اس کا حکم ہو اور حکم بھی موکد [۵۲] لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ
اِصْلَاحِھَا۔ کہ یہ کارخانہ ایک وقت خاص تک اسی طرح چلتا رہے اور اس کو چلائے کون۔ چلائیں ہم
اور تم جن کو اللہ میاں نے روئے زمین پر اپنا خلیفہ یعنی نائب بنا کر بھیجا ہو وہ سند خلافت ہی پڑھ کر نہ
سنادوں [۵۳] وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور یہ تو ظاہر ہو کہ دنیا کا کتنا بڑا
عظیم الشان کارخانہ ہو اور اس کے سنبھالنے کو بڑی محنت اور مستعدی اور ہوشیاری درکار ہو تو جب
جب خلیفہ جی خود ہی خبر نہ لیں کارخانہ میں بدنظمی پھیلا ہی چاہے مشکل یہ آکر پڑی ہو کہ خلیفہ جی کو مکتب
کی خبرگیری کے علاوہ گھر کا سودا سلف بھی لانا ہو اور خلیفہ جی ہیں بھی بھدّے بھتیس ان سے محنت
ہو نہیں سکتی۔ مکتب کو دیکھتے ہیں تو سودا سلف رہا جاتا ہو اور سودے کو جاتے ہیں تو مکتب میں
لونڈے اودھم مچاتے ہیں۔ اور میاں جی ہیں کہ خلیفہ جی کی ایک نہیں سنتے۔ اور کہتے ہیں جھک مارو
مکتب کی بھی خبر رکھو اور گھر کا سودا سلف بھی کرو جتنے دن یہود خلیفہ رہے سودے سلف کے پیچھے
مکتب کا ناس مار دیا۔ تو اُس حکیم برحق نے پہلے حضرت عیسیٰ کو مبعوث کیا۔ اور غرض اُن کی بعثت سے
کیا تھی۔ یہود کو مذہبی غلامی سے آزاد کرنا۔ بعض اُس آزادی سے مستفید ہوئے اور اکثر نہیں۔
جیسے ایک جانور قفس میں پیدا ہو۔ اور ساری عمر قفس میں رہے اور اُس کو اگر رہا کر دیا جائے تو وہ
آزادی سے متاذی ہوتا ہو اور اُس سے اُڑا نہیں جاتا ہے

پروں کا باندھنا صیاد اک بدانی ہو | قفس میں آکے لی آنکھ ہم پرواز کیا جانیں

۵۱ اور رب تو نے ان کو بے کار پیدا نہیں کیا ۱۲ ۵۲ اور زمین میں سنورے پیچھے خرابی نہ ڈالو ۱۲ ۵۳ اور جب کہا تیرے
رب نے فرشتوں کو مجکو بنانا ہو زمین میں ایک نائب ۱۲۔

جن دنوں میں پرنس آف ویلز صاحب تشریف لائے تھے تو انھوں نے کچھ قیدی بھی آزاد کیے تھے کوئی سکھ تھا عمر قید۔ وہ جو چھوٹ کر گیا تو دیکھا گاؤں کے جان پہچان والوں میں کوئی باقی نہیں اور ساز و سامان زندگی کا بہم پہنچانا اُس کو ایک کھٹراک معلوم ہوا تو اُس نے واپس آکر حاکم ضلع کو عرضی دی کہ اس سے تو مجکو قید خانہ ہی میں زیادہ آسایش تھی یہی حالت یہود کی ہوئی کہ اُن کو مذہبی غلامی سے نکلنا ایک مصیبت معلوم ہوتا تھا حضرت عیسیٰ بہت تھوڑے دن دنیا میں رہے اور شروع سے اُن کے مشن پر کچھ ایسی اوس سی پڑ گئی تھی کہ وہ پنپا ہی نہیں۔ اسی مشن کی تکمیل کے لیے ہمارے پیغمبر صاحب آخر الزمان بھیجے گئے۔ وہ کیا مشن تھا؟ ایک دفعہ اس کی پھر صراحت کر لو۔

مذہبی غلامی سے جس نے یہود کو دنیا کے کام کا نہ رکھا تھا آزادی

اس تمہید کے بعد اس آیت کو لو جس کے معنی میں بحث کی جا رہی ہے۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اب معنی ایسے سلیس ہیں جیسے لَبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ اور ایسے صاف ہیں جیسے آئینہ۔ میں کہتا ہوں جن لوگوں نے یہود یا نہ مذہبی غلامی سے جو مانع اصلاح معاش تھی آزادی حاصل کی کسی دین و مذہب کے ہوں وہ سب اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ میں داخل ہیں۔ اور جب یہ لوگ اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ ہوئے تو جو اِن کے ضد ہیں اور دین کو مانع اصلاح معاش جانتے ہیں سمجھ لو کہ وہ خود کون ٹھیرے؟ اب دیکھو اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ آیت میں کیسا بیٹھا ہے جیسے انگوٹھے میں نگینہ غرض میں نے دنیاوی بہبود کو دین حق کی شناخت ٹھیرا رکھا ہے اگر دین و دنیا میں ایک ایسی حدِ فاصل قرار دی جا سکتی کہ دونوں میں سے کوئی دوسرے کے علاقے میں مداخلت نہ کر سکتا تو شاید اختلافات سے بہت کچھ نجات ملتی۔ مثلاً موت ایک سرحد ہوتی اُس سے پہلے پہلے دنیا۔ اور اُس کے بعد دین۔ لیکن دنیا کا فائدہ اسی میں تھا کہ دین اس کا سرپرست ہو مسلمانوں نے دین و دنیا کے باہمی

۵ے دودھ خالص گوشِ گوارا پینے والوں کو ۱۲۔

تعلق کے کچھ نہیں غلطی کی۔ اسی سے وہ اس نوبت کو پہنچے۔ اور جب تک وہ غلطی میں مبتلا ہیں وہ اپنی
دنیاوی حالت درست کر نہیں سکتے۔ منطقی اصطلاح کے مطابق تو لوگوں نے دنیا اور دین میں تباین کی نسبت
قرار دے رکھی ہے اور واقع میں ہے عموم خصوص من وجہ جس کو چاہیے۔ ایک مادہ اجتماع کا اور دو مادے
افتراق کے موجود ہیں یعنے بعضے کام صرف دین کے ہیں مثلاً جیسے نماز اور بعضے کام صرف دنیا کے جیسے
انتم اعلم بامور دنیاکم[51] اور بعضے مشترک جیسے حتی اللقمۃ یضع فی فم امرأتہ اپنی جورو کو کما کر کھلانا بھی
عبادت مالی سمجھا گیا۔ اور لقمہ کا تذکرہ تو تمثیل کے طور پر فرما دیا ہے۔ ورنہ مقصود ہے کسب معاش۔ نوکری سے ہو
یا کاشتکاری سے یا حرفت سے یا کسی اور پیشے سے۔ بس یہ مادۂ اجتماع محل غلطی ہے کہ اس کو خالص دنیاوی
سمجھ کر مادہ افتراق بنا لیتے ہیں۔ اور جب افتراق ہی افتراق ہو تو آپ سے آپ تباین ہوا۔ پھر دین و دنیا
کے باہمی تعلقات پر غور کیا جاتا ہے تو دین و دنیا میں ایک طرح کی ہم چشمی (محاسدت) ضرور ہے اور چشمی نہ ہوئی تو
ایک چھوڑ دو مادے افتراق کے کہاں سے آتے مگر یہ چشمی دنیا کے طرف سے زیادہ ہے یعنی دنیا نہیں اجازت
دیتی کہ دین کا کوئی کام کیا جائے۔ مگر دین کا ہرگز یہ حال نہیں۔ وہ دنیا کے اکثر کاموں کو اپنا ہی کام سمجھتا
ہے بشرطیکہ علی وجہ المشروع ہوں لوگوں کو دین کی اس فیاضی اور کشادہ دلی اور وسعت پر نظر نہیں۔
وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح دنیا اجازت نہیں دیتی کہ دین کا کوئی کام کیا جائے۔ اسی طرح دین بھی اجازت نہیں
دیتا کہ دنیا کا کوئی کام کیا جائے یہی وہ غلطی تھی جو یہود نے کی۔ اور جس نے اُن کی دنیا کو تباہ کرایا۔ اور
یہی غلطی ہم مسلمان کر رہے ہیں۔ اور ہم بھی اپنا دنیا کو بحساب تباہ کر چکے ہیں ہم ما خلقت الجن والانس
الا لیعبدون[52] کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ ہم کو سوائے نماز روزے کے دنیا کا کوئی کام کرنا نہیں چاہیے ہم دنیا میں
پیدا کیے گئے ہیں۔ مگر دنیا کے کام کرنے کے واسطے نہیں۔ بلکہ صرف عبادت کرنے کے لئے۔ لیکن اگر
مطلب ہوتا تو رہبانیت کو کیوں منع کیا جاتا۔ نکاح کی نسبت کیوں فرماتے النکاح سنتی ومن رغب عن
سنتی فلیس منی[53] سفر ہی نماز کی قصر کا کیوں حکم دیتے۔ بلکہ سرے سے سفر ہی کی مناہی کر دیتے۔ پارسال کے

[51] اپنے دنیا کے کام تم ہی خوب جانتے ہو ۱۲ [52] ہم نے انسانوں اور جنوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے ۱۲ [53] میری
سنت ہے اور جو میری سنت سے بیزار ہے مجھ سے نہیں ۱۲۔

دتی والے لکچر کی وہ حدیث یاد کرو کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کے مہمان رہے۔ مہمان صاحب نے صاحب
خانہ کی بی بی کو دیکھا میلی کچیلی معلوم ہوا کہ صاحبِ خانہ خانہ داری کی طرف متوجہ نہیں۔ رات ہوئی تو
صاحبِ خانہ نے عادت کے مطابق ساری رات کی نماز کی طیاریاں کیں۔ اور مہمان کو بھی ساتھ
لگا رکھنا چاہا۔ مہمان نے کہا یہ کہاں کی عبادت نکالی ہے۔ تم پر ایک خدا ہی کا تو حق نہیں۔ اس کے
حق کے علاوہ بی بی کا حق ہے میرا حق ہے کہ تمھارا مہمان ہوں۔ پھر تمھارے اپنے نفس کا بھی حق ہے کہ
اتنی زحمت اُٹھاؤ گے تو دنیا کے کام کے نہ رہو گے اور یہ نہیں کہ یہ اس مہمان صحابی کی ذاتی راے
تھی اور بس نہیں پیغمبر صاحب کے سمع مبارک تک یہ حکایت پہنچی اور آپ نے اس کی تصویب
فرمائی۔ اِلّا لِیَعْبُدُوْنَ کے یہ معنی ہوتے جو تم سمجھے ہو تو ملک گیریاں۔ انتظام سلطنت شام و
روم تک کے دھاوے۔ تجارتیں اور اُن کی سی خانہ داریاں کہ ایک ایک کی درجنوں بیبیاں اور
کوڑیوں بیٹے بیٹیاں یہ سب کام کیسے ہوتے تھے۔ دن رات تو اُن کے بھی چوبیس ہی گھنٹے کے تھے۔
بات یہ ہے کہ ان کے پاس دنیا کے کام ہم سے بہت زیادہ تھے اور وہ اُن کو انجام دیتے تھے عبادت
سمجھ کر یہ ہیں معنی اِلّا لِیَعْبُدُوْنَ کے سو تم بھی ایسا ہی کیوں نہیں کرتے۔ تم نے تو خدا سے ہرانی جتانی
ٹھہر رکھی ہے۔ وہی مکتب کے خلیفہ والی بات کہ مکتب کی نگرانی اور گھر کا سودا سلف دو دو کام تو مجھ سے
نہیں ہو سکتے۔ غرض یہ ہے کہ مسلمان اُس زمانے کے مسلمان دین و دنیا کے باہمی تعلق کے سمجھنے اور اندازہ
کرنے میں سخت غلطی کرتے ہیں اور ہمارے زمانے کے رفارمر کا کام ہے کہ اس غلطی کی اصلاح۔ علی گڑھ کالج ہوا
یا کانفرنس ہوا یہ تو از قسم فروعات ہیں۔ بڑا کام جو سید احمد خاں نے شروع کیا تھا یہی تھا کہ وہ
مسلمانوں کی دینی غلط فہمیوں پر اُن کو متنبہ کرتے تھے لیکن میں دیکھتا ہوں تو اب انھوں نے اس کو
سکنڈری کام بنا لیا ہے۔ اگر انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ کالج قایم کر دینے سے ان کے مشن کا کام پورا ہوا تو میں وِدتھ
ڈیو ڈفرنس ٹو ہز اکسپیرینس ٹو ہز ایج اینڈ ٹو ہز ٹیلنٹس (اُن کے تجربے اور عمر اور دانش مندی کے ادب کے ساتھ
بڑے زور سے اُن کے ساتھ مخالفت کرتا ہوں۔ اگر مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی اصلاح نہ ہوئی۔ اور
افسوس ہے کہ نہیں ہوئی اور اب اس کی چھیڑ چھاڑ بھی نہیں تی تو جو عمارت سید احمد خاں نے کھڑی

کی ہو میرے منہ میں خاک۔ اُس کی بنیاد بالکل پادر ہوا ہے۔ سید احمد خاں سے بڑھ کر کوئی اس کو
نہیں سمجھ سکتا اور ہم میں سے کوئی کچھ سمجھتا ہے تو اُن ہی کے سمجھانے سے کہ مسلمانوں نے ہی غلط فہمیوں نے تعلیم
سے محروم رکھا۔ انھوں نے اس کے لئے کمیٹیاں کیں جواب مضمون لکھوائے۔ انعام دیئے۔ اور
باطمینان ایک رائے قائم کرکے اُسی پر کارروائی کرنی شروع کی۔ اور یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اُسی
کارروائی کا نتیجہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اور ساری کوششیں ایک طرف اور تہذیب الاخلاق مرحوم
ایک طرف۔ اُس کے سٹرلنگ سے سٹرلنگ پرچے کو علی گڈھ انسٹیٹیوٹ وتھروسج ارائینگلیڈ واٹ آئی
فارگٹ دی نیم (جس کے ساتھ مجھے یاد نہیں کون سا اخبار مدغم ہو گیا ہے) کے عمدہ سے عمدہ پرچے سے مقابلہ
کرکے دیکھو تو معلوم ہو کہ سید احمد خاں پہلے کیا تھے اور اب کیا ہیں ۵

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم	ہو گئے خاک انتہا ہے یہ

خود سید احمد خاں کو اور آپ صاحبوں میں سے اکثر کو معلوم ہے کہ میں بعض مذہبی عقائد میں سید
احمد خاں سے اختلاف کرتا ہوں اور اس کو خست سمجھو یا بے پروائی یا خود پسندی کہ میں کبھی سید
احمد خاں کی تصنیفات کا سبسکرائبر نہیں رہا با ایں ہمہ میں تہ دل سے اس کا معتقد تھا کہ تہذیب الاخلاق
مسلمانوں کی رفارم کی دی اونلی (صرف یہی) تدبیر ہے۔ مسلمان بعض مذہبی غلط فہمیوں کے اعتبار سے
محتاج تنقیہ تھے۔ تہذیب الاخلاق میں کبھی کبھی ایسے آرٹیکل بھی نکلتے تھے جن کو میں نے وری سٹرانگ
پرگیٹو (ٹیبار بردست مسہل) سمجھا۔ مگر جب معدہ عاصی ہوتا ہے اور مادہ سوداوی عسیر الانقلاع کو بدون
سٹرانگ پرگیٹو کے کام نہیں چلتا۔ دہلی میں علماء کا ایک نامی گرامی خاندان ہو گزرا ہے۔ انھوں نے ترجموں سے
تصنیفات سے۔ پند و نصیحت سے ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں
اور یہ ان ہی بزرگوں کی کوششوں کے نتیجے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو تجوزاً مسلمان کہا جاسکتا
ہے۔ ورنہ یہاں کے مسلمانوں میں اور ہندوؤں میں صرف انگرکھے کے پردے ہی کا فرق رہتا تو رہتا۔
وہ بھی شاید۔ شاید کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ آخر وہ دن آنے والا تھا کہ سید احمد کوٹ پتلون کو
رواج دے کر اس امتیاز کو بھی اٹھا دیں تاکہ مذہب کا پردہ ڈھکا رہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ

۵ لوگ بادشاہوں۔ دین پر ہو جاتے ہیں

بھی اپنی جگہ صحیح ہی لیکن میں سمجھتا ہوں۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ سُوْسَائِٹِیْهِمْ اس سے زیادہ صحیح ہو چند
نہیں بلکہ مطلب مسلمان جب ہندوستان میں آکر رہے اور اُن میں اور ہندوؤں میں اختلاط ہوا۔
تو کیا صرف ہندوؤں نے مسلمانوں کی مذہبی رسمیں اختیار کرلیں نہیں بلکہ مسلمان بھی ہندوؤں سے
متاثر ہوئے اور بہت کچھ متاثر ہوئے جو شخص اسلام کی اصلیت سے آگاہ ہو وہ سمجھ سکتا ہی کہ ہندوستان
کے مسلمانوں کا اسلام کس قدر اصلیت سے بدلا ہوا ہی۔ علماے دہلی کا وہ خاندان جس کا میں ابھی
ذکر کر رہا تھا اُس خاندان کے ممبروں نے اسلام کی بڑی بڑی اور متنوع خدمتیں کی ہیں مگر سب سے
بڑی اور سب سے عمدہ اور سب سے زیادہ اِن شاء اللہ مقبول عند اللہ وہ خدمت تھی جو مولوی اسمٰعیل
کی اُنھوں نے اسلام کو شائبہ ہندویت سے پاک کرنا چاہا۔ مگر ہندویت مدتوں کے اختلاط کی وجہ
سے اسلام کی رگ و پے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اس مادۂ فاسد کا اخراج آسان نہ تھا مولوی اسمٰعیل رح
نے کسی قدر تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم اور اسی قسم کی اور چند کتابیں لکھنے سے اور بہت کچھ خارا
شگاف وعظوں سے مسلمانوں کو جُلاب دیا۔ جلاب تھا کڑوا اور کرارا۔ اکثر نے تو پیتے کے ساتھ اُگل دیا
بعض پیتے تو پی گئے مگر وہ اُن کی چھاتی پر دھرا رہا۔ اور بعض کو راس بھی آیا وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ[1] قریب قریب
یہی حال سید احمد خاں کا ہی۔ اور نہ صرف سید احمد خاں کا بلکہ ہر شخص کا جو رفارمر بننا چاہے ہیں پبلک
میں سر سید کو تہذیب الاخلاق کے بند کرنے کا الزام دیتا ہوں مگر یہ نہیں سمجھا کہ سر سید جلاب کے
اگلنے والوں کی مکروہ آوازوں سے ڈرے ہوں۔ اگر وہ ڈرپوک دل کے ہوتے تو اُن کے دل میں
رفارم کا خیال ہی پیدا نہ ہوتا۔ رفارم کا بیڑا اُٹھانے سے ظاہر ہوتا ہی کہ سر سید اُن لوگوں میں ہیں
جن کا موٹو ہی لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَاۤئِمٍ[2] اچھا پھر اُنھوں نے تہذیب الاخلاق کو کیوں بند کیا۔ اس کا
جواب تو سر سید ہی کو دینا چاہیے مگر میں بھی تو اپنے احتمالات عقلی دوڑاؤں۔ اس احتمال کا تو ذکر بھی
نہ کرو کہ تہذیب الاخلاق سر سید کے مشن کے مقاصد کے لیے ضروری نہ تھا اگر تہذیب اخلاق
ضروری نہ تھا تو خود سر سید احمد خاں کا ہونا بھی ضروری نہیں علیگڈھ کالج بھی ضروری نہیں کانفرنس
بھی ضروری نہیں مسلمانوں کی تعلیم بھی ضروری نہیں یعنی مسلمانوں کا ہونا ہی ضروری نہیں۔ ایک احتمال ہی

۱؎ اور وہ تھوڑے ہیں ۱۲ ۲؎ نہیں ڈرتے ملامت کرنے والوں کی ملامت کرنے سے ۱۲

کیا جاسکتا ہو کہ سید احمد خاں نے فی زعمہ تفسیر کو تہذیب الاخلاق کا نعم البدل سمجھا ہو تفسیر میں کے
متن کے اعتبار سے تو دونوں جہان کے عوض میں بھی سستی ہو ع

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ ■ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

رہے اُس کے مضامین یعنی وہ مضامین جو حضرت کے ایجاد طبع ہیں اُن کے اعتبار سے شب برات
کے دنوں میں اس تفسیر کی کچھ قدر ہو جاتی ہو تو خبر نہیں اور یوں تو عام مسلمان اُس کو ہاتھ لگانا بھی
گناہ سمجھتے ہیں۔ یعنی لوگ قرآن کے ٹائیٹل پیج یا جلد کے پشتے پر لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ لکھوا دیا
کرتے ہیں لیکن سید احمد خاں کی تفسیر کی تو نسبت پوچھا جائے تو معدودے چند نیچری مسلمانوں کے سوا
باقی مسلمان تو یہی رائے دیں گے کہ اس پر لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ لکھوانا مناسب ہو اگرچہ
تہذیب الاخلاق اور تفسیر دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں مگر ایک بات تفسیر کے پیرائے میں
کہی جاوے اور وہی بات اسی دجواب مضمون یا آرٹیکل کے طور پر اخبار میں شایع ہو دونوں میں
بڑا فرق پڑ جاتا ہو شَتَّانَ بَیْنَهُمَا غرض تہذیب الاخلاق بمعائبہا عام مسلمانوں میں اتنا مردود
نہیں جیسی سید احمد خانی تفسیر بمحاسنہا۔ علاوہ بریں تفسیر کی اشاعت بھی تو تہذیب الاخلاق کی
اشاعت کو نہیں پاتی۔ ایک وجہ تہذیب الاخلاق کے بند ہونے کی سمجھ میں آتی ہو اور یہ ہی بھی قرین
قیاس سید احمد خاں کو فرصت نہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے ہیں کہ سید احمد خاں نے جو نیچریوں کا
اتنا بڑا کثیر الانفار گروہ کھڑا کیا ہو اُن میں سے کسی میں اتنی لیاقت یا ہمت یا حمیت نہیں کہ تہذیب الاخلاق کے
چلاتے ہیں۔ سید احمد خاں کی نیابت کرتا۔ پس سید احمد خاں کے مشن کو ٹوٹل فیلیور
(ناکامی محض) کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہو جب سر سید کی سرپرستی میں ان لوگوں سے اتنا
کام نہیں ہو سکتا تو اُن کے بعد یہ کون سے قلعے فتح کریں گے۔ پھر صرف تہذیب الاخلاق کے بند
ہونے کا رونا نہیں ہو بڑا رونا اس کا ہو کہ سید احمد خاں اور کارروائیاں بھی اسی طرح کی کرتے
ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ اُن میں وہ اگلا سا جوش نہیں رہا۔ یا بآں شور لا شوری دیا بایں بے نمکی۔

ف۱ اس کو پاک ہی لوگ ہاتھ لگائیں ۱۲ ف۲ اس کو پاک لوگ ہاتھ نہ لگائیں ۱۲

ہر چند مجکو ایک طرح کی ارادت سید احمد خاں کے ساتھ ہی مگر میں اُن کے پہلے طرز کو حال کے
طرز سے رکنسائل (متحد و مطابق) نہیں کرسکتا اور شاید یہ میری سمجھ کا قصور ہو ۵

گرداب وار یار تیرے صدقے جائیے	دریا کا پھیر پائیے تیرا نہ پائیے

غرض سید احمد خاں کی کارروائی میں مجکو بوے مداہنت آتی ہی جس سے میں نے لکچر شروع کیا تھا
اور جس کو میں ان کے مشن کے حق میں سخت مضر سمجھتا ہوں۔ اس کو استمالت اور تالیف قلوب کہنا
بھی غلطی ہی بے شک استمالت اور تالیف قلوب کی سند ہم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
کے افعال میں ملتی ہی لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ[1] مگر وہ پولٹیکل معاملات
میں تھی۔ مولفۃ القلوب کے ساتھ مصالح ملک داری کے لحاظ سے خاص خاص رعایتیں کی جاتی
تھیں تاکہ گروہ مسلمانان ان کی گزند سے محفوظ رہے مثلاً کبھی مال غنیمت سے ان کو زائد از استحقاق
دیا جاتا تھا۔ اور بعض ناعاقبت اندیش مسلمان اُس وقت بھی معترض ہوتے تھے۔ لیکن خدا نے
مسلمانوں کو سمجھا دیا تھا وَاعْلَمُوْا[2] اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ۔
چنانچہ جنگ حنین کے بعد تقسیم غنائم میں ایسا اتفاق پیش آیا اور اس واقعے کے متعلق چند اشعار
مجکو یاد ہیں اشعار

[3]أَتَجْعَلُ نَهْبِي وَنَهْبَ الْعُبَيْدِ	بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْأَقْرَعِ
فَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ	يَفُوقَانِ مِرْدَاسَ فِي مَجْمَعٍ
وَمَا كُنْتُ دُونَ امْرِئٍ مِنْهُمَا	وَمَنْ تَضَعِ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ

یہ اُن وقتوں کے مولفۃ القلوب اسی قسم کے تھے جیسے ہماری سنر میں امیر عبدالرحمن خاں اور
فرانٹیر سٹیٹس (علاقہ جات سرحدی) کے جرگے۔ اس تالیف قلوب کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ

۱؎ تم کو بھلی ہے سیکھنی رسول کی چال ۱۲ ۲؎ جانو اگر رسول ہر بات میں تمہارا کہا مانے تو تم کو مشکل پڑ جائے گی ۱۲ ۳؎ کیا میرا
اور میرے گھوڑے کا حصہ آپ عیینہ اور اقرع کو دیتے ہیں حالاں کہ نہ تو اِن دونوں کے باپ ہمارے باپ سے کسی کام
میں بڑھے ہوئے تھے اور نہ میں اِن میں سے کسی سے ہیٹا ہوں اور جس کو آج آپ ہیٹا کریں گے وہ کبھی سر نہ اٹھا سکے گا ۱۲

پیغمبر صاحب اِن کے ساتھ کسی طرح کی مذہبی رعایت کرتے تھے۔ ایسی رعایت کی جاتی تو وہ داخل
مداہنت ہوتی جس کی سخت ممانعت تھی۔ غرض تالیفِ قلوب تک تو مضایقہ نہیں لیکن یہ پٹیر
دگر بنو کارروائی۔ یہ جبت قہقری جس پر میں معترض ہوں تالیف نہیں ہے۔ بلکہ کھلم کھلی
مداہنت ہے قطع نظر ازیں کہ مداہنت دلیل ضعف ہے۔ درحقیقت میں دشمن کا بغل میں پالنا
اور اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ اور پھر مداہنت سے ہوتا بھی کیا ہے۔ اور ہوتا بھی کیا ہے۔
اگر سید احمد خاں قرآن کا جامہ بھی پہن کر آئیں تو جو بڑے بوڑھے (جو پہلے سے بدگمان ہیں) وہ اُن کو ایک
دامِ فریب سمجھیں گے اور سمجھتے ہیں اور جو نیو کنورٹڈ (معتقدانِ جدید) تھے اُن کے عقائد میں تزلزل آتا
جاتا ہے۔ سوا اس کے ہم کو تو لارڈ مکالے کی وہ ادا پسند ہے کہ جب نیٹیوز (دیسیوں) کو تعلیم دینے کا مسئلہ پیش ہوا
تو اس فیاض دل اور نیک دل نے دو ٹوک بات کہہ دی کہ اگر ان کو مفید تعلیم دینی منظور ہے تو اِن کو انگریزی
پڑھاؤ اور وہ علوم پڑھاؤ جو یورپ میں پڑھائے جاتے ہیں اور اس گاڑی کو میرے حوالے کرو کہ
میں اس کو چلا کر دکھا دوں۔ اور اگر ان کو ایشیائی تعلیم کی بھول بھلیاں میں بھٹکانا ہے تو میرا کانشنس
(ایمان) اس کو جائز نہیں رکھتا میں اس کو چھوؤں گا بھی تو نہیں۔ کانگرس والے نہ مانیں تو اس
ہٹ دھرمی کا علاج نہیں۔ مگر ہم کو تو خوشامد کے طور پر نہیں بلکہ اظہارِ حق کے طور پر مَنْ لَمْ
یَشْکُرِ النَّاسَ فَلَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ (جو شخص انسان کا شکر گزار نہ ہو وہ خدا کا شکر گزار نہ کیا ہوگا) کہنا پڑتا ہے کہ
ہندوستان پر انگریزوں کی کیوں کہوں کہ خوشامد پر محمول ہو۔ انگریزی عملداری کے بے شمار احسان
ہیں۔ ریل اور تار برقی اور ڈاک اور سٹیمر اور سڑکیں اور نہریں اور مدارس اور شفاخانے اور کیا اور کیا
وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (اگر خدا کی نعمتوں کو گنا چاہو تو نہیں گن سکو گے) لیکن سب میں
بڑا احسان وہی تھا جو لارڈ مکالے ہم ہندوستانیوں پر کر گیا۔ وہ ہمارے لئے تمام دنیاوی برکتوں کو
شیور اور سرٹن (یقینی اور متحتم) کر گیا ہے۔ بشرطیکہ ہم آنکھ بند کر کے اُس کی بنائی ہوئی سڑک پر چلے جائیں۔
ہم چلتے ہیں یا یوں کہو کہ گورنمنٹ ہم کو اُسی رستے ہانکتی ہے۔ لیکن ایشیاٹک تعلیم کی لٹک ہمارے
سروں سے نہیں گئی ہم کبھی اس کو مذہبی حیلے۔ اور کبھی نیشنیلٹی کی یادگار کے بہانے سے تازہ کرتے

رہتے ہیں اور ان دونوں تعلیموں میں رقابت کا سا تیر رہی ہے۔

ہم اور رقیب ہرگز یک جا بہم نہ ہوں گے	ہم ہوا گے وہ نہ ہوں گے وہ ہوں گے ہم نہ ہوں گے

میں مسلمانوں کو گنگا جمنی ادھا تیتر آدھا بٹیر تعلیم کی طرف بہت راغب دیکھتا ہوں۔ اور یہ آثار
کچھ اچھے نہیں۔ اور افسوس یہ ہے کہ اگر میری رائے غلطی نہیں کرتی تو یہ کانفرنس مسلمانوں کی ہاں
میں ہاں ملاتا رہتا ہے یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کو نئے طور کی تعلیم سے اگلی سی نفرت نہیں لیکن نفرت نہیں تو
شوق و رغبت بھی نہیں۔ اور تعلیم کا جو رنگ اس وقت ہے اُس کے اعتبار سے میں کہہ سکتا ہوں کہ
ہونا چاہیے بھی نہیں۔ کیوں کہ شوق و رغبت متفرع ہے انڈیوسمنٹ (ترغیب) پر ہمارے ان بیچارے
طالب العلموں کو لے دے کر ایک انڈیوسمنٹ نوکری کا اور اس کا ناکافی ہونا اظہر من الشمس باوجودیکہ
بچے بچے کو یہ بات معلوم ہے مگر تنگی معاش لوگوں کو مجبور کرتی ہے کہ امید موہوم پر اپنے جگر گوشوں سے
تعلیم کی مصیبتیں اٹھواتے ہیں پیشین گوئی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی کہ تعلیم کے متعلق یعنی انگلش
ڈنکس یعنے عود مرض اگر شروع نہیں ہوا تو انگریزی بیسویں صدی کے غالباً پہلے ہی ربع میں ضرور
شروع ہو جائے گا۔ کیا مشکل کی بات ہے کہ ایک طرف تو ترغیب سے تحریص سے تطمیع سے افہام و
تفہیم سے تعبیر و تحمیق سے لوگوں کو تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے اور دوسری طرف کیا حکام کیا ریفارمر کیا
واعظ کیا ناصح سب کے سب طالب العلموں کو الزام دیتے ہیں کہ یہ احمق صرف نوکری کی امید سے
پڑھتے ہیں۔ تعلیم جو دی جاتی ہے نوکری کے سوائے اور کسی مصرف کی ہے بھی؟ اگر یہ تعلیم اور کسی
مصرف کی ہوتی تو کسی ایک تعلیم یافتہ نے کچھ کر کے دکھایا ہوتا۔ اور جب کسی نے کچھ کر کے نہیں
دکھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تعلیم نوکری کے سوائے کچھ اور کرنے کے لیے طالب العلموں کو طیار نہیں کرتی
پس ایسی صورتوں میں اگر صرف نوکری طالب العلموں کا نصب العین و مقصد ہو تو الزام کی کیا بات ہے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ	باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

میں گورنمنٹ کے کسی انتظام کو اتنا ناقص و قابل اعتراض نہیں پاتا۔ جتنا انتظام تعلیم کو۔ تمام تعلیم کو
گورنمنٹ نے اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔ اور جب رعایا کو آپ اپنی تعلیم کے سنبھالنے کا سلیقہ نہ ہو تو

بلاشبہ گورمنٹ کا فرض ہی کہ وہ تعلیم کا انتظام کرے۔ لیکن گورمنٹ نے جو کچھ اب تک کیا ہی اُس کا نتیجہ تو یہ ہی کہ کچھ لوگ نوکریاں پاگئے ہیں اور وہ اپنی جگہ خوش بھی ہیں اور اکثر بے معاش پڑے پھرتے ہیں۔ نوکری ملتی نہیں اور سوائے نوکری کے نہ اُن سے کوئی کام ہو سکتا اور نہ اُن کو کوئی کام آتا ہی۔ یہ لوگ تعلیم کے بڑے خطرناک نتیجے ہیں۔ وہ اپنی ذاتی ناکامیابیوں کو گورمنٹ کا ظلم قرار دے کر ملک میں عام نارضامندی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں جس کو تمہید بغاوت کہا جا سکتا ہی۔ اشاعتِ تعلیم کے لئے جتنی کوششیں کی جاتی ہیں سب ایک طرف اور اِن لوگوں کا نمونۂ عبرت ایک طرف۔ فارسی خواں ناکاموں کے لئے ایک ہندی دوہا مشہور تھا ؎

پڑھیں فارسی بیچیں تیل	یہ دیکھو قدرت کے کھیل

اب انگریزی خواں ناکاموں کے لئے ایسا ہی کوئی دوہا بن گیا ہوگا۔ یا نہیں بنا تو اب بن جائیگا۔ مگر ابھی تک تو سننے میں نہیں آیا۔ جب تعلیم کی یہ حالت ہی تو میں نہیں سمجھتا کہ کانفرنس کس مرض کی دوا ہی۔ تعلیم تو ٹھیری گورمنٹ کے قبضہ قدرت میں کہ جو سٹینڈرڈ (معیار) وہ قرار دے وہی سٹینڈرڈ اور جو کورس (نصاب تعلیم) وہ تجویز کرے وہی کورس۔ کانفرنس بہت کرے تو مسلمانوں کو گھیر گھار کر اس تعلیم کی طرف لاسکے تو پھر وہی دو منطقی لازم آیا۔ کانفرنس اگر تعلیم مروجہ کے نقصانوں کو دور نہ کر سکے تو وہ ایک باڈی (جماعت) ہی بے کار محض۔ اس احاطے میں مسلمانوں کے شوق و رغبت کا اندازہ طالب العلموں کے شمار اور اُن کے نتیجۂ امتحان اور بورڈنگ ہوسوں کے خالی بھرے ہونے سے کیا جاتا ہوگا اور میں مسلمانوں کے شوق و رغبت کا اندازہ اسی کانفرنس سے کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ پانی کے بتاسے کی طرح بیٹھا بیٹھا جا رہا ہی جس طرح علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گرتے گرتے کالج کا سب سروینٹ آرگن (آلۂ مطیع) ہو کر رہ گیا ہی مجھے وہ دن دکھائی دے رہا ہی کہ یہ کانفرنس بھی سمٹتے سمٹتے گھٹتے گھٹتے آخر کار کالج کے ٹرسٹیوں میں مدغم ہو جائے گا مجھکو حقیقت میں تعلیم کی نسبت اپنے خیالات کا ظاہر کرنا مقصود تھا۔ اور میں نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ یہ وہی باتیں ہیں جو بار بار کہی جا چکی ہیں۔ مگر ہاں سید احمد خاں کے حالات سے میں نے اس مرتبہ زیادہ تعرض کیا ہی۔ اس واسطے کہ

سید احمد خاں کے حالات اور تعلیم۔ اور کانفرنس اور مسلمانوں کی رفارم (اصلاح حال) یہ کل مدّے
ایسے ایک دوسرے میں مشتبک اور گڈ مڈ ہیں کہ کوئی اور شخص ان مضامین کو ایک دوسرے سے
جدا کر کے بیان کرنے پر قادر ہو تو ہو۔ میں تو نہیں ہوں بے شک میں نے سید احمد خاں کی مخالفت
کی ہے اور مخالفت بھی کی ہے تو شاید بڑی طرح تو کیا مجکو اس مخالفت کے لیے معذرت کرنی چاہیئے اگر میں سمجھوں
کہ سید احمد خاں مجھ سے معذرت کے متوقع ہوں گے تو پہلا آدمی جو منصب ریفارمری سے ان کے
معزول کیئے جانے کی راے دے رہا ہوں۔ کیا ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو آزادی رائے سکھائیں اور جب
وہ آزادی ان کے مقابلے عمل میں لائی جائے تو برا مانیں۔ ہائے ہائے یہی تو وہ صفت تھی جو ہم میں سے
نکل گئی ہے۔ اور اسی کے نکل جانے کی وجہ سے ہم مسلمان اس روزِ بد کو پہنچے ہیں۔ معاویہؓ کی نسبت
کسی کتاب میں نظر پڑا ہے۔ كَانَ رَجُلٌ يَقُوْلُ لِمُعَاوِيَةَ وَاللّٰهِ لَتَسْتَقِيْمَنَّ بِنَا يَا مُعَاوِيَةُ اَوْ
لَنُقَوِّمَنَّكَ فَكَانَ يَقُوْلُ بِمَ فَيَقُوْلُ الْقَائِلُ بِالْخَشَبِ فَيَقُوْلُ مُعَاوِيَةُ اِذًا اَسْتَقِيْمُ
سو میں نے بھی سید احمد خاں کے مقابلے میں ان شروع کے مسلمانوں کی نقل سی کی ہے ۵

دل میں ہمارے بات کا آنا ہی شرط تھا	سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

میں نے اب تک تعلیم کی کلچر کا ڈارک سائیڈ (رخ تیرہ گوں) دکھایا ہے لیکن ع

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

اس کا ایک برائیٹ سائیڈ (رخ روشن) بھی ہے۔ اور اگر اس کو نہ دکھاؤں تو تعلیم کا بڑا بھاری حق میری
گردن پر رہ جائے گا۔ اور بجائے دال علی الخیر ہونے کے میں اپنے تئیں مناع للخیر سمجھوں گا۔ بے شک
تعلیم کی حالت بہت ہی ہوپ لس (ناامیدی) مگر وہ اسی سبب سے ہوپ لس معلوم ہوتی ہے کہ
پرفکشن (تکمیل) کو سٹینڈرڈ قرار دیں اور جو کام جنریشنز (نسلوں) میں ہونے کے ہیں۔ اُن کو ایک دن
بلکہ ایک گھنٹے میں پورا کرنا چاہیں ہم اپنی حالت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اہلِ یوروپ کے ساتھ یعنی ایک

۵ ایک شخص معاویہؓ سے کہا کرتا تھا قسم خدا کی یا تو تم خود سیدھے ہو جاؤ یا تم کو ہم آپ سیدھا کر لیں گے معاویہ نے کہا کاہے
سے وہ بولا لکڑی سے معاویہ بولے خیر بھئی تو ہم سیدھے ہو جائیں گے ۱۲

ہندی نوجوان کا ایک منتہی فارغ التحصیل کے ساتھ یا ایک پیادہ پا کا اکسپرس (نہایت تیز رفتار ریل) کے سوار کے ساتھ۔ اگر اہل یوروپ کے مقابلے میں پیچھے ہونے کی وجہ سے ہم تعلیم سے بے دل ہوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم تجارت۔ حرفت۔ صنعت فلاحت وغیرہ وغیرہ۔ غرض دنیا کے سب کاموں کو چھوڑ بیٹھیں۔ ابھی حال میں میں نے کسی اخبار میں پڑھا کہ ولایت کے اخبار ٹائمز نے جو اپنے خاص خاص کارسپانڈنٹوں کی اُجرت مقرر کر رکھی ہے۔ اس کا سالانہ بجٹ کچھ اوپر ساڑھے چار لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے اور یوروپ میں ایسے کئی اخبار ہیں جو آمدنی میں ٹائمز کے ہم پلہ ہیں۔ یہاں سارے ہندوستان کے اخباروں کو اب سے سیکڑوں برس تک بھی یہ بات نصیب ہونے والی نہیں۔ یہ اخبار کا تذکرہ میں نے اتفاقیہ طور پر کر دیا کہ فی الوقت ایک بات یاد آگئی۔ ورنہ دولت اور ایجاد اور ہنرمندی کے متعلق یوروپ کی ایسی بے شمار باتیں ہیں کہ ان میں سے ایک چھوٹی سی بات بھی بیان کی جائے تو یہاں کے لوگوں کو الف لیلہ کی حکایت معلوم ہو کہ قصہ دل سے بنائی ہوئی۔ ہم تو ایسے گئے گزرے ہیں کہ یوروپ کے مقابلے میں ہماری کچھ ہستی ہی نہیں یہ انسان کی ایک نیچرل بات ہے کہ جب وہ اپنے ابنائے جنس میں کسی کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھتا ہے تو اسکو اپنی حالت سے ایک طرح کی بے دلی پیدا ہوتی ہے اور بے دلی کے دو نتیجے ہوتے ہیں یا تو وہ اپنی حالت کے بہتر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسے لوگ کم ہیں۔ اور یا وہ ہمت ہار کر کاہل و بیکار ہو جاتا ہے اور ایسے بہت ہیں۔ اور اسی مصلحت سے شارع تعلیم یہ ہے کہ اگر تم شکر گزار بندے بننا چاہتے ہو تو ہمیشہ اپنے سے فروتر حالت پر نظر رکھو۔ لیکن میں تعلیم کے متعلق سٹوڈنٹس (طلبہ) کو جو آڈینس (حاضرین) میں مجکو الگ پہچان پڑتے ہیں یہی نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے سے بہتر حالت کے لوگوں کو دیکھو یعنی اہل یوروپ کو اور اپنی حالت کے بہتر کرنے کی کوشش کرو۔ یوروپ بھی دو چار دس بیس برس میں یوروپ نہیں ہو گیا۔ روم واز نوٹ بلٹ اِن اے ڈے (شہر روم ایک دن میں تو نہیں بن گیا تھا) بلکہ یہ اس کی صدیوں کی نہیں تو ڈیڑھ سو نے دو صدی کی کوششوں کے نتیجے ہوتے ہیں شک بھی نہیں۔ پس ہم کو بقول شخصے کہ آدمی کی پیرشدی ”بڑبڑانے اور بے دل ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس مضمون کو

حکیم سنائی نے کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں ادا کیا ہی اس واسطے میں وہ نفیس قطعہ آپ صاحبوں کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ قطعہ

قرن ہا باید کہ تا یک کودکے از لطفِ طبع ۔۔۔ عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن
سال ہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب ۔۔۔ لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ماہ ہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشتِ میش ۔۔۔ صوفیئے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبۂ از آب و گل ۔۔۔ شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
روز ہا باید کشیدن انتظارے بے شمار ۔۔۔ تا کہ در جوفِ صدف باراں شود دُرِّ عدن

یوروپ کی ہم سری کا خیال تو بیہودہ سری ہی کیوں کہ یوروپ ہمارے حسابوں منزلِ مقصود تک پہنچ گیا ہی اور ہم کو سینکڑوں برس کی مسافت طے کرنی ہی۔ مگر یوں ہم اپنی ابتدائی حالت کے لحاظ سے تعلیم میں بھی ایسے بُرے نہیں ہیں کہ ماسٹر پِک ہم کو لو آیڈل لوا سے (تم سست لڑکو) کہہ کر خطاب کریں۔ چاہے پلاسی کی لڑائی سمجھو یا اس سے بھی پہلے کی کوئی تاریخ ٹھیرالو۔ مگر ہم تو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے انگریزی عملداری کا آغاز شمار کرتے ہیں۔ اور واقع میں جس کو انگریزی عملداری کہنا چاہیے اُس کا آغاز غدر کے بعد سے ہی ہوا ہی ورنہ غدر سے پہلے تو ایک جماعت تاجران کی عملداری تھی۔ غرض اس پینتیس برس کے عرصہ میں ہم نے یہ کچھ کر لیا تو ہم کو شاباش ملنی چاہیے۔ تعلیم کی اُفتاد اگر بہت اچھی نہیں تو بہت بُری بھی نہیں۔ بُری تو ہوتی اور بہت بُری ہوتی اگر علی گڈھ کالج نہ ہوتا یعنی خدا نخواستہ سید احمد خاں نہ ہوتے پڑھائی تو جیسی اور کالجوں کی ویسی علی گڈھ کالج کی اور جب گورمنٹ اور مذہب دو ورسٹر کشنز (مانع و مزاحم) ہمارا گلا گھونٹتے رہتے ہیں تو ہم سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔۔۔ آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم

مگر پھر بھی سر سید احمد خاں کا انفلوئنس (اثر و اقتدار) ان ڈائرکٹلی (بالواسطہ) اپنا کام کر رہا ہی ان ڈائرکٹلی میں نے اس واسطے کہا کہ یوں دیکھیے تو کالج کے متعلق کوئی انتظام اِکسکلوسولی (بلا شرکتِ غیرے) سید احمد خاں کے اختیار میں نہیں۔ ہر کام کی جدا جدا کمیٹیاں ہیں اور کمیٹیوں کے ضوابط

مقرر ہیں۔ اُن کے مطابق ممبران کمیٹی کارروائی کرتے ہیں مگر ہم تو سید احمد خاں ہی کو کالج کا الفا
اور اومیگا یعنی ابتدا و انتہا یا ہمہ اوست سمجھتے ہیں اور ہے بھی یوں ہی ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

لیکن کیا سید احمد خاں دوسروں کو دخل دینے میں مضایقہ کرتے ہیں۔ حاشا و کلا۔ بلکہ وہ دیکھتے
ہیں کہ جو لوگ اِن کے اعوان و انصار ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ اُن میں بھی معدودے چند ہیں جن کو سچے دل
سے اس دردسر کے اپنے ذمے لینے کا شوق ہو اور شوق کے ساتھ اہلیت اور صلاحیت بھی ہو۔ یہی اصلی
جڑ اس ناشدنی پھوٹ کی ہے جو آب سے چند برس پہلے سید احمد خاں کے کیمپ میں ظاہر ہوئی تھی۔
سید احمد خاں سے بڑھ کر اَور کس کو اس کی تمنا ہو سکتی ہے کہ یہ گھروندا اور اُس غایت پر نظر کرتے جو
سید احمد خاں کو مدِنظر ہے یہ گھروندا نہیں تو کیا ہے۔ غرض سید احمد خاں سے بڑھ کر اور کس کو اس کی تمنا
ہو سکتی ہے کہ یہ گھروندا اُن کے ساتھ مٹی میں مل نہ جائے۔ مگر جب کوئی سہارا لگانے کی ہامی نہیں بھرتا تو
بے چارہ بوڑھا اکیلا اس عمر میں اپنی ہڈیاں پیل رہا ہے۔

اب میں ایسی چند باتیں بیان کروں گا۔ جن کی وجہ سے میں علی گڈھ کالج کو عزیز رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں
کہ اور لوگ بھی خصوصاً مسلمان اس کی قدر و وقعت کریں۔ کیوں کہ اس وقت قومی خیرخواہی اسی پر منحصر
ہے کہ مسلمان تعلیم پائیں اور تعلیم بھی پائیں تو اسی علی گڈھ کالج میں۔ پہلا سبق جو مسلمانوں کو اس کالج سے سیکھنا
چاہیئے وہ سلف ہلپ (اپنی مدد آپ کرو) کا سبق ہے یہ سبق ترقی کا پہلا سٹپ (قدم) ہے میں اس
کالج کو اس شیخی کے نظر سے نہیں دیکھتا کہ یہ ہم مسلمانوں کا کیا ہوا کام ہے۔ مگر ہاں کالج کو دیکھ کر اس وجہ
سے خوش ہوتا ہوں کہ مسلمانوں نے سلف ہلپ کے رستے میں پہلا قدم رکھا ہے۔ اس سے دو مطلب
نکلتے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں نے اپنے تئیں محتاج مدد سمجھا اور دوسرے یہ کہ اپنی مدد آپ کی۔ یہی
دو خیال اگر خدا مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کر دے تو دنیا میں وہ کون سا کام ہے جو مسلمان
نہیں کر سکتے۔ پھر نظرِ ظاہر میں یہ کالج بھی ایک ایجوکیشنل انسٹیٹیوشن ہے اور ایسے کتنے انسٹیٹیوشن برٹش
انڈیا میں بکھرے پڑے ہیں اور اب تو یہ لٹکا سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ انگریزوں کو دام میں لانے کا یہ سبب

آسان بیٹ (دانہ دام) ہو کہ چار لونڈے گھیر کر ایک سکول جاری کردیا کلکٹر ڈپٹی کمشنر کو بلالیا تو یہ بات نہیں ممکن ہو کہ ان سے کوئی بڑی مچھلی آپھنسے۔ بے شک پڑھائی کے اعتبار سے تو یہی حال ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم کوئی اور سٹینڈرڈ نہیں ٹھہرا سکتے۔ کوئی دوسرا کورس نہیں تجویز کرسکتے لیکن کورس کے علاوہ ایک اشراقی طور کی تعلیم خاص کر اس کالج میں اور صرف اسی کالج میں دی جاتی ہے جس کے ذریعے سے سید احمد خاں طالب العلموں کو اپنے طور کا بناتے ہیں۔ مذہبی عقائد میں نہیں۔ بلکہ اُن صفتوں میں جن کے بدون اس زمانہ میں کوئی آدمی جنٹلمین ہو نہیں سکتا۔ قسم کھانے کی بات ہے کہ سید احمد خاں نہ اپنے عقائد کو کسی پر فورس (جبر) کرتے اور نہ فورس کرسکتے۔ مگر نفس انگریزی بے شائبہ تعلیم مذہبی طبیعتوں میں مذہب کی طرف سے شکوک پیدا کرے تو اس میں سید احمد خاں کا کیا دوش ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ پادری اور پادریوں کی مذہبی تعلیم اور اُن کا پریچنگ (وعظ) یہ چیزیں طلبہ کو عقائد سے متزلزل کرتی ہیں میں کہتا ہوں۔ انگریزی نقوش چاہے ان میں حساب اور جغرافیہ اور تاریخ ہی کیوں نہ ہو مذہب سے متزلزل کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر سید احمد خاں طلبہ کو نیچری بنانے کی کوشش کریں تو ہم مسلمانوں کو ان کا شکر گزار ہونا چاہئے کیونکہ لڑکے اگر نیچری مسلمان نہ ہوں گے تو وہ لامذہب ہوں گے یا کرسٹان گو کسی مشن سکول میں جائیں گو کوئی مذہبی کتاب نہ دیکھنے پائیں۔

لفظ جنٹلمین کی پورٹی فیٹیشن (تعریف) بیان کرنے کو تو بڑا وقت درکار ہے اور میں اپنے میں اتنی قابلیت بھی نہیں دیکھتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مستجمع ذات کمالیہ انسانی میں جنٹلمین کا سنس آجاتا ہے۔ گلیم خویش بروں می برد ز موج کی قسم کے لوگوں سے ہماری کاربرآری نہیں ہوسکتی اگرچہ ہم مسلمانوں میں ایسے بھی کم ہیں ہمہ کو درکار ہیں دین سعی می کند کہ بگیرد غریق را کے ٹائپ کے آدمی اور ایسے لوگ طیار ہوں گے تو اسی کالج سے طیار ہوں گے کیونکہ یہاں اور صرف یہیں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے جب کہ دوسرے انسٹیٹیوشنوں میں اس کی ضرورت ہی تسلیم نہیں کی گئی اس واسطے کہ کورس سے خارج ہے۔ یہ بات کہ علی گڑھ کالج طالب العلموں کو بی اے۔ ایم اے کے علاوہ جنٹلمین بھی بناتا ہے

اس کے متعدد شواہد موجود ہیں امتحان میں انٹرنس سے اور عمر میں ٹینیز[1] سے متجاوز نہیں ہوئے
اور یہاں کے طالب العلم ان فکروں میں لگے ہیں کہ ننھے ننھے ہاتھوں سے چھوٹی چھوٹی چندوں
کی تھوڑی تھوڑی رقمیں جمع کر کے ایک فنڈ بناویں جو بے مقدور لڑکوں کو سپورٹ (تکفل) کرے
یہ وہ لیاقت ہے کہ آکسفورڈ اور ڈنبرا کی یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کو سے گران پر سے قربان کر کے پھینک
دیا جائے۔ اگر گورمنٹ ان باتوں پر نظر نہیں کرتی تو کچھ پروا نہیں افسوس یہ ہے کہ پبلک کی آنکھوں پر بھی
خدا نے پردہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ پڑھنے والے لڑکے اور علی گڈھ کالج میں نہ ہوں اس کے معنی کیا یہ تو
میں نے مثال کے طور پر ایک بات بیان کی مشتے نمونہ از خروارے ورنہ کوئی آدمی کالج میں آ کر بورڈروں
کے ضبط اوقات کو محتسبانہ دیکھے تو جانے کہ کیوں کر یہ لڑکے خوش دلی اور چاؤ کے ساتھ پڑھنے لکھنے
میں مشغول رہتے ہیں ہم نیٹوز میں غلط فہمی یہ واقع ہے کہ دن بھر کتاب کے رٹتے رہنے کو شرط طالب العلمی
قرار دے رکھا ہے اس طرح کی طالب العلمی کرنے والوں میں ایک میں بھی ہوں۔ دن کا تو کیا حساب ہے ل
مجھے یاد نہیں کہ زمان طالب العلمی میں میں کسی ایک رات نیند بھر کر سویا ہوں میں سکالرشپ ہونے پیچھے
ایک چوکیدار کو چند پیسے مہینا دیا کرتا تھا کہ وہ مجھ کو رات کے دو بجے کتاب بینی کے لیے جگا دے۔ میں
گرمیوں میں مکان کے اندر گھٹ اور جاڑوں میں باہر صحن میں بیٹھ کر کتاب دیکھتا تھا تا کہ سو نہ جاؤں
مجھ کو کئی قسم کے عطسہ[2] آور ٹٹکے معلوم تھے اور اگر میں سمجھتا کہ اس طرح کی طالب العلمی علی گڈھ کے طالب العلموں
کے حق میں مفید ہو گی تو یقین جانو میں ان ٹٹکوں کے بتا دینے میں دریغ نہ کرتا غرض مجھ کو کئی قسم کے عطسہ
آور ٹٹکے معلوم تھے اور اب میں خیال کرتا ہوں کہ غالباً اسی آل ورک اینڈ نو پلے (کام ہی کام اور کھیل
نہیں) کا نتیجہ ہوا ہو تو عجب نہیں کہ ساری عمر مجھے ریاضی نہ آئی ایک زمانے میں شطرنج کھیلا کرتا تھا تو ہمیشہ
ماتیں کھاتا۔ بُرد لینے کو بڑی جیت سمجھتا ہندوستانیوں کے ذہنوں میں یہ غلط خیال ایسا جما ہوا ہے کہ اگر
کھیل کو کمپلسری (جبری) نہ کیا جائے تو یہ خالی بیٹھے رہیں اور دوڑ دھوپ کے نام گھر سے باہر پاؤں
نہ نکالیں ایسے قدرناشناسوں سے توقع رکھنی فضول ہے کہ یہ علی گڈھ کالج کے ٹیم (کھیلنے والوں کی

[1] نوجوانی۔ کم عمری ۱۲ [2] چھینک لانے والی ۱۲

جماعت) کی داد دیں گے۔ مگر ایک وقت آنے والا ہے اور اُس کو دور نہ سمجھو کہ آج جن پر لعنت کی جاتی
ہے اُن کے عرس ہوا کریں گے۔ اور پھر ایک بات جس پر اعتراض کیا جاتا ہے دستور العمل ٹھیرائی
جائے گی۔ ای کاش میں اُس وقت کے دیکھنے کے لئے زندہ رہوں۔ اور تم سب بھی۔ خیر تو علی گڑھ کالج
کی پکیولیئر ٹیز (خصائص) ہیں ایک پکیولیئرٹی یہ بھی ہے کہ ایسے کھیل جن سے قوائے دماغی شگفتہ
اور جسم چست و چالاک اور تندرستی نشوونما (متیقن) اور سیکیور (محفوظ) ہو یہاں کے روٹین (سلسلۂ
درس) میں داخل ہیں۔ اور اُن پر ویسی ہی توجہ کی جاتی ہے جیسی تعلیم کتابی پر علی گڑھ کالج کے خصائص
میں سے ایک بڑا مفید اور بڑا بکار آمد یہاں کے طلبہ کا ڈبیٹنگ (بحث مباحث) کلب ہے۔ جہاں یہ
لوگ جمع ہو کر گویائی کی مشق بہم پہنچاتے۔ استدلال رد و قدح حاضر جوابی یعنی داب مناظرہ سیکھتے اور اہم
معاملات میں رائے زنی کرنے کی عادت کرتے ہیں۔ یہ ہے ما حصل تمام تعلیم کا تعلیم جمہوری منصوبہ ہے
اور یہ ہے اس کا پریکٹس (عمل) اور جب میں ایسی باتوں پر نظر کرتا ہوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ علی گڑھ
کالج کے ہوتے لوگ اپنے بچوں کو دوسری جگہ کیوں پڑھواتے اور کیوں پڑھنے والے دوسری جگہ
پڑھتے ہیں۔ پڑھواتے ہو اور پڑھتے ہو تو یہاں پڑھواؤ اور یہاں پڑھو۔ ورنہ امتحان بھی پاس کر لوگے
ڈگری بھی مل جائے گی اور شاید کوئی معقول نوکری بھی۔ غرض اشرفی ہو جاؤ گے۔ مگر ٹکسالی
نہیں۔ وثیقہ کہلاؤ گے۔ مگر رجسٹرڈ نہیں ؎

اگرچہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی	مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ تعلیم تو اور جگہ بھی ہوتی ہے مگر تربیت جو نتیجہ اور ما حصل تعلیم ہے وہ یہیں ہوتی ہے اور
بس ابھی حال میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر صاحب نے طالب العلموں کو بڑی عمدہ نصیحت کی ہے کہ نیشنل کانگرس
کی شرکت سے محترز رہیں اور واقع میں نیشنل کانگرس کا انعقاد خود غرضی اور فساد نیت پر مبنی ہو یا نہ ہو اور اُس کا نتیجہ
درست ہو یا نہ ہو اور اُس کی غرض و غایت ممکن الحصول ہو یا نہ ہو لیکن اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ نیشنل
کانگرس میں نظم و نسق ملک کے متعلق ایسے پیچیدہ اور اہم مطالب پیش ہوتے ہیں کہ ان میں رائے زنی
کرنے کو بڑی عقل بڑی معلومات اور بڑی لیاقت درکار ہے اور طالب العلم اپنی جگہ کتنے ہی لایق ہوں۔

کہہ چکے ہیں۔ اور ہم اس رائے سے ایک انچ کی قدر بھی تو ہٹنے والے نہیں ۱؎ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ
کیا پنجاب کے لاٹ صاحب ہمارے کالج کے ساتھ ساتھ یہ خاص رعایت کرتے ہیں گورمنٹ ہمارے
ساتھ اور بہت رعایتیں کرتی ہی اس لیئے کہ ہم نے اپنے تئیں اُن کا مستحق ثابت کیا ہی۔ گورمنٹ کو
ہم پر پورا پورا اعتبار ہی۔ اور ہم سچے دل سے پورے پورے اس کے خیر خواہ ہیں اور یہ ہمارے
کالج کا بڑا اہم (مقصود) ہی میں نے اس بات کو سٹرکچر (طنز و اعتراض) کے طور پر بیان کیا تھا کہ مروجہ
تعلیم کلرکل تعلیم ہی یعنی لوگ نوکری کے لیئے طیار کیے جاتے ہیں اور بس بے شک دوسرے خیال سے
تو تعلیم پر یہ اعتراض ضرور وارد ہوتا ہی اور جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے گا اس تعلیم کا ناقص اور غیر
مفید ہونا ثابت ہو اور ہو مگر ہم مسلمانوں کی حالت موجودہ کے لیئے کافی اور مفید دونوں ہی ہم لوگ
نوکری ہی کو معاش پیدا کرنے کا معزز ذریعہ سمجھتے ہیں اور ہمارے اس خیال کے بدلنے کو مدتیں
چاہییں۔ اب یہ ہمارا کام ہی کہ نوکری کو جس کے لیئے ہم بنائے گئے ہیں اپنے لیئے مونوپولائز (محفوظ)
کرلیں اور اُن لوگوں کو جن کا یہ کام نہیں۔ اور دوسرے پیشے اختیار کرنے میں ان کی طبیعتیں مضایقہ
نہیں کرتیں اور نہ اُن کو مضایقہ کرنا چاہیئے نوکری میں نہ گھسنے دیں۔ یہ تعلیم کیسی ہی ناقص و ناتمام ہی
اس میں اتنی خوبی تو ضرور ہی کہ آدمی کو ہر کارہ بنا دیتی ہی یہی پاپڑ ہم نے بھی بیلے ہیں اور قریب قریب
اسی طرز پر تعلیم پائی ہی۔ فرق اگر تھا تو یہ کہ یہی علوم ہم کو ورنیکیولر (زبان ملکی) میں پڑھائے گئے۔ اور
جب تک جئیں گے اس ورنیکیولر کا افسوس کریں گے تو میں نے اپنے ساتھ کے طالب العلموں کو دیکھا کہ
مختلف کاموں میں مشغول ہوئے۔ مگر خدا کے فضل سے جو جس شان میں تھا یا اب ہی اپنے
اقران میں مشارٌالیہ اور امثال میں ممتاز۔ رہا یہ کانفرنس اس وقت تو علی گڈھ کالج کی ہاں میں
ملانے والا ہی۔ مگر یہ ایک تخم (بیج) ہی اگر جم گیا تو آگے چل کر اس کا مزہ آئے گا۔ جب ملک تعلیم کی
پوری پوری قدر کرنے لگے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ زمانہ کس طرح کی تعلیم کا مستقاضی ہی۔ گورمنٹ تعلیم
سے دست بردار ہو بیٹھے گی اور لوگ تعلیم اولاد کو ان کی پرورش کا جزو لاینفک سمجھیں گے اور اس کا انتظام

۱؎ ہماری بات بدلتی نہیں ۱۲۔

تمام وکمال اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ اُس وقت اور صرف اُسی وقت لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہمارے
بڑے ریفارمر سید احمد خاں کو بھی کتنی دور کی سوجھی تھی سید احمد خاں اور ان کے کابینیٹ
سٹاف کے ہوتے ہر ایک کا کام نہیں کہ یہاں کے طالب العلموں کو نصیحت کرتے یا کسی بات کی
صلاح دینے کی جرأت کرے کیوں کہ کسی نے سوچ کر کوئی بات نکالی بھی تو وہ دیکھ لے گا کہ اُس کے
ذہن میں ہی اور یہاں عمل درآمد میں مگر مجھکو تو جو کچھ کہنا ہی اپنی طرف سے کہہ ہی گزروں گا یہی نہ
کہ بات مکرر ہوگی اچھا اگر مکرر ہوگی بھی تو قند مکرر۔ ایک اعتراض تو عموماً انگریزی خواں طالب العلموں
کی طرز تعلیم میں ہی طالب العلمی میں نے بھی کی ہی اور ہزاروں نہیں تو سینکڑوں کو طالب العلمی کرتے
دیکھا ہی مگر وہی پرانی ایشیائی تعلیم۔ یہ بات دوسری ہی کہ جو علوم ہم لوگ پڑھتے تھے وہ بے کار
تھے یا بکار آمد مفید تھے یا نامفید۔ مگر وہ ایک طرح کی طالب العلمی تو تھی ہی۔ میں علم کا علم سے مقابلہ نہیں
کرتا۔ بلکہ طرز تعلیم پر کچھ ریمارک کرنے چاہتا ہوں۔ ہم لوگوں میں مطالعہ بڑی ضروری چیز سمجھا جاتا تھا۔
یعنے اگلے سبق کو زور طبیعت سے آپ نکالنا۔ اس میں ایسی زحمت ہوتی تھی کہ جس نے مطالعہ کیئے
ہیں بس اُسی کا دل جانتا ہی گھنٹوں کتاب پر سر جھکائے جھکائے گردن شل ہو ہو جاتی تھی۔ اور دماغ پر
جو فشار پڑتا تھا بس اُس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہی کہ دو گھنٹے کے اچھے زبردست مطالعے کے
بعد طبیعت اس قدر خستہ ہو جاتی تھی کہ گویا بڑی بھاری منزل طی کر کے آئے ہیں۔ زحمت تو بڑی سخت
تھی مگر ویسے ہی اس کے فائدے بھی تھے کسی فن کی ایک کتاب بھی اس طرح پر تفرسے گزر گئی تو بس
جانو کہ اُس فن میں اچھا خاصا عبور ہو گیا۔ استعداد جلد جلد بڑھتی تھی۔ مطالعہ کا پڑھا ہوا اس طرح ذہن
نشین ہوتا تھا جیسے نقش فی الحجر کہ برسوں کے بعد خیال کرو اور تازہ۔ میں دیکھتا ہوں تو انگریزی خوانوں
میں مطالعہ کا دستور بالکل نہیں اور شاید اوور ورکنگ (کثرت اسباق) کی وجہ سے اُن کو مطالع کی
فرصت نہیں ملتی۔ مگر کچھ ہی سبب ہو نتیجہ یہ ہی کہ ان کی استعداد ڈیپ اور سونڈ (غائر و عمیق) ہونے
کے عوض شیلو اور سوپرفیشل (سطحی و قشری) ہوتی ہی نظر مطلب کے اطراف و جوانب اور پروزائیڈ کو
نظر یعنی مالہ اور ماعلیہ پر احاطہ نہیں کرتی۔ اور خود مجھکو بار بار اس کا تجربہ ہوا ہی۔ بے شک اس آئین سیل

اکسپشنز (مستثنیات لایق اعزاز) بھی ہوں گے۔ اور ضرور ہونگے مگر لِلاکثرِ حکمُ الکلِ چونکہ
بچوں کو انگلی پکڑ پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں۔ اور اس سے بہت بہتر وہ طریقہ ہو کہ لکڑی کے ایک چوکھٹے میں
جس کو عرفِ عام میں گھڑولنا کہتے ہیں پہیے لگا کر اُسکے سہارے سے بچے کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ چوکھٹا آگے
کو لڑھکتا ہو اور بچے کو خود بخود پاؤں اُٹھانے پڑتے ہیں۔ غرض یہ ہوتی ہو کہ بچہ پاؤں پر زور دینے کی
عادت کرے چنانچہ اس تدبیر سے بچے گر پڑ کر چلنا سیکھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم بچوں کو کندھے پر چڑھائے
چڑھائے یا گود میں لادے لادے پھریں اور خود بچے کو کسی طرح کی زحمت نہ اُٹھانے دیں تو وہ بچہ
کبھی بھی پاؤں چلنا نہیں سیکھے گا۔ یہی حال ہو پڑھنے کا ہو کہ اُستاد صرف ایک سہارا لگانے والا ہو اور اصل میں
پڑھنا وہی ہو جو سٹوڈنٹس اپنے آپ سے پڑھتے ہیں یعنی خود معلوم ہوتے ہیں اور خود ہی متعلم۔ اب تم کو اپنی
ایک حکایت سناؤں تو شاید تم سمجھو کہ کچھ شیخی بگھارتا اور خودستائی کرتا ہو۔ حالاں کہ شیخی اور خودستائی نہیں طالب العلموں کو
مطالعے کی ضرورت کا ثابت کرنا منظور ہو۔ میں نے کالج میں سبقاً سبقاً انگریزی نہیں پڑھی اور کسرِ نفس
تو اس کا متقاضی ہو کہ کہوں مجکو انگریزی نہیں آتی۔ لیکن آپ لوگوں میں انگریزی دانی کا اظہار نہ کروں
تو کیا مولویوں میں کہتا پڑا پھروں اور اُن کو بیٹھے بٹھائے اپنی نسبت فتوائے کفر لکھنے کی تکلیف دوں۔
بعدِ غدر میں الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھا کہ میں نے انگریزی کا شوق کیا۔ نہیں بلکہ ایک دوست
نے رغبت دلائی۔ وہ دورے کی نوکری پڑھنا تو کیا ہو سکتا تھا مگر ہیڈکوارٹر میں (مستقر) آتا تو اُن ہی دوست
سے بقدر دست داد فرصت کچھ دیکھ لیتا۔ اور دَورے میں بطور خود اُس کو یاد کرتا۔ چند روز میں
اتنی استعداد ہو گئی کہ رومن کی سکول ڈکشنری کی مدد سے عبارت کا مطلب سمجھ لیتا تھا مگر بدقت تلفظ
بہت ہی نادرست تھا اور اب تک بھی نادرست ہو۔ میں اِس عیب کی شکایت نہیں کرتا جس سے
کمتر ہندوستانی خالی ہوتے ہیں بلکہ میں اپنے میں یہ عیب بہت زیادہ پاتا ہوں۔ اس واسطے کہ ساری
عمر میں اہل زبان کے منھ سے انگریزی الفاظ بہت سُنے ہوں گے تو شاید ایک ہزار اور اگر مکررات کو
حذف کر دوں تو چند درجن اور اسی نادرستی تلفظ کی وجہ سے مجکو انگریزی میں بات کرنے کی کبھی جرأت

۱۵ اکثر کل کے حکم میں ہے۔

مجھے نہیں ہوئی اور ضرورت بھی نہیں پڑی بہرکیف میری استعداد اردو من کی سکول ڈکشنری تک تھی۔
اُسی زمانہ میں تھامسن اس پینل کوڈ (تعزیراتِ ہند) کا ترجمہ ہو رہا تھا تو کس اہتمام سے کہ منشی
عظمت اللہ صاحب ترجمہ کرتے اور بہ ترتیب پہلے مولوی محمد کریم بخش صاحب پھر ہنری سٹوارٹ
ریڈ صاحب جو اُس وقت ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن تھے پھر آخر کار خود سر جارج ایڈمنسٹن صاحب
لفٹنٹ گورنر اُس میں حک و اصلاح فرماتے۔ اور اتنی نظروں کے بعد ترجمہ چھپنے کو دیا جاتا۔ اب
خدا کو منظور ہوا اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا ھَیَّأَ اَسْبَابَہٗ[1] کہ یہ ذرۂ بے مقدار روشناس آفتاب ہو یعنی نواب
لفٹنٹ گورنر نذیر احمد کا نوٹس لیں۔ اور نذیر احمد کا یہ حال کہ بابو شیو پرشاد صاحب کی ماتحتی میں بنارس
سرکل کے تمام ڈپٹی انسپکٹروں میں لیاقت اور کارگزاری کے اعتبار سے اَیٹ دی بوٹم آف دی لسٹ[2]
یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ میں نے بابو صاحب کی ماتحتی میں ایک سو بیس روپے ماہوار کی انسپکٹری
سے تنگ آکر اسی روپیے ماہوار کی انسپکٹری منظور کر لی تھی اور وہ اتفاق سے علی گڈھ کی ڈپٹی انسپکٹری تھی
اگر میں علی گڈھ آگیا ہوتا اور سید احمد خاں بھی ان دنوں یہاں ہوتے تو میں آج کو ان کے خلفاے مہدیین میں ہوتا

شکر پردے ہی میں اُس بت کو حیا نے رکھا		ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

بارے لاٹ صاحب دورہ کرتے کرتے الہ آباد آئے اور عاجلاً نہضت فرمائے بنارس ہوئے پینل
کوڈ ٹرینسلیٹنگ سٹاف سب اُن کے ساتھ۔ اِلّا ریڈ صاحب کہ وہ کسی ضرورت سے ایک ہفتے کے
لیے الہ آباد رہ گئے اور مجکو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ منشی عظمت اللہ صاحب کا کیا اور مولوی کریم بخش
صاحب کا اصلاح دیا ہوا ترجمہ ریڈ صاحب کو سنا دیا کروں۔ دخل تو دینا پڑتا ہی تھا میں نے دو چار
ہی دن کی صحبت میں یہ ثابت کر دیا کہ میں پینل کوڈ کو خوب سمجھتا ہوں۔ اور میری شرکت ترجمے کے
حق مفید ہے۔ ریڈ صاحب تو میری انگریزی دانی کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُنھوں نے اپنی روانگی
سے پہلے چٹھی دے کر مجکو لارڈ صاحب کے پاس چلتا کیا۔ اور میں ٹرینسلیٹنگ سٹاف میں جا داخل ہوا
اور آخر کار میں نے ہی دفعات کے خلاصے لکھے اور میں نے ہی اپنی نگرانی میں مجموعۂ تعزیرات ہند

[1] جب اللہ کو کوئی کام لینا ہوتا ہے تو اُس کے اسباب [illegible] [2] فہرست میں سب سے آخر ۱۲۔

چھپوایا۔ مطلب کی بات تو یہ ہے کہ جب ہماری ٹرینٹی (تثلیث) کو لاٹ صاحب نے ڈپٹی کلکٹریاں دینی تجویز کیں۔ ریڈ صاحب نے نومنیشن رول کے فارم میں میری انگریزی دانی کی بڑی مدح کی اور میرا وہی حال ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

تو کیا ریڈ صاحب نے میری مدح غلط کی۔ یا ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ ہاں اُن سے غلطی ہوئی تو یہ کہ انھوں نے فی زعمہ میری استعداد کو انگریزی کی طرف منسوب کیا حالاں کہ وہ استعداد صرف قوتِ مطالعہ تھی جو میں نے اپنی طالب العلمی میں حاصل کی تھی اور اُس وقت تک ایسی فرسودہ نہیں ہوئی تھی جیسی اب ہو گئی ہے ؂

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ	وہ عناصر میں اعتدال کہاں

آج کل کے انگریزی تعلیم یافتہ ہم اولڈ فیشن کے پڑھے ہوؤں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بلا شبہہ پرانی تعلیم اس جدید تعلیم کے مقابلے میں نظرِ حقارت سے دیکھے جانے کی مستحق بھی ہے مگر میں تو طرزِ تعلیم میں بحث کر رہا ہوں نہ نفسِ تعلیم میں۔ ہم تعلیم کا اچھا بُرا تو جانتے نہیں اب بھی جو کچھ کر رہے ہیں وہی اولڈ فیشن کے معدودے چند تعلیم یافتہ کر رہے ہیں ؂

رنگِ [illegible] اب ۔ [illegible] بہار سے	پہلا جو برگِ زرد کوئی اس چمن میں ہے

ان میں سے کوئی بی اے ایم اے۔ ایل ایل ڈی ہو تو بتا دو۔ اے۔ سید احمد خاں ایل ایل ڈی ہیں تو وہ نہ تمھاری انگریزی کی وجہ سے۔ اور نہ ہماری پرانی عربی تعلیم کی وجہ سے بلکہ اُس تعلیم کی وجہ سے جس کو علم لدنی کہنا چاہیے عَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[۱]۔ کہ ایک شخص نہ عربی کا فاضل ہو نہ انگریزی کا پروفیسر اور خدا اُس کے ذہن میں ایسی برکت دے کہ مولویوں اور پروفیسروں کو رستہ بتائے۔ انگریزی پڑھتے تو تم ہو مگر اے کاش میری برابر اُس کی قدر کرو کہ باوجودیکہ نہ تو جب پڑھنے کی عمر تھی انگریزی پڑھی اور نہ ساری عمر خدا نے انگریزی کو میرا ذریعہ معاش گردانا۔ تو انگریزی کی ایسی ہی قدر و قیمت

[۱] ہم نے اُس کو اپنے پاس سے علم دیا ۱۲۔

ل میں تھی بلکہ بڑی عمر میں اس کو سیکھا اور بے تقاضائے معاش سیکھا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ہمیشہ
افسوس کرتا رہا اور کرتا ہوں کہ کیوں ابتدا میں میں نے انگریزی نہیں پڑھی۔ نوکری تو میں نے مولوی
مہدی علی کی مہربانی سے ایسی بیش قرار تنخواہ کی کی کہ سیکڑوں انگریزی خوانوں میں سے ایک
کو بھی نصیب نہیں ہوتی مگر میں اس کو چانس (بخت و اتفاق) ہی سمجھتا رہا کیوں کہ وہ اس لیاقت
کے صلے میں ملی تھی جس کی انٹرنزک ویلیو (ذاتی قدر و قیمت) اس زمانے میں اتنی ہی نہیں۔ تو اے
عزیزو! انگریزی کی اتنی تو قدر کرو جتنی میں نے کی اور کرتا ہوں ورنہ معلوم ہوگا اس سے کہ معاش سے قطع نظر
کر کے تم کو انگریزی کا شوق ہو۔ اگر تم یہ سمجھ کر انگریزی پڑھ رہے ہو کہ فی زمانہ معاش پیدا کرنے کا ذریعہ
ہے تو میں تمھاری رائے کی تصویب کرتا ہوں۔ مگر میں اس کو شوق نہیں سمجھتا۔ شوق یہ ہے کہ جب خدا
کرے تم امتحان پاس کر لو۔ اور خدا کرے تم کو نوکری بھی مل جائے! ور نوکری بھی مل جائے تو
معقول یعنی تم کو مدرسے سے طالب العلمی کا تعلق باقی نہ رہے اس کے بعد بھی تم سٹڈی (مطالعہ)
کرتے رہو اور کتاب بینی کو اپنے جیتے جی کا مشغلہ بنا لو۔ روحانی لذتوں میں سے ایک لذت
کتاب بینی کی بھی ہے کہ جس کو اس کی چاٹ پڑ جاتی ہے باقی تمام لذتیں اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی
ہیں۔ شاید اُس کا ظاہر حال خستہ و خراب ہو مگر میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں اُس سے زیادہ کوئی
خوش ہو سکتا ہے

نہیں ہے قانع کو حاجت زر وہ مفلسی میں بھی ہے تو نگر	جہاں میں مانند کیمیا گر ہمیشہ محتاج دل غنی ہے

میں جو کتاب بینی کی مدح کر رہا ہوں اور تم کو اس کی ترغیب دے لاتا ہوں سُنی سنائی نہیں کرتا
میرے لیے تو یہ شرطِ زندگی ہو گئی ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ اگر مجھ کو کتاب بینی کا شغل بھی نہ ہوتا تو خدمت
سے علیحدہ ہونے کے پیچھے کیوں کر زندہ رہتا اور ہاں نوکری کی حالت میں بھی کتاب بینی کی عادت نے بڑے بڑے کام دیئے ہیں
اور دو موقعوں کو تو میں کبھی بھول نہیں سکتا میں ایجوکیشنل لائن سے نکل کر اول اول ساڑھ سلیم پور
ضلع کانپور میں تحصیل دار مقرر ہوا۔ آج تو میں تحصیلدار مقرر ہوا۔ اور دو تین مہینے بعد تحصیل داروں کا
امتحان ہونے والا تھا۔ سر چارلس الیٹ جو اِن دنوں بنگال لفٹنٹ گورنر ہیں مجسٹریٹ ضلع تھے۔

اُنھوں نے میری جدید العہدی پر نظر فرما کر مہربانی سے لکھا بھی کہ تم چاہو تو اگلے سال شریکِ امتحان ہونا میں نے یہ سوچا کہ امتحان کا کھٹکا بُرا۔ اور میں نے صاحب مجسٹریٹ سے عرض کیا کہ فیل ہونے کی صورت میں میری جدید العہدی کا لحاظ فرمایا جائے۔ سررشتہ تعلیم کے ملازم کو مال گزاری اور فوجداری سے کیا نسبت۔ تحصیل داری کے کاغذات کا ہِڈ اور ٹیل (سر اور پاؤں) تک تو مجھ کو معلوم نہ تھا۔ عملے اُنگلی رکھ کر بتاتے تو میں دستخط کرتا۔ عملوں نے امتحان سے بہتیرا ہی ڈرایا مگر میں اپنی قوتِ کتاب بینی کا بخوبی اندازہ کرتا تھا۔ ایک نہ سنی اور شریکِ امتحان ہوا پہلی ہی دفعہ ہول ڈویژن کے تحصیل داروں میں نمبر اوّل۔ ڈپٹی کلکٹری میں پھر وہی امتحان کا مرحلہ پیش آیا۔ اور گو رکھپور میں دیر اُن دقتوں کا مذکور ہی کہ ضلع بستی علی حدہ نہیں ہوا تھا) کام کی یہ کثرت کہ خدا کی پناہ۔ مگر وہی کتاب بینی کی عادت ہول پراونس (صوبے) کے پاس شدگان میں ہیڈ آف دی لسٹ اِنگلوڈنگ (سرِ فہرست بشمول) جائنٹ مجسٹریٹس اسسٹنٹ کلکٹرز ڈپٹی کلکٹرز۔ کینڈیڈیٹس شاید یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک نیٹو ڈپٹی کلکٹر جنٹوں اور اسسٹنٹوں پر سبقت لے گیا کہ اُس کے بعد سے امتحان کا رزلسٹ (نتیجہ) دو حصے ہو کر مشتہر ہونے لگا۔ یورپینز کا الگ الگ اور نیٹوز کا الگ۔

پس اے طالب العلمو! جہاں رہو اور جس حالت میں رہو عربی کے اس چھوٹے سے مصرع کو جلی قلم سے خوشخط لکھوا کر سامنے میز پر رکھے ہو ع

خَيْرُ جَلِيْسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابٌ[۱]

اس پر عمل کرو گے تو تمام دینی اور دنیاوی برکتوں کا میں ضامن۔ میری ضمانت سے تو تم کو کیوں تسلی ہونے لگی کہو تو بڑے میاں کی ضمانت دلوادوں مگر دینی برکتوں کے لیے بھی ان کی ضمانت لوگے؟ میں تو تم کو تعلیم کے متعلق بہتیری صلاحیں بتاؤں۔ لیکن کچھ ایسے پیچ آ کر پڑے ہیں کہ تعلیم کا روبراہ ہونا ہی دیر طلب اور مشکل۔ سیکولر (دنیاوی) تو کچھ ہے بھی اور شاید کچھ ہو بھی جائے گی کیوں کہ لوگ اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہیں۔ مذہبی تعلیم ہے جس کی طرف سے مجھ کو اندیشہ ہے۔ وہ بلا مبالغہ چیونٹی بھر ا

[۱] زمانے میں سب سے بہتر رفیق کتاب ہے ۱۲۔

اور اس سے زیادہ شدید انتقام یہ ہو کہ پابندی مذہب کالج کے ڈسپلن (ضوابط و قواعد) میں داخل ہو۔ لوگوں کو ان کے تعصب نے اندھا بہرا کر رکھا ہو مگر کالج کے درو دیوار تو اندھے بہرے نہیں ہیں ۔وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ذرا صبر کرو۔ ایک دن ہوگا کہ مسجد کی اینٹیں گواہی دیں گی کہ اے خدا ان طالب العلموں کے سر تیرے سجدے میں جھکے اور ان کی لال لال ٹوپیوں کے پھندنے۔ اور پیشانیاں خاک آلود ہوئیں۔ اُس وقت تم کو سعدی کے اس مقولے کی تصدیق ہوگی

نیک باشی و بدت بیند خلق		بہ کہ بد باشی و نیکت بیند

آدمی کو خدا نے کئی فیکلٹیز (قابلیتیں) عطا فرمائی ہیں۔ اُن میں سے ایک مذہب بھی ہو فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ اور یہ فیکلٹی (خلقی قابلیت) پورے طور پر ڈولپ (ترو تازہ و شاداب) ہوتی ہو اُس وقت جب آدمی سن وقوف کو پہنچتا ہو اور انبیاء علیہم السلام جو چالیس برس یا اُس سے بھی زیادہ عمر میں مبعوث ہوئے تو اُس کی بھی یہی وجہ ہو تو میرے نزدیک نو عمر لڑکوں سے جیسے ہمارے طالب العلم ہیں اُسی قدر پابندی مذہب کرانی چاہیے کہ اُن کی مذہبی فیکلٹی معدوم یا سٹنٹڈ (پژمردہ و افسردہ) نہ ہونے پائے اور میں اس کے لئے علی گڈھ کالج کی ڈسپلن (ضوابط و قواعد) کو کافی سمجھتا ہوں جو لڑکے قبل الوقت زیادہ پابندی مذہب دکھاتے ہیں میرا تجربہ یہ ہو کہ یا جوان ہار ہوتے ہیں یا بڑے ہو کر ان کی مذہبی فیکلٹی (قوی) کند پڑ جاتی ہو اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ دل میں تو تقاضا ہی نہیں اس واسطے کہ تقاضا پیدا ہونے کی عمر نہیں پس وہ جو زیادہ تر ریجس (مذہبی) بننا چاہتے ہیں ضرور ہو کہ متصنع اور مرائی ہوں اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ کتنا ہی طالب العلموں کو سمجھاؤ۔ منع کرو کہ مذہبی گورکھ دھندوں کے سلجھانے کا تمہارا وقت نہیں ہو مگر وہ کب باز آتے ہیں حقیقت میں یہ بیچارے بھی طبیعت سے مجبور ہیں۔ مذہبی اختلافات تو سدا آ

---

۵۱ سب چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہو لیکن تم نہیں سمجھتے ۱۲ ۵۲ اللہ کی بناوٹ جس پر لوگوں کو بنایا ۱۲ ۵۳ اُن کے کئے جیسے راکھ کہ اڑالے گئی اُس کو ہوا آندھی کے دن اپنے کئے پر کچھ قدرت نہیں رکھتے ۱۲۔

آسکتے ہیں اور نہ صرف چلے جائیں گے بلکہ بڑھتے چلے جائیں گے ولو شاء اللہ لجعل الناس
امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقہم مگر ایسی چھیڑ چھاڑ
جیسی کئی کئی برس سے دیکھنے میں آتی ہے ہمارے تو خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ اگلے وقتوں میں
بھی علما وہ بھی سب نہیں بلکہ بعض اپنی جودتِ طبع دکھانے کے لیے علم کلام میں کوئی ایک آدھ رسالہ
لکھ مارا کرتے تھے ماوشما کو مباحثہ و مناظرہ سے کچھ سروکار نہ تھا عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود۔ یا اب تو
یہ حال ہو گیا ہے کہ جو جس دین کا ہے پڑھا ہے تو اور نہیں پڑھا ہے تو جانتا ہے تو اور نہیں جانتا ہے تو اپنی جگہ مجتہد
اور مجاہد بنا پھرتا ہے یہ ہیں نتیجے رعایا کی بے ہنگام آزادی اور گورنمنٹ کی نیوٹریلٹی یا امپارشلیٹی کے
چاہے وہ مجبوری ہی سے کیوں نہ ہو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے متوالے کودوں کھا کر دنیا سٹری ہو گئی
ہے تو کیوں کر توقع کی جائے کہ طالب العلموں کے کانوں تک اس غل کی آواز نہ پہنچے۔ آواز پہنچتی ہے تو
خدا نے کان دیئے ہیں چار و ناچار سنتے ہیں اور سنتے ہیں تو خدا نے عقل دی ہے چار و ناچار طبیعت
لڑاتے ہیں۔ غرض طالب العلم بھی چاہیں تاہم اُن کو مذہب کی نسبت ایک نہ ایک رائے قایم
کرنی پڑتی ہے۔ جب طلبہ میں اتنی صلاحیت نہ ہو کہ وہ پولیٹکل باتوں میں رائے زنی کریں تو اُن میں
اس کی صلاحیت کہاں سے تسلیم کی جا سکتی ہے کہ مذہب کا فیصلہ کریں۔ کیا مذہب پولیٹکل باتوں
سے بھی گیا گزرا ہوا جس کے اختلافات دنیا کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے اور کتنے حکیم کتنے فلسفی کتنے
مناظر کتنے متکلم ہو گزرے اور یہ اختلاف رفع نہ ہوا پر نہ ہوا تو اے طالب العلمو! مذہب سے قطع نظر بھی نہ کرو اور
قطع نظر تم کر بھی نہیں سکتے مگر اتنا تو غل بھی نہ کرو کہ تمھارے پڑھنے لکھنے میں حرج واقع ہو جس کام میں
تم لگے ہو یہ بھی داخل عبادت ہے بشرطیکہ نیت بخیر ہو اور اس سے زیادہ اور کیا نیت بخیر ہو سکتی ہے کہ تم
مسلمانوں کی قوم کو معزز بنانا چاہتے ہو جس کا دوسرا عنوان ہے اعلاء کلمۃ اللہ دین و دنیا کے تعلق پر
تھوڑی دیر ہوئی میں کچھ ریمارک کر چکا ہوں اب اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ہم کو خدا نے دین اور
دنیا پر اتنا اختیار دیا کہ چاہیں دونوں کو لڑا ماریں اور کبھی ملنے نہ دیں اور یہ بالکل خدا کی مرضی کے
[illegible] ہوتا تو سب کو ایک سا کرتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے مگر جس پر اللہ رحم کرے اور اسی لیے ان کو پیدا کیا

خلاف ہو اور چاہیں دونوں میں ایسا اتحاد پیدا کر دیں کہ دونوں یک جان دو قالب رہیں جیسے جناب
سر سید اور ہمارے جلسے کے پریزیڈنٹ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں صاحب
بہادر کہ ان دونوں میں سے ایک مرتبہ کسی نے لکھا تھا کِلَانَا رُوحٌ وَاحِدٌ حَلَّتْ فِیْ جَسَدَیْنِ۱؎ - یا
اسی طرح کی کوئی دوسری عبارت اور خدا کی بھی عین مرضی یہی ہو کہ دین و دنیا میں ایسا ہی گاڑھا
اختلاط ہو اور یہ کیوں کر ہو سکتا ہو - ہمارے اپنے صرف ارادے سے کہ جورو کو کما کر کھلائیں اور وہ
کمائی ہمارے نامۂ اعمال میں عبادت لکھی جائے - خدا نخواستہ کوئی دوست بیمار پڑے اس کی
عیادت کو جائیں اور جو قدم اٹھائیں - جنت کی طرف - چاہے کوئی ہمیں مرتد بنائے یا کافر،
مولویوں کے مسئلوں میں تو اپنی عقل کچھ کام کرتی ہی نہیں - سفر میں نماز کے قصر کرنے کا حکم ہو اور نہ
کرو تو گنہگار اس واسطے کہ خدا اپنے بندوں پر آسانی کرے اور وہ اس آسانی سے فائدہ نہ اٹھائیں
تو یہ ایک طرح کا کفرانِ نعمت ہو - بڑا عمدہ خیال ہو کاش اس کو اتنی وسعت دی جائے کہ لوگ
روٹیوں کا کچھ دھندا کریں اور خدا بھی خوش رہے -

اب میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمھاری نسبت مغرور بے ادب و مسرف کے الزام کہاں تک صحیح ہیں
یہ اور اس طرح کے اور چند الزام متفرع ہیں اور خودداری پر جو ضروری نتیجہ انگریزی تعلیم کا ہو لوگ تو تم کو
ملزم قرار دیتے ہیں اور میں کہتا ہوں اور پکارے کہتا ہوں کہ تمھاری ساری اداؤں میں بس یہی
ایک ادا مجھ کو سب سے زیادہ پسند ہو وہ جو کہتے ہیں ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات
بس اسی ایک ادا سے معلوم ہوتا ہو کہ تم کچھ کر کے دکھاؤ گے - خودداری ہو کیا چیز سلف ارسپکٹ یعنی
آپ اپنی عزت کرنا - جب ہم آپ اپنی عزت نہ کریں تو ہم دوسروں سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں
کہ ہماری عزت کریں گے - آپ اپنی عزت کرنا ایسا اچھا خیال ہو کہ انسان کو کسب کمال اور
برتری اور ترقی اور لیاقت کی طرف برانگیختہ کرتا رہتا ہو پس وہ انسان کے حق میں ایک بڑا
عمدہ سائق ہو اس خیال کا آدمی کبھی فروتر حالت میں رہ نہیں سکتا کیا خوب کہا ہو ؂

۱؎ ہم دونوں ایک جان اور دو قالب ہیں ۱۲

باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو	ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق

یہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خودداری میں افراط نہ ہونے پائے۔ خودداری میں افراط ہوئی اور
وہ عجب و کبر و رعونت اور غرور تمام مذمتوں میں بدتر ذلت ہے کہ مغرور آدمی تو اپنے تئیں دور کھینچتا ہے
و تباہی لوگوں کی نظروں میں گرتا اور ذلیل و مبغوض ہوتا چلا جاتا ہے ۵

آفتاب آشنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا	مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا

پھر معلوم ہے کہ اگر ہم ایک قوم کی نسبت دریافت کرنا چاہیں کہ ان میں خودداری ہے یا نہیں اور ہے تو
کتنی ہے تو اس کے معلوم کرنے کا کوئی معیار بتا سکتے ہو۔ نہیں بتا سکتے۔ مجھ سے سنو۔ اس کا معیار ہے اُن کا
لٹریچر۔ خدا فارسی کا کھوج بڑا کھوئے اور الحمد للہ کہ ہمارے ہاں سے تو کھویا ہی گیا اس کمبخت نے مسلمانوں
کے اخلاق پر ایسا بُرا اثر کیا کہ خودداری کا سنس نکل گیا۔ مبالغہ اور جھوٹ اور نفاق اور ریا اور تصنع
اور تکلف اور خوشامد فارسی لٹریچر کے یہی کچھ ہنر ہیں اور جن لوگوں کی گھٹی میں یہ زہر ملایا گیا ہو وہ خودداری
کو تکبر و نخوت سمجھا اور کہا ہی چاہیں۔ عربی کا لٹریچر تم مجھ سے بہتر جانتے ہو اس میں کہیں مجرا اور
کورنش اور آداب و تسلیمات نظر پڑا ہی نہیں سیدھا سادہ السلام علیکم و علیکم السلام اور کسی نے
إِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا[۱] پر عمل کیا تو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ دیا۔ آؤ بھگت
ہو چکی۔ گفتگو میں مخاطب کے لیئے بادشاہ نہیں بادشاہ کا باوا کیوں نہ ہو وہی ایک لفظ اَنْتَ
مراسلت کہ وہ بھی مکالمہ ہی ہے۔ مگر غائبانہ گفتگو کی ہو بہو۔ نقل ایک خط تو قرآن میں موجود ہے اِنَّہٗ[۲]
مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ اور پیغمبر
صاحب کے خطوط احادیث میں منضبط ہیں مہربانی فرما کر اُن کو دستور الصبیان سے لے کر انشائے
طاہر وحید اور ابوالفضل تک کے خطوط سے ملا لینا اور ہاں مادھو رام نامی ایک ہندو صاحب
بھی ہیں اور اُن کی انشا بھی داخل درس ہے عربی کے لٹریچر نے بھی عجم کے اختلاط کی وجہ سے وہی

[۱] جب تم کو کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو ۱۲ [۲] یہ خط سلیمان کی طرف سے اور شروع ہے اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے کہ زور نہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ حکم بردار ہو کر ۱۲

فارسی کا رنگ پکڑنا شروع کیا تھا شاید اسی نحوست کی وجہ سے بنیاد سلطنت ہی متزلزل ہو گئی

قدر ے طلاح و نا مسعود	گر بدریا رود برآرد دود

لٹریچر کو تم نے ایسا سمجھا کیا ہے۔ لٹریچر ہی کیریکٹر کا فوٹو ہوتا ہے اور لٹریچر کا بگڑنا قومی ادبار کی نشانی ہے۔ غرض اگر نیٹوز تم کو بد دماغ سمجھیں یہ خود اُن کی اپنی سمجھ کا قصور ہے کیوں کہ ان کے موس بذاق بگڑے ہوئے ہیں اُن کا خود داری کو غرور سمجھنا اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جیسے کسی شخص کو پتوں کا غلبہ ہو اور اُسے میٹھی چیز کڑوی لگے۔ میں نے اس بات کو بہت ہی افسوس کے ساتھ سنا ہے کہ ایسا ہی خیال بعض صاحب لوگوں کا بھی ہے۔ اور ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ انگریزی خوانوں کو اس مثل کا نگرس نے بہت بدنام کر دیا ہے اور سب طعنے اور اعتراض تو سہے بھی جا سکتے تھے مگر کانگرس والا کہہ دینا ایسے جانکاہ ایذا ہوتی ہے چاہیے اُس کو طبیعت کا اُو دا پن سمجھو یا انگریزوں کی خوشامد یا کانشنس کا تقاضا یا دوست دشمن کا تفرقہ اور نفع و ضرر کا امتیاز گو کہ انگریزی لٹریچر عربی لٹریچر کی طرح فارسی کے عیوب سے پاک ہے اسی وجہ سے انگریز لوگ سب سے زیادہ خود داری کی قدر کرنے والے ہیں مگر نشۂ حکومت میں بعض خود رفتہ بھی ہو جاتے ہیں اور یہی ہیں جو نیٹوز کی خود داری کو دیکھ نہیں سکتے۔ اُن کے نشے پر کرک کا کام دیتی ہے عملوں اور خدمت گاروں کی مدارات۔ جو کان کچہری میں اور بنگلہ پر ایک طرف غریب پرور اور حضور اور جناب عالی اور دوسری طرف فدوی اور نمک پروردہ اور غلام اور خانہ زاد سننے کے خوگر ہوں اُن کو آئی اور یو کی مکروہ آواز سے ایذا نہ ہو تو تعجب۔ مگر سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ جس میں خود داری نہیں اُس میں آنر اور عزت نہیں صداقت نہیں دیانت نہیں مروت نہیں وفاداری نہیں ہمت نہیں دلیری نہیں استقلال نہیں۔ بیشک چاپلوسی سے دنیا میں بہتیرے کام نکلتے ہیں۔ لیکن سلف رسپکٹ (خود داری) کو سکرفائس (قربان) کر کے کوئی کام نکلا بھی تو ایسی کامیابی پر لعنت۔ طالب العلمو! تم کو بڑی مشکل کا سامنا ہے شاید تم پر نالائق کو ترجیح دی جائے شاید تمہارے حقوق پامال ہوں مگر کبھی ہو سلف رسپکٹ کو ہاتھ سے نہ دینا۔ یہ خود ایک ایسا سٹیسفیکشن (اطمینان قلب) ہے

کہ تمام فائدے اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں لیکن اس خیال کے راسخ کرنے کے لیے اخلاقی
اور مذہبی خیالات کا پکانا شرط ہو۔

کشود کار کسی سے یہاں ہوا بھی ہے
سماجت اتنی بھی آخر کوئی خدا بھی ہے

سترھواں لکچر

جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے نویں سالانہ جلسے منعقدہ ۱۸۹۴ء میں توحید پر دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظم

خدا شاہد ہے میرے دل میں گر کچھ بھی شرارت ہے
مگر دیکھا نہیں جاتا کہ اپنی قوم غارت ہو

طبیعت ہی تو ہے مجھ سے تحمل ہو نہیں سکتا
کہ دنیا میں مسلمانوں کی ذلت ہو حقارت ہو

کُھلا کرتا ہوں اس غم میں مگر بے سود و لا حاصل
کہ اس قابل نہیں مجھ سے کوئی تقدیم خدمت ہو

مسلمانوں کی حالت دیکھ میرا دم اُلٹتا ہے
الٰہی دشمنوں کی بھی نہ اس درجے بُری گت ہو

کہاں وہ سلطنت اور وہ حکومت وہ جہانداری
معاذ اللہ خدا ہو جائیں گر اُن کی سی حشمت ہو

کہاں یہ مفلسی یہ ناکسی یہ ذلت و خواری
کہ اپنی قوم کو خود نام سے اپنے ندامت ہو

یہ میری عمر آئی ہے اور اب تھوڑی سی باقی ہے
اگر واقع میں باقی ہو۔ اور اُس میں کچھ طوالت ہو

خدا کا شکر ہے میں حال میں اپنے بہت خوش ہوں
نہیں ہے یہ کہ مجھ کو خاص کر کوئی شکایت ہو

مجھے پوری سبک دوشی ہے افکار معیشت سے
بڑی دولت ہے جب جس حال میں جس کو قناعت ہے

ہیں اپنی نیند سوتا ہوں مزے سے پاؤں پھیلا کر
اگرچہ سر پہ میری شور و غوغائے قیامت ہو

نہ گردن میں مری طوقِ غلامی ہے کسی شہ کا
نہ حاکم ہوں کہ مجھ کو فکرِ بہبودِ رعیت ہو

نمک خوارِ نظامِ حیدر آبادِ دکن ہوں میں
جب ایسے کا توسل ہے تو مجھ کو کیوں نہ ثروت ہو

مجھے ملتا ہے گھر بیٹھے جو یاں پر مل نہیں سکتا
اگرچہ نوکری میں عمر ساری صرفِ خدمت ہو

یہ سن کر حاسد بدنفس مر جائے تو مر جائے
کہ ہم سب کو بھی اطمینان ہو اس کو بھی راحت ہو

نہ طالب جاہ کا ہوں اور نہ خواہاں ہوں تقرب کا
مصیبت ہے اگر حکام میں رشد و وجاہت ہو

یہ کس سے ہو کہ مارے مارے کتے کی طرح پھرئیے
سلام از دور کر لیتے اگر صاحب کو فرصت ہو

خدا تک پہنچنا آسان اور ان تک پہنچنا مشکل
مگر ہاں خانساماں جی کی تقریب و شفاعت ہو

بصد دقت جو پہنچے بھی تو صاحب بلو پوچھے کیا ہیں
کہو ول بتلاؤ گر آب و ہوا میں کچھ حرارت ہو

یہ کالا لوگ کا عادت ہے میلا گھر میں رکھتا ہے
اسی سے کالرا اور انفلوئنزا کی شدت ہو

گھڑی کو دیکھ کر فرماتے ہیں خلق و مروت سے
کہ پرسوں میل جانے کو ہے اچھا آپ رخصت ہو

یہ ملنا ہے اگر ملنا اسے کہئے تو فرماؤ
کہ اس جلدی میں کیوں کر عرضِ مطلب کی جسارت ہو

نہ میرا مدعا ہے نامور ہونا زمانے میں
نری شیخی ہے اگر لوگوں میں شہرت ہو

کسی کی ایک کوڑی مجھ کو دینی ہو تو بول اٹھو
تنازع کس لیے ہو وارثوں سے کیوں عدالت ہو

اگر یہ ساز و سامانِ تکبر جمع ہیں سارے
مگر حاشا کہ مجھ سے بھول کر ایسی حماقت ہو

پر استغنا و خودداری کے ہوتے کیا تعجب ہے
کسی نادان کو گر مجھ پر گمانِ عجب و نخوت ہو

فقط اک مشغلے کے طور پر تھوڑی تجارت ہے
اب اس میں آگے چل کر فائدہ ہو یا خسارت ہو

اگر کچھ فائدہ ہوتا ہے ہوگا - لاجرم ہوگا
حسد ہو کس لیے اور کیوں کسی کو رشک و غبطت ہو

پہنچتا ہے ہر اک کو جس قدر جس کا مقدر ہے
موافق چاہیے تقدیر ہو تدبیر یا مت ہو

و گر نقصان خدا نخواستہ قسمت میں لکھا ہے
اسے برداشت کرنے کی الٰہی مجھ کو ہمت ہو

ولیکن یہ نہ ہو لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاؤں
مجھے آ جائے مرگِ ناگہاں گر ایسی نوبت ہو

مسلمانوں کو بھی توفیق دے یارب کہ گھر گھر میں — تجارت ہو اجارت ہو یا تجارت ہو بلا تجارت ہو
نہ شیخ وقت ہوں اس بات کے درپے کہ لوگوں کو — ارادت ہو عقیدت ہو میرے ہاتھوں پہ بیعت ہو
کوئی قائل ہو میری خرق عادت کا کرامت کا — کوئی گرویدۂ رمز دعا و سر ہمت ہو
ابھی سلب مرض ہو اگر کسی پر پڑھ کے پھونک دوں — توجہ ڈال دوں تو مرغ بسمل کی سی حالت ہو
لطیفات اکمل جاری ہوں میرے ہر بن مو سے — قبول خلق و جلب منفعت سے خاص نسبت ہو
فقیری دوسرے لفظوں میں ہے فرمان آزادی — وہ مرفوع القلم کیا ہو جو محکوم الشریعت ہو
کوئی اولاد کی درخواست سے کر میرے پاس آئے — کشایش کا کوئی طالب ہو تا رزق میں وسعت ہو
اگر چاہوں زن و شوہر باپ بیٹے کو لڑا ماروں — رکھوں دل پر تو جانی دشمنوں میں انس و الفت ہو
غرض دنیا میں جتنی حاجتیں انسان کو پیش آئیں — ہر اک حاجت کے بر لانے کی مجھکو پوری قدرت ہو
ذریعہ مجھکو گردانے جو خواہاں ہو تقرب کا — وسیلہ مجھکو ٹھیرائے اگر مشتاق جنت ہو
نہ ملا ہوں کہ مسجد ہی میرا کاسہ گدائی کا — مجھے دعوت میں جانا فرض ہو اور دل کو سنت ہو
قضا ہونے نہ دوں تکبیر اولی ہو جماعت کی — مری موجودگی میں ہو اذاں ہو یا اقامت ہو
تباہی جو نہ آئی ہو مسلمانوں پہ آجائے — مجھے کیا چاہیئے ہیں ہوں مسجد ہو امامت ہو
ارادہ ہو کہ اب اک مدرسے کا جال پھیلاؤں — کہ اس تدبیر سے چندے کے ملنے میں سہولت ہو
کمال دینداری کی صفت سے متصف لیکن — دکھاوے کا تقدس ہو نمایش کی عبادت ہو
نہ لوگوں کو پڑھانا درس دینا کام ہو میرا — کہ یہ سب درد سر از بہر اظہار لیاقت ہو
میں تم میں آ کھڑا ہوتا ہوں جب مجبور کرتے ہیں — کہ گر تشریف لاؤ مہربانی ہو عنایت ہو
تم آجاؤ۔ اور آ کر اپنا لکچر دو تو جلسے میں — ہجوم و ازدحام خلق ہو لوگوں کی کثرت ہو
کوئی بھاری سی معتد بہ رقم چندے کی آجائے — ہماری انجمن کو فخر و استحکام و قوت ہو
کما لیتے ہیں کتنے آدمی میرے ذریعے سے — تمھیں ہو اجر ان کو فائدہ مجھ کو مسرت ہو
اگر اپنے لیے چاہوں تو کتنا کچھ نہ حاصل ہو — بہت کچھ ہو گدائی کی اگر میرے تئیں لت ہو

یہ دلوانا بھی دینے ہی میں داخل ہی اگر سمجھو … کہ مثلِ خیر ہی گر خیر کے اوپر دلالت ہو
پھر آتا ہوں تو کہہ دیتا ہوں جو کچھ میرے دل میں ہی … خوشی ہو اس کے سننے سے کسی کو یا کہ نفرت ہو
اگر لوگوں کے خوش کرنے کی حاجت ہی تو لگی ہی … کہ جو امیدوارِ بخشش و انعام و خلعت ہو
یہاں تحسین تک اور داد تک کی بھی نہیں پروا … سخن بے قدر و کاسد ہی اگر شاباش قیمت ہو
دلوں کو مول لے لیتے ہیں ہم لطفِ مضامیں سے … مگر دل حق پسند و شیوۂ انصاف طینت ہو
کوئی سی انجمن میں نے کھڑی کی ہو تو بتلا دو … ہی کوئی کارخانہ میرے ذمے جس کی خدمت ہو
غرض ہوتی ہی ہر ایک کام میں انسان کے مضمر … کرے انکار گر کوئی تو انکارِ بداہت ہو
کسی مطلب کو تم میری طرف منسوب کر دیکھو … خدا نے عقل دی ہی صاحبِ فہم و فراست ہو
اور اس کے بعد سوچو تو تمھارا دل گواہی دے … کہ ناممکن ہی جز اصلاح میری کوئی نیت ہو
بتاؤ کچھ مفاد ان لکچروں کا ان سپیچوں کا … بجز اس کے کہ لوگوں کے تئیں ہمیز عبرت ہو
غلط فہمی بتائی جائے تا آگے کو سیدھے ہوں … خطا کاری دکھائی جائے تا آیندہ عصمت ہو
لگا دے تازیانہ گر کسی کو سست رو دیکھے … چبھو دے آر گر اس کے چبھونے کی ضرورت ہو
پھٹی ہی کی پھٹی رہ جائیں آنکھیں سننے والوں کی … کھلے ہی کے کھلے رہ جائیں منہ حیرت سی حیرت ہو
وہ افسانہ ہو نیندیں جس کے سننے سے اچٹ جائیں … وہ نوحہ ہو در و دیوار تک کو جس سے رقت ہو
وہ چورن چھانٹ دے بادی تعصب ہائے بیجا کی … وہ چٹنی ترشی مستِ مئے پندار و غفلت ہو
نہیں لکچر مگر آئینۂ صافی دروں جس میں … بعینہ منطبع ہوتی ہی جیسی جس کی صورت ہو
اگر آئینہ دکھلاتا ہی زنگی کی سیہ روئی … اسے آئینے سے کس واسطے بغض و کدورت ہو
[illegible]ئی غازہ بہم پہنچائے ایسا جس کے ملنے سے … کلف چہرے کا اس کے دور ہو کر گوری رنگت ہو
نہ میں نے عمر بھر اخبار کی جانب توجہ کی … یہ وہ کرتا ہی جو واماندۂ تدبیر و حلت ہو
کسی کی ہجو لکھے یا کسی کی مدحت بے جا … محالِ عقل ہی بے اس کے ترویج و اشاعت ہو
مذاقِ قوم بگڑے ہیں کچھ ایسے ان دنوں آ کر … نہ پوچھے کوئی گر پابندیِ صدق و دیانت ہو

این نقش کہ دانش نمونہ		کنہ شش زدہ نعل واژگونہ

جو شارٹ سائٹڈ (نزدیک بین) ہیں اور دور کی چیز دیکھ نہیں سکتے۔ اُن کو اسباب ظاہر نے گھیر رکھا ہے۔ اُن کی نظر کی رسائی اُن ہی اسباب ظاہر تک ہے اور بس۔ مگر اسلام دنیا کو فارسیٹگ (دور بین) بناتا ہے کہ یہ اسباب ظاہر ماموراور مجبور ہیں عین لڑائی کے وقت کسی صحابی کی چادر ہوا اُڑا لے گئی۔ وہ جیسا دستور ہے ناخوش ہو کر لگے ہوا کو بُرا کہنے۔ فرمایا۔ لَا تَسُبُّوا الرِّیحَ فَاِنَّھَا مَامُوْرَۃٌ تو بات وہی نکلی کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُسی ذاتِ پاک کے حکم سے ہو رہا ہے لَا تَتَحَرَّکُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اُس کو مت قیاس کرو دنیا کے بادشاہوں پر کہ اِن میں سے جو بڑے بیدار مغز ہیں۔ وزیروں کی آنکھوں سے دیکھتے اُن ہی کے کانوں سے سنتے کہا جا سکتا ہے کہ اُن ہی کے ہاتھوں سے لکھتے۔ اور اُن ہی کی زبان سے بولتے بات کرتے ہیں جس طرح کسی مصلحت سے جس کو ہم نہ سمجھتے ہیں اور نہ انشاللہ کبھی سمجھیں گے۔ اسباب کا سلسلہ قایم کیا ہے۔ اسی طرح اگر اُس کی سرکار میں فرشتے ہوں اور اگر ہوں کیا معنے۔ یقیناً ہیں۔ کیوں کہ ہم کو مخبر صادق نے ایسی خبر دی ہے تو ہم کو استعجاب کی کوئی وجہ نہیں غایت مافی الباب وہ بھی من جملہ اسباب ہوں جس طرح دوسرے اسباب سے جو مرئی اور مشاہد ہیں۔ اُس کی قدرت کاملہ۔ اُس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان میں سے ایک فرشتے بھی سہی۔ جب اس طرح اسباب ظاہر کو اور اسباب ظاہر کی تخصیص بھی کیوں کروں بلکہ ماسوی اللہ کو انتظام دُنیا سے بے دخل محض سمجھو گے تب تم کو ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ کے معنی معلوم ہوں گے۔ کہ شارٹ سائٹیڈ کی نظر میں وہ اگر ہے تو صرف سبب اول و باطن ہے اور فارسیٹنگ کی نظر میں جیسا وہ اول و باطن ہے ویسا ہی آخر و ظاہر بھی ہے کیوں کہ درمیانی اسباب عجز و بے اختیاری کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہیں۔ اور اسلام جو بُت پرستی کا سخت مخالف ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ بُت پرستی اسباب ظاہر کی پابندی اور شارٹ سائٹیڈنس سکھاتی ہے۔

[illegible] ہوا کو بُرا مت کہو وہ تو ہرائی تابعدار ہے ۱۲ [illegible] اُس کے حکم بغیر ذرہ تک نہیں ہلتا [illegible] سب سے پہلے وہی ہے اور سب آخر بھی وہی ظاہر و آشکارا ہے اور وہی چھپا اور پوشیدہ ہے ۱۲۔

مگر انسان کچھ ایسا بودا مخلوق ہی خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا اس کا جسم تو بہت سے جانوروں کے مقابلے میں جیسا کمزور ہی سو ہی۔ اس کا دل اس کے جسم سے بھی زیادہ کم زور ہی۔ وہ ایک بات کو جتنا ہی سمجھتا بھی ہی تو ایسا سمجھتا کہ سوا تسلیم کوئی چارہ نہیں ہوتا اور پھر اس سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ گویا اس بات سے منکر ہی مثلاً موت ایک ایسی یقینی چیز ہی کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر یقین اور کیا ہوگا۔ بلکہ قرآن میں جو ایک مقام پر آیا ہی وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ تو یقین سے موت ہی مراد ہی۔ اور جس طرح موت کا آنا یقینی ہی بیت

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت	پھر آخر کو مرنا ہی حضرت سلامت

اسی طرح یہ بھی یقینی ہی کہ اس کا وقت مقرر نہیں۔ آج تک تو کوئی آدمی ایسا پیدا ہوا نہیں اور پیدا ہوگا بھی نہیں جس کو بچپنے میں جوان ہونے کا اور جوانی میں بوڑھے ہونے کا کامل یقین رہا ہو۔ ہمارے ملک میں تو زندگی کے بیمہ کرانے کا کچھ ایسا دستور نہیں۔ مگر شاید کسی زمانے میں کسی قوم نے زندگی کی ایسی قدر و حفاظت نہیں کی۔ اور نہ زندگی سے ایسا فائدہ اٹھایا۔ جیسا اہل یوروپ نے ان لوگوں میں زندگی کے بیمے کا بڑا رواج ہی۔ لیکن بیمہ نکلا ہی بیم سے۔ یعنی بیم مرگ ان سے یہ جوئے کھلواتی ہی۔ اور بیمہ جوا نہیں تو کیا ہی۔ غرض زندگی کی بے ثباتی کا تو حال یہ ہی کہ اس کو اجلی البدیہات۔ حق الیقین جو کہو سو بجا ہی۔ مگر میں پوچھتا ہوں آپ صاحبوں میں کوئی ایک بھی ہی جس کو اس جلسے میں تشریف لاتے وقت۔ یہ واہمہ بھی گزرا ہو۔ کہ دیکھئے انجمن کے مکان تک پہنچتا بھی ہوں یا نہیں۔ اور پہنچتا ہوں تو پورا لکچر سننے پاتا ہوں یا نہیں۔ اور لکچر ختم ہوئے پیچھے صحیح سلامت گھر لوٹ کر آتا ہوں یا نہیں۔ میں یہ بات آپ لوگوں کو الزام دینے کے لئے نہیں کہتا۔ خود میرا کیا حال ہی۔ دلی سے ریل میں آیا ہوں۔ اور ریل ہی میں واپس جاؤں گا۔ اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہی کہ ریل بجائے خود محل خطر ہی۔ اخباروں میں ہمیشہ پڑھا کرتا ہوں۔ ریلوں کا ٹکرانا پٹڑیوں سے اترنا مشینری کا بگڑنا۔ مگر جب دلی سے چلا تو پورے یقین سے چلا کہ ضرور لاہور

۱ انسان بخلقت بودی واقع ہوئی ہی ۱۲۔ ۲ اپنے رب کی عبادت کر جب تک کہ وہ وقت آئے جس کا آنا یقینی ہی ۱۲۔

پہنچوں گا تو ضرور لکھ دوں گا۔ اور اتفاق سے دے بھی رہا ہوں۔ اور ضرور دلی واپس جاؤں گا یہاں تک کہ میں اپنے آدمیوں سے کہ آیا ہوں کہ اسٹیشن پر حاضر ہوں۔ اسی طرح جب آدمی پیر ہو جاتا ہے مثلاً جیسے میں ہوں چاہیے کہ تصورِ مرگ ہمہ وقت اُس کے نصب العین رہے۔ لیکن واقع میں حال کیا ہے۔ ع

مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد

جیسے طفل امروز آیندہ زندہ رہنے کی توقع کر سکتا ہے ویسی ہی توقع ایک پیر فرتوت بھی کرتا ہے اور اگر عمر کے کسی درجے میں زندگی کی طرف سے بے اعتمادی ہو تو انتظام دنیا درہم برہم ہو جائے فرض کرو کہ آسمان میں کوئی ایسا فرشتہ ہو جس کو زمین کا کچھ حال معلوم نہ ہو اور اُس سے کہا جائے کہ قدرت کے کارخانے میں ایک زمین بھی ہے اُس پر آدمی بستے ہیں ذی شعور۔ اور اُن کا حال یہ ہے کہ اُن کی بڑی سے بڑی عمر ستر برس کی ہوتی ہے[1] اَکْثَرُ اَعْمَارِ اُمَّتِیْ بَیْنَ سِتِّیْنَ وَسَبْعِیْنَ اور وہ بھی غیر مقرر جس کا وقت آدمی کو نہیں بتایا جاتا۔ اچھا تو وہ فرشتہ ہماری نسبت ایک خیال پیدا کرے گا۔ اور ضرور سمجھے گا کہ ہم لوگ دنیا میں اُٹھاؤ چولھے کا سا رہنا رہتے ہوں گے۔ ہمہ وقت سفرِ عاقبت کے لیے کمربستہ طیار۔ اور وہ فرشتہ یہ بھی ضرور سمجھے گا کہ جب یہ لوگ ذی شعور ہیں اور اُن پر خدا کے احکام نازل ہوتے اور اُن پاس پیغمبر جاتے رہے ہیں تو یہ لوگ نیک بھی پرلے ہی درجے کے ہوں گے۔ اور اپنی تمام مختصر اور بے ثبات زندگی عبادتِ الٰہی میں صرف کرتے ہوں گے۔

بہت خوب۔ اب فرض کرو کہ اُن فرشتے صاحب کو حکم ہوا کہ زمین پر جاؤ اور آدمیوں کے حالات دیکھ کر رپورٹ کرو اور اپنی رائے بھی لکھو۔ فرشتے صاحب آئے اور تمام روئے زمین کی سیر کی۔ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر قسم کے آدمیوں سے ملے۔ جزو کل حالات دریافت کیے اور سب کچھ دیکھ بھال کر رپوٹ لکھنے بیٹھے۔ تو فرماؤ وہ فرشتہ کیا رپورٹ لکھے گا یہی کہ اگر میں نے زمین اور آدمیوں کی شناخت میں غلطی نہیں کی تو میں اِن کا عجیب حال دیکھتا ہوں۔ یہ تو ایسے اطمینان سے

[1] میری اُمت کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوں گی ۱۲

ہیں کہ گویا ان کو مرنا ہی نہیں۔ عمارتیں بنواتے ہیں پکی مستحکم جن میں یہ تو یہ ان کے بیٹے پوتے
[illegible] پڑپوتے بڈھے پھونس ہو ہو کر مرکھپ جائیں۔ اور عمارتیں ویسی کی ویسی قائم۔ باغ لگواتے
ہیں ایسے کہ دادا پردادا۔ سکڑدادا لگائے اور اولاد۔ اولاد کی اولاد۔ اور اولاد کی اولاد کی اولاد
[illegible] کھائے۔ جتنی چیزیں ان کے مصرف کی ہیں۔ یہاں تک کہ جوتی اور کپڑا وہ بھی پائدار اور چلاؤ
[illegible] بدون نہیں لیتے۔ ان کی زندگی محدود ہے۔ بے شک۔ بے ثبات ہے بے شک۔ اور یہ ان
[illegible] کو جانتے اور مانتے بھی ہیں بے شک۔ مگر یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

جب موت جیسی چیز کے ساتھ آدمی کا یہ برتاؤ ہے تو کیوں کر اس سے اُمید کی جا سکتی ہے کہ
[illegible] اسباب ظاہر سے قطع نظر کر کے ایسے سبب کا قائل ہو یعنے خدا پر ایمان لائے جس کو وہ دیکھ نہیں
سکتا لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ۔ یہی منشا بت پرستی کا۔ یہی منشا شرک کا۔ یہی
منشا کفر کا۔ یہی منشا اختلاف مذہب کا اگر دوسرے مذاہب کے لوگ خدا کے بارے میں غلطی
[illegible] کرتے ہیں تو وہ کسی قدر معذور بھی سمجھے جاتے ہیں کہ ان کو ان کے بزرگوں نے یہی سکھایا یا سمجھایا ہے۔
[illegible] سے بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلمان بھی کثرت سے اس قسم کی غلطیاں کرتے ہیں۔ حالاں کہ
اسلام کا سارا زور توحید پر ہے یعنی اس بات پر کہ خدا ایک ہی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اُس کی وحدت
[illegible] طرح کی وحدت نہیں ہے۔ جیسے پنجاب میں ایک لفٹننٹ گورنر یا برٹش انڈیا میں ایک ویسرائے
یا ایک امپرس وکٹوریا۔ یہ وحدتیں ناقص اور برائے نام ہیں۔ اصلی وحدت اُس خدائے پاک
کی ہے جس کی نہ ذات میں کوئی شریک اور نہ صفات میں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ نہ صرف اس سے
[illegible] توحید ہوتا ہے کہ معاذ اللہ دوسرا خدا مانا جائے۔ بلکہ اس سے بھی کہ معاذ اللہ دوسرا اُس کے
اختیارات میں دخیل مانا جائے اور اس سے بھی کہ معاذ اللہ دوسرا مستحق عبادت سمجھا جائے بے شک
[illegible] ایک مسلمان کہے گا کہ میں ایسی کامل اور اصلی توحید کا معتقد ہوں مگر اُس کا یہ کہنا اس سے زیادہ صحیح
نہیں ہوگا جیسے وہ کہے کہ میں زندگی کے محدود اور بے ثبات ہونے کا معتقد ہوں اس کے معتقد

[illegible] نظریں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نظروں پر محیط ہے ۱۲ [illegible] اُس جیسی کوئی چیز ہی نہیں ۱۲

ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ انکار نہیں کرسکتا۔ نہ یہ کہ اُس کا کردار اُس کی گفتار کا مصدق ہو
وہ جو پیغمبر صاحب نے دہر اور ریح کو بُرا کہنے سے منع فرمایا۔ اس کی علت بھی یہی تھی کہ دہر اور ریح مجبور اور
مامور ہیں اور اُن کا بُرا کہنا موہم ان کے متصرف فی الامور اور مختار ہونے کا ہی اور وہ شرک ہی اصل توحید
تو یہ چاہتی ہی کہ یہ بھی نہ کہو کہ کونین دافع تپ ہی بلکہ یوں کہو دافع تپ حکم خدا ہی اور بس۔ رہی کونین اس کو
کسی مصلحت سے سبب ظاہری ٹھیرا دیا ہی مگر اُن باتوں کا لحاظ کون کرتا ہی۔ ایشیائی شاعروں کے
وصل و ہجر۔ گل و بلبل۔ شوق و انتظار جہاں اور معمولی مضامین ہیں ان میں سے ناصح یا شیخ یا زاہد کو بُرا
کہنا اور آسمان کو اُلاہنا دینا بھی ہی شیخ و زاہد کو بُرا کہنا دین کے ساتھ استہزا کرنا ہی اور آسمان کو اُلاہنا
دینا وعید لا تسبوا الدھر[۵] میں داخل بیت

از آسمان و زمین شکوہ می کنی شب و روز	چہ دادہ بزمین نز آسمان چہ می خواہی

بحث تو دلچسپ ہی مگر میں مطلب سے الگ جا پڑا۔ آندھی اور آفتاب کی حکایت کو میں تطبیق دینا
چاہتا ہوں مسلمانوں کی حالت پر۔ میں نے مسلمانوں کو وہ راہ گیر سمجھا ہی جس پر آندھی اور آفتاب نے
زور آزمائی کی تھی لبادہ مسلمانوں کے اوہام اور تعصبات۔ آندھی اصل کہانی میں ہی۔ مگر ہم اس کا
کوئی نمونہ نہیں پاتے اگر ہم خدا نخواستہ کسی ظالم بے انصاف بادشاہ کے محکوم ہوتے۔ اور
وہ ہم کو ترک اسلام پر مجبور کرتا۔ تو میں اُس کو بے تامل آندھی قرار دیتا۔ اور آفتاب کو تو میں کہہ ہی
چکا ہوں۔ زمانے کی رفتار۔ مقتضائے وقت جس کا دوسرا نام ہی ڈگری آف گاڈ۔ یعنے حکم خدا۔
زمانے کی رفتار دھیمی ہوتی ہی مگر سٹیڈی یعنی اس کا قدم سست پڑے سے چھوٹا پڑے۔ مگر
پڑے گا آگے ہی کو۔ زمانہ حرکت میں آکر رُکنا اور پیچھے ہٹنا جانتا ہی نہیں۔ احمق اور بدبخت ہیں وہ لوگ
جو زمانے کی رفتار کو روکنا چاہیں۔ اے مسلمانان پنجاب میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ تم اس
حمق اور بدبختی میں چنداں مبتلا نہیں ہوئے اس کی مصیبت کوئی پوچھے پنجاب کے سوا کے دوسرے
مقامات کے مسلمانوں سے اور خاص کر ہم دلی والوں سے کچھ خبر بھی ہی دلی ہی کیا چیز؟ وہ سیکڑوں

[۵] زمانے کو بُرا مت کہو ۱۲۔

س ہندوستان کا دار السلطنت رہی ہی۔ اس کو دوسرے بلادِ ہند سے وہ نسبت تھی جو دل کو
اعضائے بدن سے ہوا کرتی ہی۔ اگرچہ بہت سے مابہ التشبیہ سمجھ میں آتے ہیں۔ مگر سب سے عمدہ
وہ ہی جس کا ماخذ حدیث ہی اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ
فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ[1]۔ اسی طرح سارے ہندوستان کا بگاڑ یعنی ادبار اور تنزل اور
زوالِ سلطنت اور مفلسی وغیرہ وغیرہ خرابیاں اس سے پیدا ہوئیں کہ پہلے دلی خراب ہوئی۔ دوسرے
اعضا کا فساد اکثر مہلک ہوتا ہی۔ مگر ہارٹ ڈسیز (بیماری دل) کا بیمار جاں بر ہو نہیں سکتا۔ دلی کا
خراب ہونا تھا کہ تمام ہندوستان تباہی میں آگیا۔ بے شک اب دلی کچھ نہیں اور کچھ نہیں سے بھی
بدتر ہی اور اس کو ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر جیسے میر تقی صاحب فرماتے ہیں بیت

دل و دلی ہیں چہ دونوں خراب		پہ کچھ لطف اس اُجڑے گھر میں بھی ہیں	

دلی سے اُس کی تمام عظمتیں چھین لی گئی ہیں۔ اس واسطے کہ وہ چھینی جا سکتی تھیں۔ مگر اس کی حکومت
زبان ملکی پر بدستور باقی ہی۔ اور ابھی سینکڑوں برس باقی رہے گی۔ اگر سچ پوچھو۔ تو ہندوستان
میں اسلام کی اشاعت دلی سے ہوئی ہی وَکَفٰی بِہٖ فَخْرًا۔

اشاعتِ اسلام سے میں یہ مراد نہیں رکھتا کہ مسلمانوں نے دلی میں سلطنت قائم کی جس کی
وجہ سے اشاعتِ اسلام ہوئی۔ بلکہ میں اشاعتِ اسلام سے وہ اشاعت مراد رکھتا ہوں جو علمائے
دین کی وجہ سے ہوئی میں نے اشاعتِ اسلام کو دلی کے مفاخر میں گنا ہی۔ اور واقع میں وہ اسی
قابل ہی۔ لیکن افسوس ہی کہ وہی اسلام جس کو سرتاسر رحمت اور برکت اور یُسر اور سہولت ہونا
چاہیئے مسلمانوں کی غلط فہمی اور سوءِ استعمال کی وجہ سے ان کو پریشان کر رکھا ہی۔

آفتاب مقتضائے وقت ہی کہ سمت الراس پر آ پہنچا اور لبادۂ تعصب نے اس قدر ایذا

[1] سُن رکھو جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہی۔ جب تک وہ ٹھیک ہی سارا جسم ٹھیک ہی۔ اور اُس میں بگاڑ پڑا تو سارا جسم
[2] ابھی تمھیں جتائے دیتا ہوں کہ وہ لوتھڑا دل ہی ۱۲ [illegible] اس کچی خرکاتی ہی یعنی اگر اور موجبات فخر بھی ہوں تو ایک فخر اشاعتِ
اسلام بس کرتا ہی ۱۲۔

پیغمبر ہوئے ہیں۔ اور پار سال اسی جگہ میں بیان کر گیا ہوں کہ خدا نے اتنا ہی پوچھا تھا۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ۔ جواب میں موسیٰ نے ایک تار باندھ دیا۔ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ جب خدا کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو فرعون کیا بلا تھا۔ اُس نے مَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ میں اتنا کہہ حضرت موسیٰ نے تین لفظوں کے جواب میں اتنا کچھ کہہ ڈالا اور گویا اسی سبب سے خدا سے دعا کیا تھا کہ میرے بھائی ہارون کو میری مدد پر آمادہ کر کہ وہ مجھ سے زیادہ گویا ہے رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا دوسری جگہ صاف فرمایا ہے وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي بات یہ ہے کہ دل میں جوش نبوت تھا۔ ہمارے پیغمبر صاحب کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ آپ نماز پڑھاتے ہوتے تھے تو پیچھے سننے والوں کو آپ کے سینے سے ایسی آواز آتی تھی کہ گویا دیگ اُبل رہی ہے۔ موسیٰ کی زبان آفتِ لکنت کی وجہ سے اچھی طرح یاری نہ دیتی ہوگی مگر وہ دل کا جوش کہاں جائے۔ خود موسیٰ اس کے ضبط پر قادر نہ تھے۔ خیر تو موسیٰ کے جواب میں بات تو اتنی ہی تھی عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي یعنی جو لوگ پرانے عقیدے پر مر گئے۔ اُن کا حال خدا جانے۔ کیا فرعون و موسیٰ کا سوال و جواب ہم کو ایک حکایت سمجھ کر سن لینا چاہیئے اور بس نہیں یہ تو معمولی طور کی سمجھ ہے اور کچھ زیادہ تعریف کے لائق نہیں۔ ایسی ہی سمجھ کی نسبت مولانائے روم فرما گئے ہیں بیت

۱؎ موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے ۱۲ ۲؎ یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے اور بھی بہت سے کام نکلتے ہیں ۱۲ ۳؎ اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میری مہم آسان کر دے اور میری زبان کی لکنت دور کر دے تاکہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے ہی گھرانے سے میرے بھائی ہارون کو میرا قوت بازو بنا کر میری کمر مضبوط کر دے اور اس امر (تبلیغ رسالت) میں میرا ساجھی کر دے تاکہ ہم دونوں مل کر تیرا تقدس کثرت سے بیان کریں اور کثرت سے تیری یادگاری میں لگے رہیں ۱۲ ۴؎ اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اُس کو میرے ساتھ بھیج دے کہ میرا قوت بازو ہو کر میری تصدیق کرے ۱۲ ۵؎ اُن کا حال تو میرا پروردگار ہی جانتا ہے ۱۲

من ز قرآں مغز را برداشتم	استخواں پیش سگاں انداختم

ذرا اور نیچے چلو۔ اس سے ایک نہایت ضروری۔ نہایت بکار آمد۔ نہایت عمدہ ہدایت نکلتی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیا میں امن آجائے۔ وہ کیا ہدایت نکلتی ہے کہ خدا کے ساتھ ہر شخص ایک خاص معاملہ رکھتا ہے ؎

ای ترا با ہر دلے رازے دگر	ہر گدا را بر درت نازے دگر

اور کسی دوسرے آدمی کو اس کے معاملے میں دخل دینا مناسب نہیں۔ موسیٰ نے صرف قرون اولیٰ کے بارے میں خدا پر حوالہ کیا۔ اور ہم کو چاہئیے کہ کسی کی نسبت کوئی رائے ظاہر کریں کیوں کہ کوئی شخص ہم سے کیسا ہی اختلاط رکھتا ہو ہم کو اُس کے دل کا حال تو معلوم نہیں ؎

تواں شناخت بیک روز از خصائل مرد	کہ تا کجاش رسیدست پایگاہِ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرّہ مشو	کہ خبثِ نفس نہ گردد بہ سالہا معلوم

غیر تو کیا جانے گا خود صاحب دل کو اپنے دل کی چوری کی خبر نہیں ہوتی۔ جس لفافے کو خدا بند رکھنا چاہے کس کی طاقت ہے کہ کھول سکے۔

عمر بھر مستور رکھا رازِ دل	قبر میں جا کر دفن ہو گیا

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا مَا تَقُوْلُ فِیْ یَزِیْدَ[1] آپ سُن کر خاموش ہو رہے۔ یہ خاموشی ہی حضرت موسیٰ کی عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ کی مرادف تھی۔ اور حکم شرعی بھی یہی ہے کہ بالتعیین کسی کو کافر کہنا درست نہیں۔ مگر حکم شرع کو اور صرف حکم شرع ہی کو نہیں بلکہ عقل و انصاف کو بھی مانتا ہی کون ہے۔ اب تو لوگ تعیین ہی پر بھی قناعت نہیں کرتے جب تک اُس وہمی مقتدی کی سی تعیین نہ کرلیں۔ جو نماز کی نیت کرتے وقت اُقْتَدَیْتُ بِھٰذَا الْاِمَامِ[2] کے کہنے پر بس نہ کر کے مُنہ سے امام کی طرف اشارہ بھی کیا کرتا تھا۔ پھر اس کا وہم ترقی کرتا گیا۔ تو صف سے نکل کر امام کو ہاتھ سے چھونے لگا۔ تو اگر لوگ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح

[1] یزید کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں ۱۲ [2] میں اس امام کے پیچھے ہو لیا ۱۲

چُپ رہیں۔ یا موسیٰ ہی طرح علم خدا پر حوالہ کریں۔ تو پھر ہماری ہندوؤں کی۔ ہماری عیسائیوں کی۔
ہم میں سُنّی شیعوں کی۔ مقلدوں غیر مقلدوں کی۔ ودالین ذوالین کی لڑائی کیا۔ اگر کوئی جنت میں
جانا چاہتا ہی تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ وہ کوئی دنیا کا سا مکان تو ہی نہیں کہ بہت آدمی جمع ہو گئے
تو جگہ گھر جائے گی۔ اسکی وسعت تو عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ[۵] سے ظاہر ہوتی ہی۔ اور اگر کوئی جہنم
کی طیاری کر رہا ہی۔ تو اُس کی خوشی آخر جہنم بے چاری بھی تو ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ پڑی پکار رہی ہی۔
اُس کی فریاد بھی تو کسی کو سننی چاہیئے۔ لیکن لوگوں کا حال یہ ہی کہ وہ اپنے فرائض تو پورے
پورے ادا کر چکے آدمی خالی بیٹھا کیا کرے۔ چلے خدا کا ہاتھ بٹوانے ۵

	تو کارِ زمیں را نکو ساختی	کہ با آسماں نیز پرداختی	

بات یہ ہی کہ انسان ایسا مخلوق خود غرض ہی کہ اگر اُس کی حاجتیں خدا سے متعلق نہ ہوں تو یہ
بھول کر بھی خدا کو یاد نہ کرے کہ وہ ہی کون۔ اور کدھر رہتا ہی ہم جیسی نمازیں پڑھتے ہیں اگر واقع میں پڑھتے
بھی ہوں تو انصاف کی بات یہ ہی کہ نہ پڑھنے سے بدتر ہی کیوں کہ حکم کا نہ بجا لانا نافرمانی ہی لیکن اس کو
بڑی بھونڈی طرح پر۔ بے دلی۔ بے توجہی۔ بے پروائی سے بجا لانا بے ادبی اور گستاخی جو بعض
صورتوں میں نافرمانی سے زیادہ ناگوار ہوتی ہی۔ حدیث شریف میں آیا ہی کہ نماز جو بے حضور قلب
ادا کی جائے وہ اُلٹی پڑھنے والے کے مُنھ پر ماری جاتی ہی وہی دوسرے کے مافی الضمیر
کے جاننے کی مشکل ہی لیکن میں اپنے اوپر قیاس کر کے کہتا ہوں کہ اگر لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے
ہیں جیسی میں ساری عمر پڑھتا ہوں۔ تو افسوس اس نماز پر۔ افسوس اس کے پڑھنے پر۔ افسوس
اس کی مقبولیت کی اُمید پر۔ افسوس اس کے صلے کی توقع پر۔ یہ نماز اس سے زیادہ کچھ فائدہ
نہیں دے سکتی جیسے کسی سکول کا لڑکا سکول کے وقت میں حاضر ہوتا۔ اور پڑھتا لکھتا خاک نہیں
کیا صرف حاضر رہنے سے وہ "ان پاس" کرلے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہاں اتنا کہنے کو ہو جائے گا کہ
فلاں مدرسہ کا لڑکا ہی۔ سو میں اس کو بھی بس غنیمت سمجھتا ہوں کہ اسلامیہ کالج کے رجسٹر میں

۵ اُس کا پھیلاؤ زمین سے لے کر آسمان تک ہی ۱۲

نام تو لکھا رکھا ہی کیا عجب ہی کہ کوئی بھوپال کی بیگم جیسی اللہ کی بندی اتفاق سے لاہور میں آ نکلے اور مطلق اسلامیہ کالج کا نام سُن کر کچھ دے وہ عطیہ حق تو ان کا ہی جو حق طالب علمی ادا کرتے ہیں مگر ان کے طفیل میں نکمے طالب علم بھی کچھ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم	بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
چہ کم گردد ای صدر فرخندہ پی	ز قدر رفیعت بدرگاہ حی
کہ باشند مشتے گدایانِ خیل	بمہمان دار السلامت طفیل

مجھ کو سخت حیرت ہی کہ لوگوں کو نماز میں کیوں کر حضورِ قلب ہو جاتا ہوگا۔ اگر ہوتا ہو۔ نماز نام ہی ارکانِ خاص کا۔ اور ارکان ہیں کہ کسی میں قراءت ہی یعنے کچھ قرآن پڑھنا ہوتا ہی کسی میں تہلیل و تسبیح ہی کسی میں دعا ہی اور یہ سب کچھ زبانِ عربی میں۔ پس حضورِ قلب کی ایک کیفیت خاص تو نہیں ہی کہ آدمی نے شروع سے ایک تصور جما لیا۔ اور آخر تک اس خیال کو بدلنے نہ دیا۔ بلکہ کبھی خدا کی عظمت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہی۔ جہاں خدا کی حمد ہی کبھی ابتہال و تضرع کرنا پڑتا ہی۔ جہاں دعا ہی کبھی اظہارِ ندامت کیا جاتا ہی جہاں اعترافِ گناہ ہی۔ کبھی عبرت۔ کبھی خوف۔ کبھی رجا۔ کبھی بیم کبھی امید یہ ہیں پیرایے حضورِ قلب کے۔ اور اُن کے لئے شرط ہی۔ فہمِ عربی۔ اور مسلمانوں کو جیسی عربی آتی ہی معلوم۔ پس ان کو حضورِ قلب ہوتا ہوگا تو ویسا ہی ہوتا ہوگا جیسے کسی جاہل نے کسی مولوی سے ہر ایک حالت اور ہر ایک موقع کے مناسب دعائیں سیکھ لی تھیں۔ بے فہم عربی اس کو ہوا خلطِ بحث تو وہ استنجا کرتے وقت دعا پڑھتا۔ اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ[1] اور عربی نہ سمجھنے کا کیا الزام دیا جائے یہاں فہم عربی پر یہ شامت ہی کہ ساری عمر ایک رکعت بھی حضورِ قلب سے پڑھنی نصیب نہیں ہوئی ؎

تو بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی	جز ایں دو رکعت واں ہم بہ پریشانی

اگر آدمی اپنے فرائض کا ٹھیک طور پر اندازہ کرے۔ تو اُس کو اپنے ہی نفس کے احتساب سے

[1] اے خدا مجھ کو جنت کی خوشبو سنگھا ۱۲۔

فرصت نہ ملے کہ دوسروں کے ایمان کو جانچے اور اُن کی نیکی بدی کو تولے ایسی تو نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ اگر پڑھی جاتی ہوں۔ اور اُن پر نازیہ ہے کہ دوسروں کو سگ و خوک کی طرح ذلیل سمجھا جاتا ہے اور خدا پر منت رکھی جاتی ہے سو الگ۔ اس کے صلے میں خدا جانے کیسے کیسے توقعات ہیں کہ جنت کو تو اس کا روکھن سمجھنا چاہیئے ؎

پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے		کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی

روزوں کا حال نماز سے بدتر۔ ہاں فی زعمہم رضوان جنت باب الریان کھولے اُن کو اہلاً و سہلاً و مرحبا کہنے کے لیئے ان کا منتظر کھڑا ہے۔ حج اگر کر آئے ہیں تو رجسٹرڈ جنتی ہو چکے ہیں۔ اور اگر نہیں گئے تو لوگوں پر اپنی دین داری ثابت کرنے کے لیئے کیا کبھی اتنا بھی منہ سے نکلا ہوگا کہ خدا ہم کو بھی حج نصیب کرے پس کیوم ولدتہ امہ بن گئے۔ اب آؤ انفاق فی سبیل اللہ پر جس کے لیئے یہاں جمع ہوئے ہو۔ میں تو عالم الغیب نہیں ہوں نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ اگر مسلمان خوش دلی اور کشادہ دلی کے ساتھ انجمن حمایت اسلام پر خرچ کرتے۔ اور دینا وہی ہے جو خوش دلی اور کشادہ دلی کے ساتھ ہو۔ تو اس انجمن کی یہ کیفیت نہ ہوتی کہ اس انجمن کے ممبروں کو چندیں شکل برائے اکل بنانی پڑتی ہیں۔ الفقراء کا سوانگ بھر کر گلی گلی کوچے کوچے بھیک مانگتے پڑتے پھرتے۔ ہر ماہواری رسالے میں مضمون بھی لکھتے۔ آرٹکل بھی دیتے۔ مگر ترجیع بند ؏ ما مقیماں کوے دلداریم۔

وہی کہ کچھ دو ہمارے صوفی صاحب ہیں ؏ بحر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است۔ کوئی شہر تو انہوں نے چھوڑا نہ ہوگا اب گاؤں گاؤں دھاوے کرنے کی فکر میں ہیں۔ پھر گھر گھر بچھر متنفس متنفس۔

اچھا سالانہ جلسہ کیا ہے یہ بھی چندے کی مچھلیاں پھنسانے کا ایک دام ہے۔ اور لکچر اور وعظ اور رپورٹ اور کیا اور کیا۔ یہ سب پیٹ (لقمہ ماہی) ؎

ـــــــــــــ

؎ گویا آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے ۱۲۔

کہ من آن قدِ رعنا می شناسم		بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش

سنتا ہوں کہ انگریزوں کی ولایت میں دستور ہی کہ گلی گلی کے نکڑ پر خیراتی . دھرے رہتے
ہیں جس کو کچھ دینا منظور ہوا بکس میں ڈال دیا۔ ایک ہمارا ملک ہی۔ اونٹ بے اونٹ تیری
کوئی بھی کل سیدھی۔ خیرات بھی ہی تو اکثر گدھے کا کھایا پاپ نہ پُن۔ اس سے کچھ بچا تو ٹڑپا اپنی جان
لئی۔ کھانے والوں نے مزہ نہ پایا۔ بات یہ ہی کہ نہ مانگنے والوں کو مانگنے کا ڈھنگ۔ نہ دینے
والوں کو دینے کا سلیقہ۔ یہ نہیں ہی کہ ہمارے ملک میں خیرات نہیں ہی۔ بہت کچھ ہی۔ مگر بے تمیزی
کی وجہ سے ضائع۔ اکارت رائگاں۔
لوگوں کو خیرات کے بارے میں بڑی سخت غلطی واقع ہی۔ ان کو کسی نہ کسی طرح سمجھانا
چاہیئے کہ محتاجی ایک مرض ہی اور بلاشبہہ اس کا علاج یہی ہی۔ اور یہی ہو سکتا ہی۔ اور یہی ہونا چاہیئے
کہ محتاجی کی حاجت رفع کر دی جائے۔ بھوکا ہی تو اُس کا پیٹ بھر دو۔ ننگا ہی تو اُس کو کپڑے
پہناؤ۔ جیسے فرض کرو کہ بخار کی ہوا چلے تو اس کا علاج یہی ہی کہ کونین اور سنکونا اور فیور پل اور
فیور مکسچر غرض وہ دوائیں جو دافع تپ ہیں تقسیم کرائی جائیں اور ایسا ہی ہوتا ہی اور ٹھیک ہوتا ہی
اور بڑی ثواب کی بات ہی۔ لیکن اس سے بہت زیادہ ثواب کی بات ہو اگر بخار ہی نہ آنے دیا
جائے۔ ایک انگریزی مثل ہی پریوینشن از بٹر دین کیور (سلب مرض سے سد مرض کہیں بہتر)
اس کلیے کو مرض محتاجی پر کیوں نہ جاری کیا جائے۔ اس سے کہ بھوکے کا پیٹ بھر دو۔ ننگے
کا بدن ڈھانک دو بہت زیادہ بہتر ہو گا کہ لوگوں کو بھوکا ننگا ہونے ہی نہ دو۔ اب پوچھو ایسی
کون سی تدبیر ہی جس سے لوگ بھوکے ننگے نہ ہوں۔ ہاں یہی وہ تدبیر ہی۔ جو انجمن حمایت اسلام
اور اُس کی سسٹر انسٹیٹیوشنز (اسی طرح کی دوسری انجمنیں) کر رہی ہیں۔ بھلا اور لڑکوں کو تو
رہنے دو۔ یہ یتیم بچے جن کا کوئی سرپرست نہیں۔ اوپر خدا۔ یا نیچے انجمن حمایت اسلام اُن کی نسبت
تم کیا خیال کرتے ہو۔ کیا خدانخواستہ یہ ننگے پھریں گے۔ کیا خدانخواستہ یہ بھوکے مریں گے۔
کیا خدانخواستہ یہ ٹوکریاں ڈھوئیں گے۔ اور اگر تم معمولی طور پر جیسا تمھارا دستور ہی۔ اُن کی مدد

کرتے تو قسم کھانے کی بات ہی کہ یہ بھیک بھی مانگتے۔ بھوکے بھی مرتے۔ ننگے بھی پھرتے۔ ٹوکری بھی ڈھوتے۔ اور اس سے بڑھ کر چوری بھی کرتے۔ قید بھی ہوتے۔ لیکن اب حمایت اسلام کی حمایت اور تربیت میں یہ ان شاء اللہ بھلے آدمی ہوں گے۔ خوشحال آرنمنٹ آف سوسائٹی (سوسائٹی کی زینت) میں نے ان کو یتیم کہا تو غلطی کی۔ کوئی اپنے باپ کا بیٹا ہوتا ہی اور یہ قوم کی قوم کے بیٹے ہیں لیکن اُسی وقت تک کہ انجمن حمایت اسلام ان کی پرداخت کرتی ہی بھائیو! کیوں نہیں اپنی خیرات کا قاعدہ ٹھیک کرتے۔ کہ ایسے عمدہ نتیجے دکھا سکو۔ جیسے تمہاری خیرات جو انجمن حمایت اسلام میں دیتے ہو دکھا رہی ہی اور آیندہ اس سے بہتر دکھائے گی۔ اور ضرور دکھلائے گی۔ اگرچہ مانگنے والے بھی مانگنے کے طور پر نہیں مانگتے۔ بہتوں نے بلا استحقاق مانگنے کو پیشہ بنا لیا ہی۔ بہتیرے ہیکڑی سے دھرنا دے کر بہتیرے باڈیلی انفرمٹیز (جسمانی عیوب) دکھا اور لوگوں کو نفرت دلا دلا کر مانگتے ہیں۔ اور یہ بدترین پیرائے ہیں ابرام کے۔ مگر یہ دینے والوں کی کمزوری ہی کہ ایسی نالایق گداگری کی مقاومت نہیں کر سکتے۔ دینا تو ہر حال میں اچھا ہی مگر ؎

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہی		وہ گدا جس کو نہیں خوئے سوال اچھا ہی

لیکن مانگنے والوں سے کھوئے سوال چھوٹے تو کیوں کر چھوٹے۔ دینے والوں کے بے طلب دینے سے چھوٹے سو دینے والے طلب پر تو مشکل سے دیتے ہیں۔ اگر لوگ طلب کرنا چھوڑ دیں تو باب خیرات ہی مسدود ہو جائے فیاضی بھی عبادت ہی۔ بلکہ کل عبادتوں سے افضل کیوں کہ یہی ایک عبادت ہی جس سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہی۔ لیکن وہ ضعف انسانیت خود غرضی کہاں جائے لوگ دیتے ہیں۔ مگر یہ سن کر دیتے ہیں مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ[1] اگر قیامت کا اور خدا کا حق الیقین ہو تو کون ہی جو اس طرح کا سودی روپیہ نہ چلائے۔ ایک ایک کے سات سات سو۔ مگر ہمارے

[1] جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہی جیسے ایک دانہ کہ اس سے سات بالیں اُگیں ہر بال میں سو دانے ۱۲۔

یقین کا تو حال ہے ہی [1] اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ یقین جس کو یقین کہتے ہیں ہوتا تو آج جن
حمایت اسلام میں ایک لاہور سے لوگوں کی بیبیوں - بہو بیٹیوں کے زیوروں کے انبار لگ گئے
ہیں تو کہ بھائی شمس الدین سے رکھتے اور سنبھالتے نہ بن پڑتا - تمہاری کیا تخصیص ہے - مسلمانوں پر تو
جیتے جی قیامت آگئی ہے کہ نفسی نفسی ہو رہی ہے اور نفسی نفسی نہ ہوتی - تو ہم اس روز بد ہی کو کیوں پہنچتے
تم نے دیا - اور دیتے ہو - اور دو گے خوب کیا - بہت خوب کیا - خوب کرتے ہو - بہت خوب کرتے
ہو - خوب کرو گے - بہت خوب کرو گے اور میں مانتا ہوں کہ تمہارا دینا شیخی اور من واذی سے بھی
پاک ہے مگر پھر بھی یہ فیاضی اور خالصۃً لوجہ اللہ اور چیز ہے - تم نے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ یا [2] مَنْ ذَا الَّذِيْ
يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً یا اسی طرح کی کوئی اور آیت کہ قرآن میں
شاید ہی کوئی ورق ایسی آیتوں سے خالی ہو - غرض ایسے ایسے لمبے چوڑے وعدے سن کر دیا -
تو کیا دینے میں دیا - دنیا میں تو لوگ چند پیسے سیکڑے پر سودی روپیہ چلاتے ہیں - اور کن کی ضمانت پر
جن کی زندگی کا ٹھکانا نہیں - بات کا بھروسہ نہیں - یا جائداد ہے تو اس کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی
ہے اور خود معرض خطر میں ہے - تو تم نے خدا کی ضمانت پر اور ایسے بھاری سود پر کہ ایک ایک کے سات
سات سو - اور شاید اس سے بھی زیادہ کچھ دے دیا تو کون سا کمال کیا - سچی فیاضی اور خالصۃً
لوجہ اللہ دینا تو وہ ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں [3] اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ
مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا

[1] گمان تو ہم بھی کرتے ہیں مگر یقین نہیں ۱۲ [2] ایسا کون ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے تو اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے ۱۲ [3] جو
لوگ اپنے رب کے خوف سے بے چین رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے
ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں پھر بھی ان کے دل ڈرتے ہیں کہ دیکھیے خدا کے ہاں گئے
پیچھے قبول بھی ہوں یا نہ ہوں ایسے لوگ اچھے کاموں میں قدم بڑھا کر سب سے آگے ہو جاتے ہیں ۱۲-

مَا یَقُوْنَ جب تم میری ٹیسٹ (جانچ) میں نہیں ٹھیر سکتے کہ میں ایک بندہ ہوں عاجز گنہگار بدتر
سے بدتر تو خدا کی بازپرس کی تم سے کیا مقاومت ہو سکے گی۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کام نہیں چلتا
فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى اگر سب آدمی آپ اپنے جج ہوا کریں تو نیک و بد کا تفرقہ اٹھ
جائے۔ عذاب و ثواب کا امتیاز باقی نہ رہے ہم کو ایک ایسے جج کے حضور میں جواب دہی کرنی ہے۔
جس سے ہمارا فعل تو فعل کوئی راز تک مخفی نہیں يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ
دنیا کے ایک ادنی سے ادنی حاکم کے پاس مقدمہ ہوتا ہے تو انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ
اس کا اختیار معلوم ہے اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تو کیا ہونا ہے اس روز باز خواست کو
جس کو قیامت کہتے ہیں۔ اور جس کی نسبت خدائے تعالی وَهُوَ اَصْدَقُ الْقَآئِلِیْنَ فرماتا ہے
اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ
كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ
شَدِيْدٌ جج کا وہ حال کہ اس کے اختیار کی کوئی حد نہیں لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ
مقدمہ کی روئداد بجلی ہوئی تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ممکن ہے ان باتوں کا پورا پورا یقین ہو اور انسان ہنسے۔ ممکن ہے کہ ان باتوں کا پورا پورا
یقین ہو اور انسان غفلت کی نیند سوئے۔ ممکن ہے کہ ان باتوں کا پورا پورا یقین ہو اور انسان
اس طرح زندگی بسر کرے جس طرح کہ ہم کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ احتساب کرو
تو دین و مذہب کا نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ خدا جیسا کہ عقل چاہتی ہے کہ ہو۔ اور جیسا کہ قرآن

۱ آپ اپنے منہ سے پارسا مت بنو خدا پارساؤں کو خوب جانتا ہے ۱۲ ۲ اس کو آنکھوں کی چوریاں اور دلوں کے بھید
معلوم ہیں ۱۲ ۳ تو بہت کرے گا ہماری جان لے گا ۱۲ ۴ اور وہ سب سے زیادہ سچ کہنے والا ہے ۱۲ ۵ بے شک قیامت
کا زلزلہ ایک بھاری حادثہ ہے جس دن اس کو دیکھو گے تو یہ حالت ہوگی کہ دودھ پلانے والی اپنے بچے کو بھول جائے گی
اور ہر پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دے گی لوگ متوالے دکھائی دیں گے حالاں کہ متوالے نہیں بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا ۱۲
۶ آج کس کی حکومت ہے؟ اللہ کی جو اکیلا ہے سب سے زبردست ۱۲ ۷ ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے مقابلے میں
ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ۱۲

پاک سے ظاہر ہوتا ہی کہ ہی - وہ خدا تو ہمارے جیسے ادعائی دین داری سے رضا مند ہو سکتا نہیں
اور ہونا چاہیئے بھی نہیں - مگر ہاں وہ خدا جو ہم نے اپنے ذہن میں ٹھیرا رکھا ہی اَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ
اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ خدا کرے کہ خدا ایسا ہی ہو تو پھر سب بے حساب جنت پر جا قبضہ کریں - مجھ کو اس بارے
میں جو کچھ بیان کرنا چاہیئے تھا ابھی میں نے ایک شمہ بھی نہیں کیا - مگر خیر جو کچھ ذرا ظہور بیان کیا
اس کے بعد میں آپ سب صاحبوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنے دل میں اسلام
کا ایک سٹینڈرڈ قرار دے جیسا کہ مدرسوں کے امتحان میں نمبر کامل ہوتا ہی اور پھر اَلْاِنْسَانُ
مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانِ - وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا کا لحاظ کر کے پاس کرنے کی
ایک حد ٹھیرائی - مثلاً نمبر کامل سو ہوں تو پاس کرنے کی حد تینتیس یا پچیس یا بیس - پھر ٹھنڈے
دل سے اور سچے دل سے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنے نفس کا احتساب کرے اور دیکھے کہ
اسلامی امتحان میں اس کو پاس ہونا چاہیئے یا فیل - یہ میرا ایک پرانا خیال ہی - اور میں نے اپنے
نفس پر اس کو اکثر آزمایا ہی - جوانی میں پیری میں - نوکری کی حالت میں خانہ نشینی میں سفر میں
حضر میں - خلوت میں - جلوت میں اور میں نے پاس نمبر بھی کیسے نو دکم کے لئے تھے سو میں دس تو میں
اس بھرے مجمع میں اقرار کرتا ہوں کہ میں کسی ایک سبجکٹ میں بھی اپنے تیئں دس نمبر نہیں دے سکا
سو میں دس ہمیشہ فیل - اور فیل بھی وتھرڈ سنگ لیس (بے عزتی کے ساتھ) اور اب تو امتحان
کے لئے پریپیر (طیار) ہونے کی نہ مجھ میں طاقت ہی اور نہ توانائی ہی - یہ تو میں عمل کے اعتبار سے
کہتا ہوں - رہے خیالات معتقدات بھلا ساری عمر کے جمے ہوئے زنگ اب کیا چھوٹیں گے
اپنی حالت تو ایسی ہوپ لس (مایوسانہ) ہی اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی نسبت
ایسا ہی خیال کرے گا ؎

گرت چشمِ خدا بینی بہ بخشند	نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش

[1] بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا ہی جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہی ۱۲ [2] بھول چوک تو انسان کی
سرشت میں رکھی گئی ہی ۱۲ [3] اور انسان کی خلقت بودی واقع ہوئی ہی ۱۲ -

اور یہ تو حقوق اللہ کے اعتبار سے کچھ یوں ہی سرسری سی جانچ کی تھی کہ ساری قلعی کھل گئی ہے
اگر حقوق العباد کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ ہم صرف نام کے مسلمان ہیں۔
مردم شماری میں ہم کو مسلمانوں میں گن لیا ہے۔ ورنہ مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب توجہ کو
رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ اپنی یہ کیفیت ہے تو کس منھ سے کسی دوسرے پر اعتراض کیجیے۔ کیا کوئی
اندھا کانڑے پر اور کیا کوئی کانڑا اُس پر جس کی آنکھوں میں ناخنہ ہے ہنس سکتا ہے یا اُس کو چشم
حقارت سے دیکھ سکتا ہے ؎

ای ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے	سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

بات چلی تھی اس پر کہ انسان ایسا مخلوق خود غرض ہے کہ اس کی حاجتیں خدا سے متعلق
نہ ہوں تو یہ بھول کر بھی خدا کو یاد نہ کرے کہ وہ کون ہے اور کدھر رہتا ہے۔ اچھا خود غرضی ہی سہی
مگر تہ دل سے اُس کی یاد تو ہو۔ یاد کا جو حال ہے وہ سن ہی چکے ہو کہ کیا نماز کیا روزہ کیا حج
کیا زکوٰۃ کوئی بھی تو ٹھیک طور پر نہیں۔ ان سب سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ انسان اپنی حاجتوں
کو خدا سے متعلق کرنے میں بھی مضایقہ کرتا ہے حاجتوں کو خدا سے متعلق کرنے میں مضایقہ کرنا ادائے
مطلب کا ایک پیرایہ ہے۔ دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ وہ خدا کے اختیارات گھٹانے اور کم کرنے کے
پیچھے پڑا ہے۔ یہ کیوں کر؟ یہ اس طرح کہ انسان اپنی تدبیر پر بھروسہ رکھتا ہے تدبیر پر اعتماد کرنا کچھ بے جا نہیں
ممنوع نہیں۔ تدبیریں بھی خدا ہی نے بتائی ہیں۔ اس واسطے کہ اُس حکیم برحق نے اس عالم کو
عالم اسباب بنایا ہے۔ مگر اعتماد اعتماد میں فرق ہے۔ تدبیر پر اعتماد کرنا ایک درجے میں امتثال
امر الٰہی ہے ع

برتوکل زانوے اشتر بہ بند

اور ایک درجے میں شاید وہ شرک و کفر تک منجر ہو سکتا ہے۔ اب اس کا فیصلہ کون کرے۔ کہ ہم
جو اپنی تدابیر پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ کس درجے میں ہے۔ اس کا فیصلہ کرے خدا۔ یا ہمارا کانشنس
(ایمان) مثال کے طور پر ایک رزق ہی کا معاملہ لو۔ کہ اللہ تعالی جل شانہ فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اور دوسری جگہ فرماتا ہے یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے رزق کی تحریری ذمہ داری کر لی۔ اس سے بڑھ کر اور وثیقہ کیا ہو سکتا ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ کتنے دل رزق کی طرف سے مطمئن ہیں اس واسطے کہ خدا کا وعدہ ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید آتنوں میں ایسا ایک کا بھی دل نہیں۔ ہاں اگر ہم میں کوئی نوکری پیشہ ہے وہ رزق کی طرف سے مطمئن ہے اس واسطے کہ اُس کی نوکری لگی ہے۔ یا اس واسطے کہ اُس نے امتحان پاس کر کے نوکری کے لئے استحقاق ثابت کیا ہے۔ اور کوئی حاکم اُس کو زبان دے چکا ہے کہ جب کوئی جگہ خالی ہوگی میں تمہاری پرورش کروں گا۔ یا اس کے پاس دوسرے وسائل ہیں جو اس کو کبھی نہ کبھی نوکری کرا چھوڑیں گے۔ اگر تجارت پیشہ ہے وہ مطمئن ہے کہ اس کی تجارت چل رہی ہے۔ اور فائدے کی توقع ہے اگر کاشتکار ہے وہ پیداوار کے بھروسے پر اُدھار کھا رہا ہے۔ غرض ہر شخص کو خدا کے وعدے سے قطع نظر کر کے کچھ نہ کچھ وجہ تسلی ضرور ہے بات وہی ہوتی ہے۔ مگر ذرا سا سمجھ کا پھیر آدمی کو خدا سے بے تعلق کر دیتا ہے یعنی ایمان جاتا رہتا ہے۔ نوکری کرو تجارت کرو کاشتکاری کرو جو تمہارے جی میں آئے کرو مگر یہ سمجھو کہ اصل میں رازق وہ ہے۔ وہ چاہے تو بدون ان حیلوں کے بھی دے ؎

ورنہ ستانی بہ ستم میرسد	آنچہ نصیب ست بہم میرسد

اور وہ نہ چاہے تو ایک نہیں ہزار حیلے کریں پھر بھوکے کے بھوکے ؎

نہ دہند ت زیادہ از روزی	گر زمین را بآسماں دوزی

مگر عادت الٰہی یوں ہی ہے کہ ہم کو معاش کے لئے کچھ نہ کچھ حیلہ کرنا ضرور ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ خیال کا ٹھیک رکھنا ہی تو کام رکھتا ہے۔ ورنہ مومن اور کافر بلکہ انسان اور حیوان میں کچھ بھی فرق نہیں۔ اگر ہم تدبیر اور اسباب ظاہر پر اعتماد کلی کو بیٹھیں جیسا کہ افسوس ہے کہ ہم کر بیٹھے ہیں

۱ زمین میں جس قدر جاندار چیزیں ہیں سب کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے ۲ جس کے واسطے چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم ۳ بلا شبہ اللہ کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

تو اس اعتقاد کے سوائے اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے زعم میں خدا سے اُس کے
اختیارات چھین کر اُن چیزوں کو دیئے ہیں جو ان اختیارات کے اہل نہیں۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ
شرک نہیں تو کیا ہے۔ بت پرستی نہیں تو کیا ہے۔ اور کفر نہیں تو کیا ہے۔ اچھا اگر اس بارے میں میری رائے
سخت ہے اور تشدد بے جا کرتا ہوں تو برائے خدا مجھ کو ان مشائخ کا معاملہ سمجھاؤ۔ اختلافات سُنی و
شیعہ۔ حنفی۔ شافعی۔ وغیرہ وغیرہ سے قطع نظر کرو۔ تو مسلمانوں کے دو بڑے گروہ ہیں۔ ایک بیچارے
ہم لوگ کلمہ گو ارباب ظاہر جو پیری مریدی کے سلسلے میں نہیں ہیں۔ ہماری موٹی سمجھ تو یہ ہے کہ خدا کو
اپنے بندوں کی معاش و معاد کی اصلاح کے لیئے جو جو ہدایتیں صادر کرنی منظور تھیں وقتاً فوقتاً
پیغمبر صاحب پر وحی کے ذریعے سے نازل ہوتی رہیں۔ جب جب وحی نازل ہوتی پیغمبر صاحب
کمال احتیاط و دیانت کے ساتھ اُس کو قلمبند کراتے جاتے یہاں تک کہ قرآن جیسا اب موجود ہے
مدون ہو گیا۔ اور خدا نے فرما دیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ[۱] جس کے یہ معنی ہوئے کہ فرمان شاہنشاہی کو
ختم کر کے اُس کے آخر میں مُہر لگا دی کہ آیندہ کوئی شخص اس میں کمی و بیشی نہ کر سکے۔ چنانچہ
تیرہ سو برس گزر گئے آج تک ایک نقطے کا فرق تو پڑا نہیں۔ اور پڑے گا بھی نہیں۔ کیوں کہ
خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ کر لیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[۲] یہ اسی
وعدے کا ایفا نہیں ہے تو کیا ہے کہ لاکھوں مُسلمانوں کے دلوں میں اس کے زبانی یاد رکھنے کا
شوق پیدا کر دیا ہے۔ ناسخین اور مترجمین کی بیری کیا چل سکتی ہے کہ اس میں تصرف کریں۔ اگر
روئے زمین کے سارے قرآن معدوم ہو جائیں۔ ہو جانے دو۔ مسلمانوں کے دلوں میں۔
اَبًا عَنْ جَدٍّ اس کا ایک ایک حرف کندہ ہوتا چلا آتا ہے۔ جس کو نہ آگ جلا سکتی نہ پانی دھو سکتا
ہے۔ ایک حافظ مرنے نہیں پاتا کہ ایسے ایسے پانچ اور برس کے برس رمضان میں نماز تراویح
کی امامت کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سامان ہی ایسا آ کر بندھا ہے کہ یہ تا زمانہ انقراض دنیا
پست ہونے والی نہیں ہے۔ خیر یہ تو قرآن اصل دین ہے جیسے تنہ درخت۔ اب رہی حدیث

[۱] آج میں نے تمہارے لیئے تمہارا دین کامل کر دیا ۱۲ [۲] ہم نے یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں ۱۲ [۳] نسلاً بعد نسلٍ

فقہ اور دوسرے علوم دین - یہ سب فروعات ہیں - قرآن لاینفی قانون - حدیث پراسیڈیور - یعنی ضابطۂ کارروائی - فقہ نظائر - اور اسی طرح دوسرے علوم دین کے لیے بھی کوئی مابہ المماثلت پیدا کر لیا جا سکتا ہے - لا - اور پراسیڈیور تو تبدیل پذیر نہیں - مگر نظائر کا بدلنا موقوف ہے لوگوں کی ضرورتوں کے تجدد پر - اور تعجب ہے جب کثرت سے ضرورتوں کے تجدد کا زمانہ آیا - نظائر کا سلسلہ لوگوں نے موقوف کر دیا - ابھی دو باتیں اور بھی ہیں کہ پیغمبر صاحب پر جو وحی نازل ہوئی آپ نے بے کم و کاست ہو بہو اُس کو لکھوا دیا - سُنا دیا - مشتہر کر دیا - فرشتے نے تو کہا کان میں - اُنھوں نے کوٹھے پر چڑھ کر پکار دیا - دنیا جہان میں اُس کی منادی کی - ایسی کہ وہی بات ہر ہر مسلمان کے منھ میں تھی - اور منھ میں ہے - اور قیامت تک منھ میں رہے گی -

اب میں اس کے چند شواہد بیان کروں گا - مثلاً عبد اللہ بن ام مکتوم ایک صحابی تھے نابینا وہ حضرت سے ہدایت پانے کے لیے حاضر خدمت ہوئے - اتفاق سے اُس وقت رؤسائے قریش جمع تھے - اور پیغمبر صاحب اُن کو تعلیم و تلقین فرما رہے تھے - عبد اللہ نے قریب پہنچکر عرض کیا کہ یا حضرت مجھ کو بھی حق کی تلاش ہے آپ مجھ کو بھی راہِ راست بتائیے - پیغمبر صاحب نے سوچا کہ رؤسائے قریش کو خدا راہ پر لے آئے تو ان کے دیکھا دیکھی بہت لوگ اسلام لے آئیں گے چنانچہ آپ عبد اللہ کی طرف ملتفت نہ ہوئے - اور ملتفت ہونے کا موقع بھی نہ تھا - سورۂ عبس کے شروع کی آیتیں اِس واقعہ سے متعلق ہیں عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰیٓ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ [illegible]

۱ پیغمبر نے تیوری چڑھائی اور منھ پھیر لیا اس سے کہ ان کے پاس ایک اندھا آیا - اے پیغمبر تم کیا جانو - شاید وہ (گناہ کی آلودگی سے) پاک ہوتا یا تمھاری نصیحت سے نفع اُٹھاتا - جو پروا نہیں کرتا تم اُس کے پیچھے پڑے رہتے ہو حالاں کہ اُس کے راہِ راست پر نہ آنے کا تم پر کچھ الزام نہیں اور جو شخص تمھارے پاس دوڑ کر بھاگا ہوا آتا ہے تو تم اُس سے تغافل کرتے ہو خبردار پھر ایسا مت کرنا - یہ قرآن تو نصیحت ہے جو چاہے اس سے نفع اُٹھائے اُن اوراق میں لکھا ہوا ہے جو بزرگی اور عالی رتبہ رکھتے اور پاک ہیں - بزرگ نیک لکھنے والوں کے

ذَکَرَۃٌ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ دنیا میں اگر کوئی حاکم بالادست
اپنے ماتحت پر عتاب کرتا ہے تو شخص معاتب اُس کو چھپاتا ہے کہ لوگوں میں اُس کی سبکی نہ ہو یہاں
ایک پیغمبر ہے اور خدا نے تادیباً زجر فرمایا ہے اور وہ ایک ایک کو فرمان عتاب آمیز سناتا ہے جنگ
اُحد میں اصحاب سے ایک غلطی ہو گئی تھی کہ پیغمبر صاحب کے حکم کے خلاف اپنی جگہ سے ٹل گئے۔
لڑائی بگڑی۔ کفار نے مشہور کر دیا کہ پیغمبر مارے گئے۔ تو لشکر اسلام کے پاؤں اُکھڑ گئے اس پر
یہ آیت نازل ہوئی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ[1] دنیا کے کسی سپہ سالار نے اپنی نسبت ایسے کلمات کہے ہیں۔ جو
اس کی توہین کے موہم ہوں۔ زید بن حارثہ رض آپ کے غلام تھے۔ آپ نے اُن کو آزاد فرما کر
اپنی پھوپی زاد بہن زینب کو اُن سے بیاہ دیا تھا۔ میاں بی بی میں موافقت نہ آئی۔ آخر زید نے
اُن کو چھوڑ دیا۔ اور پیغمبر صاحب نے اُن بی بی سے اپنا نکاح پڑھا لیا۔ اور پیغمبر صاحب کو زید
کے ساتھ ایسی محبت اور خصوصیت تھی کہ لوگ زید بن محمد پکارتے تھے۔ اِن کی بی بی کے ساتھ نکاح
کرنے کو لوگوں نے بہت ہی بُرا سمجھا کہ بہو کو گھر میں ڈال لیا اِس کے متعلق سورۂ احزاب میں
ایک بڑا رکوع کا رکوع ہے اس میں اس کا بھی بیان ہے کہ پیغمبر صاحب کی دلی آرزو تھی کہ زید
چھوڑ دے تو میں ان بی بی سے نکاح کر لوں۔ سوائے پیغمبر کے کس سے ہو سکتا ہے کہ ایسے محل پر اپنا
میل خاطر لوگوں پر ظاہر کر کے اپنے تقدس میں بٹہ لگوائے حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں اور ٹھیک فرماتی ہیں کہ اگر
پیغمبر صاحب وحی میں سے کچھ چھپا سکتے تو زید کی بی بی کے ساتھ نکاح کرنے کا حال ضرور چھپا
رکھے ہوتے۔ یا آپ کا فرمانا لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ[2]
یا اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ[3] مَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ[4] یا سب سے بڑھ کر افک کا قصہ کہ لوگوں کو

[1] محمد بیش برین نیست کہ ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں تو اگر یہ مر گئے یا مارے گئے کیا تم دین سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے ۱۲ [2] اگر غیب کا حال معلوم کر لینا میرے اختیار میں ہوتا تو میں بہت سی بہتری جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی بلا نہ پہنچتی ۱۲ [3] میں تو فقط تم ہی جیسا آدمی ہوں ۱۲ [4] مجھ کو معلوم نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ آیندہ کیا ہونے والا ہے ۱۲

پیغمبر صاحب کے ساتھ مذہبی عداوت تو تھی ہی اور سب عداوتوں میں یہی شدید تر ہوتی ہی۔ کفار پیغمبر صاحب کو ایذا دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے تھے۔ اتفاق سے غزوہ بنی مصطلق میں اُم المومنین حضرت عائشہ رض پیغمبر صاحب کے ساتھ گئیں۔ واپس آتے ہوئے جب کہ اگلے دن مدینہ پہنچیں گی۔ قافلہ میں کچھ رات رہتے ہی الرحیل پکارا گیا۔ حضرت عائشہ رض رفع ضرورت بشری کے لیئے قافلے کے باہر گئی ہوئی تھیں۔ کہ ساربان نے اُن کی سواری کا کجاوہ اونٹ پر لاد لیا۔ اور سمجھا کہ یہ کجاوے میں ہیں اُنھوں نے لوٹ کر دیکھا کہ قافلہ آگے بڑھ گیا۔ یہ وہیں بیٹھ گئیں اس خیال سے کہ آخر میری ڈھنڈیا پڑے ہی گی اور کوئی نہ کوئی مجھکو آ کر لے جائے گا۔ قافلے کے پیچھے ہمیشہ ایک شخص رہا کرتا ہی کہ قافلہ روانہ ہو چکتا ہو تو وہ لوگوں کی گری پڑی چیز سمیٹ لاتا ہی۔ اس قافلے ساتھ وہ شخص صفوان تھا۔ وہ جو آیا تو اُس نے آدمی کی پرچھائیں سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اُم المومنین ہیں خود تو اونٹ پر سے اُتر پڑا اور اُن کو سوار کر نکیل ہاتھ میں لے آپ آگے آگے ہو لیا۔ دشمن تو ایسے موقع کی تاک ہی میں رہتے تھے۔ نابکاروں نے تمام قافلہ میں چرچا کر دیا۔ پیغمبر صاحب کو سُن کر سخت ایذا ہوئی۔ اور حضرت عائشہ کو اُن کے میکے پہنچا دیا۔ اور وہ بھی مارے رنج کے بیمار پڑ گئیں کوئی دو مہینے کے قریب بیت الرسالت میں یہ آفت رہی۔ بارے سورۂ نور کی وہ آیتیں اُتریں۔ جنھوں نے اُم المومنین کی برارت روز روشن کی طرح ظاہر کر دی اِس سے دو مطلب نکلے ایک تو اس مذکور کا داخل قرآن ہونا دوسرے لوگوں کا وحی پر اعتماد کرنا۔ اور سری کا ہوتا تو اس تذکرے کو زبان پر بھی نہ لاتا کہ اب تک کبھی کا بھول بسر گیا ہوتا۔ جیسے اور بہت سے واقعات۔ نہ کہ جزو قرآن قرار دیتا کہ ہمیشہ اس تذکرے کی تجدید ہوتی ہے۔ بات یہ ہی کہ پیغمبر صاحب مامور تھے۔ اور ممکن نہ تھا کہ تبلیغ وحی نہ کریں وہ خود فرماتے ہیں قُل اِنَّمَا [1]

---

[1] اے پیغمبر لوگوں کو سنا دو کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دو کہ میں تمہارے بھلے بُرے کا مالک نہیں کہہ دو کہ مجکو اللہ کے (عذاب سے) ہرگز کوئی پناہ نہیں دے گا۔ اور نہ مجکو اُسکے سوائے کوئی ٹھکانا۔ ہاں اُسکے پیغام پہنچا دینے پر میں بری ہو سکتا ہوں (ورنہ نہیں) ۱۲۔

اَدْعُوْ رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ۔

پیغمبر صاحب کے اس کہنے کو دیکھو۔ کہ میں تم کو نفع نقصان کچھ بھی نہیں پہنچا سکتا۔ ہمارے زمانے کے مشائخ تو ایسے بنتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب انہی کے ایما سے ہو رہا ہے۔ ان کے مرید اور معتقد ان کی تعظیم خلاف شرع کرتے ہیں۔ اور وہ ان کو جائز رکھتے ہیں۔ ان سے امیدیں لگائی جاتی ہیں۔ اور وہ کبھی اپنا عجز ظاہر نہیں فرماتے۔ اور دوسری بات ہے عموم اسلام وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ[1] کہ دعوت اسلام شامل تھی۔ مرد اور عورت۔ امیر اور غریب۔ شہری اور دیہاتی مقیم و مسافر۔ عالم و جاہل بلا استثنائے احدے سب پر۔ اب ان سب باتوں کو جمع کرو۔ یعنی تمام وحی کا قرآن میں مدون ہونا پیغمبر صاحب کا وحی کو اگرچہ وہ ان کی شان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اخفا نہ کر سکنا۔ اسلام کا عام ہونا نتیجہ کیا نکلے گا۔ کہ مجموع مسلمان بطور ایک کلاس کے تھے۔ اور پیغمبر صاحب ان کے معلم۔ کہ وہ ساری کلاس کو ایک ہی کتاب اور ایک ہی سبق پڑھاتے تھے۔ تو مشائخوں نے بلا تشبیہ فری میسنوں کی طرح یہ اپنا خاص گروہ کیا بنا رکھا ہے کہ ایک تعلیم ہے سینہ بسینہ اور وہ راز ہے درمیان پیر و مرید کے اگر تعلیم وہی تعلیم ہے جو قرآن و حدیث و فقہ میں ہے تو اس کا اخفا کیا۔ اور اگر اس کے خلاف یا مغائر ہے۔ تو بڑی مشکل پیش آئے گی اور کچھ تاویل نہ کرتے بن پڑے گی۔ اس آیت کی یٰٓاَیُّہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ[2] کیا کوئی تعلیم ایسی بھی تھی۔ کہ پیغمبر صاحب نے اپنے عزیزوں میں سے کسی کو یا اپنے حواریوں میں سے کسی کو اس کے لئے خاص کیا تھا۔ ہم کو تو اس کی کوئی سند ملی نہیں۔ اور عقل بھی اس سے ابا کرتی ہے۔ معلوم ہے کہ بڑے بڑے بزرگان دین طائفہ علیہ صوفیہ میں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مجھ کو ان کے سیکرٹ (راز) میں دخل نہیں اور کیا ایک مجھ کو دخل نہیں۔ لاکھوں کروڑوں مسلمان میری طرح اس نعمت سے اگر ہو

---

[1] ہم نے تو تم کو سبھی لوگوں کی طرف رسول کر کے بھیجا ہے ۱۲ [2] اے رسول جو تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اترا ہے سب پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے حق رسالت نہ ادا کیا ۱۲

محروم ہیں۔ اور چوں کہ اوائل کار میں اشتباہات واقع ہوگئے کبھی ارادہ بھی نہیں ہوا کہ اس
راز کو معلوم کیجئے۔ یہ خدشہ جو میں نے بیان کیا۔ اس کے علاوہ دو باتیں اور بھی کھٹکتی ہیں۔ ایک تو
پیروں کی تعظیم میں اس قدر افراط کر دی ہے کہ اس کو ایک طرح کی پرستش کہا جا سکتا ہے یہ فنافی الشیخ
اور تصور شیخ افراط التعظیم نہیں تو کیا ہے اس سے بہت کم درجے کی تعظیم صحابہ پیغمبر صاحب کی کرتی چاہتے
تھے۔ اور پیغمبر صاحب اُس کو جائز نہیں کہتے تھے اسی وجہ سے کہ کسی بندے کی تعظیم مفرط مستلزم کسر شان
الوہیت ہے۔ ایسی قومیں موجود ہیں جنھوں نے انبیاء کی تعظیم بڑھاتے بڑھاتے اُن کو خدا اور خدا کا فرزند
بنا دیا۔ لگے ان کی قبروں کی پرستش کرنے [1] اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ اور نہیں تو سد باب
فتنہ متقاضی ہے کہ یہ شیوہ ترک کیا جاوے [2] ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا ہم خواص مسلمانوں کی نسبت
بدگمانی نہیں کرتے۔ مگر وہ یہ تو فرمائیں کہ عوام مسلمان کیوں کر محترز رہ سکتے ہیں۔ ہندوؤں میں
بھی جو لوگ سمجھ دار ہیں بت پرستی کو برا سمجھتے اور تاویل کرتے ہیں کہ بت صرف آثار اور علامات ہیں یاد دہانی
اور خیال جمانے کے لیے ممکن ہے کہ خاص خاص آدمیوں کا ایسا ہی خیال ہو۔ مگر عوام میں اتنی بلند
پروازی اور ایسا انتقال ذہن کیوں ہونے لگا وہ کیا سمجھیں کہ خواص جو اکثر متبوع عوام ہوتے ہیں
کس غرض سے بتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ یوں بت پرستی ایسی جڑ پکڑ گئی کہ کسی کے اُکھاڑے نہ اُکھڑی
حضرت ابراہیم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے [3] وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ
اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ پس بتوں کی شکایت اُس وقت بھی تھی اب بھی ہے اور جب
سمجھنے والوں کی سمجھ پر پتھر پڑیں تو جب تک دنیا رہے گی یہ شکایت بھی رہے گی صرف پتھر یا سونے
یا چاندی پیتل کی مورتوں کا نام بت نہیں۔ کوئی چیز ماسوا اللہ جس کی ایسی تعظیم کی جائے جو خدا کے
ساتھ مختص ہے۔ گو وہ کوئی فرشتہ۔ یا کوئی پیغمبر۔ یا اُستاد یا شیخ یا پیر ہی کیوں نہ ہو۔ اُس کو بھی ہم بت
کہیں گے۔ وہ اپنی ذات سے بت نہیں ہے مگر جو اس کی خدا کی سی تعظیم کرے۔ جو خدا کی طرح اُس کو

[1] اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ۱۲ [2] مومنوں پر نیک گمان رکھو ۱۲ [3] مجھکو اور میری اولاد کو بتوں کی
پرستش سے محفوظ رکھ اے پروردگار ان کے سبب سے بہت لوگ گمراہ ہوگئے ۱۲۔

حاجت روا سمجھے اُس کا وہی بُت ہے - مجکو لوگوں کے احتساب کا کوئی حق نہیں مگر ظاہر حال کیا بتا رہا
ہی یہی بتا رہا ہی کہ جو حاجتیں انسان کو لاحق ہوتی ہیں - ان سب کو ان ہی زندہ یا مردہ فقیروں
کی حضور میں پیش کیا جاتا ہی پیش کرنے والوں کے دل میں جو کچھ ہو - مگر دیکھنے والا یہی سمجھتا ہی کہ ان کو
حاجت روا نہ سمجھتے تو حاجت لے کر کیوں آتے - بعینہٖ دنیا کے حاکموں کی سی مثال ہی کہ گنوار
سے گنوار بھی حاکم اور اُس کے اہلکار پیشی میں فرق کرتا ہی خوب جانتا ہی کہ اہلکار حاکم نہیں - اس پر
بھی رشوت سے - خوشامد سے - خدمت سے - حاضر باشی سے اہلکار کو رضامند کرنا چاہتا ہی -
اور اس کو یقین ہی کہ وہ اہلکار اس کی کاربرآری کر سکتا ہی یا کرا سکتا ہی - اگر ایسا اور اتنا خیال بھی خدا
کے بارے میں ہو تو میں اس کو بُت پرستی کہوں گا - خدا حاکمانِ دنیا کی طرح غافل نہیں بے خبر نہیں
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ[۱] يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ[۲] یہ بحث ہم کو لے جاتی ہی مسئلۂ شفاعت کی
طرف اور یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآرا اقدام ہی - اور جو میں نے سمجھا ہی اگر اس کو بیان کروں - لوگوں کو کانونس
(یقین) کرانے کے وقت چاہیے جس کو میں اپنے ڈسپوزل (اختیار) میں نہیں پاتا - لیکن اتنا
تو کہہ دینا ضرور ہی کہ خدا کو دنیا کے حاکموں یا بادشاہوں پر قیاس کرنا ایک طرح کی بدگمانی ہی اُس جناب کے
ساتھ - دنیا کے حاکموں اور بادشاہوں کا حال یہ ہی کہ ان تک ماد شما کی رسائی دشوار اور وہ دو جہان
کا بادشاہ فرماتا ہی نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[۳] قطعہ

دوست نزدیک تر از من بمن ست		ویں عجب تر کہ من از وے دورم	
چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او		در کنار من و من مہجورم	

انسان سے بڑھ کر بھی کوئی احمق اور بدنصیب اور دشمن کام ہو سکتا ہی کہ خدا اس سے ملنا چاہے
اور وہ اُس سے بھاگے - وہ اس کی طرف جھکے - اور یہ اُس سے پرے ہٹے - اور پھر نری قربت
نہیں - فرماتا ہی اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ[۴] - لیکن اگر بندہ اس کے ساتھ مغائرت اور اجنبیت سمجھے -

[۱] خدا کو اونگھتا اور سوتا نہیں ۱۲ [۲] وہ پناہ دیتا ہی اور کوئی اُن کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا ۱۲ [۳] ہم شاہ رگ
سے بھی زیادہ نزدیک ہیں ۱۲ [۴] مجھ سے مانگو لو لو ۱۲ -

اور اپنے میں اور اس میں ذرائع اور وسائل کھڑے کرے تو اس میں خدا کا کیا قصور ہے۔ شفاعت اور توسل کے یہ معنی ہی نہیں جو لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں۔ ایسی شفاعت کی نسبت تو ایک نص صریح موجود ہے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا۔ خدا تو اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کہ وہ آپ ہی شفاعت کرنے والا اور آپ ہی شفاعت سننے والا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر روز نصف شب کے بعد رب العزت کی طرف سے ندا ہوتی ہے ھَلْ مِنْ دَاعٍ اَسْتَجِیْبُ لَہٗ لیکن اگر ان ہی معنوں میں جو لوگوں نے ٹھیرا رکھے ہیں شفاعت اور توسل کی ضرورت ہے بھی۔ تو ایک طرف یہ ضرورت ہے۔ اور دوسری طرف عوام کو روکنا تھا منا ہے کہ کہیں ہاویۂ شرک میں اوندھے منہ نہ گر جائیں اور وہ گرا پڑے ہیں اور ان کا وبال بھی ان لوگوں کی گردنوں پر ہے جو شرک و شفاعت میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں۔ اور پھر اپنا ظاہری برتاؤ ایسے طور کا نہیں رکھتے کہ عوام کو مغالطہ واقع نہ ہو۔ کسی آدمی کو اگر خدا نے نسب یا حسب یا جاہ یا حکومت یا علم یا کسی اور طرح کا امتیاز و تفوق دیا ہے تو اس کے ساتھ مطبوع عوام ہونے کی ذمہ داری بھی ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ پیغمبر صاحب نے سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو ان میں لکھوایا تھا اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاِلَّا فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ یہ اس لئے کہ دیہاتی تابع روسا رقوم ہوتے ہیں نہ صرف دنیاوی امور میں بلکہ دین و مذہب میں بھی اور اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ سے بھی یہی بات نکلتی ہے۔ اور نسب حسب جاہ و حکومت وغیرہ وغیرہ۔ جہاں اور اسباب امتیاز ہیں ایک سبب امتیاز تقدم

ا کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا سے حمایتی ٹھیرا رکھے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ گو کسی چیز پر کچھ اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ سمجھتے ہوں۔ پھر بھی تمہارے حمایتی کے حمایتی اُن سے کہدو کہ ساری حمایت اللہ کی اور بس ۱۲ ۲ بے شک اللہ لوگوں پر ترس کھانیوالا مہربان ہے ۱۲ ۳ کیا کوئی مجکو پکارتا ہے کہ میں اُس کی سنوں ۱۲ ۴ تم سب کے سب کچھ نہ کچھ ذمہ داری رکھتے ہو ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی جواب دہی لی جائے گی ۵ سلامتی چاہتے ہو تو اسلام لاؤ ورنہ دیہاتیوں کا وبال بھی تمہاری گردن پر رہے گا ۱۲ ۶ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں ۱۲۔

زمانی بھی ہے۔ کیوں کہ متاخرین ہمیشہ متقدمین کو نیکی سے یاد کرتے اور ان کی سند پکڑا کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں بھی ایک جگہ ہے۔ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ[1]۔

مسلمانو! اپنے پیغمبر کے حالات پر نظر کرو کہ ان کو توحید کے بارے میں کیا کچھ اہتمام تھا تصویر تک کا بنانا منع۔ رکھنا ناروا۔ اسی خیال سے کہ ایسا نہ ہو مسلمان پیغمبروں۔ بزرگانِ دین کی تصویریں بنا کر رکھیں۔ ان کی تعظیم کریں۔ اور رفتہ رفتہ بُت پرست ہو جائیں۔ جس تعظیم کے آپ پیغمبری سے قطع نظر یوں مستحق تھے۔ وہ بھی لوگوں کو نہیں کرنے دیتے تھے۔ کہ کہیں اِترانے لگیں۔ مثلاً تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا۔ اتنا تک ناپسند تھا۔ اور اپنی قبر کے بارے میں تو آخری وقت تک یہی دعا فرمایا کیے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ[2]۔

جنگ بدر فتح ہوئی۔ انصار کی لڑکیاں بیت الرسالت میں جمع ہو کر شادیانے گانے لگیں۔ طبیعتیں تو سب کی موزوں تھیں ہی۔ کسی نے ایک مصرع یہ بھی موزوں کر دیا وَفِیْنَا رَسُوْلٌ یَّعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ[3]۔ پیغمبر صاحب اندر لیٹے ہوئے سنتے رہے۔ علم الغیب کا ان کی طرف منسوب کرنا تھا کہ اُٹھ بیٹھے اور روک دیا۔ شراب حرام ہوئی تو جو برتن شراب کے لئے خاص تھے۔ دوسرے اغراض کے لئے بھی ان کے استعمال کو منع فرما دیا۔ یوں اللہ کے حدود کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تب کہیں جا کر لوگ ٹھیک رہتے ہیں۔ حدود کی حفاظت کرنا تو درکنار ہم بے احتیاطیاں کرنے لگے ہیں خطرناک۔

اسلام کے احکام پر ایک اجمالی نظر ڈالو کہ مسجدیں سادہ۔ نہ ان میں کوئی تصویر۔ نہ مورت۔ بلکہ زیب و زینت اور نقش و نگار بھی ایجاد ما بعد ہے۔ اور دیواروں پر جو کلمہ یا درود یا آیاتِ قرآنی لکھ دیا کرتے ہیں فقہا اس کو بھی نادرست لکھتے ہیں۔ پھر نماز میں نہ ڈھول ہے نہ ناقوس ہیں نہ گھنٹے ہیں

[1] دوزخیوں کی پچھلی جماعت پہلی جماعت سے یوں کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا ان کو ہم سے دگنا عذاب دے ۱۲ [2] اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنائیو کہ لوگ اس کی پرستش کریں ۱۲ [3] اور ہم میں اللہ کا رسول ہے جو کل کی بات کو جانتا

نری قراءت۔ وہ بھی لَے نہ ہو۔ گٹکری نہ ہو۔ راگ نہ ہو۔ غرض داخل نماز اور خارج نماز کوئی چیز نہیں۔ کہ صارف توجہ ہو۔ یہ ایک شان عبادت ہی اور عبادت ایسی ہی ہونی چاہیئے ٭

سجدہ میں پائے خم ہی یہ کس لطف سے مست	یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے

اور ایک شان وہ ہی جو ہم بزرگانِ دین کے مزاروں پر دیکھتے ہیں۔ میں بہت بزرگوں کے عرسوں میں شریک ہوا ہوں تو کیا دیکھا کہ ٹھوس چاندی کے چوبوں پر زربفت کا شامیانہ تنا ہی۔ قبر پر قیمتی اور مکلف غلاف ہیں۔ تو تو پھولوں کے انبار لگے ہیں۔ اگر کی بتیاں روشن ہیں۔ بیرونِ گنبد خدام درگاہ مثلِ چوبدارانِ شاہی صف بستہ کھڑے ہیں۔ مزار شریف کے روبرو مشائخ سرنگون اور مودب بیٹھے ہیں۔ جیسے ارکینِ سلطنت۔ بائیں حلقہ میں رنڈیاں کھڑی مجرا کر رہی ہیں اور کہیں شرع کی زیادہ پابندی ہی تو قوالوں کا طائفہ ہی۔ ایک خوش رو خوش گلو لڑکا غزل گا رہا ہی ٭

شراب لعل کش و روئے مہ جبیناں بیں	خلافِ مذہب آناں جمالِ ایناں بیں

ٹپہ اور ٹھمری۔ اور ہولی اور دادرا اور دیس اور بہاگ اور بھیرویں اور پیلو جتنے راگ اور راگنیاں ہیں۔ اپنے اپنے وقت پر گائی جا رہی ہیں۔ وجد کی حالت میں کوئی حضرت کھڑے ہو جاتے ہیں تو ساری محفل کو اُن کی تعظیم کے لیئے کھڑا رہنا پڑتا ہی۔ اب اس شان کو اُس سیدھی سادی مہذب باوقار متین شان نماز کے ساتھ ملا کر دیکھو۔ اور آپ ہی اپنے دل میں فیصلہ کر لو یہی وہ زیارتِ قبور ہی۔ جس کی نسبت پیغمبر صاحب فرما گئے ہیں۔ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ عَنِ الدُّنْيَا وَتُرَغِّبُ فِي الْاٰخِرَةِ۔ یہی وہ زیارتِ قبور ہی جس کے اجر و ثواب کی امید کی جاتی ہی؟ یہی وہ زیارتِ قبور ہی جس سے خدا کی عظمت۔ اور بے نیازی۔ دنیا کی بے ثباتی۔ انسان کی گو وہ کیسا ہی بندۂ مقرب و مقبول کیوں نہ ہو۔ عاجزی اور بے اختیاری کا خیال تازہ ہوتا ہی؟ ٭

بدنیا گر کسے پاینده بودے	ابو القاسم محمدؐ زنده بودے

ملا میں تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اور اب ان کی زیارت کیا کرو کیوں کہ قبروں کی زیارت دنیا سے بے دلی اور آخرت کی طرف رغبت پیدا کرتی ہی ۱۲۔

یہ تھا وہ فتنہ جو پیغمبر صاحب کو پہلے سے دکھائی دے رہا تھا۔ اور اسی کے انسداد کے لیئے فرمایا ۔اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ اسی کے انسداد کے لیئے قبروں کے اونچا کرنے پکا بنانے کی ممانعت کی تھی۔
کہتے ہیں کہ مشائخ میں بعض کو ایسا ملکہ ہوتا ہے کہ جس قبر کی طرف توجہ کریں۔ مقبور کا حال معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ سعید ہے یا شقی۔ اور صلحا کی قبر سے ان کو فیضان پہنچتا ہے۔ شاید ایسا ہو۔ مگر ہماری جمع پونجی تو قرآن و حدیث ہے۔ سو ایک حدیث ام العلاء انصاریہ صحابیہؓ کی ہے وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کو ہم انصاریوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان میں سے عثمان بن مظعونؓ ہمارے حصے میں آئے۔ اتفاق سے بیمار پڑے اور مر گئے۔ جب ان کو ہم لوگ کفنا چکے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ میرے منھ سے ایسے الفاظ نکلے کہ ان کے جنتی ہونے میں کیا شک ہے یہ تو خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ تم نے کیوں کر جانا؟ میں نے عرض کیا یا حضرت یہ بھی برگزیدہ نہ ہوں تو اور کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ اَمَّا ھُوَ فَقَدْ جَاءَہُ الْیَقِیْنُ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ لَہُ الْخَیْرَ وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ
اس کے بعد سے ام العلا کہا کرتی تھیں فَوَاللّٰہِ لَا اُزَکِّیْ اَحَدًا بَعْدَہُ اَبَدًا عشرہ مبشرہ مشہور ہیں یعنی ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ سعید بن زید۔ ابو عبیدہ ابن الجراح۔ دسؓ صحابی جن کو پیغمبر خدا نے ان کی زندگی میں خدا کے حکم سے جنت کی بشارت دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ تم جنتی ہو۔ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضہ اور ام المومنین عائشہؓ وغیرہم چند لوگ اور بھی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں نہیں مگر جناب رسول اللہ صلعم کے فرمانے سے ان کا جنتی ہونا معلوم ہے مگر ان مبشرین بالجنۃ کا کیا حال تھا۔ اَخْرَجَ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

۱؎ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنائیو کہ لوگ اس کی پرستش کریں ۱۲ ۲؎ لیکن اس شخص کو موت جو امر یقینی ہے آ پہونچی۔ اور خدا کی قسم میں اس کے لیئے بہتری کی امید کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں رسول ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائیگا ۱۲ ۳؎ خدا کی قسم میں اس کے بعد کبھی کسی کو بے گناہ نہیں کہتی ۱۲ ۴؎ بیہقی نے شعب الایمان میں ضحاک سے نقل کیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میں راستے کے کنارے پر ایک درخت ہوتا پس میرے پاس (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

عن الضحاک قال قال ابو بکر واللہ لوددت انی کنت شجرۃ الی جنب الطریق فمر علی
بعیر فاخذنی فادخلنی فاہ فلاکنی ثم ازدردنی ثم اخرجنی بعرا ولم اکن بشرا
فقال عمر یا لیتنی کنت کبش اہلی سمنونی ما بدا لہم حتی اذا کنت اسمن ما یکون زارہم
من یحبون فذبحونی فجعلوا بعضی شواء وبعضی قدیدا ثم اکلونی ولم اکن بشرا اور
ان سے بھی بڑھ کر وہ حدیث ہے کہ حضرت عمرؓ زخمی ہوئے اور لوگوں نے جانا کہ اب مرنے کو ہیں تو ان کو
تسلی دینے لگے کہ تم نے دین کی بڑی بڑی خدمتیں کیں - اور یہ کیا اور وہ کیا - تو انھوں نے کہا انا واللہ
لوددت انی خرجت منہا کفافا لا علی ولا لی وان صحبۃ رسول اللہ سلمت لی - ایک روایت
ام المومنین عائشہؓ سے ہے کہ آں حضرت فرمایا کرتے تھے سددوا وقاربوا وابشروا فانہ لن
یدخل الجنۃ احدا عملہ قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ
منہ برحمتہ یہ تو پیغمبر اور ان لوگوں کے مقولے ہیں جن کو خدا کی طرف سے جنت کا وعدہ مل چکا تھا -
میں نہیں سمجھتا کہ سوائے رسولؐ کے کوئی کسی کی نسبت یقین کے طور پر جنتی ہونے کا حکم بھی لگا سکتا ہے
اور جب یہ نہیں تو کہاں کا توسل - کیسا تقرب - پیر خود درماندہ شفاعت کرا کند اس کی تصدیق ہوتی
ہے اس مشہور حدیث سے - کہ قیامت کے دن لوگ بدحواس بڑے پھریں گے - اور یکے بعد
دیگرے آدمؑ اور نوحؑ - اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سب انبیاء کے پاس شفاعت کرانے جائیں گے کوئی

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۲ ایک اونٹ آتا - اور مجکو منہ میں ڈال لیتا - پھر مجکو چباتا پھر نگل جاتا - پھر مینگنیاں بنا کر نکالتا لیکن میں آدمی نہ
ہوتا اور عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کاش میں دنبا ہوتا میرے مالک جہاں تک ان سے بن پڑتا مجکو موٹا کرتے یہاں تک کہ میں بہت موٹا
ہوجاتا تو ان کے پاس ان کا کوئی دوست آتا پھر مجکو ذبح کرتے پھر میرے گوشت کا کچھ حصہ تو بھون لیتے اور کچھ سکھاتے پھر
مجکو کھاتے لیکن میں آدمی نہ ہوتا ۱۲ ؎۵ سنو! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خلافت کی جواب دہی میں برابر
سرابر بھی چھوٹ جاؤں کہ نہ لینا آئے نہ دینا تو بھی غنیمت ہے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا اجر پورا ملے تو زہے قسمت ۱۲
؎۶ راست روی اور میانہ روی اختیار کرو اور لوگوں کو خوش خبری سناؤ کیونکہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا
صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں فرمایا مجکو بھی نہیں - مگر یہ کہ مجکو اللہ اپنی رحمت میں ڈھانک لے ۱۲

حامی نہیں بھرے گا۔ اور نفسی نفسی کہہ کر الگ ہو جائیں گے۔ آخر کار یہ خلعتِ بزرگی ہمارے پیغمبر صاحب آخر الزمان کو عطا ہوگا۔ اور خدا کی درگاہ میں سجدہ کریں گے اور گڑگڑائیں گے اور اُمت کو بخشوائیں گے۔

مسلمانوں نے اپنی دنیا کو اتنا تباہ نہیں کیا جتنا دین کو۔ ہر ایک فرقہ جادۂ استقامت سے منحرف ہو گیا ہے۔ فسادات سب میں ہیں۔ مگر مجھکو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کو کسی فرقے کی خرابی نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا۔ جتنا کہ اس فرقۂ مشائخ کی خرابی نے۔ علما بھی اس الزام سے بری نہیں۔ مگر انھوں نے اور طرح کی خرابیاں ڈالی ہیں۔ شرائع تو ہمیشہ بدلتی ہی چلی آئی ہیں۔ وہ کچھ بڑی بات نہیں۔ اسلام کا بڑا فخر یہ ہے کہ اس نے آبِ حیات توحید کو فلٹر (صاف) کر کے اس میں کسی طرح کی آمیزش نہیں رہنی دی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ فرقۂ مشائخ نے توحید کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا۔ انا الحق۔ اور ہمہ اوست و انا العرب بلا عین۔ اور انا احمد بلا میم ؎

مذہب کچھ اور ہوگا کسی بو الفضول کا	احمد کو ہم نے جان رکھا ہے وہی احد
کہ ذات و صفاتِ خدا ہم نبود	من آں وقت کردم خدا را سجود

یہ اور اس قسم کی اور بہت آوازیں کہاں سے پیدا ہوئیں۔ اسی فرقۂ مشائخ سے پیشوایانِ مذہب یعنی پیرانِ طریقت کی تعظیم میں اتنی افراط کہ اس میں اور عبادت میں فرق کرنا مشکل ہے۔ کہاں سے نکلی۔ اسی فرقۂ مشائخ سے الفاظ کے مدلولِ ظاہر کو کس نے بدلا کہ شراب سے مراد ہے۔ شرابِ عشق ساقی سے شیخ۔ جام سے دل وغیرہ وغیرہ۔ اسی فرقۂ مشائخ نے۔ شرعِ ظاہر کی کس نے بے توقیری کی

نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است	نمازِ زاہداں سجدہ سجود است

فرقۂ مشائخ نے۔ میں نے بہت سوچ کر یہ بات نکالی ہے کہ جس طرح قرآن میں ہے وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیک راہ کی طرف بلائے بھلی باتوں کے کرنے کو کہے۔ اور بری باتوں کے کرنے سے روکے۔ اور یہی ہے ماخذ گروہ علماء کا داخلین [illegible]

اسی قیاس پر یہ گروہ مشائخ کھڑا ہوا کہ تزکیہ باطن اور اصلاح خیالات کرے اور واقع میں ایسے گروہ کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ اسلام نے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡهُ یُحَاسِبۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ قرآن کی شان میں فرماتے ہیں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ مگر حضرتِ انسان ایسی ٹیڑھی بناوٹ کے ہیں کہ ان کا مرکزِ ثقل کہیں ٹھیرتا ہی نہیں۔ ظاہر پر جھکے تو ایسے جھکے کہ لگے شرعی حیلے تصنیف کرنے۔ وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ اور اُس میں مثلاً بولنے بات کرنے کی مناہی ہے جس کا مطلب واقع میں یہ ہے کہ آدمی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ ہمارے وظیفی صاحب ہیں کہ وظیفہ بھانتے جاتے ہیں اور ہُوں ہُوں اور اُوں ہُوں اُوں ہُوں اشاروں سے دنیا جہان کی باتیں ہو رہی ہیں۔

بندے کے ایک دوست تھے چاندی کے خاصدان میں گلوریاں بھروا کر رکھتے گلوری کھانی ہوتی۔ تو خاصدان سے نکالی تکیے پر رکھ دی۔ تکیے سے اُٹھائی منہ میں۔ میں نے پوچھا حضرت یہ کیا فرمایا۔ چاندی کے باسنوں کا استعمال منع ہے۔

وہ حکایت سُنی ہوگی کہ ایک بزرگ مالک چندیں نصاب تھے۔ مگر زکوٰۃ کبھی نہیں دی۔ برس پورا نہیں ہونے پاتا تھا کہ زبانی بی بی کے نام ہبہ کر دیتے تھے۔ پھر بی بی سے اپنے نام ہبہ کرا لیتے تھے گئی کہاں گیا کھچڑی ہیں۔

اس سے کہیں زیادہ غضب کی بات اور سنو۔ کہ ایک مسلمان بادشاہ تھا (کیا ضرور ہے کہ اُس کا نام لوں) اُس کے محل میں ایک لونڈی تھی اُس کے باپ کی مدخولہ۔ وہ اُس لونڈی کو اپنی مدخولہ بنانا چاہتا تھا ایک فقیہ سے حیلہ پوچھا۔ فقیہ صاحب نے کہا۔ اُس کے مدخولہ اعلیٰ حضرت ہونے کا ثبوت؟ بادشاہ نے جواب دیا اُس کا خود اپنا اقرار۔ اس پر فقیہ صاحب نے

---

۵ تم دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تو سب کا حساب لے گا ۱۲ ۵ اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یہ ایک نصیحت آئی ہے اور وہ باطنی بیماریوں کو شفا دیتی ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۱۲۔

فتویٰ دیا کہ لونڈی ہی۔ اس کی عدالت مخدوش۔ گواہی۔ نامقبول۔ یہ ہی وہ گروہ ظاہر آباد باطن خراب
غیرت اجازت نہیں دیتی۔ مگر مجبوری کہنا پڑتا ہی کہ کثرت سے بد معاملگی اور خبث نفس دیکھ دیکھ
لوگ تشرع ظاہری سے بد گمان ہوگئے ہیں غرض جنھوں نے ظاہر کا پہلو اختیار کیا۔ اُس کی یہ
مٹی پلید کی۔ اور جو باطن پر ڈھلے لگے خدائی کا دم بھرنے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ
فقیر اور درویش اور شائخ یہ سب الفاظ ہیں مرادف ہم دگر۔ ان لوگوں کی تعلیم کا لب لباب ہی زہد۔
ایک مثال ہی کہ جب مجکو موقع ملتا ہی اسی کا اعادہ کیا کرتا ہوں۔ اس واسطے کہ اُس سے بہتر کوئی
مثال نہیں سوجھتی۔ وہ یہ ہی کہ دین طب روحانی ہی طبیب کا کام ہی کہ ہر مریض کو اُس کے مناسب
حالت دوا دینا۔ شاید کوئی مریض ضعیف و ناتوان ہی۔ اُس کو دوائی مقوی دی جاتی ہی کوئی ہیجان
کی وجہ سے محتاج تنقیہ ہی۔ طب کی کوئی سی کتاب اُٹھا کر دیکھو نسخے ملیں گے۔ ضد یکہ گر بعض کمزور
کرنے کے ہیں بعض طاقت بڑھانے کے۔ اب یہ طبیب کا حصہ ہی کہ کس کو کیا مرض ہی۔ اور
اس کو کون سی دوا دینی مناسب ہی طبیب نسخہ نہیں تصنیف کرتا۔ نسخے کتاب ہی میں لکھے موجود ہیں
بلکہ یہ تجویز کرتا ہی کہ ان نسخوں میں کون سا نسخہ اس مریض خاص کو مفید ہوگا۔ بعینہ یہی حال ہی دین کا
ایک وقت تھا کہ مسلمانوں میں سلطنت تھی۔ حکومت تھی۔ دولت تھی۔ یہاں تک کہ لوگ جھولیوں
میں روپئے بھرے ہوئے مدینہ شریف کی گلیوں میں پکارتے پڑے پھرتے تھے۔ کہ کسی کو حاجت
ہو تو لو لو۔ کوئی ہامی نہیں بھرتا تھا۔ کیوں کہ ہر شخص بجائے خود مستغنی تھا وہ وقت تھا تعلیم زہد کا
جیسے برسات کی آمد میں صفرا کا جوش ہوتا ہی۔ اور زلال آلو بخارا۔ اور زلال تمر ہندی اور سکنجبین لیمو
وغیرہ صفرا شکن دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں۔ اگر اُس وقت زہد کا چرچا نہ پھیلایا جاتا تو مسلمانوں
کو دنیا کا تخمہ ہو گیا ہوتا۔ لیکن اب کیا حال ہی۔ خدا تعالیٰ سلطنت روم کو سلامت رکھے کہ وہاں سے
حرمین شریفین کے لوگوں کو بہتیری کچھ فتوحات ہی۔ ادھر موسم حج میں خاطر خواہ آمدنی ہو جاتی ہی
مگر ہمارے اپنے ہموطن برادران اسلام کا کیا حال ہی۔ ماشاء اللہ آمنا بڑا پنجاب اس کثرت سے مسلمان

ؔ۱ خدا جو کچھ کرتا ہی اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ اور لوگ جو کچھ کرتے ہیں اُن سے کیئے ہوئے کی باز پرس کی جائے گی ۱۲

انجمن حمایت اسلام نے جلدی کی اور شاید خطرناک جلدی کی مگر کیوں؟ انھوں نے خدا پر
توکل اور اپنی قوم پر بھروسہ کیا انھوں نے سمجھا کہ مسلمان لاکھ بگڑ گئے ہیں تاہم ہیں تو مسلمان۔ ہیں تو ان ہی
کی نسل ان ہی کے نام لیوا جنھوں نے خاک مذلت سے اُبھرنے کا ارادہ کیا تو فلک الافلاک عروج پر
جا براجے اتنی قلیل مدت میں جس کو دوسری قوموں کے مقابلے میں طرفۃ العین کہنا بھی مبالغہ نہیں
ای کاش جس جلدی سے وہ بلند ہوئے تھے۔ ایک بارگی دھڑام سے گر پڑے ہوتے۔ وہ مرگ مفاجات
بہت بہتر ہوتی اس سے کہ پڑے سسک رہے ہیں لا یموت ولا یحییٰ[5]۔ اور یہ نہیں کہ ان کے
جاں بر ہونے کی اُمید نہیں اُمید ہے۔ اور تدبیر بھی معلوم ہے وہ تمہاری ہی حمایت اسلام ہے مگر بندگان
خدا ذرا تم بھی تو ہاتھ پاؤں ہلاؤ سالانہ جلسہ کر کے دیکھ چکے القرآن دیکھ چکے کچھ ہوتا بھی ہے مگر اس کام پر نظر کرتے
جس کو شروع کر بیٹھے ہو۔ اس قدر ہی جیسے پیاسے کو اوس۔ سرکار نے ہندوستان کی مردم شماری
کرنی چاہی۔ ایک دن ایک وقت مقرر کر دیا۔ اس سرے سے اُس سرے تک سارے ہندوستان
کی مردم شماری ہو گئی تم سے اور کچھ نہ ہو سکے تو اتنا ہی کرو۔ کہ اسی طرح ایک دن مقرر کر دو اور اس کا
نام رکھو روز گدائی۔ یہ روز روز کے مانگنے سے لوگوں کو مساوات سی ہو گئی ہے اور رہی سہی اور
ہو جائے گی اس دن تمام پنجاب میں انجمن کے لیے بھیک مانگی جائے۔ میں اُمید کرتا ہوں
کہ شاید وہ اخیر بھیک ہوگی۔ اغراض انجمن کے لیے بخوبی کافی۔ مگر تم تو یہ چاہتے ہو کہ لا دو دلا دو
لا دینے والا ساتھ دو۔ سو مائی ڈیر آپ کا کام مہا کام خدا تمہارے دلوں میں القا کرے۔ کہ یہ تمہارا
اپنا کام ہے جس دن اس کو اپنا کام سمجھو گے۔ بس پھر چٹکی بجاتے میں ہوا دھرا ہے۔ بھلا قوم کی یہ حالت
ہو کہ سارا پنجاب اتنا بڑا پنجاب ایک کالج نہ کھڑا کر سکے۔ تو اس قوم کو زندہ رکھنے کا کیا موقع ہے۔ نہیں نہیں۔ میں
اپنے اس مقولے کو ممبران انجمن حمایت اسلام کی مخالفت کے ڈر سے واپس لیتا ہوں۔ اور کہتا ہوں
کہ جب مسلمانان پنجاب اپنا ایک کالج قائم نہ کر سکے۔ اور یہ جو تم نے اس بے سہارے ایک ٹوٹا
ماکری آف اے کالج (کالج کی ہنسی) کھڑا کر لیا ہے اس کی تو میرے ذہن میں کچھ بھی وقعت نہیں

[5] نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے ۱۲۔

ہمارا سررشتہ تعلیم کیا غلطی کر رہا ہے۔ یہی کہ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا چاہتا ہے جس کا ثمر پیش
رس نیشنل کانگرس رعایا سے ہندوستان میں ہم مسلمانوں سے بھی بڑھ کر کسی قوم کو سلطنت
کے پھر حاصل کرنے کی خواہش ہو سکتی ہے۔ ہم سے سلطنت چھنے ہوئے بہت سے بہت تین چار
پشتیں ہوئی ہوں گی جب کہ دوسری قوموں کی بیس بیس پچیس پچیس پشتیں غلامی میں گل گئیں۔
ہماری سلطنت کے آثار مدہم پڑ گئے ہیں مگر مٹے نہیں۔ اس کا وہ غل نہیں کہ کان پڑی آواز
سنائی نہ دے۔ مگر بھنبھناہٹ سی اب بھی ہے جب کہ دوسری قوموں کے پاس شاہ نامے کا ایک
افسانہ ہے۔ اور بس۔ مسلمان سلطنت کو اس طرح یاد کرتا ہے جیسے ایک سال کا دودھ چھوٹا ہوا بچہ دودھ
کو اس کے مقابلے میں دوسری قوم کا بڈھا پھونس ہے اور اُس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اُس نے بچپن میں
دودھ پیا تھا۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے با ایں ہمہ ہم میں جو سمجھدار ہیں اس بات کو اچھی طرح
سمجھتے ہیں۔ کہ جن دنوں ہم کو سلطنت حاصل تھی حاصل تھی باستحقاق اب اگر چھن گئی ہے تو چھن بھی گئی ہے باستحقاق
اب زمانے کا وہ اگلا سا رنگ نہیں رہا۔ دنیا اس قدر ترقی کر گئی ہے کہ ہم میں سلطنت کرنے کی صلاحیت
ہی نہیں کہ اس کی آرزو کریں۔ زوال سلطنت کچھ بچوں کا کھیل نہیں۔ کہ تھی تھی نہیں تو نہیں سہی سلطنت
کے مٹ جانے سے قومیں مٹ گئی ہیں۔ گویا سلطنت قومی زندگی تھی۔ شکر ہے کہ ہم رعایا بھی بنے تو ایسوں
کی کہ جن کی عملداری میں ہم کو اپنی سلطنت سے زیادہ آرام و آسایش ہے۔ اب اگر ہم مٹتے ہیں اور مٹنے
میں باقی ہی کیا ہے تو اپنی کاہلی اور نااہلی سے بے شک سلطنت بڑی چیز ہے اور کیوں نہ ہو اَلسُّلطانُ[۵]
ظِلُّ اللّٰہِ - اَلحُکُومَۃُ نِصفُ الکَرامَۃِ[۵] مگر اہل یورپ نے ثابت کر دکھایا کہ علم و ہنر بڑی چیز ہے۔ انسان
کی شیخی نے سلطنت کی قدر بڑھا رکھی ہے یا اُس کی قدر و منزلت کریں تو وہ لوگ کریں۔ جو حکومت کے سوا
اور کسی تدبیر سے دولت نہیں کما سکتے۔ مگر بادشاہ جیسے رعایا سے خراج لیتا ہے۔ ویسے ہی اُس کو ملک کی
حفاظت اور انتظام کے لئے خرچ بھی کرنا پڑتا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا اتنی بڑی سرکار کہ آج کوئی سلطنت
محاصل میں تگا نہیں کھا سکتی۔ مگر چند روز سے چاندی کا بھاؤ تنزل ہو رہا ہے گورنمنٹ آف انڈیا ہے کہ

[۵] بادشاہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے ۱۲ [۵] حکومت آدھی کرامت ہے ۱۲

بدحواس ہے۔ آمد کم۔ خرچ زیادہ۔ ٹیکس لگاتی ہے تو رعایا ناخوش ہوتی ہے نہیں لگاتی تو پورا نہیں پڑتا
یوروپ یوروپ نہیں ہو گیا سلطنت کی بدولت۔ بلکہ علم و ہنر کی بدولت۔ سو علم و ہنر کے حاصل کرنے
کے لیئے نہ کوئی ہم کو روکتا نہ روک سکتا۔ بلکہ ہر طرح کی ترغیبیں ہیں اور سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں لوگوں
نے تو اس لائن میں کچھ کیا بھی ہے۔ مگر بدنصیب مسلمان اس نعمت سے گویا کہ محروم مطلق ہیں۔ اسے
کرنا چاہتا تھا من بھر۔ اور کیا چھٹانک۔ تو اس کرنے کو کرنا نہیں کہتے۔ اس کا تم کو کیوں کر یقین آئے
اس کا یقین آئے مشاہدے سے۔ کہ جس آفس میں جاؤ جھڑا ہندو۔ ادھر تو کوئی اللہ کا مارا اکا دکا
مسلمان دکھائی بھی پڑتا ہے۔ ذرا ہماری طرف چلو۔ بمبئی مدراس۔ بنگالے پر نظر ڈالو تو مسلمان دوا کو
ڈھونڈا نہیں ملتا۔ اور شاذ و نادر ہے بھی تو وہ ایسا بے مناسبت۔ بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے
ہنسوں کی پنچایت میں کوا۔ مگر مسلمان کہاں نہیں ملتا۔ کچہریوں میں آفسوں میں۔ زمرۂ تاجران
مال دار میں۔ گروہ زمینداران و کاشتکاران مرفہ الحال میں۔ غرض کسی کی جماعت خوش پوش میں
مگر ہاں کنجڑے قلعی گر گھٹکے لوہار۔ بڑھئی۔ معمار۔ بیلدار۔ درزی حجام۔ سقے۔ دھوبی۔ پھیری پھیرنے
والے مہاجنوں کے دربان۔ چوکیدار۔ خدمت گار۔ ڈھول تاشے۔ نفیری بجانے والے۔ غرض
جتنے مبتذل کام ہیں۔ مسلمان بھائی گویا اُن کے ٹھیکہ دار ہیں۔

تعلیم کے اعتبار سے مسلمانوں کا پھسڈی ہونا جاننے والے تو جانتے تھے۔ مگر وہ جاننا
ایک مبہم طور کا۔ اب کے علی گڈھ کے کانفرنس میں مسٹر سید محمود اور نواب محسن الملک نے ڈائیگرام
نقشے بنا کر ہال میں لٹکا دیئے اور سب نے مشاہدہ کر لیا مسلمان تعلیم کے کس درجے میں ہیں
اور کس درجے میں ان کو ہونا چاہیئے تھا۔ اور کتنے ہیں اور کتنے ہونے چاہیئے تھے۔ مجکو ایسا خیال
پڑتا ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں تقریباً ایک اور تین کی نسبت تھی نہیں نہیں مجکو کہنا چاہیئے
ہندوا ور مسلمانوں میں تین اور ایک کی نسبت تھی۔ اور پھر یہ تو ایک خاص بات تھی جو حالت کا
اصلی معیار نہیں۔ اگر اسی طرح کے ڈائیگرام تجارت اور زمینداری اور دستکاری کے اعتبار سے
ہزار پتی اور لکھ پتی اور کروڑ پتیوں کی بنائے جاتے۔ تو میں خیال کرتا ہوں کہ مسلمان آدھی پتی

یا ہم گوڑی ہی بیچ ہوں تو ہوں یہ تو حالت ہے۔ اور خدا جانے کس جنم کا بیر نکال رہے ہیں۔ کہ ہم کو پھوٹکا
بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مسلمان کچھ ایسے احمق ہیں۔ اور تعلیم وقتی سے گریزاں ہیں۔ تو ان کے احمق
ہونے میں ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ غرض کچھ ایسے احمق ہیں کہ جھٹ سے پھانسے میں آجاتے ہیں
اور انجام کار نہیں سوچتے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے دن کی بات ہے۔ ہندو سپاہی کارتوس پر بگڑے۔ مسلمان یہ سمجھ کر کہ ہمارا
ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے ان کے پیچھے ہو لئے۔ بھگتا سو بھگتا اور جھیلا سو جھیلا۔ ابھی وہ زخم اچھی
طرح مندمل نہیں ہوئے کہ ہندوؤں نے کانگریس نکال کھڑا کیا اور جیسا ان کا قاعدہ ہے مسلمانوں کو
بھی اکسایا۔ خدا اس نیچری سر سید کا بھلا کرے کہ اس آگ میں گرنے سے روکا۔ ورنہ مسلمانوں
کے حصے کی یہ دوسری قیامت تھی کہ ان کم بختوں کے دلوں میں مارشل سپرٹ (سپہ گری) کا
شعلہ تو ٹمٹما ہی رہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ان کو گورنمنٹ سے بدگمانی ہو جو نیشنل کانگریس کا ضروری نتیجہ
ہے۔ گورنمنٹ کا تو یہ اور ایسے ایسے ہزار کیا کر سکتے ہیں۔ مگر ہاں اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیتے اور ہم
ان کو رو پیٹ چکے کہ بس اب یہ نہیں پنپتے۔ انسان کچھ ہی کافر نعمت إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ
(انسان ناشکرا ہے) جو نعمت اس کو حاصل ہوتی ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ نعمت
اس سے سلب نہ کر لی جائے۔ قدر نعمت بعد زوال ایک مشہور بات ہے اور جیسی مشہور ہے ویسی
صحیح بھی۔ ہم نے تو خدا کے فضل سے انگریزی عملداری میں آنکھ کھولی ہے۔ خدا اس کو ابدالآباد
تک سلامت رکھے۔ پچھلی عملداریوں کی مصیبتیں۔ روز کی لوٹ مار۔ ڈاکے۔ بے اطمینانی۔
بدامنی۔ حاکموں کے ڈنڈ۔ چٹی۔ بے گار۔ ہنگامے۔ خانہ جنگیاں۔ قحط مری۔ دیکھیں نہیں۔ اور
حداد کھائے بھی نہیں تو کسی قدر بزرگوں سے سنیں اور بہت کچھ کتابوں میں پڑھیں مجھکو تو حیرت
ہوا کرتی ہے کہ ایسی ہلچلیوں میں نسل آدم منقطع کیوں نہیں ہو گئی۔ اب چشم بد دور ایک عملداری یہ
ہے کہ شیر بکری کا ایک گھاٹ پانی پینا ایک شاعری خیال تھا۔ یہاں ہر جگہ اور ہمہ وقت یہی
ہو رہا ہے جیسا کلکتہ۔ مدراس بمبئی۔ یا دوسرے بلاد میں جو گورنمنٹ سیٹ (دارالحکومت) ہیں

ویسا ہی پہاڑ کی کھوہوں میں۔ جنگلوں میں۔ شہروں میں۔ قصبوں میں۔ گاؤں میں۔ آبادی میں۔ ویرانے میں ریل تار برقی۔ ڈاک۔ مدرسے۔ شفاخانے۔ نہریں کلیں۔ انواع و اقسام کے ساز و سامان زندگی۔ ہر طور کے انتظام۔ ہر طرح کے بند و بست۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس سے بہتر اور کیا عملداری ہو سکتی ہے ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا یہی دیکھتے رہے۔ اترسوں سے پرسوں بہتر تھا۔ پرسوں سے کل۔ کل سے آج۔ اور آج سے ان شاء اللہ آنے والا کل ضرور بہتر ہوگا۔ اور کل سے پرسوں۔ پرسوں سے اترسوں۔ اور اسی طرح برسوں برسوں۔ پھر ہیں تو آدمیوں ہی کے انتظام۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ہی کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اپنے تئیں تو خدا کا بیٹا نہیں کہتے۔ کچھ نہ کچھ نقص تو آدمی کے انتظام میں رہے گا۔ دنیا ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ نئی نئی ضرورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ نئی نئی حاجتیں۔ لیکن گفتگو اس میں ہے کہ آیا یہ نقص ایسے ہیں کہ ان کے لئے اتنا شور و غل مچایا جائے۔ عرض حاجت کو کوئی منع نہیں کرتا پیرایۂ قابل اعتراض ہے بات ایک ہی ہوتی ہے اور طرز ادا مختلف۔ نوش جان فرمائیے۔ تناول کیجئے۔ کھائیے۔ ایک طرز ہے۔ نگلو۔ ٹھونسو۔ زہر مار کرو۔ یہ دونوں طرزیں جیسا کہ متضاد اثر رکھتی ہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ نیشنل کانگریس نے ایک تو پیرایۂ عرض مطلب برا اختیار کیا ہے۔ وہ مانگتے ہیں گڑگڑانے کی جگہ تڑا کر دعا کے عوض گالیاں دے کر۔ خوشامد کے بدلے ہیکڑی سے۔

دنیا کا انتظام مبنی ہے فرق مراتب پر۔ کہ ایک امیر ہے ایک غریب۔ ایک حاکم ہے۔ ایک محکوم۔ ایک باپ ہے ایک بیٹا۔ ایک استاد ہے ایک شاگرد وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ سُخْرِيًّا[1]

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب سلف ریسپکٹ (خودداری) کیا سکھائے گا کہ خدا سے غیر مرئی جناب کے سوائے مسلمان کسی کے آگے جھکتا ہی نہیں۔ اس پر بھی تو حکم ہے أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[2] متعصب لوگ لفظ مِنْكُمْ سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ جس حاکم وقت کی اطاعت

[1] ہم نے تم میں سے ایک کو ایک کا تابع بنایا ۱۲ [2] اللہ کا حکم مانو اور اللہ کے رسول کا حکم مانو اور ان کا جو تم میں صاحب حکومت ہوں ۱۲۔

لازم ہے وہ ہم میں سے ہونا چاہیئے۔ یعنے مسلمان۔ حالاں کہ منکم کی قید قید اتفاقی ہے اور لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا۔ اس کا اتفاقی ہونا پکار رہا ہے۔ پس ہم مسلمان تو نہ ہماً اطاعتِ حکام پر مجبور ہیں اور جو فعل موہم سرکشی ہو۔ ہمارے یہاں منہیات شرعیہ میں سے ہے۔ بے شک جن نیشنل کانگریس عبارت ہے اس الزام سے بہت چڑتے ہیں۔ اور ہم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ حکام کے نہیں گورمنٹ کے سچے خیر خواہ ہیں۔ مگر یہ تو فرمائیں۔ کہ عوام جو حکام اور گورمنٹ میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور نہیں کر سکتے۔ اور انھوں نے برٹش گورمنٹ کے اصول کو نہ سمجھا ہے نہ سمجھیں گے۔ اپنے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔

اس معاملہ خاص میں ہماری اور ہندوؤں کی ایسی مثال ہے۔ جیسے ایک گاڑی میں دو گھوڑے جوت دیئے گئے ہوں ایک ہٹا کٹا اور تیز رو۔ اور دوسرا مریل سست قدم۔ پیتیز رو دانہ گھاس کے لیئے جلدی مچا رہا ہے۔ اور مزاج کا ہے کڑوا۔ ایک طرف ساتھ والے جانور پر منہ مارتا ہے اور دوسری طرف دولتیاں جھاڑتا ہے۔ ایسی بے طرح کہ شاید ساز توڑ ڈالے گا۔ یا گاڑی کو نقصان پہنچائے گا۔ افسوس ہے کہ اس کو اپنے زور کے گھمنڈ میں اپنے ساتھی کے حال پر مطلق نظر نہیں۔ ورنہ ذرا صبر کرے۔ اور اس کو بھی نباہ لے جائے۔ کوچبان اگر ہوشیار ہے۔ اور بے شک ہوشیار ہے تو وہ ساز اور بگھی کو ٹوٹنے پھوٹنے نہیں دے گا۔ مگر اس مریل کو کیا کرنا چاہیئے۔ سوائے اس کے اور کچھ چارہ نہیں کہ جان توڑ کر محنت کرے۔ اور اپنے زبردست ساتھی کا ساتھ دے۔ ورنہ بکرے کی ماں کب تک خیر سے کوئی اس کو گاڑی سے کھول تو دے گا نہیں۔ ایسے کوڑے پڑیں گے کہ یاد ہی تو کرے گا۔ اس کا اپنے توانا ساتھی سے امید کرنا کہ وہ اپنی رفتار کو مدھم اور دانہ گھاس کی خواہش کو فرو کرے۔ توقع فضول ہونے کے علاوہ اس کی نا کسی اور دنائت اور پست ہمتی کی دلیل ہے۔

جن باتوں کے لیئے نیشنل کانگریس نے اودھم مچا رکھی ہے۔ نظر دور بین میں ان کی اس سے زیادہ وقعت نہیں جیسے کوئی نادان بچہ مٹی کے کھلونوں کے لیئے مچلے اور ضد کرے فرض کرو کہ نیشنل

۱؎ ملک میں امن قائم ہوئے پیچھے فساد مت پھیلاؤ ۱۲۔

کانگریس کے مطالب گروہ خاص کی خودغرضی پر مبنی نہ ہوں۔ اور فرض کرو کہ نیشنل کانگریس کو اپنے مقاصد میں کامیابی بھی ہو۔ اور فرض کرو کہ مسلمانوں کے حقوق بھی پامال نہ ہوں تاہم افسوس مسلمانوں پر اگر ایسے کھلونے پاکر خوش ہوں۔ ہم تو اس سے رضامند ہونے والے ہیں نہیں۔ کہ چند مسلمان لکھے پڑھے نوکریاں پاجائیں۔ گو وہ نوکریاں کیسی ہی بڑی کیوں نہ ہوں۔ قوم تو جب سنبھلے گی۔ اگر سنبھلنا تقدیر میں لکھا ہے۔ تو تعلیم ہی سے سنبھلے گی۔ پس یک در گیر و محکم گیر۔ جو قومی خیرخواہی کا دم بھرتے ہیں۔ وہ اور جن کے حق میں خیرخواہی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ۔ سب کے سب کنفسٍ واحدۃٍ ستو باندھ کر تعلیم کے پیچھے پڑو۔ اور جب اس کا مزہ چکھ لوگے تو تم آپ پروا بھی تو نہیں کرنے کے کہ نوکری ہے کیا بلا۔

میں نے چاہا تھا کہ نیشنل کانگریس کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالوں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ مرض آج کل کے تعلیم یافتوں ہی کو ہوتا ہے۔ اور ان کے دماغ اس خلل سے ماؤف ہونے کے لیئے زیادہ آمادہ ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ اول تو تعلیم پوری نہیں۔ تعلیم پوری ہوتی تو ان کی بھی کسادت ہوتی جیسا کہ اہل کتاب کے حق میں خدا نے فرمایا ہے لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ[1] اور لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ[2] غضب خدا کا تعلیم یافتہ اور محتاج رزق! معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تعلیم نہیں پائی۔ بلکہ بھاڑ جھونکتا رہا ہے۔ اس کو ہونا چاہیئے تھا ذوفنون نوکری ہی۔ تو نوکری ورنہ سہ

| تو ہی ہرجائی تو اپنا بھی یہی طور سہی ■ تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی |

نقصان تعلیم کے علاوہ ایک نقصان ہے اس کی تعمیم کہ جس کی طبیعت مناسب ہے وہ اور جس کی طبیعت مناسب نہیں وہ جس کا پیشہ ہے وہ۔ اور جس کا پیشہ نہیں وہ۔ جس کو ضرورت ہو وہ اور جس کو ضرورت نہیں وہ۔ بھیڑ بادے کی طرح تعلیم میں گھستے چلے جاتے ہیں۔ اور مزہ یہ ہے کہ سب کا مقصود اصلی نوکری۔ یا الٰہی نوکریاں آسمان سے برسیں گی یا زمین سے اُبلیں گی۔ اور نہیں بسیں گی

[1] ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے ضرور کھول دیتے ۱۲ [2] اُن کو روزی ملتی اوپر سے یعنی آسمان سے اور پاؤں کے تلے سے یعنی زمین سے ۱۲۔

اور نہیں ملیں گی تو یہ ٹڈی دل کہاں سے پلے گا۔
یہی غلطی جو تعلیم کے بارے میں ہو رہی ہے اور اس کے آثار بد مرتب ہو چلے ہیں یہی غلطی
اور میں پھر کہتا ہوں یہی غلطی اس مذہبی تعلیم میں ہوئی۔ اور ہو رہی ہے جس کا نام ہے درویشی فقیری
زہد۔ اصلاح باطن۔ طریقت۔ پیری مریدی۔ دنیاوی تعلیم بھی دو قسم کی ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ۔ ادنیٰ
تعلیم وہ ہے جو اکثر افراد کو ہونی چاہیئے۔ تاکہ جو جس شان میں ہو۔ بھلا آدمی ہو۔ اگر وہ سوسائٹی کو کچھ
فائدہ نہ پہنچا سکے۔ تو وہ سوسائٹی کو درہم برہم بھی نہ کرے۔ کسی سے لڑے نہیں جھگڑے نہیں کسی کو
گالی نہ دے۔ چوری نہ کرے جوا نہ کھیلے۔ بدمعاش نہ ہو لیفٹے پبلک پیس (امن عام) میں اس کی
وجہ سے کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اس سے بڑھو تو وہ اعلیٰ تعلیم ہے۔ کہ جس نے اس درجے کی تعلیم پائی ہو
اُس کو ہونا چاہیئے۔ سوسائٹی کا بینیفیکٹر (نفع رساں) اور ظاہر بات ہے کہ ایسی تعلیم صرف خاص خاص
آدمی پا سکتے ہیں۔ اسی طرح دینی تعلیم کے دو درجے ہیں۔ عام اور خاص۔ عام وہ ہے جس کو شریعت
سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خاص وہی درویشی فقیری وغیرہ وغیرہ جس کے لیئے خدا خاص خاص طبیعتیں
پیدا کرتا ہے۔ جب وَضعُ الشَّیءِ فِی غَیرِ مَحَلِّہٖ کیا جائے گا اس کا یہی حال ہو گا جو اس زمانے میں
درویشی کا ہو رہا ہے۔ غرض دین کے دین اسلام کے یہی دو بڑے رکن تھے۔ شریعت طریقت۔
جن کی حقیقت میں نے بیان کی۔ اور بیان بھی کی ڈرتے ڈرتے کہ اپنا گھٹنا کھولنا اور آپ ہی لاجوں
مرنا۔ دین کا تو ہم لوگوں نے یہ حال کر رکھا ہے۔ اور خوئے بدرا بہانہ ہا بسیار تجویزیں یہ ہو رہی ہیں
کہ انگریزی تعلیم اور مذہب کو کیوں کر جمع کیا جائے۔ خیر شکر ہے اتنا تو ہوا کہ دونوں کے جمع کرنے کی
صلاحیں در پیش ہیں پہلے تو اسلام ایسا اکھل کھرا دکھا کھردرا پڑا تھا کہ انگریزی تعلیم کے نام
سے چڑتا تھا۔ دونوں میں رقابت کا سا بیر تھا سہ

ہم اور رقیب دونوں ہرگز بہم نہ ہوں گے		ہم ہوں گے وہ نہ ہوں گے وہ ہوں گے ہم نہ ہوں گے

یا وہی آفتاب اور لبادہ۔ اب مسلمانوں کو مقتضائے وقت کا احساس ہوا اور لبادہ لگا کاٹنے
کہتے ہیں کوئی ایسی صورت نکالو کہ لبادہ اُتارنا نہ پڑے۔ اجی جناب یہ اُترے اور اس کا

باپ دادا اُترے پایہ کہ تم سمندر پار اُتر جاؤ وہاں ایسی گرمی نہیں ہے۔ تم تو خیر جب بھیجو گے تب بھیجو گے جب
پگلو گے تب پگلو گے۔ لبادہ کی خبر لو کہ وہ پگل چلا مسلمانوں کو انگریزی وضع سے کیسی نفرت تھی۔
اب ہے؟ بالکل نہیں یا اُس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ ممکن تھا کہ مسلمان انگریز کے ساتھ کھانا کھائے
اور مسلمان بھی رہے اب کیا حال ہے ہم جیسے غریب آدمیوں کو تو پوچھتا کون ہے جن کو خدا نے دنیا کی
عزت دی ہے۔ اور خدا اُن کی عزتوں کو برقرار رکھے یہ تو میں نہیں کہتا کہ تبرک سمجھ کر کھاتے ہیں۔ ہاں
فخر تو بے شک کرتے ہیں خیر ان زبانی تکّوں کو رہنے دو۔ وہ باتیں لو جن کے بارے میں قرآن
ناطق ہے [۱] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ
یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اس آیت کے لفظوں کو دیکھو اس سے
بڑھ کر عتاب اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان الفاظ کے اور کفر و ارتداد کے ایک ہی معنی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ
وہ موالات جس پر خدا کا غیظ و غضب ہے کیا چیز؟ ہمارے علم میں ایک مدت تک مطلق دوستی
اور محبت کے معنی لیئے جاتے رہے۔ اب بھی لیئے جاتے ہیں لغت میں بھی یہی معنی نکلیں گے۔ مگر کس کی
شامت آئی ہے کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر کرے۔ ناچار موالات کی تاویل بالتخصیص کرنی پڑی کہ
مراد ہے **موالات فی الدین**۔ لیکن یہ تاویل کس نے سمجھائی۔ آفتاب اور لبادے نے۔ ذرا
روم اور عرب اور فارس اور دوسرے ممالک اسلامی میں تو جا کر تحقیق کرو۔ وہاں کے علماء وہی
مطلق محبت اور دوستی بتائیں گے مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ۔ ایک رکوع میں تین
جگہ ہے فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ وہ لوگ کافر ہیں فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ لوگ
ظالم ہیں فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ وہ لوگ فاسق ہیں۔ اب یہ مسلمان ڈپٹی کلکٹر۔ اکسٹرا اسسٹنٹ
جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنر یا جج۔ مالی۔ فوجداری۔ دیوانی خدمتیں رکھتے ہیں اور معلوم ہے کہ ان کو
قانون انگریزی کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اور معلوم ہے کہ قانون انگریزی قانون شریعت سے مغائر ہے

[۱] اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ بعض اُن کے بعض کے دوست ہیں جو شخص تم میں سے ان کا دوست ہوگا وہ اُن میں سے ہوگا۔ اللہ ظالموں کو رستہ نہیں بتاتا۔

تو مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ میں داخل ہوئے یا نہ ہوئے۔ ہوئے اور ضرور ہوئے۔ پھر یہ عذر نہیں
کیوں کر جائز ہو سکتی ہیں۔ مگر جو ان کو جائز بتاتے ہیں۔ اگر ان کو مل جائیں۔ تو کافروں اور ظالموں
اور فاسقوں کی کچھ تاویل کریں گے کیوں وہی آفتاب اور لبادہ۔ یا سود کے بارے میں جیسا وعید
شدید نازل ہو کسی کے مٹے نہیں مٹ سکتا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اور کاتبہٗ وشاہدیہٗ و
مُوکِلہٗ کا تازیانہ اوپر ہے۔ اب مسلمان اپنی اپنی جگہ احتساب کریں اور سمجھیں کہ کتنے مسلمان
اس سے بچے ہیں۔ اور بچ سکتے ہیں اُن کو حساب سے خارج کرو جن کو مقدور نہیں۔ یا موقع نہیں
یا ضرورت نہیں تو پاؤ گے کہ مسلمان یا لیتا ہوگا یا دیتا ہوگا۔ یا دلواتا ہوگا۔

دین کو خارج سے ہرگز اتنا خطر نہیں۔ جتنا کہ داخل سے۔ یعنی ہم مسلمان آپ اسلام کو نقصان
پہنچا رہے ہیں۔ اور اگر خارج سے خطر ہے اور خارج سے مراد ہے مقتضائے وقت۔ تو اسلام مقتضائے وقت
کی مقاومت کر نہیں سکتا مسلمانوں کی یہی بڑی غلطی ہے کہ وہ دنیا کو ایک خاص حالت کا چاہتے ہیں
کہ ان ہی کی سلطنت ہو۔ ان ہی کی حکومت ہو۔ ان ہی کے پاس دولت ہو۔ اور اسلام کا یہ رنگ
ہے۔ اور یہی رنگ ہونا چاہیے صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً کہ مسلمان غالب ہیں یا مغلوب
دولت مند ہوں یا محتاج۔ ایشیا میں ہوں یا یورپ میں۔ اسلام ہر رنگ کے ساتھ کھلتا ہے ست
کوشش کرو اس کی کہ تعلیم مذہبی کو داخل اوقات درس یا خارج از اوقات درس ایجوکیشن۔
(تعلیم) کا جزو قرار دو۔ کچھ بھی کرو طالب علموں کی توجہ منقسم ہو گی دو چیزوں کی طرف۔ اور مسلمان
ایجوکیشن میں ایسے ہیٹے ہیں۔ کہ اپنی ساری ہمت ساری توجہ ساری فرصت ایجوکیشن میں محصور
رکھیں تب کہیں جا کر دوسری قوموں کے ساتھ کمپیٹ (مقابلہ) کر سکیں تو کر سکیں۔ میں ایک تدبیر

۵۱ اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے۔ اور اگر تم میں ایمان ہے تو جو سود چڑھا ہوا ہے چھوڑ دو۔ اگر تم نہیں کرتے تو خدا اور اس کے
رسول سے لڑنے پر تیار ہو جاؤ ۱۲ ۵۲ ہم نے خدا کا رنگ (دین) اختیار کیا ہے۔ اور خدا کے رنگ
سے کس کا رنگ بہتر ہے ۱۲۔

براب اچھے اچھے لکھنے والوں سے ان کی طرز کی تقلید نہیں بن پڑتی خیر وہ ایک طرز تھا سو تھا انہوں نے حیدرآباد سے اگر کچھ دینے اختیار کیے۔ اور معلوم ہوا کہ وہ نہ صرف تحریر کے حاکم ہیں بلکہ تقریر کے بھی۔ پھر انھوں نے نظم کا طریقہ لیا تو اوروں کی نظم اور اپنی نثر کو بھی مات کیا ؂

بہ امر ہندی تیزی دہد ز آبِ سخن	ز تیغ مصری گوہر دہد زکان بیاں
بہ نثر داغ نہد بر جبین نظمِ حریر	بہ نظم باز ستاند ز گفتۂ سحبان
چناں نگار سخن را بدانش آراید	کہ نوک خامۂ مانی رخِ نگارستاں
بکارگاہ سخن گستری بجنباید	دہاں شخص نمد راز نوک خامہ زباں
خرد پناہ فرزانۂ کہ در آفاق	چنیں یگانہ نیامدیس از ہزار قراں

اسی اپریل کے مہینے میں آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر ایک ڈیپوٹیشن ساتھ لے کر علی گڈھ محمدن کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے پنجاب گئے اور مولوی صاحب کو ساتھ لیا۔ مولوی صاحب نے لاہور پہونچ کر ایک نظم پڑھی جس نے لوگوں کو پھڑکا دیا۔ اب اس بات پر لوگوں کا اجماع ہی کہ مولوی صاحب کا یہ ڈیپوٹیشن والا لکچر وقت کے اعتبار سے متاخر مگر عمدگی کے لحاظ سے ان کے تمام لکچروں پر سبقت لے گیا ہی۔ چنانچہ ڈیپوٹیشن کی واپس آنے پر امرتسر اور جالندھر میں یہی نظم لوگوں نے درخواست کر کے مولوی صاحب سے پڑھوالی ہر چند ہم نے مولوی صاحب کے اصلی مسودے سے نقل لی۔ مگر جن لوگوں نے لکچر سنا اُن کا بیان ہی کہ مولوی صاحب کے لکچر کا طرز ادا جس کو انگریزی میں ڈلوری کہتے ہیں تحریر میں آ نہیں سکتا۔ ان کا مسودہ بطور نوٹ کے ہوتا ہی۔ اور وہ جولانی بیان میں ہرگز نوٹ کے پابند نہیں رہتے۔ سامعین ایسے محو ہوتے ہیں کہ ان سے لکھتے نہیں بن پڑتا۔

چنانچہ یہ نقل جو ہم کو حاصل ہوئی ہی ہرگز پوری نہیں مگر جیسی ہی ایسی بھی کسی اور کے پاس نہیں دعا یہ ہی کہ خدا مولوی صاحب کی زندگی کو دراز کرے اور لوگوں کو ان کے ملفوظات سے مستفید او متمتع ہونے کا مدتوں مدتوں موقع ملے۔ آمین۔

مولوی صاحب کا یہ ڈیپوٹیشن والا لکچر تمام تر منظوم تھا جو کچھ اُنھوں نے اوپر بیان کیا۔ جہاں تک دستیاب ہو سکا فٹ نوٹ کے طور پر لکھا گیا۔ اور جس قدر لکھا گیا بہت کم ہی مقابلہ اُس کے جو لکچرار نے کہا تھا۔

تمہیدِ لکچر

میں لکچر دینے کے لیے کھڑا تو ہوتا ہوں۔ مگر میں نے بڑا آکورڈ[۱] پوزیشن اختیار کیا ہی میں ممبر ہوں اس ڈیپوٹیشن[۲] کا جس کے معروضات سننے کے لیے اور نہ صرف معروضات سننے کے لیے بلکہ ڈیپوٹیشن کی جیب تمنا کو نقد دعا سے بھرنے کے لیے آپ سب حضرات بتقاضائے حُبِ قومی جمع ہوئے ہیں ایک طرف تو میں ڈیپوٹیشن[۳] کا ممبر ہوں اور دوسری طرف مجھ کو ایک نظرِ شفقت ہی انجمن حمایت الاسلام میں پانچ پانچ چھ چھ برس سے انجمن حمایت اسلام کی کاروائی کو دیکھتا چلا آتا ہوں۔ اور میرے مائنڈ[۴] پر انجمن کی نسبت جو امپریشن[۵] ہی وہ یہ ہی کہ انجمن قومی خدمات کی وجہ سے ہم مسلمانوں کی شکرگزاری کی مستحق ہی۔

اس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ انجمن نے اس بے سر و سامانی کے ساتھ اسلامیہ کالج کھول دینے سے ایک رَش[۶] سٹپ لیا ہی۔ لیکن یہ ایک طرز اسلامی کیرکٹر ہی۔ جو ممبرانِ انجمن سے ظاہر ہوا۔ اُن کی نیت ان کی سرگرمی اُن کی کوشش پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جب دو یا زیادہ انسٹیٹیوشنوں[۷] کا ایک ہی مطلب ہو تو ان میں کامپٹیشن[۸] کا قائم ہونا ایک ضروری بلکہ عمدہ بات ہی۔ لیکن جیسے کامپٹیشن کا ہونا ضروری اور عمدہ بات ہی ویسے ہی جلسے[۹] کا ہونا نامناسب امر

۱ بے ڈھب اور مشکل موقع ۱۲ ۲ چند آدمی جمع ہو کر کسی پاس کوئی غرض لے کر جائیں وہ مجمع ڈیپوٹیشن کہلاتا ہی اور یہاں مراد ہی وہ لوگ جو اپریل ۱۸۹۲ء میں سید احمد خاں کے ساتھ علی گڑھ محمڈن کالج کے لیے چندہ فراہم کرنے کی غرض سے پنجاب گئے ۱۲ ۳ دل ۱۲ ۴ نقش اور اثر ۵ یعنے پیش قدمی کرنے میں جرأت بے جا کی ۱۲ ۶ مسلمانوں کی اصلی عادت کہ وہ محض توکل پر بڑے سے بڑا کام شروع کر بیٹھتے ہیں ۱۲ ۷ کارخانوں اور یہاں مراد ہی درس گاہوں ۱۲ ۸ بڑھنا بھنی ۱۲ ۹ حسد کا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد اللہ العظیم ونصلی علی رسولہ الکریم

نثر

سلام علیکم سلام علیکم	بحمد اللہ بھائی مسلمان ہیں ہم تم

ل۵ سلام تو ایک ہی بس کرتا تھا کیوں کہ علیکم میں جو کم ہی ضمیر جمع حاضر ہی اور اُس کے مخاطب کل حضرات آڈینس (سامعین) مگر مجھ کو ڈبل (دوہرا) سلام کرنا منظور تھا اور اسی لیئے میں نے نظم کا ایک ایسا وزن اختیار کیا ہی جس میں ڈبل سلام کی کھپت ہو ڈبل سلام میں ایک تو نماز کی تعلیم ہی کہ اُس میں بھی دو سلام ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک سلام شعار اسلام ہی کہ جب مسلمان مسلمان ملیں چاہیئے کہ ایک دوسرے کو سلام کریں اور دوسرا سلام سلام روستائی ہی جس کی نسبت آپ نے سنا ہوگا ع سلام روستائی بے غرض نیست۔

وہ غرض جس کے لیئے سلام روستائی کیا گیا ہی آپ کو معلوم ہی مگر تھوڑی دیر بعد میں اُس کو منہ پھوڑ کر بھی بیان کر دوں گا اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں اُس ہی کی تمہید ہی۔

آداب معاشرت میں سلام ادب موکد ہی فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً یعنے جب کسی کے گھر جاؤ تو اپنے تئیں سلام کر لیا کرو جائیں دوسرے کے گھر اور سلام کریں اپنے تئیں۔ اس کے معنی کیا؟ اس کے یہ معنی ہیں کہ تم مسلمان مسلمان آپس میں سب ایک ہو تو تم دوسرے مسلمان بھائی کو کیا سلام کرتے ہو گویا اپنے ہی تئیں سلام کرتے ہو۔ اور اس تاویل کے شواہد قرآن میں کئی جگہ موجود ہیں مثلاً لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنی عیب چینی مت کیا کرو۔ مراد ہی کہ ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کیا کرو۔ کیوں کہ کوئی اپنی عیب چینی نہیں کیا کرتا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اور اگر انسان

(بقیہ نوٹ بر صفحہ ۵۰۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۲)

اپنی عیب چینی کیا کرتا تو زمین پر آدمی نہ بستے بلکہ معصوم فرشتے اسی طرح وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ میثاق (عہد) تھا لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ اور الزام ہی تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ یہود سے خدا نے عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کی خونریزی نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کو دیس نکالا دینا۔ لیکن اس عہد کو ان الفاظ سے بیان کیا کہ اپنی خونریزی نہ کرنا اور اپنے تئیں جلا وطن نہ کرنا۔ ادائے مطلب کے اس پیرائے سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندے التیام اور صلح کاری سے رہیں۔ اور اپنے میں اور ابنائے جنس میں دوئی نہ لگائیں مگر ہم کمبخت نافرمان بندے آپس میں لڑتے مرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔

فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ کی دوسری تاویل لوگوں نے یہ بھی کی ہے کہ جب تم دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کرو گے تو وہ خواہی نخواہی جواب سلام دے گا۔ اور جواب سلام بھی بجائے خود سلام ہے تو تمہارا دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کرنا انجام کار اپنے تئیں سلام کرنا ہے۔ تو اس صورت میں ادائے مطلب کا یہ پیرایہ ہوا جو وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ (قصاص کا قاعدہ جاری رکھنے میں تمہاری زندگی ہے) کا ہے۔ انگریزی اٹیکٹ (آداب مجلس) تو یہ ہے کہ جب تک کوئی تم کو انٹروڈیوس (تعریف) نہ کرے تم اجنبی آدمی سے شناسائی مت پیدا کرو۔ اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ لوگ مہینوں ایک ہوٹل یا ایک جہاز میں رہے اور ایک میز پر کھانا کھایا کیے۔ اور ان میں صاحب سلامت کی نوبت نہ آئی۔ مگر اسلامی اخلاق اس روکھے پن۔ اس کھردرے پن کو جائز نہیں رکھتا۔ بس ایک ایسی بات سے مشتے نمونہ از خروارے سمجھ لو۔ ملنساری کن میں ہے اور کن میں نہیں۔ اور ملنساری نہیں ہے مگر حسن اخلاق کا دوسرا نام اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (اے پیغمبر تم بڑے ہی خلیق ہو) ہمارے ہاں اگر معرفت سابقہ ہے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ سے اظہار خلوص کیا جاتا ہے اور اس کی تجدید۔ اگر معرفت نہیں تو بھی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

تقریب ہے اور یہی اَلسَّلَامُ عَلَیکُمْ انٹروڈکشن یا انٹروڈکشن ہے کیا چیز یہی نا کہ ایک متوسط ایک اجنبی سے دوسرے اجنبی کا مُعرِف ہوتا ہے لیکن جب مُعرِّف اور مُعرَّف الیہ دونوں مسلمان ہیں تو اجنبیت گئی گزری ہوئی۔ وہی اسلام جس کے دونوں معتقد ہیں۔ ایک دوسرے کا مُعرِّف کافی ہے۔ پھر سلام کے بھی آداب ہیں۔ کہ سوار پیادے کو سلام کرے۔ جو کھڑا ہے بیٹھے ہوؤں کو جیسا میں نے کیا اس میں بھی تواضع کی ایک اخلاقی تعلیم ہے۔ پھر سلام ایک حق ہے من جملہ حقوق العباد کے وَاِذَا حُیِّیتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوا بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْ رُدُّوْھَا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا اگر تم کو کوئی سلام کرے تو تم اُس کے لفظوں سے بہتر لفظوں میں اُس کا جواب دو۔ یا خیر ویسے ہی لفظوں میں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ذری ذری بات کا حساب لے گا۔ رُدُّوْھَا کے یہ معنی کہ میں نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تم نے اس کے جواب میں کہا "وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ"۔ بِاَحْسَنَ مِنْھَا سے یہ مراد ہے کہ میں نے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تم نے کہا "وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" مگر یہ تو اسلامی سلام کا جواب ہوا۔ سلام روستائی کے جواب میں بہترین الفاظ سے کام نہیں چلتا وہاں چاہئیے بہترین مسکوک۔

شروع شروع میں مسلمانوں سے ایک دو بار ایسی غلطیاں ہوئیں کہ اپنے تحفظ کی ضرورت سے دشمنوں پر چڑھ کر گئے۔ اُنھوں نے اسلامی قاعدے سے اُن کو سلام کیا اور سلام کو طلبِ امن کا مرادف سمجھا۔ مسلمانوں نے خدع کے خیال سے اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ (لڑائی نام ہے فریب کا) سلام کی پروا نہ کی تو اس پر بڑے غصّے کی آیت نازل ہوئی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (ای مسلمانو جب تم اللہ کی راہ میں یعنے جہاد کے لئے سفر کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو کوئی تم کو سلام کرے تم اُس سے یہ بات نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں) ذرا قرآن کے لفظوں پر نظر کرو۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا مسلم سے مومن کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ کیوں کہ اسلام کے معنی ہیں گردن نہادن۔ اور یہ فعل ظاہر جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور ایمان ہے فعل قلب جس پر سوائے خدا کے کوئی مطلع ہو نہیں سکتا۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (عرب کے

(بقیہ [illegible])

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۴)

گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو اے پیغمبر تم ان سے کہو کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں تک پہونچا بھی نہیں) تو فرمایا کہ جو تم کو اسلامی قاعدے سے سلام کرے تم کو کوئی حق نہیں کہ اس کو مومن نہ سمجھو تم تو ظاہر پر حکم لگانے والے ہو کسی کا اسلامی قاعدے سے سلام کرنا تمہارے لیے اس کے مومن ہونے کا ثبوت کافی ہے۔

قریب قریب اسی طرح کی ایک غلطی خالد بن ولید سے بھی ہوئی تھی کہ ان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آدمی ساتھ دے کر دعوت اسلام کی غرض سے قبیلۂ بنی جذیمہ کے لوگوں پاس بھیجا یہ جونہی ایک اُن کے سر پر جا موجود ہوئے تو وہ گھبرا کر لگے کہنے صَبَأْنَا صَبَأْنَا صابی ایک لقب حقارت آمیز تھا جو کفار قریش نے اس وقت کے مسلمانوں کو دے رکھا تھا۔ اس کے لغوی معنی تو کنورٹڈ (نو مسلم) کے تھے۔ مگر کفارِ قریش اس کو ڈزرٹر (خارجی) کی جگہ استعمال کرتے تھے۔

قبیلۂ بنی حنیفہ میں کا ایک شخص تھا ثمامہ بن اثال۔ مسلمان۔ اس کو گرفتار کرکے حضرت پاس لائے حضرت نے پوچھا مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ (ثمامہ کیا خبر ہے) تو اُس نے کہا عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مَا شِئْتَ (اے محمد خیریت ہے اگر تم مجھے مار ڈالوگے تو میری قوم کے لوگ تم سے میرا خون بہا لیں گے اور احسان کروگے تو میں احسان فراموش نہیں اور تمہیں مال درکار ہو تو جو مانگو میں دینے کو موجود ہوں)۔ یہ جواب اپنے سیاق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقولے سے کیسا مشابہ ہے إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ خیر تو آں حضرت نے اپنی مرحمت جبلی کے مطابق ثمامہ کو چھوڑ دیا اور وہ حضرت کا طرز مدارات دیکھ کر ایمان بھی لے آئے ان کو عمرہ کرنا تھا گئے مکے۔ قریش کے لوگوں نے پوچھا أَصَبَوْتَ (کیا تم نے ترک دین کیا) ثمامہ کہتے ہیں لَا وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ (نہیں تو بلکہ میں مسلمان ہو گیا) اسی طرح بنی جذیمہ کو أَسْلَمْنَا کہنا چاہیے تھا نہ صَبَأْنَا کہ صبانا سے اسلام کی توہین نکلتی تھی۔ اور اسی لیے خالد بن ولید نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۵

جو دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بنی جذیمہ کے کچھ آدمی مارے گئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر ہوئی تو حضرت خالد پر سخت ناخوش ہوئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا الٰہی میں خالد کی اس حرکت سے بیزار ہوں۔ اور صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ حضرت علی کو بنی جذیمہ میں بھیج کر ایک ایک مقتول کی دیت دلوائی۔ خالد اسلام کے بڑے مشہور جنرل ہیں اور انھوں نے اسلام میں بڑی بڑی فتوحات نمایاں کی ہیں (ہائے ہائے کی تھیں) اور اُن کو سیف اللہ کا خطاب ملا تھا۔ اور خطاب کے ملنے کا قصہ بیان کیا جائے تو شاید چنداں بے محل نہ ہوگا۔ اور اسلام کی ابتدائی ہسٹری (تاریخ) ہی ایسی دل چسپ کہ جس بات پر نظر کرو کیوری آسٹی (شوق) کسی طرح سیٹسفائی (سیر) نہیں ہوتی ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم	کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

موتہ ایک مقام ہے علاقہ شام میں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے خطوط ملوک کے نام لکھے تو ہرقل روم کے نام کا خط عالم بصریٰ کے پاس بھیج دیا۔ کہ اس کو ہرقل پاس پہنچا دو۔ ہرقل کی طرف سے شام کا گورنر تھا شرجیل۔ اس کی جو شامت آئی تو اُس نے پیغمبر صاحب کے قاصد حبیر بن عمیر کو مروا ڈالا۔ آں حضرت نے شرجیل کی سرکوبی کو لشکر روانہ کیا جس کے کمانڈر تھے زید بن حارثہ۔ اور آں حضرت نے لشکر کو رخصت کرتے وقت فرما دیا تھا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو اُن کے بعد جعفر بن طالب اور اُن کے بعد عبداللہ بن رواحہ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ تینوں کمانڈر پیچھے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے جعفر بن طالب کی لاش کو دیکھا۔ نوّے سے اوپر تیروں اور تلواروں کے زخم تھے اور ایک بھی پشت کی جانب نہ تھا۔ حضرت جعفر کو شہادت کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ذو الجناحین فرمایا یعنی دو بازو والے۔ کیوں کہ اسلامی جھنڈا لڑتے وقت ان کے داہنے ہاتھ میں تھا وہ کٹ گیا تو انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو ٹانگوں سے دبائے کھڑے رہے اور جھنڈے کو گرنے نہ دیا اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔ جب زید اور جعفر اور عبداللہ

تینوں کمانڈر شہید ہوگئے تو لوگوں نے خالد کی جلادت دیکھ کر ان کو کمانڈر بنا لیا۔ اور خدا نے ان کو
فتح دی۔ یہاں مدینے میں خبر آنے سے پہلے آں حضرت نے بیان فرما دیا تھا اور اس میں خالد کی
نسبت ارشاد ہوا تھا کہ عبداللہ کے بعد اَخَذَ الرَّایَۃَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ
(آخرکار اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اسلامی جھنڈا لیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی) تو
خالد ایک تو خود اعلیٰ درجے کے سپاہی تھے ایسے لوگوں میں شدت کا ہونا ضرور ہے اس وجہ سے بنی جذیمہ
کے مقہور کرنے میں جلدی کی یا عجب نہیں خالد نے ان لوگوں کے سلام کو توبہ پر قیاس کیا ہے جس کی
نسبت ارشاد ہے اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ
فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا (اللہ تو اُن لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جن سے
نادانستہ ایک خطا ہوگئی اور اُنھوں نے جلدی سے توبہ کر لی) وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ
السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَہُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَہُمْ کُفَّارٌ
اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَہُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (اور اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو بدیاں کرتے چلے گئے۔
یہاں تک کہ جب موت آ موجود ہوئی تو لگے کہنے اب میری توبہ اور نہ اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے جو
کافر ہوں اور کفر پر مر جائیں) فقہائے غرغرہ کو حد توبہ قرار دیا ہے بعینہ یہی معاملہ فرعون کے ساتھ ہوا۔
حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ
آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً
(یہاں تک کہ آخرکار جب لگا ڈوبنے تو بولا میں ایمان لایا کہ بنی اسرائیل کا خدا چھوڑ کر اور کوئی خدا
نہیں اور اب میں مانتا ہوں۔ اب مانا تو کیا مانا اور اس سے پہلے تو سرکشی کرتا اور فساد پھیلاتا رہا۔

آخر میں میں ایک ریمارک سلام کے متعلق اور کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح فوج میں پرول ہوتا
ہے جس سے اپنے لشکر کا آدمی پہچانا جاتا ہے اسی طرح اسلامی شعار ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، سَلَامٌ عَلَیْکُمْ
مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس شعار کو ترک کرتے چلے جاتے ہیں میں انگریزی داں مسلمانوں
کو دیکھتا ہوں کہ وہ یا فقط جنبش سر سے کام لیتے ہیں یا ہاتھ کے اشارے سے۔ یا وہی انگریزی سلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۷)

مسلمان سب ہم دم[۱] وہم قدم[۲] ہیں خدا اور رسول خدا ایک سب کا	ہمیں میں کے تم ہو تمہیں میں کے ہم ہیں نہیں فرق[۳] یاں کچھ عجم اور عرب کا

کہ سلام کا بھی کام دیتا ہی۔ اور سرسری طور سے وقت بھی بتاتا ہی۔ گڈ مارننگ (صبح کا سلام) گڈ نون (دوپہر کا سلام) گڈ آفٹرنون (تیسرے پہر کا سلام) گڈ ایوننگ (شام کا سلام) گڈ نائٹ (رات کا سلام) عجب نہیں کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرے آیندہ گھڑی اور گھنٹے کی سوئیوں کی طرح بقید گھنٹہ و منٹ ٹھیک وقت بتانے لگے۔ گڈ سکس او کلاک پی ام (شام کے چھ بجے کا سلام) گڈ ہاف پاسٹ یا کوارٹر ٹو سکس اے ام (صبح کے ساڑھے چھ یا پونے چھ بجے کا سلام) و قس علیٰ ہذا۔ تو اُس وقت سلام اچھا خاصہ ریلوے ٹائیم ٹیبل ہو جائے گا۔ ای کاش ہمارے دلّی واپس جانے سے پہلے ہو کہ ہمارے بھی کام آئے۔ بشرطیکہ وایا (براہ) کا لکا بھی ہو۔ یہ صرف انگریزی پھٹکار نہیں ہی مدتوں سے مسلمانوں نے سلام کی مٹّی پلید کر رکھی ہی۔ بادشاہوں امیروں کا تو نام نہ لو کہ وہ اسلام سے مستثنیٰ ہیں یعنے خارج۔ چھوٹوں کی طرف سے آداب۔ بڑوں کی طرف سے دعا۔ لکھنؤ کے مجرے کورنش تسلیمات بندگیاں۔ زنان خانوں میں ٹھنڈی سہاگن سائیں جیئے۔ بچے جئیں۔ بس ایک سلام ہی سے خیال کر لو کہ مسلمان کہاں تک اپنے مذہبی رسومات کے پابند ہیں سو بھئی مجھ کو تو ایسے سلاموں کی عادت نہیں نہ میں ان کو پسند کرتا ہوں میں نے تو سیدھا سادہ مسلمانوں کا سا سلام کھینچ مارا ہی لگا تو تیر نہیں تُکا۔ ۱۲۔

[۱] ہم دم اس اعتبار سے کہ سب کلمہ گو ہیں ۱۲ [۲] ہم قدم اس لئے کہ ایک شریعت پر چلتے ہیں ۱۲
[۳] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ ای لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کر کے تم کو جتھوں اور برادریوں میں بانٹ دیا۔ تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت دار وہ ہی جو زیادہ پرہیزگار ہی اور بعینہٖ یہی مضمون ہی حدیث کا۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ لَوَاحِدٌ وَّاِنَّ اَبَاکُمْ لَوَاحِدٌ فَلَا فَضْلَ لِلْعَجَمِ عَلَی الْعَرَبِ وَلَا لِلْاَسْوَدِ عَلَی الْاَحْمَرِ اِلَّا

وہ ختم الرسل وہ خدادانِ اُمّی اُسی دین کی کرتے سیوا ہیں ہم بھی	بسالی وآلی بنفسی واُمّی اُسی شخص کے نام لیوا ہیں ہم بھی

اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ لوگو تمہارا پروردگار ایک۔ تمہارا مورث اعلیٰ (آدم) ایک۔ تو عرب کو عجم پر اور کالے رنگ کے آدمی (عرب) کو لال رنگ کے آدمی (رومی) پر کوئی برتری نہیں۔ خواجہ حافظ شیراز کہتے ہیں ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم	ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

۵۱ اُمّی۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظ اُمی واقع ہوا ہے۔ پہلے سے مراد ہے اَن ایجوکیٹیڈ (تعلیم نایافتہ) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (وہ جو پیروی کرتے ہیں اَن پڑھ پیغمبر کی جس کے مذکور کو پاتے ہیں اپنے پاس لکھا ہوا توراۃ اور انجیل میں) بجائے اس کے کہ اَن ایجوکیٹیڈ ہونا پیغمبر صاحب کے لئے موجب کسر شان ہو وہ اُن کے معجزات باہرہ میں سے ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ نہ پڑھے نہ لکھے اور قرآن جیسی لاجواب کتاب زبانی لکھوادی ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست	کتب خانہ چند ملت بشست

جن دنوں قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر (علم ادب یا زباں دانی) کے جوبن پر ایک بہار آرہی تھی۔ لوگوں میں یہ مادہ ایسا ڈولپ (برسرترقی) ہوا تھا کہ کیا شہری کیا دیہاتی۔ کیا مرد کیا عورت۔ کوئی متنفس مذاق شعری سے خالی نہ تھا۔ بدیہہ گوئی حاضر جوابی اُن کے نزدیک ایک بات تھی۔ رنج اور خوشی صلح اور جنگ سفر اور اقامت کوئی حالت خیال میں نہیں آسکتی جس میں اُن کے قوتی اشعار کے انبار نہ ہوں غرض اُن کی زندگی کے جہاں اور طرز تھے ایک طرز ضروری شاعری بھی تھی کسی قوم نے شاعری کو ایسا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا جیسا اُن وقتوں کے عرب نے۔ فضائل انسانی اور بھی تھے جیسے شجاعت۔ سخاوت۔ مہماں نوازی ظرافت حسن صورت وغیرہ مگر شاعری کو ایک لگا نہیں کھاتا تھا۔ شاعری نے اُن دنوں اچھی حکومت کرلی کہ شاعر لوگ قبیلوں کو آپس میں لڑا مارتے تھے

(بقیہ حواشی صفحہ ۵۱۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۹)

جیسے بادشاہ بادشاہ ملکوں کو۔ اور پھر عرب نے اس وقت کہ یہ [illegible] میں کچھ ترقی کی تھی پس
ان کی شاعری نیچرل تھی بلا تصنع۔ آمد تھی نہ آورد۔ اور اسی لیئے مؤثر بھی ایسے ہی درجے کی تھی۔ اِنَّ
مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (بعض بیان تو واقع میں جادو کا اثر رکھتا ہی) اور خیر یہ تو زبان عربی کے عروج کا
زمانہ تھا یوں بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا۔ اور اُن کی بولی نا[illegible] قابل ہی بھی کہ انھوں نے اپنے
[illegible] اے دوسروں [illegible] رکھا تھا عجم یعنے گونگے یا جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ ایسے لوگوں سے
[illegible] ہی اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حلیۂ فصاحت سے عاری تو اُن کے کان پر جوں بھی تو چلتی
اور وہ اُس کو اس کان سنتے اور اُس کان اُڑا دیتے۔ پس ضرور تھا کہ اُن [illegible] اُسی داؤ سے پچھاڑا جاتے۔
[illegible] داؤں کو خوب رواں تھا یعنے فصاحت۔ قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کا سرسید
اور نواب محسن الملک اور سید محمود اور حالی اور شبلی سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ کہ تری
دین داری خدا پرستی اخلاق اور نیکی کے مضامین اور اس خوبی [illegible] ساتھ ادا کیئے جائیں کہ دلوں کو
[illegible] لیں یہ بھید کیا ہی؟ سمجھ تو گئے تھے مگر غرور اور حسد اقرار حق کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وَجَحَدُوا
بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (ان کے دل تو مان گئے تھے مگر زبردستی اور ہیکڑی
سے اُنھوں نے خدا کے کلام سے انکار کیا) غضب خدا کا ابوطالب جیسا شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم) کے حقیقی چچا جنھوں نے پیغمبر صاحب کو پالا پرورش کیا اور وہ اُنھیں کے کنارِ عاطفت
میں بڑے ہوئے اور اُن ہی کی مدد تھی کہ پیغمبر صاحب مکّے میں رہنے پائے پیغمبر صاحب کا رتی
رتی حال اُن کو معلوم۔ بستر مرگ پر پڑے ہیں اور پیغمبر صاحب [illegible] رہے ہیں کہ چچا جان ایک بار
میرے کان میں کہہ دیجیئے کہ خدا ایک ہی تو مجھکو خدا سے آپ کی مغفرت کے لیئے عرض معروض کرنے
کی گنجائش ہو۔ اُدھر ابوجہل بیٹھا ہوا ہکار رہا ہی کہ بس یہی وقت آزمائش استقلال کا ہی۔ آخرکار
ابوطالب نے پیغمبر صاحب سے کہا بھتیجے کہتے تو سچ ہو۔ مگر لوگ خیال کریں گے کہ بڈھا مرنے سے ڈر گیا۔
[illegible] میں تو اپنے باپ کے مذہب پر مرتا ہوں۔ ابوطالب کا یہ ایک [illegible] بہانہ اکثر بین تھا ورنہ اگر اُن کا
دل مسلمان نہ تھا تو دنیا میں کوئی دل مسلمان ہو نہیں سکتا۔ بہرکیف قرآن کی فصاحت و بلاغت سے تو

ہمارا تمھارا ہی قرآن واحد	ہی اسلام واحد اور ایمان واحد
وہ مکہ کا گھر قبلۂ مشترک ہی	بھلا ایک ہونے میں کچھ اب بھی شک ہی

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی بشمول ہمارے پیغبر صاحب کے معجزات سے جہاں تک کتابوں سے
تحقیقات ہو سکے ایک فہرست بنائی جائے تو کوئی معجزہ قرآن کی فصاحت کے معجزہ کو نہیں پائے گا۔
کیوں کہ تمام معجزات واقعات تاریخی ہو گئے ہیں اور سوائے شہادت در شہادت کے کوئی ثبوت
اُن کے وقوع کا ہم نہیں پہنچ سکتا۔ مگر قرآن ایسا معجزہ مستمر ہو کہ ہمہ وقت تازہ ہی اب بھی جن کو میرے
جتنی بھی عربی آتی ہو قرآن کے معجزہ ہونے میں شک وشبہہ کر نہیں سکتے۔ لیکن افسوس ہی کہ خود مسلمان چونکہ
عربی نہیں جانتے اس نعمت۔ اس کافی ذریعۂ اطمینان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ معجزہ بے قدر نہیں ہی
مگر اُنھوں نے عربی نہ جاننے کی وجہ سے اپنے حق میں بے قدر کر رکھا ہی۔ ایک طبیب حاذق نے اشتہار
دیا کہ میرے پاس ایک ایسا اچھا سرمہ ہی کہ کور مادرزاد کو بینا کرتا ہی۔ ہزاروں کور مادرزاد گئے اور سرمہ کی
برکت سے بینا ہو کر چلے آئے۔ ایک شخص جس کی دونوں آنکھیں کٹورے کی طرح کھلی ہیں سرمہ کی تاثیر
میں شک کرتا ہی تو اُس کو اس کے سوائے کیا جواب دیا جا سکتا ہی یا کور مادرزاد بن کر آ اور سرمے کی
تاثیر کو آزما۔ یا جو کور مادرزاد سرمے سے اچھے ہوئے ہیں اُن سے پوچھ۔ معجزہ فصاحت خود بڑی قدر و قعت
کا تھا۔ مگر اس کی قدر و قعت کو اضعافاً مضاعفہ بڑھا دیا۔ پیغمبر صاحب کے اُمی ہونے نے۔ مَا کُنْتَ
تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي
صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ (ای پیغبر تم اس سے پہلے نہ کتاب پڑھتے
رہے ہو نہ تم کو لکھنا آتا ہی کہ جو لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں جھٹلاتے بھی بھلے لگتے یہ تو اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اور
جاننے والوں کے دلوں میں ان کا اثر پڑتا ہی اور ہیکڑی کے سوائے کوئی اور وجہ ہماری آیتوں سے انکار
کرنے کی نہیں) غرض شعر کے پہلے مصرع میں جو اُمی ہی اُس سے یہ اُمی مراد ہی اور دوسرے مصرع کا
اُمی بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي (میرے ماں باپ آپ پر قربان) کا اُمی ہی ۱۲۔

۱ ۵ قرآن پاک میں ہی إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (پہلا گھر

ہمیں جانی نیچری خستہ سمجھو	ولیکن غضب ہی اگر نیچری ہو
نہ ہو مجمع گر اُمومت اُبوت	بدستور قایم ہی دینی اُخوت
تعلق نہ ہوں یا بہت ہوں کہ چھوٹے	یہ رشتہ نہ ٹوٹے کسی طرح توڑے
عزیزوں سے بڑھ کر پرایا ہوا ہی	یہ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہی
یہ رشتہ جو اللہ صاحب نے جوڑا	تو لوگوں نے اس کے لیئے سب کو چھوڑا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۳)

جو اس غرض سے بنایا گیا کہ لوگ سچے ایک خدا کی بندگی کریں وہ ہی جو مکے میں واقع ہی اُس گھر میں اللہ کی دی ہوئی برکت اور ہدایت ہی اہل جہان کے لیئے، غرض شعر میں مکے کے گھر سے خانۂ کعبہ مراد ہی زادہا اللہ شرفاً ۱۲

۵۱ مگر نیچری سمجھو تو قرآن کی اس آیت کا خیال رکھنا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (ای مسلمانو) کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اُڑائے عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی ہنسی اُڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی وہ ہنسی اڑانے والیوں سے بہتر ہوں- اور آپس ہی کسی کی عیب جوئی نہ کرو اور لوگوں کو بُرے لقب سے پکارو مت ایمان لائے بعد بُرے کام کا نام بھی بُرا- اور جو باز نہ آئے گا تو اللہ کی نظر میں وہی ظالم ٹھیرے گا ۱۲

۵۲ اس سے میری مراد ہی اشارہ کرنا طرف اُس مدارات کے جو انصار نے مہاجرین کے ساتھ کی مہاجرین اور انصار دو خطاب ہیں جو شروع شروع کے مسلمانوں کو ملے تھے- اسلام تھا ضعیف اور مسلمان معدودے چند- کفار قریش مسلمانوں کو مذہبی مخالفت کی وجہ سے ستاتے اور ایذائیں دیتے تھے- پیغمبر صاحب کو اپنی ہی حفاظت کی مشکل پڑی تھی اور نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا تو عیسائی مگر وہ رعایا کے دین و مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا جیسے ہماری برٹش گورمنٹ اور یہ جو محرم دسہرے وغیرہ مذہبی تیوہاروں میں حکام کی مداخلت دیکھتے ہو یہ سب کچھ ہمارے ہی کرتوت ہیں

(بقیہ حواشی صفحہ ۵۱۵)

میں بھائی چارہ کرا دیا تھا انصار نے اس مواخات کو جس عمدگی کے ساتھ نباہا اُس کی بہت سی حکایتیں کتب سیر و احادیث میں منقول ہیں۔ مثلاً یہ کہ ابتدائے آمد مہاجرین سے پیغمبر صاحب پر برابر انصار کا یہ تقاضا رہا کہ ہمارے مسلمان بھائی مہاجرین بے سرسامان ہیں۔ اور ہم لوگ باغات رکھتے ہیں آپ ان باغات میں ہم کو اور ہمارے مہاجرین بھائیوں کو برابر کا شریک کر دیجئے۔ آن حضرت نے اس کو قبول نہیں کیا۔ مہاجرین و انصار میں مواخات ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع بھائی بھائی بنے۔ سعد نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم ٹھیرے بے کس و کو اور بے مقدور اور مجھ کو خدا نے مال بھی دیا ہے اور ایک چھوڑ دو دو بیبیاں۔ ایسا کرو کہ مال میرا تمہارا آدھا آدھ۔ اور جس بی بی کو کہو میں تمہارے لئے اُس کو طلاق دے دوں عبدالرحمٰن نے کہا کہ یہ تمہاری مہربانی ہے۔ مجھ کو صرف بازار بتا دو میں آپ اپنی سب حالت درست کر لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا

ایک انصاری کی وہ حکایت مجھ کو کبھی بھولتی ہی نہیں کہ پیغمبر صاحب کے پاس کوئی مہمان آیا۔ آپ نے اپنے گھروں میں دریافت کیا تو معلوم ہوا مہمان کے لئے کچھ موجود نہیں۔ آخر ایک انصاری اُس کو لے گیا۔ لے جاتے تو لے گیا مگر اُس کے ہاں بھی صرف بچوں ہی کا آسرا تھا اور بس۔ کمال تو یہ کیا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا۔ اور چراغ کو کر دیا ٹھنڈا۔ مہمان کے ساتھ آپ خالی منہ چلاتا رہا۔ اور مہمان اکیلا کھا یا گیا۔ اس طرح ایک مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کے کام آتا تھا۔ تب کہیں جا کر دین قایم ہوا تھا۔ اگر کہیں خدا نخواستہ ہمارے جیسی آپا دھاپی ہوتی تو آج اسلام کا کوئی نام بھی نہ جانتا۔ پیغمبر صاحب نے جو مہاجرین اور انصار کا ایسا ربط ضبط دیکھا تو مہاجرین کو انصار کا وارث ٹھیرا دیا۔ یعنی کوئی انصاری مرتا تو اُس کا بھائی مہاجر اُس کے عزیزوں کی طرح اُس کا ترکہ پاتا جب مہاجرین کے پرپرزے درست ہو گئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا ۚ (مسلمانوں اور مہاجروں کے مقابلے میں ناطے والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر یہ کہ اپنے دوستوں کے ساتھ تم سلوک کرنا چاہو) اس کے بعد

وطن[1] چھوٹے اور مال و اسباب چھوٹے — زن و خویش و فرزند و احباب چھوٹے
قرابت یہ تھی کس ثنا و صفت کی — کہ بنیاد تھی دنیوی سلطنت کی
اسی نے جماعت نئی اک بنائی — لگی پھرنے دنیا میں اُن کی دہائی
گدا[2] تھے مگر بادشاہ ہوگئے وہ — تھے بندے ولیکن خدا ہوگئے وہ
اُخوت پہ موقوف ہیں کام سارے — ہم آئے ہیں تم تک اسی کے سہارے
مسلمانوں کی جیسی حالت ہی ابتر — لکھے جا چکے اُس کے دفتر کے دفتر
نہ محتاج اظہار و ذکر و بیان ہی — کہ جو کچھ حقیقت ہی سب پر عیاں ہی
ذرا دیکھیے کیا سے کیا ہوگئے ہم — سبب کیا؟ کہ باہم جُدا ہوگئے ہم
سمجھتے بھی ہو کچھ کہ کیا ہی اُخوت — یہی ہی یہی ہی یہی اصل قوت
یہ بام ترقی پہ اُڑنے کا پر ہی — یہی فوج و لشکر یہی زور و زر ہی

(بقیہ حواشی صفحہ ۵۱۶) وراثت مواخات موقوف ہوئی۔ اور شعر میں یہ جو کہا ہی۔ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہی تو اس کی سند وہی مواخات جو پیغمبر صاحب نے انصار اور مہاجرین میں کرادی تھی اور قرآن میں بھی ارشاد ہی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۱۲

ف۱ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (مال غنیمت میں سے رسول کا حصہ اُن محتاجوں کا ہی جو مہاجرین کہلاتے ہیں جو اپنے وطن اور مال سے بے دخل کر دیے گئے ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں سچے مسلمان)۱۲ ف۲ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اللہ نے اُن سے وعدہ کرلیا ہی کہ جس طرح اگلے لوگوں کو ملک کی خلافت یعنی سلطنت دی تھی اُن کو بھی سلطنت دے گا اور جس دین کو اُن کے حق میں پسند کیا ہی اس کو بھی ثبات دے گا اور اُن کے ڈر کو اطمینان سے بدل دے گا)۱۲

بہرکیف اُسی کی تھی اک شان یہ بھی
کیا لطف و انعام و احسان یہ بھی

کہ جب حدِ غایت کو پہونچی تباہی
بڑھا مدّ دریائے رحمِ الٰہی

خدا نے کیا ہم میں اک شخص پیدا
مسلمانوں کی قوم کا دل سے شیدا

ہو اسلام کا بول بالا کسی ڈھب
یہی اُس کا دیں ہے یہی اُس کا مذہب

جو ہو حُبِّ قومی میں ہر وقت شاغل
وہ بیچارہ کیا جانے فرض و نوافل

یہ بے دین ہے یا کہ دیں دار ہے یہ
تمھاری ہی کارن دل افگار ہے یہ

مہ و مہر پوجے ہیں پتھر کسی نے
مگر کی ہے قومی پرستش اسی نے

سخن قوم کا قوم سے ہی سخن ہے
اسے جاگتے سوتے بس اک دُھن ہے

نہ کیوں کر رہے ہر گھڑی دل فسردہ
کہ ہے عاشقِ قوم اور قوم مردہ

سنے ہیں بہت عاشقوں کے فسانے
جو عاشق ہو وہ عشق کی قدر جانے

مگر جب سے سرسید احمد کو دیکھا
تو سمجھے کہ ہاں عشق ہوتا ہے ایسا

محبت بجائے خودش بد بلا ہے
ذرا پوچھئے زال قوم ان کی کیا ہے؟

مناسب[۵۱] طبیعت کے ہوتے ہیں رشتے
کہ جس طرح کی روح ویسے فرشتے

بقدرِ طلب گر خدا اُس کو زر دے
گورمنٹ کو یہ مسلمان کر دے

مسلماں[۵۲] کلکٹر مسلماں کمشنر
مسلمان ہر ایک صیغے میں افسر

۵۱ یہ مثل قرآن سے استنباط کی گئی ہے اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ (ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیئے) اور یہی مطلب ہے کند ہم جنس باہم جنس پرواز کا۔ حاصل مطلب یہ کہ ممدوح کی طینت پاک تھی تو وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کی طرف مائل ہوا ۱۲ ۵۲ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ابھی حال میں ایک بنگالی صاحب بردوان کے کمشنر مقرر ہوئے ہیں تو اگر مسلمانوں میں لیاقت و قابلیت ہو تو ان کو بھی عہدہ ہائے جلیلہ مل سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو غیرت نہیں آتی ۵

یہی چیف جسٹس یہی سول جج ہوں	تو کس دھوم سے چل کے ملکے میں جج ہوں
خدا نے اسے عقل دی فکر ثاقب	نتائج سمجھنے لگا اور عواقب
تو دیکھا مسلمان بیٹھے ہیں سب ہیں	مگر آ گئے ہیں خدا کے غضب میں
جگر جل گیا ہو گئے دل کے ٹکڑے	یہ وہ درد ہی جو کرے سل کے ٹکڑے
لگا رونے بالائے سر ہات رکھ کر	وہ اور بیٹھتا ہات پر ہاتھ رکھ کر
تفحص کیا کیا ہی؟ کیوں کر ہی کیوں ہی	کہ دنیا میں اسلام خوار و زبوں ہی
کھلی آخرش وجہ پستی حالت	جہالت! جہالت!! جہالت!!!
زمیں بدلی بدلا ہوا آسماں ہی	زمانہ کی اگلی سی حالت کہاں ہی
جیا تا ہی یار تیغ بکف غیر کی طرف	اے کشتہ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

اس وقت تمام برٹش انڈیا میں صرف ایک مسلمان ہائی کورٹ بنگالہ کے جج ہیں اور بس۔ بنگال۔ مدراس اور بمبئی تینوں پریزیڈنسیوں میں ایک شخص بھی مسلمان نہیں۔ اور دادا بھائی نوروجی جس مرتبہ عالی پر پہونچے سب کو معلوم ہی ۱۲ ؎۵ قرآن میں غضب کا لفظ صرف قوم یہود کی نسبت آیا ہی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ان پر لازم کر دی گئی ذلت کہیں بھی ہوں مگر اللہ اور لوگوں کے سہارے سے اور آ گئے اللہ کے غضب میں اور لازم کر دی گئی ان کو خواری سو یہود کا کیا حال ہی کہ روئے زمین کے ایک چپہ پر ان کی سلطنت نہیں جہاں ہیں ذلیل و خوار گویا زمین ان کو قبول نہیں کرتی اور اس وقت کے مسلمانوں کا حال یہود سے بہت باتوں میں مشابہ ہو گیا ہی اور ہوتا چلا جاتا ہی ویسے ہی مذہبی تعصبات ہیں ویسی ہی بد اقبالی ہی إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۱۲ ؎۶ اشارہ ہی اس بات کی طرف کہ سید احمد خاں نے ولایت سے واپس آ کر علی گڈھ محمدن کالج کھولنے سے پہلے ایک مضمون مشتہر کیا کہ مسلمان انگریزی تعلیم سے کیوں متنفر ہیں اور اس مضمون کے جوابوں پر انعام تجویز کیے۔ جواب مضمون کے بہت سے رسالے لوگوں نے لکھے اور آخر کار ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے اپنے کالج کی ضرورت ہی ۱۲

(ضمیمہ حواشی صفحہ ۵۲)

یہ ریلیں سٹیمر ... تار برقی — بھلا ان کو کیا جانیں ہم لوگ شرقی
کوئی روز شاید کہ جاتا ہو خالی — کہ یورپ کے لوگوں کے اذہانِ عالی
نہ کرتے ہوں اک تازہ ایجاد کوئی — ہی تم میں بھی اے قوم ناشاد کوئی
وہی جانور ہیں وہی ہیں صفیریں — مسلماں۔ اور اپنی پرانی لکیریں
سرِ چشمۂ آبِ حیوان[۵۱] پیاسے — سبب کیا؟ کہ لڑتے ہیں احمق خدا سے
گئے وقت شمشیر و تیر و تبر کے — بس اب دور دورے ہیں علم و ہنر کے
گورنمنٹ[۵۲] کے کالجوں پر نظر کی — تو [illegible] کی بو سے جو پوچھی عمر کی
یہ ٹھیری کہ کیوں بارِ منت اٹھائیں — مسلمان آپ اپنا کالج بنائیں
مگر اپنا کالج بنائیں تو کیسے — کہاں پائیں اس کے لئے نقد پیسے
مسلمان کہتے ہیں ہانکے پکارے — کہ تعلیم کے نام جلتے انگارے
یہ تعلیم ہے دین و مذہب کی دشمن — دیا او رہنے نار دوزخ کے ایندھن
جو کالج میں دینے کو بھیجے اکارت — وہ اتنے کا اتنا ہی ہو جائے غارت
جو کہتے ہیں بے سود مطلق ہے کالج — گرے ایسے بہکانے والوں پہ فالج
وہ دشمن خدا کا وہ دشمن نبی کا — ہمارا اٹھا را خود اپنا سبھی کا
غرض اہلِ اسلام میں ایک سے ہیں — بدوں کا تو کیا ذکر ہی نیک یہ ہیں
کہاں یہ لیاقت کہ دولت کمائیں — خوشا وقت ان کے کہ میراث پائیں
پھر آئی بھی گر مفت کی ہاث دولت — تو عقل و خرد ہو گئی سر سے رخصت

۵۱؎۔ تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل — کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را ۱۲

۵۲؎ سلسلۂ سخن کے لئے مضمون کو یوں منتظم کرلو کہ جب مسلمانوں کی پستی حالت کی وجہ ان کی جہالت ثابت ہوئی تو خیال آیا کہ سرکار نے تعلیم کا بڑا بھاری انتظام کر رکھا ہے جگہ جگہ سکول ہیں۔ کالج ہیں یونیورسٹیاں ہیں۔ غرض سامانِ تعلیم بہتیرا کچھ مہیا ہے۔ لیکن ان میں ایک نقص ہے جس کو آگے بیان کیا ہے ۱۲۔

نہ شرم و حیا ہے نہ غیرت نہ دیں ہے — بس اک آپ ہیں اور دلِ بیں ہے
ہوا و ہوس نے جوڑ اُلے ہیں پھندے — تو بس ہو گئے عیش و عشرت کے بندے
تعلق نہیں ان کو مطلق خدا سے — اگر قوم مٹ جائے اُن کی بلا سے
تو ایسوں سے کالج کا قائم کرانا — جوئے شیر کا تھا حقیقت میں لانا
مگر اس نے ہمت، خدا نے مدد کی — جلا کی پڑی آگ رشک و حسد کی
فقط عزم صادق کے ہیں یہ نتیجے — کہ آخر مسلمان ریجھے پسیجے
پسیجے و لیکن سسکتے سسکتے — زبان و دہاں تھک گئے بکتے بکتے
سو کالج کی حالت ابھی ڈھانچ کی ہے — بنی نیمیا پر کسر آنچ کی ہے
غضب ہے کہ مسجد پڑی ہے اُدھوری — بتاؤ قصوری ہے یا ناقصوری
نہ دیوار ہے اور نہ چھت ہے نہ در ہے — وہ کن کا خدا ہے کہ جس کا یہ گھر ہے
نہیں ۱؎ کتے مسجد بنا کر تو دیکھو — پر اپنے گھروں سے ملا کر تو دیکھو
یہ مسجد اور اللہ کی شان اونچی — وہی پھیکا پکوان دکان اونچی
ٹھکانا نہیں ہے کہیں بورڈر کا — وہ بیچارہ نے گھاٹ کا اور نہ گھر کا
بہت سے ہیں تعلیم پانے کے لائق — لکھانے پڑھانے سکھانے کے لائق
و لے دسترس اُن کو مطلق نہیں ہے — تو کیا قوم پر اُن کا کچھ حق نہیں ہے
کوئی لے چلو ہم کو کندھے چڑھا کر — کہ ہم تھک گئے نصف منزل پر آ کر
بہت پاؤں پیٹے بہت ہات مارے — بنو خضر بیڑا لگا دو کنارے

۱؎ یعنی یوں تو مسجد کے بنانے والوں کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ جو اللہ کے لیئے دنیا میں مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اُس کے لیئے جنت میں ایک گھر بنوا دے گا تو خیر اس بشارت پر عمل کرنے کو چاہیئے حسن عقیدت۔ مگر اتنا تو کرو کہ اللہ کے اس گھر کو جو علی گڈھ محمدن کالج میں ہے یعنے مسجد کو اپنے گھروں سے مقابلہ کرکے دیکھو کہ تمھارے گھر اچھے ہیں یا یہ خدا کا گھر جس کی نہ دیوار ہے اور نہ چھت ہے نہ در ہے ۱۲۔

لبِ بام دور اور کمند اپنی چھوٹی — کہاں تک کفایت کرے اک لنگوٹی

بہت آرزوئیں ہیں ارماں بہت ہیں — ابھی ہم کو درکار ساماں بہت ہیں

یہ جی چاہتا ہے کہ کالج ہمارا — ہو تعلیم کا اک چمکتا ستارا

کہ ہم کو ترقی کا رستہ دکھائے — ہمیں اہلِ یوروپ کا ثانی بنائے

دلوں کو خوش و خرّم و شاد کر دے — اس اُجڑے نگر کو پھر آباد کر دے

یہ کھیتی جو مدت سے سوکھی پڑی ہے — لگے لہلہانے کھڑی یا پڑی ہے

نہ اس کی سی اعلیٰ عمارت کہیں ہو — جو کالج کی خوبی ہے وہ سب یہیں ہو

پروفیسر اس کے گر جتنے برستے — اگر ڈبل پے[51] پر بھی مل جائیں سستے

ہر اک فن میں ہو ان کو کامل بصیرت — ہو انگریز لیکن مسلمان سیرت

ہر اک بورڈر پاس ایسا مکاں ہو — کہ آسایشِ جسم و آرام و جاں ہو

بہت لوگ ہیں ہم کو مسرف بتاتے — پر اے کاش وہ اصل مطلب کو پاتے

ہمیں پاس اسلام کا آ پڑا ہے — کہ اس کا خدا رکھے رتبہ بڑا ہے

تو جو چیز اسلام کے نام کی ہو — وہ ایسی ہی عزت کی اور کام کی ہو

نہیں ہم کہ ہو جائیں خوش دال کھا کر — اگر ہم جئیں گے تو تر مال کھا کر

بہت دور ہیں ہم نراسوں کی آسیں — بجھیں اُوس سے روزہ داروں کی پیاسیں

رہیں گے تو ہم ہو کے برتر رہیں گے — وگرنہ اسی رنج میں مر رہیں گے

اگر چند شخصوں نے زحمت اُٹھائی — اور آخر کو بالفرض ڈگری[52] بھی پائی

لگی نوکری خوب کھایا کمایا — مگر قوم نے اُن سے کیا نفع پایا

یہ سب مدرسے ہیں فضول اور زوائد — کہ شخصی منافع ہیں ذاتی فوائد

۵۱ دو چند تنخواہ ۱۲-

۵۲ درجۂ فضیلت جیسے بی اے ایم اے وغیرہ ۱۲-

رہے ہم تو ویسے ہی بدتر کے بدتر
بنائیں گے یہ قوم کیا خاک بہتر

نہیں کہتے ہم مت پڑھاؤ پڑھاؤ
مگر دوستداران امت بناؤ

دلوں میں بھرو ان کے اونچے ارادے
کرے بندے سے تجھ کو نیکی خدا دے

حمیّت وہ اسلام کی جوش مارے
کہ سب ساتھیوں کو لگا دے کنارے

ہماری غرض اور غایت یہی ہے
ہمارے سفر کی نہایت یہی ہے

تو فرمائیے کس کی منزل کڑی ہے
ہمیں قوم کی۔ ان کو اپنی پڑی ہے

ہمارے اور ان کے طریقے جدا ہیں
کہ ہم عرش پر اور یہ تحت الثریٰ ہیں

اگرچہ[1] ابھی کورس میں منحصر ہیں
مگر ہم فقط وقت کے منتظر ہیں

دکھائیں گے گر پا گئے مال و زر ہم
اڑیں گے نکالیں گے جب بال و پر ہم

ہو کالج میں یہ امر بالشان مہتمم
کہ تعلیم پر تربیت ہو مقدم

سٹوڈنس پہ ایسی حاوی نظر ہو
کہ گر خواب دیکھیں تو سب کو خبر ہو

وہ ڈسپلن اور ضبط اوقات سیکھیں
شریفانہ طرز مدارات سیکھیں

ہو عنوان خط جوں لفافے سے ظاہر
طبیعت کی نیکی قیافے سے ظاہر

جو دل میں ہو۔ صاف اس کا اظہار کر دیں
خطا ہو گئی ہو تو اقرار کر دیں

ہو قومی محبت دلوں میں سمائی
وہ اسلام کے نام پر ہوں فدائی

کیا ہو جو کالج نے ہموار ان کو
کریں اپنے بیگانے سب پیار ان کو

نمونے ہوں شاگرد و استاد دونوں
تو پھر دین و دنیا ہوں آباد دونوں

کچھ ایسا وقار ان میں آیا ہو پڑھ کر
کہ آپ اپنی عزت کریں سب سے بڑھ کر

ہو گر حاصل ہند آمد کسی کی
نہ بن آئے ان سے خوشامد کسی کی

مطیع اولی الامر و مستفاد ہوں وہ
رعایائے محکوم و آزاد ہوں وہ

[1] یعنی علی گڈھ محمڈن کالج کی پڑھائی وہی ہے جو دوسرے کالجوں میں ہے ۱۲۔

سٹوڈنٹس تیغ دو دم ہو کے نکلیں	سپاہی اور اہلِ قلم ہو کے نکلیں
نہ محنت مشقت سے جائیں چُرائیں	نکل جائیں کوسوں جو چلنے پہ آئیں
رہی ہو جو مشتاقِ صبح خیزی	طبیعت میں جودت ہو اسوں میں تیزی

۵۱ جب سے مسلمانوں کی روئی دُھنکی جانی شروع ہوئی یعنی جب سے رفارمر پیدا ہوئے (اور بوڑھے ہیں تو کیا ہوا
رفارم کے لحاظ سے ابھی بچے ہی ہیں۔ ہمارے سامنے جنم لیا اور ہمارے ہی سامنے بولنا سیکھے) تب سے اور صرف تب ہی
سے مسلمانوں کے عیب و صواب پر نظر پڑنے لگی۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مذہبی
اوہام اور تعصبات ان کو دنیا میں پنپنے نہیں دیتے۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان کو انگریزوں
سے اور ہر چیز سے جو انگریزوں کو چھو گئی ہو نفرت اور گریز ہے۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ مگر سے
بیر باندھ کر دریا میں رہنا چاہتے ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ علوم جدیدہ سے جو شرطِ زندگی
قرار پا گئے اور پاتے چلے جاتے ہیں ناواقفِ محض ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ کم ہمت
بلکہ بے ہمت اور کاہل ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان میں خود غرضی اور پھوٹ اور نااتفاقی
ہے۔ غرض تب سے اور صرف تب ہی معلوم ہوا کہ مسلمان چیونٹیاں بھرے کباب ہیں۔ معلوم ہوتے ہی جن کے
دلوں میں قومی ہم دردی اور اسلامی محبت تھی بعض اپنے دلی تقاضے سے اور بعض دوسروں کی دیکھا
دیکھی اپنی اپنی جگہ رفارم کی تدبیریں کرنے لگے۔ جگہ جگہ مدرسے بن گئے۔ انگریزی کلاسوں میں مسلمانوں کی شکلیں
دکھائی دینے لگیں۔ بعض نے ڈگریاں اور ڈگریوں کے ساتھ نوکریاں بھی پائیں۔ بعض نے میرے خلاف رائے
انگریزی طور طریقے بھی اختیار کر لیے۔ کتنی انجمنیں بن گئیں۔ کتنی سوسائٹیاں کھڑی ہو گئیں۔ اخباروں کی
حالت ورنیکیولر لٹریچر (زبان اُردو کی انشاپردازی) کی ٹون (لَے) بدل گئی۔ مذاق پلٹ گئے۔ سروں میں اوپری
طرح کے خیالات گونجنے لگے۔ غرض رفارم کی لائین (رستے) میں کچھ بلکہ مجھے کہنا چاہیے بہت کچھ ہوا
اور ہو رہا ہے۔ اور بیمار مختصر کچھ سنبھلتا چلا ہے۔ مگر ایک بات ہے جس پر رفارمروں نے پورا پورا زور نہیں دیا۔ اور
مسلمانوں کے کان اُس کے لیے اچھی طرح سے نہیں کھولے گئے وہ کیا ہے؟ مارشل سپرٹ (سپاہیانہ مزاج) میں
اس کو قوم کی لائف (زندگی) سمجھتا ہوں یہ ہی تھرمامیٹر اس امر کی شناخت کا کہ قوم مر گئی یا زندہ ہے۔ اور

[illegible]

زندہ ہو تو اُس میں کتنی جان ہی۔ قوموں کا عروج اور تنزل ایک معمولی بات ہی۔ اور جب سے دنیا کا آغاز ہی تب
ہی سے اس انقلاب کا بھی پتہ چلتا ہی۔ مگر تاریخ ہم کو پورا پورا یقین دلاسکتی ہو کہ مارشل سپرٹ ہی اس انقلاب کا
فیکٹر (مدار و معیار) رہی ہی۔ اسلام نے بھی اسی نیچرل قاعدے سے ترقی کی تھی۔ یعنی اُس وقت کے مسلمانوں
میں مارشل سپرٹ بڑے زوروں پر تھی پھر جب وہ سلطنت پاکر عیش و آرام میں پڑ گئے۔ مارشل سپرٹ
کم ہوتے ہوتے سلطنت اُن کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اب جو کہیں کہیں کسی قدر برائے نام باقی ہی۔ چوں کہ
مارشل سپرٹ سے اُس کو کافی مدد نہیں ملتی اس کا بقا بالکل بھروسے کے قابل نہیں عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ
(کنارے پر تیلی ڈھانگ کے جس کو دریا کاٹتا چلا جا رہا ہی) ع

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

لیکن کیا سلطنت کے ساتھ ہم کو مارشل سپرٹ سے بھی صبر کرلینا چاہیئے۔ اگر ایسا کریں اور افسوس ہو کہ
ہم ایسا ہی کر رہے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم پرسوں کے مٹتے کل اور کل کے مٹتے آج اور آج کے
مٹتے ابھی مٹنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم میں سے مارشل سپرٹ نکل گئی تو ریفارم کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکے گی۔ مارشل
سپرٹ کے نکلتے پیچھے ہم میں نہ غیرت باقی رہے گی نہ حمیت نہ سلف ریسپکٹ (خودداری) نہ سلف ہلپ (آپ
اپنی مدد) نہ ترقی کی گدگدی۔ یہ امن جو ہم کو برٹش گورنمنٹ کے ظلِ عاطفت میں حاصل ہی چپکے چپکے مارشل
سپرٹ کو گھٹاتا اور کمزور کرتا چلا جا رہا ہی۔ اور مارشل سپرٹ کے گھٹنے اور کمزور ہونے کے آثار ہم پر مترتب
ہو چلے ہیں۔ نہ ہم میں وہ اگلی نسلوں کی سی توانائیاں ہیں نہ ویسی پھرتی ہی نہ ویسی جفاکشی ہی۔ نہ ویسے دل مضبوط
ہیں۔ غرض ہم مسلمانوں کی مارشل سپرٹ سیکڑوں برس سے روبہ انحطاط ہی۔ ہم اپنے زمانہ سلطنت میں مزے
سے پڑے اینڈا کیے۔ اب اس عہد عافیت مہد میں مارشل سپرٹ ایسی غفلت کی نیند پڑی سو رہی ہو کہ بیچاری کو
کروٹ بدلنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ آدمی تو آدمی ہم دیکھتے ہیں دیوار پر جس زور سے گیند مارو اُسی زور سے
دیوار گیند کو اُچھاٹ دیتی ہی۔ یعنی جمادات تک میں ایک قسم کی مارشل سپرٹ ودیعت رکھی گئی ہی اور جانوروں
میں تو ظاہر بات ہی کہ چیونٹی پر پاؤں پڑ جاتا ہی تو وہ بھی اُلٹ کر کاٹے بدون نہیں رہتی گو آخر کار دب کر اُس کا
کچلا ہی کیوں نہ ہو جائے کیا عقل جائز رکھ سکتی ہی کہ ایک قوت ایک ضروری اور بکار آمد قوت جو حافظ نظام نوعی ہی

(دیکھو حواشی صفحہ ۵۲۹)

(دیکھو حواشی صفحہ ۵۲۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۷)

جمادات کو ملے نباتات کو ملے حیوانات کو ملے اور انسان اشرف المخلوقات کو ملنے ۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہی یہی مارشل سپرٹ انسان کا ہتیار ہی ۔ سرکار نے بتقاضائے مصلحت انتظامی ہم لوگوں سے ہتیار لے لیئے ہیں مگر یہ ہتیار یہ مارشل سپرٹ کا ہتیار نہ ہم سے لیا جاسکتا تھا اور نہ سرکار نے اس کے لینے کا قصد کیا بلکہ استحقاق حفاظت خود اختیاری کا تسلیم کیا جانا اس سلاح کے رکھنے کا لیسنس ہی ۔ اگر صرف خواص کے برتے پر رہتے تو مارشل سپرٹ اب تک کبھی کی مسلمانوں میں سے ناپید ہوگئی ہوتی ۔ مگر ہم اپنے عوام کے بہت شکر گزار ہیں کہ اُن کی بدولت یہ چراغ ابھی تک ٹمٹما رہا ہی ۔ اگر چہ ہم اُن کو سخت ملامت بھی کرتے ہیں کہ وہ اس قوت سے اکثر نہایت نامناسب طور سے کام لیتے ہیں ۔ مارشل سپرٹ فی نفسہٖ بڑی عمدہ چیز ہی اور اس میں بُرائی ہی تو یہ ہی کہ وہ نا اہلوں کے بس میں پڑی ہی ۔ اگر اس بُرائی کی نظر سے مارشل سپرٹ کے دبا دینے اور کچل دینے کی صلاح دی جائے تو اس کی ایسی مثال ہو گی جیسے بعض لوگ تعلیم نسواں کے مخالف ہیں اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ مستورات لکھنے پڑھنے کی قوت سے نامناسب کام لیں تو کیوں نہیں ہاتھ خشک کر دیئے جائیں کہ ایسا نہ ہو کسی کو ماریں ۔ کیوں نہیں آنکھیں پھوڑ دی جائیں کہ ایسا نہ ہو نظر بُری جگہ پڑے ۔ اگر مارشل سپرٹ کو عوام بُرے طور پر کام میں لاتے ہیں تو اُس کا الزام کس پر ہی ؟ خواص پر ۔ جن کی مارشل سپرٹ آرام طلبی اور بزدلی اور کاہلی کی وجہ سے منطفی (بجھ) ہوگئی ہی اور وہ اُس کو ریوائو (دوبارہ زندہ) بھی نہیں کرنا چاہتے اور نہ عوام کے لیئے تعلیم کا سامان بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو نیک و بد کی تمیز ہو ۔ مارشل سپرٹ لوگوں کے اسٹیمیٹ (اندازہ) میں ایسی ذلیل ہوگئی ہی کہ وہ اُس کو عیب سمجھنے لگے ہیں دوں مرتبت شرافت ۔ اور جب تک وہ صرف عوام کے ہاتھ میں ہی بے شک عیب ہی ۔ اور دون مرتبت شرافت بھی ہی ۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں جتنے رفارم سوچے جاتے ہیں مارشل سپرٹ کا ریوائو اور رفارم کرنا سب پر مقدم ہی ۔ ہر چند یہ محل پولیٹکل باتوں کے بیان کرنے کا نہیں ہی اور نہ میں ان معاملات میں رایے زنی کی لیاقت رکھتا ہوں ۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب بھی مسلمانوں کو اگر کچھ یوں ہی سی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی تو اسی مارشل سپرٹ کے لحاظ سے ۔ کیا شمار ۔ کیا دولت ۔ کیا لیاقت کل اعتبارات سے ہم ایسے ضعیف ہیں جیسے مچھر ۔ مگر مارشل سپرٹ کا ایک ذرا سا ڈنک ہمارے پاس ہی گو وہ سانپ اور بچھو کا سا ڈنک نہیں ہی مگر ذرا کی ذرا

تکلف سے دُور اور تصنع سے عاری — بجالائیں خود اپنی خدمت گزاری
نہ کاہل نہ عاجز نہ بے دست و پا ہیں — یہی لوگ مخدوم و خادم نما ہیں
یہ کالج ہی جیسا کہ ہم چاہتے ہیں — کچھ اب سمجھے کیوں ہم رقم چاہتے ہیں
اگر بل ہی یا باغ ہی یا کواہی — کوئی کام دنیا میں بے زر ہوا ہی
تو کیوں کر یہ اتنا بڑا کارخانہ — کہ کھپ جائے قارون کا اس میں خزانہ
سوا ایسے ہی کالج کی تدبیریں ہیں — اُٹھائیں گے نخرے جو تقدیریں ہیں
بڑا ابھی سُنیں گے کڑی بھی سہیں گے — یہ کالج تو ہم بھی بنا کر رہیں گے
تمھاری سی قسمت ہمیں بھی خدا دے — کہ دے قوم اور سید احمد دعا دے
کہاں یہ مقدر نصیب ایسے کس کے — کہ اکسیر مہمان ہو گھر میں مس کے
مگر تجھ پہ پنجاب فضل خدا ہی — کہ نازل ترے سر پہ قومی ہما ہی
برہمن نے مر کر رسوئی بنائی — اور آخر [illegible] اڑائی
لڑائی نہ ٹنٹا نہ جھگڑا نہ قصہ — [illegible] کالج تمھارا ہی حصہ
ہوئی ہی کسی کو بھی یہ بات حاصل — لگاؤ لہو اور شہیدوں میں داخل
عمارت میں کیا ہی بس ایک اینٹ باقی — بلاتے تو ہو دُور دُنستے ہو ساقی
اگر بے دیئے ہم کو دے دو گے دھکے — تو فریاد لے جائیں گے ہم بھی مکے

ف۱ دسمبر ۱۸۹۳ء کی کانفرنس میں علی گڈھ محمدن کالج کے تمام طلبہ باوجودے کہ ان میں اکثر خوش حال اور معزز تھے کانفرنس کے مہمانوں کی کل خدمتیں اپنی ذات سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کی پاسبانی حقیقت میں ان لڑکوں کا برتاؤ دیکھ کر علی گڈھ محمدن کالج کی قدر معلوم ہوتی تھی کہ یہ بھی کیا جگہ ہی جو لڑکوں کو لکھنے پڑھنے کے علاوہ جری اور بے تکلف اور ملنسار بناتی ہی ۱۲ ف۲ مس سے مراد ع
سخاوت مس عیب را کیمیا است

ف۳ کی مس ہی نہ وہ مس جو انگریزی خوانوں کی متعارف ہی ۱۲۔

سینے میں جا کر کے ہم دیں گے دھرنا	تو اُس وقت پر کوئی شکوہ نہ کرنا
رسولِ خدا سے شکایت کریں گے	نہ ہم پھر کسی کی رعایت کریں گے
نہیں تم ہماری طبیعت سے آگاہ	ہم اور بے لیئے جائیں استغفر اللہ
ہم اک اک سے اور اُس کے اچھے سے لیں گے	بُرے دل سے دے یا کہ اچھے سے لیں گے
نہ کیوں لیں کہ تعلیم کے پیشوا ہیں	امینانِ کالج ہیں قومی گدا ہیں
از انجا کہ کالج کے ہم ہیں ٹرسٹی	ضرور آ پڑی ہے ہمیں سر پرستی
ہم اپنے اُدھارے دیئے مانگتے ہیں	کہ تم سے تمہارے لیئے مانگتے ہیں

بڑی گفتگو اور بہت بات ہو لی
تو بھر دیجئے اب فقیروں کی جھولی

اُنیسواں لکچر

جو مدرسۂ طبیہ دہلی کے پانچویں سالانہ جلسے میں ۲۸- اپریل- سنہ ۱۸۹۴ء کو دیا گیا

اس جلسے میں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اور ڈسٹرکٹ جج و سول سرجن و سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس صاحبان اور تقریباً کل عمایدِ شہر ہندو مسلمان جمع تھے۔ مولوی صاحب اپنی عادت کے موافق بڑا لکچر دینے والے تھے مگر وقت اور موسم اور صاحبانِ انگریز کے لحاظ سے صرف ایک گھنٹہ تک لکچر دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیا تو ہوں کہ کچھ حقِ خدمت ادا کروں — لیکن خیال میں نہیں آتا کہ کیا کروں

کٹوا کے سینگ خیر سے بچھڑوں میں آ ملوں — قانون شیخ مول لوں اور طب پڑھا کروں

جو کچھ پڑھائیں کاوش و تحقیق سے پڑھوں — یعنی کہ بات بات پہ جھگڑوں لڑا کروں

تحصیلِ طب میں محنت و زحمت کی داد دوں — سالانہ امتحانوں میں اول رہا کروں

انعام میں کتاب اگر دیں تو صبر و شکر — تمغا ملے تو فخر سے زیبِ قبا کروں

حاضر رہوں مطب میں بلا ناغہ صبح و شام — مشقِ علاج کے لیے نسخے لکھا کروں

آنکھوں کے بند کرتے گزر جائیں پانچ سال — لیکن حیات کہتی ہے میں بھی وفا کروں

اچھا اگر یہ ہو نہیں سکتا تو کم سے کم — عبدالمجید خاں کی مدح و ثنا کروں

یہ مدرسہ انھی کی عنایت کا فیض ہے — میں وہ نہیں کہ جھوٹ کہوں ادعا کروں

ممکن نہیں ہے ان کے فضائل کا عد و حصر — گو عمر بھر قصائدِ مدحی کہا کروں

احساں کا ان کے کس سے عوض ہو سکے مگر — بہر جزا حوالہ بذاتِ خدا کروں

لیکن نہ اپنا شیوہ خوشامد نہ ان کا عُجب — کیوں ترکِ وضع کر کے انھیں بدمزہ کروں

ایک کام اور بھی ہے اگر مجھ سے بن پڑے — پھر پھر کے اپنے آپ پہ صدقے ہوا کروں

مل جائے کوئی گانٹھ کا بھرپور سادہ دل — لگ چل کے اُس سے اپنے تئیں آشنا کروں

پھر بعد معرفت کے بڑھے اُس سے ربط و ضبط — وہ میرے دل میں اور میں اُس کے جی میں جا کروں

افسانے میں کہا کروں اور وہ سنا کرے — مذکور وہ کیا کرے اور میں سنا کروں

صحبت ہو سازگار تو اک وقتِ خاص میں — اظہارِ مطلب و غرض و مدعا کروں

طرزِ سخن میں جادوے بابل کا رنگ دوں — الفاظ میں کرشمۂ معجز نما کروں

طبیہ مدرسے کے بیاں کر کے فائدے — چندے کی اُس سے آرزو و التجا کروں

وہ یا تو چھوٹتے ہی ٹکا سا جواب دے — یا چپ رہے کہ میں اُسے بیٹھا تکا کروں
یا وعدہ جو کہ تا بہ قیامت وفا نہ ہو — کچھ خضر تو نہیں کہ ہمیشہ جیا کروں
کیوں کر ہو کس کے دل سے ہو کس طرح اختیار — آئین وطرز و عادت و شانِ گدا کروں
واللہ مجھ سے ہو نہیں سکتا (ہو کا پر خیر) — مثلِ فقیر ہاتھ پسارو ں صدا کروں
گر کہتے پاؤں قوم کی خانہ خرابیاں — محفل میں شور شیون و ماتم بپا کروں
دیوار و در کو وجد ہو رگِ جاں میں ہچکیاں — گر حالِ زار قوم بہ قصدِ بکا کروں
اے قوم تیری ہمت و غیرت کو کیا ہوا — تو ہی قصور وار تو کس کا گلہ کروں
پر قوم (ہائے قوم) ہے مصداق صم وبکم — ناخن کہاں سے لاؤں کہ یہ عقدہ وا کروں
تجھ کو قسم ہے سننے کی اور مجھ کو بات کی — کیا میر اسر پھرا ہے کہ ناحق بکا کروں
القصہ میں عجب عبث ہیچ کارہ ہوں — بس اتنے کام کا ہوں کہ لکچر دیا کروں
سعی لزعیم اگر نہیں جہد المقل تو ہے — اس مدرسے کے حق میں خدا سے دعا کروں
پیدا ہو غیب سے کوئی مردِ خدا کہ میں — طبّی سکول چھوڑ کے کالج بنا کروں
ان وسٹ کر دوں اُس میں کفایت کی قدر فنڈ — دار الشفا کو روکشِ دار البقا کروں

اگر میں اس قسم کی باتیں کروں کہ مدرسۂ طبیہ دہلی کا پانچواں سالانہ جلسہ ۲۸- اپریل ۱۸۹۴ء کی صبح کو مدرسے کے بانی مدرسے کے سکرٹری مدرسے کے پروفیسر مدرسے کے الفا اور اُمیگا یعنی مدرسے کے ہمہ اوست اور ہمہ از وست حکیم عبد المجید خاں کے مکان میں منعقد ہوا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر زیب دہ کرسی صدارت اور اسکے صاحب ورڈ ھکے صاحب اور فلاں صاحب یعنی کریم اوف دی سوسائٹی آف دہلی (رؤسائے شہر دہلی) محمڈنز اینڈ ول آیز ہنڈوز (مسلمان اور ہندو) رونق افزائے جلسہ تھے۔ سکرٹری نے خوش الحانی کے ساتھ بے تکان رپورٹ پڑھی۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے اپنے دستِ خاص سے کامیاب طلبا کو تمغے اور انعام تقسیم کئے اور جلسہ بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ تمام ہوا۔
اگر میں اس قسم کی باتیں کروں تو میں آپ اپنے تئیں ملامت کروں گا کہ میں لکچرار کی ڈیوٹی کے ادا

کرنے میں قاصر رہا۔ ایسی باتیں تو ایک سٹریل نیٹو اخبار کا ٹکیل کارسپانڈنٹ بھی کر سکتا ہے اور مجھ سے
بہتر کر سکتا ہے اور میں پہلے بھی اسی مدرسے کے کسی سالانہ جلسے میں کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں۔
اور خدا جانے کتنی بار اور کہوں گا کہ مدرسۂ طبیہ کے جلسوں میں لکچر دینے کے لیئے چاہیئے پروفیشنل
مین (طبابت پیشہ) اگر وہ طب یونانی اور انگریزی ڈاکٹری کا جامع ہو تو سبحان اللہ۔ نور علی نور۔ ورنہ
نرا ڈاکٹر ورنہ نرا طبیب۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت ست۔ مگر نہیں معلوم ایسا لکچرار بہم نہیں پہنچتا یا کسی
مصلحت سے اُسے کھڑا نہیں کیا جاتا۔ لا کر کھڑا کر دیتے ہیں مجھکو کہ میں خوش قسمتی یا بدقسمتی سے (اور
چوں کہ میں بے مدد طبابت عمرِ طبعی کے کنارے آ لگا ہوں۔ میں تو اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گا) غرض لا کر
کھڑا کر دیتے ہیں مجھکو کہ میں اپنی خوش قسمتی سے اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ طبابت ہے کس مرض کی دوا۔
اس مجبوری پر نظر کر کے گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت ست۔ کی جگہ یوں کہنا چاہیئے گندم اگر بہم نرسد بھُس
غنیمت ست۔ اب جو میں کر سکتا ہوں وہ اس سے زیادہ نہیں کہ عام طور سے کچھ ریمارک کر دیتا ہوں
نہیں معلوم پروفیشنل مین ان کو سُن کر ہنستے ہیں یا خوش ہوتے ہیں۔ پروفیشنل مین نہ ہونے کے علاوہ
ایک رکاوٹ اور بھی ہے کہ طبیہ مدرسے کی سلو پروگرس (دھیمی رفتار) یا اُس کی بے سروسامانی۔ یا
اس کی مایوسانہ حالت پر جو ریمارک کیئے جائیں اُن کی نسبت ایسا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اعتراض
ہے عبد المجید خاں پر اور اُن کی کارروائی پر۔ اول تو میرا یہ قصد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ہو بھی تو میں نہیں
سمجھتا کہ عبد المجید خاں پوست کے ایسے ہلکے ہیں۔ ای جناب طبی مدرسہ اور عجیب طرح کا طبی مدرسہ
یونانی اور ویدک اور انگریزی طبابتوں کا معجون مرکب جس کی نظیر نہ کبھی تھی اور نہ کہیں ہے۔ ایسا عجیب مدرسہ
بنانے کا یعنی ایجاد مشکل بھی نہیں بلکہ ایجاد محال کا۔ بیڑا اُٹھایا ہے تو اوکھلی میں سر دیئے پیچھے دھمکوں سے
ڈرنا کیا۔ اگر آپ کا یہ خیالی پلاؤ پک گیا اور دنیا ایک عجائب خانہ ہے۔ انچہ در وہم نیاید آں کنند
اس میں خیالی پلاؤ کا پک جانا کچھ چنداں عجب بھی نہیں۔ اور پھر آپ کا خیالی پلاؤ۔ غرض آپ کا یہ خیالی پلاؤ
پک گیا تو اس کا کریڈٹ (صلہ) بھی تو آپ ہی لیں گے۔ اس معجون کے نسخے کے موجد بھی تو آپ ہی
سمجھے جائیں گے۔ مسلمانوں کی چودھویں صدی کے بڑے رفارمر اور بنی نوع انسان کے بڑے

محسن اور بڑے شخص بھی تو آپ ہی کہلائیں گے۔ لیکن جب تک خیالی پلاؤ پکے بدگمانیوں کا دھواں اور
اعتراضات کی چنگاریاں۔ اور طعن و تشنیع کی حرارت یہ مصیبت بھی آپ ہی کو برداشت کرنی
پڑے گی۔ کیا آپ وہ قاعدہ جاری کرنا چاہتے ہیں کہ کڑوا کڑوا تھو تھو اور میٹھا میٹھا ہپ ہپ۔ یہ
طبابت نہیں کہ جو مریض مرتا گیا خدا کے نامۂ اعمال میں لکھواتے اور جو اچھا ہوتا گیا اپنے خوارق العادات
کی فہرست میں شامل کرتے گئے یہ فونڈر (بانی) آف کالج بننا ہی عشق ست ہزار گونہ خواری۔ میں خیال
کرتا ہوں کہ یہ کام جو آپ نے شروع کیا ہے اس کا حال بھی آدمی کا سا ہے۔ آپ کا مدرسہ عمر کا جو حصہ
طے کر چکا ہے اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اُس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا
ای حکیم عبد المجید خاں صاحب آپ مجھے معاف کیجیے گا کہ میں خدانخواستہ مخالفت یا شماتت
سے نہیں بلکہ دل سوزی سے کہتا ہوں کہ اس مدرسے کی افتاد توقع کے مطابق نہیں۔ اگر یہ مدرسہ
سن طفولیت میں ایسا ٹھٹھرا ہوا ہے تو ہم اس سے بڑے ہونے کی اور بڑے ہو کر توانا و تن درست
ہونے کی امید نہیں کر سکتے۔ میں خدا کے فضل سے نہ صرف علی الرغم طبابت یونانی بلکہ ان سپائٹ
آف انگلش میڈسن ٹو (برغم انگریزی ڈاکٹری بھی) بہت کم بیمار ہوتا ہوں بلکہ نہیں ہوتا اور اس کا
سبب جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہی ہوگا کہ میں نے دوا اور علاج کا روگ اپنے پیچھے نہیں لگایا۔ مجھے
بعض دوست ترغیب دیا کرتے ہیں کہ فلاں حبوب جاڑے میں ایک چلّہ بھر کھالو تو از سر نو جوان ہو جاؤ
انگریزی اخباروں میں بہت سی دواؤں کے اشتہار نظر سے گزرتے رہتے ہیں مگر میں ہمیشہ ایسی ترغیبات
کے دفع کرنے کے لیے دل میں کہہ لیا کرتا ہوں کہ لنڈورا ہی بھلا ہوں مجھے جینے تو دو۔ سو اگرچہ میں خدا کے
فضل سے بہت کم بیمار ہوتا ہوں بلکہ نہیں ہوتا۔ لیکن با ایں ہمہ میں آپ کی حذاقت آپ کے دستِ
شفا کا ایسا ہی معتقد ہوں جیسے آپ کے سدا کے روگی۔ میں اپنے اوپر آزماتا نہیں تو ہمیشہ دیکھتا اور سنتا
رہتا ہوں۔ آپ کے ایسے معرکوں کے حکمی علاج جنھوں نے مجھ کو طبِ یونانی کا گرویدہ بے غرض
کر رکھا ہے پس میں آپ کا اسی قسم کا مرید ہوں کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت تو کر لی اور آپ نے ریاضات
اور مجاہدات کے رستے پر لانا چاہا تو آپ کا کلاہ و شجرہ آپ کے حوالے کیا۔ میں کیا۔ آپ کی نسبت

کوئی شخص وہم بھی تو نہیں کرسکتا کہ آپ اتنی بات نہیں جانتے کہ آدمی کا بچہ کیوں کر پرورش پاتا
اور بڑا ہوتا ہی اُس کو ایک وقت خاص تک حَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اُس کی ماں کے پیٹ میں رہنے اور
دودھ چھوٹنے کی مدت ڈھائی برس غیب سے روزی ملتی ہی قطعہ

ای کریمے کہ از خزانۂ غیب		گبر و ترسا وظیفہ خور داری	
دوستاں را کجا کنی محروم		تو کہ با دشمناں نظر داری	

پھر جوں جوں وہ بڑا ہوتا جاتا ہی اُس کو نمو اور بالیدگی کے لئے غذا درکار ہوتی ہی۔ اب ہم اس مثال کو
منطبق کرکے دیکھتے ہیں آپ کے اس طفل دست پرورد مدرسۂ طبیہ کی حالت پر۔ اس کی شیرخوارگی
کے زمانے تک آپ کے پاس اپنی انفلوئنس (رسائی) کا انفاروں دودھ تھا۔ لیکن اب اس بچے
نے دانت نکالے ہیں کنارِ دایہ سے اُتر کر دوڑنے بھرنے لگا ہی اور دودھ سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔
نتیجہ کیا ہی اور اس کے سوائے ہونا بھی کیا تھا کہ جیسا ہم نے اس کو اب سے دو ڈھائی برس
پہلے دیکھا تھا وتنے کا وتنا ہی ہی۔ پژمردہ۔ افسردہ۔ مضمحل۔ اونگھتا ہوا گھی بھنک۔ میں جانتا ہوں کہ
اگر دودھ کی کمی ہوتی تو آپ دایہ کو ستاول پھنکوا کر بہتیرا دودھ اُتار لیتے۔ مگر اس کو اب دودھ درکار
نہیں تو فرمائیے کہ آپ نے اس معصوم بچے کے کھانے پینے کا کیا انتظام کیا ہی یا یہ بیچارہ اسی طرح
مارے فاقوں کے تحلیل ہوا کرے گا۔

یہ لوگ جو جمع ہوئے ہیں بشمول میرے ان میں اکثر تماشائی ہیں آپ ہر برس بچے کی سالگرہ
کا جلسہ کرتے ہیں لوگوں کا کیا جاتا ہی۔ مفت کرم داشتن آ گئے۔ گپ شپ اُڑائی۔ مفت میں لکچر
سنے اور آپ کو مبارک باد دے کر رخصت ہوئے۔ اِن میں سے کسی کو اس بچے کی مامتا نہیں اور
کسی کو غیر کے بچے کی مامتا ہوا کرتی ہی۔ آپ تو مجھ سے بہت زیادہ عقل رکھتے ہیں گو عمر میں مجھ سے
چھوٹے ہیں (بزرگی بعقل ست نہ بسال) آپ نے ضرور سمجھ لیا ہوگا کہ کس چیز کی وانٹ اور کس
بات کی کمی ہی۔ ای جناب کمی ہی حکومت کی انفلوئنس کی۔ ایک طرح کی حکومت خدا نے آپ کو
بھی دی ہی۔ مگر اب آپ کو تجربہ ہو گیا ہوگا کہ جس حکومت کو نصف الکرامت کہتے ہیں وہ طبعی

حکومت نہیں ہے بلکہ وہ حکومت ہے جو ہمارے صاحب ڈپٹی کمشنر بیٹھے ہیں اور [illegible]
پر یہی وہ حکومت ہے جس کی ڈکشنری میں مشکل اور محال ڈفکلٹ اور امپاسبل اور [illegible]
اس قسم کے الفاظ ڈھونڈھے نہیں ملتے بے شک ایسی مثالیں بھی ہیں کہ پرائیویٹ کوششوں سے بڑے
بڑے کام سرانجام پا گئے ہیں۔ مگر اے حکیم صاحب ایسی مثالیں ہوں گی بھی تو انگریزوں کی ولایت میں
ہوں گی میں کہتا ہوں اور زور سے کہتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں اور مجھ کو کنٹریڈکشن (مخالفت)
کا ذرا بھی خوف نہیں کہ ہمارے ہندوستان میں کوئی اس قسم کا کام بے مدد حکومت نہ چلا ہے اور نہ چل
سکتا ہے۔ اور اگر کہیں پرائیویٹ کوشش کی کامیابی دکھائی بھی دے تو آپ بلاتحقیق یقین کر لیا کیجئے کہ
حکومت اس میں ڈائرکٹلی (بلاواسطہ) شریک نہیں تو انڈائرکٹلی (بالواسطہ) ضرور شریک ہے۔
آپ عام فائدے اور ضرورت کے کاموں میں سے کسی ایک کام پر بھی نظر کریں۔ مثلاً ایک مختصر سی
واٹر ورکس ہی سہی کہ باوجودیکہ پانی مدار حیات ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ ہم لوگ بدرروں کی
کیچڑ تک پیتے اور پیتے ہی تھے اور ہیضے کر کر مرتے اور مرتے ہی تھے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ واٹر ورکس کا انتظام
کر سکیں۔ اور یہی حال ہے مدرسوں کا۔ شفاخانوں کا۔ سڑکوں کا۔ پلوں کا۔ نہروں کا۔ ریل کا۔ تار کا۔
نہیں معلوم آب وہوا کا اثر ہے۔ یا اگلی ڈسپاٹک سلطنتوں کا نتیجہ ہے کہ سلف ہلپ کی صلاحیت سلب ہو کر
ہم کچھ ایسے احدی ہو گئے ہیں کہ لادو لدادو لادنے والا ساتھ دو تب کہیں جگہ سے ہلیں تو ہلیں۔ سرکار
یعنی حاکم وقت کو ماں باپ کہنا ہمارے روزمرہ میں داخل ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری تمام
ضرورتوں کا مہیا کرنا سرکار کا کام ہے۔ ای وہ ہمارے ہی پیسے سے کرے مگر کرے سرکار ہی۔

پس میری آج کی بات آپ لکھ رکھیے گا کہ آپ کے منصوبے کی کامیابی موقوف اور منحصر ہے
انضمام حکومت پر۔ آپ کے مدرسے کے طالب العلم وقت کے جالینوس ہی کیوں نہ ہوں اور وہ
کسی علاج ہی کیوں نہ کریں اور تندرستی کے بیمے ہی کیوں نہ لیں اور طب یونانی حضیض ظنیت سے
نکل کر اوج یقین ہی پر کیوں نہ پہنچ جائے۔ اور سالانہ جلسوں کے عوض آپ روزانہ جلسے ہی کیوں
نہ کریں۔ مدرسۂ طبیہ جیسا کہ آپ چاہتے ہیں اور جیسے کا آپ نے دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا ہے یہ تو بے

انضمام حکومت چلتا چلاتا نہیں آج کا آج اور کل کا کل - دی ڈیزائر آف دی گورمنٹ اِز ٹو ہیلپ
جنس اہل جس کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ ہی سرکار کی لیلا بھی پرم پار ہی سرکار ہماری پرانی ملکی عمارتوں
کی مرمت کر کے اُن کو باقی رکھنا چاہتی ہی سرکار ہندوستان کی صنعتوں اور دستکاریوں کو ترقی
دینا چاہتی ہی سرکار ہمارے علوم و فنون کو بھی حفاظت کا دعوی کرتی ہی سرکار جاتریوں حاجیوں کی آسایش تک کا
انتظام کرتی ہی - ان باتوں سے معلوم ہوتا ہی کہ سرکار ہمارے رسم و رواج اور سوپرسٹشنز (اوہام) اور
پری جوڈیسز (تعصبات)، کا رسپکٹ (پاس) رکھتی ہی تو طب یونانی نے اور خاص کر اس مدرسے کی
طب یونانی نے جس میں انگریزی طبابت کا بھی کسی قدر شمول ہی اور جس کے معتقد انگریزی طبابت کے
معتقدوں سے اضعافاً مضاعفہ زیادہ ہیں - ایسا کیا قصور کیا ہی کہ اس کی امداد سے بالکل کنارہ کش
ہے - مگر شاید سپلا گورمنٹ کے کان تک پہنچا یا نہیں گیا اور پہنچائے کون - یہی ہمارے ڈپٹی کمشنر -
ابھی گورمنٹ تو بجائے خود میں کہتا ہوں کہ اگر لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ ڈپٹی کمشنر تہ دل سے
اس مدرسے کی سرپرستی فرماتے ہیں تو مدرسہ طبیہ آج سلف سپورٹنگ (مستغنی) پرمننٹ (مستقل) -
گرینڈ (عظیم الشان) کالج ہو جاتا ہی مگر اس بات کو لوگوں کے ذہن نشین کرنے کے لیئے کہ صاحب
ڈپٹی کمشنر تہ دل سے اس مدرسے کی سرپرستی فرماتے ہیں سالانہ جلسوں میں شریک ہونے سالانہ
جلسوں کی پریسیڈنسی کرنے سالانہ جلسوں میں انعام بانٹ دینے کے علاوہ کچھ اور بھی کرنا ہوگا - اور
وہ کیا کرنا ہوگا یہی ڈپٹی کمشنر صاحب ہم سب سے بہتر جانتے ہیں - کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند -
ای حکیم صاحب فنڈز کی وانٹ آپ کو ایذا تو ضرور دیتی ہوگی مگر یہی فنڈز کی وانٹ ہی جس نے
آپ کو میرے حملوں سے بچا رکھا ہی کیوں کہ میں جانتا ہوں مدرسے میں جتنی خرابیاں ہیں سب فنڈز کی
وانٹ کے سبب سے ہیں - اور میرا منھ نہیں پڑتا کہ آپ پر اعتراض کروں - اور جب خدا آپ کو فنڈز سے
مستغنی کر دے گا تو پہلا شخص جو آپ کو نکتہ چینیوں سے پریشان اور دق کرے وہ شاید آپ کا یہی نیاز مند ہوگا
کہتا تو میں سب کچھ مگر صاحب ڈپٹی کمشنر مدرسے کی رعایت جب کریں گے تب کریں گے میں تو
سردست اُن کی رعایت کرتا ہوں کہ اُن کو زیادہ ٹھیرنے کی تکلیف نہیں دیتا -

بیسواں لکچر

یہ لکچر ایجوکیشنل کانفرنس کے نویں سالانہ جلسہ میں ۱۸۹۴ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دسمبر مہینا ہی تو سردی کا مہینا اور چاہیئے تھا کہ ڈل رست ہوتا، لوگ اپنے اپنے گھروں میں آگ تاپتے یا رضائیوں اور لحافوں میں دبے سکڑے بیٹھے ہوتے مگر برس کے بارہ مہینوں میں اگیٹیوٹی یعنے دوڑ دھوپ شور و شغب غل غپاڑے کا ایسا کوئی مہینا نہیں جیسا دسمبر۔ انگریز اگر اس مہینے کے آخری ہفتے عشرے میں خوشی مناتے ہیں تو ان کا مذہبی تیوہار ہے۔ بیٹنوز (ہندوستانی) خوشی نہیں مناتے تو ان میں دو بڑے مجمعے ہوتے ہیں ایک تو یہی ایجوکیشنل کانفرنس جس میں یہ فقیر بھی اکثر حاضر ہوتا ہے۔ ثواب سمجھ کر نہیں کہ ایسی توفیق نہیں اور نہ صلاح دینے کی نیت سے کہ اتنی لیاقت نہیں اور نہ لوگوں سے تجدید ملاقات کے لیئے کہ اس کا شوق نہیں بلکہ سید احمد خاں کی ایک طرح کی عظمت دل میں بیٹھی ہوئی ہے وہ بھی کچھ اس وجہ سے نہیں کہ سر ہیں یا ڈاکٹر ہیں یا سرکار دربار میں ان کی بڑی لمبی چوڑی عزت ہے۔ یا ان کو مسلمانوں کا ایک گروہ من حیث المذہب رفارمر مانتا ہے بلکہ اس وجہ سے اور صرف اسی وجہ سے کہ مسلمانوں کے سچے اور دلی خیر خواہ ہیں اور اپنی سمجھ کے مطابق (اور جس نے اپنی سمجھ کے موافق کیا تو اس نے سب کچھ کیا) غرض اپنی سمجھ کے مطابق جہاں تک ہوسکا اور ہو سکتا ہے افہام و تفہیم سے وعظ و پند سے دینے سے دلانے سے دلالت علی الخیر سے مسلمانوں کی اصلاح حالت میں جان توڑ کر کوشش کرتے ہیں۔ یوں سید احمد خاں کی ایک طرح کی عظمت دل میں بیٹھی ہوئی ہے۔ بُلاتے ہیں تو انکار کرتے نہیں بن پڑتا۔ غیر تو بیٹنوز کے دو بڑے مجمعوں میں سے جو

دسمبر میں ہوتے ہیں ایک تو یہی ایجوکیشنل کانفرنس۔ اور دوسرا بھڑ بھڑکے اور طمطراق میں اس سے کہیں زیادہ جس نے اپنا نام نیشنل کانگرس رکھ چھوڑا ہی۔ کچھ بھی ہو کانگرس والے ہیں بڑے ہوشیار اور ان کو بہت دور کی سوجھتی ہی من جملہ اور تدبیروں کے جو یہ لوگ اپنی رونق کے لئے کرتے ہیں ایک یہ بھی ہی کہ انھوں نے نام ایسا اختیار کیا ہی جس کو سُن کر آدمی خواہی نخواہی دھوکے میں آجاتا ہی۔ خاص کر اہل یوروپ جن کو سمجھانا مشکل ہی کہ دنیا میں ایک بدنصیب ملک ہندوستان بھی ہی جہاں نیشنیلٹی کا نام نہیں۔ اور اختلافِ مذاہب کی وجہ سے خدا نے چاہا تو کبھی ہونے کا بھی نہیں۔ رفار مر پڑے ع

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

کیا کریں یہی تو بڑا سبب ہوا کہ ہم مسلمانوں کو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جُدی مسجد بنانی پڑی ورنہ کیا اتنے لوگوں کا سر پھرا تھا کہ کانگرس میں تو نہ جائیں جہاں جیسا سُنا جاتا ہی آتے جاتے کا کرایہ ملے۔ علی قدر مراتب ہر ایک کی آؤ بھگت اور مدارات ہو۔ اور آئیں تو کہاں اس منحوس ٹٹ پونجیئے کانفرنس میں کہ سید احمد خاں ایک بلاوا تو بھیج دیتے ہیں وہ بھی شاید نام ہی نام نہیں اور پھر آئے پیچھے کوئی اتنا بھی نہیں پوچھتا کہ کون ہو اور کہاں آئے ہو جہاں جس کے سینگ سمائیں پڑ رہو اپنی گرہ سے کھاؤ ممبری کے چندے دو اور جتنی توفیق ہو دینے والوں کی نہیں بلکہ لینے والوں کی بڑے میاں کی نذر کرو اور رخصت سید احمد خاں کا ماٹو شعار بھی سنا ہی آئے تو کیا لائے اور جاؤ گے تو کیا دے کر جاؤ گے چکوتھیوں اور آسایش یعنے مہمان نوازی پر نظر کرو تو ایجوکیشنل کانفرنس میں آنے کے موجبات ترغیب کچھ بھی نہیں مگر شکر ہی کہ مسلمانوں کو اپنے نیک و بد کے سمجھنے کی عقل آگئی ہی یا اتنی عقل نہیں آئی تو ان میں ایک ع

مرد آخربیں مبارک بندہ ایست

سید احمد خاں ہیں اور مسلمان دینیات میں نہیں تو دنیاوی امور میں اور سب نہیں تو جو سمجھ دار ہیں ان کی رائے پر عمل کرنے لگے ہیں۔ ہم کو خدانخواستہ ہندوؤں کے ساتھ ضد نہیں عداوت نہیں کچھ

ہم اُن کے مدِمقابل نہیں۔ مردم شماری میں دولت میں لیاقت میں خدا نے اُن کو ہم پر برتری دی ہی
تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (یہ دنوں کے پھیر ہیں کہ لوگوں میں ہم نے اُن کا چکر باندھ رکھا
ہی) لیکن یہ ایک نیچرل (طبعی) بات ہی کہ ہر شخص اپنی اپنی ہنڈیا کی خیر مناتا ہی۔ اگر اِن لوگوں نے اپنے
کچھ خاص حقوق قرار دے رکھے ہیں اور کانگرس کے ذریعے سے اُن حقوق کو لینا چاہتے ہیں تو چشمِ ما
روشن دلِ ما شاد۔ وہ جائیں اور اُن کا کام جانے ع

ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

ہم تو ابھی اسی فکر میں پڑے ہیں کہ اپنے تئیں کسی حقِ خاص کا اہل بنائیں غرض ہم میں اور ہمارے
ہندو بھائیوں میں اتنا بڑا تفاوت ہی کہ وہ حلوا خوردن کی کوشش میں ہیں اور ہم روئے باید
کی۔ اور روئے باید بے تعلیم کے ہونے والا نہیں جس کے لیے یہ تمام دردِ سر کیا جا رہا ہی۔ لیکن اگر
خدا کبھی وہ دن کرے گا کہ ہم کو روئے باید حاصل ہوگا تو کیا حلوا خوردن کے لیے ہم اسی طرح مچلیں گے
ہرگز نہیں۔ ہم کو برٹش گورمنٹ پر پورا اعتماد ہی کہ اُس کے ہاتھ سے نہ صرف ہماری۔ بلکہ کسی کی
بھی حق تلفی ہوئی نہیں اور ہو گی بھی نہیں۔ اور یہ جو بعض باتوں کی لِم ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو
جب تک ہم خود گورمنٹ کے پوزیشن (جگہ) میں نہ ہوں گورمنٹ کی مشکلات کو ہم رایلائز (بخوبی
اندازہ) کر نہیں سکتے۔ ہم پر گورمنٹ کے احسانات اتنے ہیں کہ ہم کو اُن ہی کی شکرگزاری سے فرصت
نہیں ہونی چاہیے۔ پس بجائے اس کے کہ گورمنٹ کی کارروائیوں پر بیٹھے نکتہ چینیاں کیا کریں
ہمارے حق میں کہیں زیادہ مفید ہوگا کہ اِس مبارک گورمنٹ کی مہربانیوں اور فیاضیوں سے
پورا پورا استفادہ کریں اور یوں آدمی ناحق ناروا بدگمانی کرنے پر آئے تو وہ ہر ایک بھلائی کو بُرائی پر
ڈھال لے جا سکتا ہی۔ اب یہ تمھاری تعلیم ہی ہی کہ یوں گورمنٹ نے ہمارے ساتھ بے انتہا سلوک
کیے ہیں مگر یہ تعلیم کا سلوک گورمنٹ کے احسانات کی بڑی لمبی فہرست کے سرے پر بڑے موٹے
موٹے حرفوں میں جن کو اندھا بھی پڑھ سکے آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہی۔ یہ وہ سلوک نہیں ہی جو کبھی
کسی بہتر سے بہتر حاکم نے اپنی رعیت کے ساتھ کیا ہی بلکہ وہ سلوک ہی جو کبھی کسی مہربان سے

مہربان باپ نے اپنے عزیز سے عزیز فرزند کے ساتھ کیا ہوگا۔ تاہم [illegible]ت سے لوگ ہیں [illegible]
[illegible] انوں ہیں جن کے دل تعلیم کی طرف سے ابھی تک بھی صاف [illegible] یوں لوگوں میں [illegible]
اختلاف ہیں۔ زبانیں جدا جدا ہیں۔ ایک کی صورت ایک سے نہیں ملتی سب کی طبیعتیں
[illegible] ان نہیں ہے

[illegible] ائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن — اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف

[illegible] ان یہ اختلافات باہمی دوستی اور محبت اور ارتباط [illegible] نہیں ہوتے۔ یہ شرف خدا نے کچھ نہیں
[illegible] اختلاف کو دیا ہے کہ اس کدورت کو کبھی دلوں سے نکلتے دیکھا ہی نہیں۔ برٹش گورنمنٹ
ہندوستانیوں کے پیچھے کتنی ہی اپنی جان کیوں نہ مارے چاہیئے کہ یہ اُس کا احسان حق قدر
(جیسا ماننا چاہیئے) مانیں یا اُس کی طرف سے پورے پورے مطمئن [illegible] کیا مذکور یہ نہیں کہ
ہندوستانیوں کی طبیعتیں ناحسان مند اور بے مروت واقع ہوئی ہیں نہیں۔ وہ کمبخت مذہبی
اختلاف اعتماد کے پیدا ہونے کا مانع ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ اختلاف مذہب پر اختلاف ملک
اختلاف قوم اختلاف زبان اختلاف رسم و عادت چند در چند اختلاف مستزاد ہوں۔ اور یہ عام
انسانی نیچرل ویکنس (طبیعی کمزوری) ہے اور خود انگریز اس سے [illegible] ہیں الا ماشاء اللہ۔ سو
[illegible] یسے ہی الا ماشاء اللہ ہم میں بھی ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو سید احمد خاں کو بھوبی گیا ہے وہ
[illegible] الا ماشاء اللہ میں ہے جو لوگ گورنمنٹ کی طرف سے بدگمان ہیں اگر ناحق بدگمان ہیں ملک کا
[illegible] سرسبزی اور رونق اور امن اور اطمینان اور عافیت اور ترقی [illegible] نہیں سکتے۔ ورنہ آسمان
[illegible] کا اُلٹا منہ پر آئے یہ کہہ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لیا کرتے ہیں کہ [illegible] سر سہلا کر بیسیا کھانے والے
[illegible] ۔ کوئی کام نہیں جس میں اُن کی ذاتی منفعت مضمر نہ ہو یعنی جو کچھ ظاہر میں پبلک کے فائدے
[illegible] کرتے ہیں اس میں بھی تو پہلے اپنا فائدہ سوچ لیتے ہیں۔ یا اگر یہ تاویل بھی کرتے نہیں بن
[illegible] پڑتی تو مدح و تحسین کے لائق ہو اُس کی داد کے دینے میں بخل و مضائقہ کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ
مجھ سے لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی انگریزوں کی صنعت و ایجاد کا تذکرہ [illegible] ریل کا نام آیا تو ایک

صاحب بولے کہ خدا جانے کن مدتوں سے قسطنطنیہ میں حضرت سلطان روم کے اصطبل کی لید وغیرہ اٹھانے کے لیے ریل کام میں لائی جاتی ہے کسی انگریز کی نظر پڑ گئی اور وہ نمونہ اُٹھا لیا۔ بات کچھ نہیں مگر ایسی ہی ایسی باتوں سے پتہ لگتا ہے کہ انگریزوں کی نسبت لوگوں کے کیسے خیالات ہیں۔ اور جب ایسے خیالات ہیں تو کیا وہ انگریزی عملداری کی قدر کریں اور کیا اس کی برکتوں سے مستفید ہوں۔ آدمی جب بپچوستد (بدگمان) ہوتا ہے تو اُس کو ایسی ہی ایسی بے تُکی سوجھا کرتی ہے تعلیم پر تو بدگمانی کرنے کی ظاہرا کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر مذہبی تعصب کی آگ بھڑکتی ہے تو تر و خشک سبھی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ تعلیم پر جیسے جیسے حملے ہوئے اور ہو رہے ہیں کوئی سید احمد خاں کے دل سے پوچھے۔ اگر تعلیم شرط نوکری نہ ہو تو پارسیوں اور بنگالیوں کی نوکری نہیں جاتی مسلمان بھائی تو بھول کر بھی اس رستے نہ چلیں حال تو یہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی زمین میں تعلیم کے پودے نے جڑ پکڑ لی ہے ہرگز نہیں کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَھَا مِنْ قَرَار (جیسے گندی جڑی بوٹی مٹی کے اوپر اوپر جم کھڑی ہوئی جس کی جڑ نہیں) اس سے کہ علی گڑھ محمڈن کالج ماشاء اللہ چشم بد دور روز افزوں ترقی پر ہے سمجھا جاتا ہے طلبہ کا شمار بڑھ رہا ہے نئے بورڈنگ ہوسوں (طلبہ کے رہنے کے مکانوں) کی سخت ضرورت ہے یا اس سے کہ یہاں کی دیکھا دیکھی برٹش انڈیا میں ہر طرف تھوڑی بابت تعلیم کی تحریک مسلمانوں میں ہو رہی ہے ان باتوں سے اتنی خوشی تو بے شک ہے کہ نوکری کی طمع ہی سے سہی الٹی ہی سہی وہ اگلی سی مخالفت کچھ تو کم ہوئی کہ انگریزی تعلیم انگریزی نوکری انگریزی وضع یعنے ہر چیز جو انگریزوں کے ساتھ کسی طرح کی نسبت رکھتی ہے سب کو کفر و ارتداد سمجھا جاتا تھا زنگ تو کٹ گیا مگر دھبہ نہیں گیا۔ ورنہ اصلی خوشی تو اُس دن ہوگی اور اُسی دن ہوگی جب تعلیم کو اور کھُل کر اور پکار کر کیوں نہ کہوں انگریزی تعلیم کو مسلمان طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (ہر مسلمان پر علم کا سیکھنا فرض ہے) کے کلیے میں داخل سمجھیں گے مگر وہ دن افسوس ہے کہ زمانے کی نیچرل رفتار کے لحاظ سے اتنا دور معلوم ہوتا ہے کہ اس نسل اور اُس نسل کی نسل اور اس نسل کی نسل کو تو شاید دیکھنا نصیب نہ ہو مجھکو اگر پبلک میٹنگز (مجامع عام) میں شریک ہونے کا شوق ہوتا اور مجھکو میرا کانشنس (ایمان)

اس کانگرس میں شریک ہونے کی اجازت بھی دیتا جو ان دنوں کا ہے بانی ہے کہ اس کنارے مدراس میں جمع ہے یا سید احمد خاں کے سے قوی جاذبے کا کوئی شخص ہوتا اور مجکو زبردستی کھینچ بلا تا تو میں کانگرس میں یہ تو ضرور پروپوز (تجویز پیش) کرتا کہ مسلمانوں کے لیئے انگریزی تعلیم کے لیئے کمپلسری (جبری) کر دیا جائے ورنہ ان مسلمانوں کے اختیار میں چھوڑ دیا جائے گا تو بس یہ ایسے ہی کندۂ ناتراش رہے جیسے ہیں یہ وہ ٹٹو نہیں جو باگ کے اشارے سے چلیں۔ لگام کی جھٹکی سے چلیں۔ سٹکاری سے چلیں۔ ایڑ سے چلیں۔ ہمیز سے چلیں یا تازیانے سے چلیں۔ ان کو چاہیئے او گھی جوان کے پٹھوں کا مار کے قیمہ کر دے سو گورمنٹ تو ماشاء اللہ ایسی ڈرپوک ہی یا ڈرپوک کے لفظ سے بو بے لغاوت آتی ہو تو ڈرپوک نہ سہی محتاط ہی کہ جھوٹوں بھی مذہب کا نام آیا اور اس کے بدن میں تھر تھری چھوٹی۔ تو اس اڑیل ٹٹو کو ہانکیں نہ ہانکیں سید احمد خاں۔ سو انھوں نے اپنی سی بہتیری کی۔ بارے خدا خدا کر کے وہ پیچھے ہٹنا تو گیا۔ ٹٹو آگے کو پاؤں بھی ڈالتے لگا مگر جھجکتے جھجکتے۔ سو یہ جھجک مذہبی جھجک ہی نکلے بھی یا نہ بھی نکلے۔ کیوں جی اگر ہمارے دل کانگرس والوں کے سے ہول تو کیا ہم شبہہ نہیں کر سکتے کہ گورمنٹ جو تعلیم کو کمپلسری (جبری) نہیں کرتی اس کی اصلی وجہ مذہبی انٹرفیرنس (مداخلت) سے بچنا نہیں ہی بلکہ اصلی وجہ یہی ہی کہ گورمنٹ ڈرتی ہی کہ کہیں ہندوستانی تعلیم پاکر برابری اور ہمسری نہ کرنے لگیں۔ ویسی ہی آزادی کے دعویدار ہوں جو رعایائے یورپ نے ہم دو رے رکھی ہی۔ صناعی اور ہنر مندی کے بل پر یورپ کو مارکٹ سے مار ہٹائیں۔ اگر ایسا ہو تو یورپ کے حق میں قیامت آجائے وہاں کی خلقت بھوکوں مرنے لگے۔ یہ الٹے تلّے جو یورپ میں ہو رہے ہیں سب متفرع ہیں ہندوستان کی جہالت پر کہ ان کو سوئی اور پیچک اور دیا سلائی اور ضرورت کی کل چیزوں کے لیئے یورپ کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہی۔ رہی مذہبی مداخلت سو کچھ نئی بات نہیں۔ کیا گورمنٹ نے ستی اور دختر کشی کے رواج حکماً موقوف نہیں کر دیا۔ ابھی چند روز کی بات ہی کہ ہندو بہتیرا ہی غل مچاتے رہے۔ چھوٹی عمر میں لڑکیوں کے بیاہ کو سنگین جرم ٹھیرا ہی دیا۔ یا کچہریوں اور عدالتوں میں شرع و شاستر پر کون سا پورا پورا عمل ہو رہا ہی سکڑیوں کمو

کہ تعلیم کے عام کرنے کو کسی اور وجہ سے جی نہیں چاہتا - بہانہ یہ نکال رکھا ہے کہ لوگ کمپلسری (جبری)
تعلیم کو مذہبی انٹرفیرنس (مداخلت) سمجھ کر ناراض ہوں گے - اور یہ بات گورمنٹ کے فنڈامنٹل
پرنسپلز (اصل الاصول) کے خلاف ہے - لیکن گورمنٹ لوگوں کے ایسے بیہودہ اور بے اصل اشتباہات
سے اب بھی کب محفوظ ہے خیر یہ تو کانگرس والوں کی سی باتیں ہیں اور یہ محل ان کے کہنے اور ظاہر
کرنے کا تھا بھی نہیں - گورمنٹ پر اپنا کچھ زور نہیں نہ وہ ہمارے سمجھانے کی محتاج ہے ہمارے اور
گورمنٹ کے تعلقات کارڈیل (مخلصانہ) رہنے کے لئے حافظ شیرازی کی وہ نصیحت
بس کرتی ہے

رموز مصلحت ملک خسروان دانند	گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اچھا گورمنٹ کے سامنے تو ہم نے اپنا کان اُمیٹھا کہ اس کے خلاف ان شاء اللہ ایک لفظ بھی نہ
نکالیں گے مگر مسلمان چاہیں کہ نیچری ان کو چین سے بیٹھنے دیں تو یہ ہونا نہیں یہاں تک کہ انگریزی
ایسا رواج پا جائے جیسے کبھی عربی فارسی مروج تھی - یہ بات تو بالاجماع طے پا چکی ہے کہ انگریزی
سے مسلمانوں کے گریز کرنے کی وجہ ان کے مذہبی سکروپلز (شکوک) ہیں - آج میں اس مسئلے کے
مالہ اور ماعلیہ پر ذرا کسی قدر تفصیل کے ساتھ نظر کرنی چاہتا ہوں کہ ان سکروپلز (شکوک) کی کچھ
اصل بھی ہے یا نہیں - اگر ان کی کچھ اصل نہیں اور یہ لوگوں کا نرا واہمہ ہی واہمہ ہے تو کچھ خوف کی بات
نہیں واہمے کا ثبات ایسا ہی ہوسکتا ہے جیسے بچوں کو ہیّا کا خوف کہ ایک وقت تک اُس کے
نام سے ڈرتے پھر تمیز آئے پیچھے اُس کی آنکھوں میں اُنگلیاں کرتے - اُدھر زمانہ مجبور کر رہا ہے اِدھر
سید احمد خاں نے یہ دم مچا رکھی ہے ع

کیا نگاہیں نیچی نیچی اوپر اوپر جائیں گی

لیکن اگر کہیں مسلمانوں کے انگریزی تعلیم سے بدکنا واہمہ بے اصل نہیں اور مذہب میں کسی جگہ پانی مرتا
ہے تو بھی زمانہ کی زبردستی سے تعلیم تو رواج پا کر رہے گی مگر کہیں سینکڑوں برسوں میں جا کر
اور پھر بھی ویسی عام اور ساؤنڈ (پختہ) اور سالڈ (مستحکم) نہیں ہوگی جیسی کہ ہم چاہتے ہیں اور تعلیم

جب تک عام اور سوشل اور سائنس نہ ہو ملک اور قوم کے حق میں چنداں مفید نہیں ہو۔ خصوصاً
اس کامپٹیشن (منافست) کے زمانے میں کہ لوگ ترقی کے کسی برنچ (شاخ) میں کسی حد پر قانع نہیں ہیں
باربار انگریزی تعلیم انگریزی تعلیم کہنا پڑتا ہی تاکہ لوگ سمجھیں کہ جس تعلیم پر میں لکچر دے رہا ہوں اس سے
انگریزی تعلیم مراد ہی لیکن میں ایک دم سے قطعی طور پر ظاہر کیے دیتا ہوں کہ مطلق سے ہمیشہ فرد
کامل مراد ہوتا ہی اور اقسام تعلیم میں سے صرف انگریزی تعلیم ہی کو فردِ اکمل کہہ سکتے ہیں تو اب میں
انگریزی تعلیم نہیں بلکہ مطلق تعلیم کہوں گا اور اس سے انگریزی تعلیم ہی مراد ہوگی۔ اسی طرح میں مطلق مذہب
بولوں گا اور اُس سے میری مراد ہوگی اسلام کیوں کہ میں بھی مسلمان ہوں اور میرے مخاطب بھی
مسلمان ہیں اور جس طرح اقسامِ تعلیم میں انگریزی تعلیم فردِ اکمل ہی اسی طرح اور میں اس سے کہیں
زیادہ قوت اور وثوق کے ساتھ یقین کرتا ہوں کہ دنیا میں جتنے مذہب کبھی تھے یا اب ہیں یا آئندہ
ہوں گے سب میں فردِ اکمل اسلام ہی اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اللہ کے نزدیک دین تو بس
دین اسلام ہی ہی)۔ اب پھر اصل مطلب کی طرف عود کرتے اور دیکھتے ہیں کہ تعلیم اور مذہب یعنی
وہی انگریزی تعلیم اور مذہب اسلام دونوں کنسائل (متفق) ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ اس میں ذرا بھی
شک نہیں اور اس میں کلام کرنا نری ہٹ دھرمی ہی کہ تمام مذاہب کی غرض و غایت ایک ہی اس غرض و
غایت کو مختلف عبارتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں مگر ہم اس کے لیے عام اور مختصر الفاظ اختیار کرتے ہیں انسان کی معاش اور
معاد کی اصلاح کسی ایک مذہب کا نام لو جس کو تم ضعیف سے ضعیف اور سخیف سے سخیف سمجھتے ہو
اور پھر انصاف سے دیکھو تو پاؤ گے کہ اس کے بانی کا یہی مقصود تھا اور بس چوں کہ دنیا اور مافیہا کی
حالت میں تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں اور سب سے زیادہ انسان کی۔ ممکن ہی کہ کسی مذہب کی کوئی
خاص بات ایک وقت کے لیے مناسب ہو اور دوسرے وقت کے لیے نامناسب۔ لیکن اس سے
اُس مذہب کی غرض و غایت پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ اس مذہب کے شارع نے اپنے
نزدیک اپنے عہد میں وہی قاعدہ جو اُس نے قرار دیا انسان کی اصلاح کے لیے بکار آمد سمجھا اگر وہ قاعدہ
بکار آمد نہیں رہا تو اس سے کہ وہ وقت نہیں رہا ویسے آدمی نہیں رہے ویسی اُن کی حالت نہیں رہی

بابت بہت سے جو تم کہہ سکتے ہو یہ کہ اس مذہب کے شارع نے غلط سمجھا نیہ کہ اُس کا ارادہ فاسد تھا اور انسان کی اصلاح اُس کو مقصود نہ تھی نہ صرف یہ ہی کہ آدمیوں کی حالت مرورِ زمانہ سے بدلتی ہی بلکہ ایک ہی عصر میں اختلاف امرجہ اختلافِ آب و ہوا اختلافِ مراسم وعادات کی وجہ سے لوگوں کی حالتوں میں اس قدر تنوع دیکھا جاتا ہی کہ گویا وہ ایک آدم کی اولاد نہیں۔ ایک قانون جو ایک ملک میں امن کے قایم رکھنے کی کافی ضمانت ہو سکتا ہی شاید دوسرے ملک میں اُس کا اتنا بھی رعب نہ ہو جتنا آج کل کے لورسکولوں (ادنیٰ درجے کے مکتبوں) میں ایک ٹیچر (معلم) کا ہوتا ہی۔ جو مارنا پیٹنا تو درکنار لڑکوں کی طرف نظرِ تیز سے بھی تو نہیں دیکھ سکتا۔ لاہور میں لارڈ لارنس کا سٹیچو (بُت) کھڑا ہی ان کے ایک ہاتھ میں قلم ہی اور دوسرے میں تلوار اور سٹیچو کے نیچے لکھا ہی یا اس کے مماثل کوئی دوسری عبارت ڈو یو لانگ ٹو بی گورنڈ بائی پن اور بائی سورڈ ان دو باتوں میں سے تم کو کون سی بات پسند ہی کہ تم پر قلم کے زور سے حکم رانی کی جائے یا تلوار کے زور سے اس عبارت کے سوائے اور کیا مطلب ہو سکتا ہی کہ آدمی بعض قلم کا دباؤ مانتے ہیں اور بعض تلوار کا کوئی کین (بید) سے ہانکا جاتا ہی کوئی آئرن راڈ (لوہے کی سلاخ) سے۔ امیر کابل جو پچھلی دفعہ راول پنڈی کے دربار میں تشریف لائے سُنا کہ بعض انگریزوں نے محض بتقاضائے خلوص ان کو صلاح دی کہ حکومت کے پیچ کو ذرا ڈھیلا کریں امیر نے کہا کہ میری کرسی پر بیٹھو تو جانو کہ مجکو پیچ کے زیادہ کسنے کی ضرورت ہی۔ پیچ کو ذرا ڈھیلا کروں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ کابل کی حکومت سے دست بردار ہو جاؤں۔ اور سچ بھی تو ہی ایسا ہی کانگرس جیسا ان دنوں مدراس میں ہو رہا ہی کابل میں ہو تو ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک آگ لگ جائے جب یہاں میں اور کابل میں اتنا فرق ہی تو یورپ اور ایشیا اور افریقہ اور امریکا یعنے ساری دنیا کے لوگ کیوں کر ایک سے ہو سکتے ہیں۔ اور جب آدمی ایک سے نہیں تو مذہب کا وہ حصہ جو اصلاح معاش سے متعلق ہی کیوں یکساں ہونے لگا۔

سب سے بہتر ہوتا کہ مذہب دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتا۔ مگر یہ ممکن نہ تھا۔ انسان کی

طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر شخص ایک مُصَیطِر چاہتا ہے جو کراماً کاتبین کی طرح ہمہ وقت اُس کی
گردن پر سوار رہے اور وہ نہیں ہے۔ مگر مذہب۔ باوجودیکہ مصیطر مذہب ہر ایک کے ساتھ لگا ہے
اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (جب دو
سُننے والے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے جو کچھ وہ کہتا ہے سنتے جاتے ہیں کوئی لفظ مُنہ سے نہیں نکالنے پاتا
مگر پاسبان اُس کے پاس موجود) اِس پر بھی انسان کج سرشت بد ذات اور فساد سے باز نہیں آتا
خدا کرے ایسا ہو کہ لوگ قید مذہب سے آزاد ہو جائیں۔ اُس وقت تو سید احمد خاں کو بھی
چار و ناچار مذہب کا قائل ہونا پڑے سے

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

یورپ میں فرانس اور اٹلی دو سلطنتیں ہیں جنہوں نے نئی زمانہ ایڈمنسٹریشن (طرز حکومت)
سے مذہب کو خارج کر رکھا ہے سو خونریزی خودکشی اور بدکاری اور دغابازی اور انواع و اقسام کے
فسادات اس قدر شائع ہو گئے ہیں کہ آخر کار مدبران ملک مان گئے ہیں کہ مذہب کو ایڈمنسٹریشن
میں شامل کیے بدوں ملک کی حالت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ غرض دنیا کی درستی کے ساتھ چلنے کے
لیے مذہب کا ہونا ضرور ہے کوئی سا مذہب بھی ہو۔ لیکن سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب جس کی
غرض و غایت ہی اصلاح وہی لوگوں میں فساد کا موجب ہو جیسا کہ ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے تو جو لوگ
معقول ہیں اور دنیا ایسے لوگوں سے کبھی خالی نہیں رہی وہ غرض و غایت کو دیکھتے اور مذاہب کے
اندرونی اختلافات پر نظر نہیں کرتے (ہندوؤں کے ویدانت اور مسلمانوں کے تصوف میں
یہی رنگ جھلکتا ہے۔ با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام سے

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اور اگر ان دو فرقوں میں زہد کا تشدد نہ ہوتا تو یہ بڑے کام کے فرقے تھے مگر زہد کی سختیوں
کے باعث سے ان کے دائرے سکڑے ہی ہوئے رہے اور ان کو اپنے ایم (مقصود) کے حاصل
کرنے میں کہ ان کا ایم وہی رہا ہو جو میں نے سمجھا ہے بجا ہے کچھ بھی کامیابی نہ ہوئی اور کثرت سے

لوگوں کو اپنا ہم خیال نہ کر سکے اس واسطے کہ انھوں نے اپنا ماثور رکھا تجرد اور گوشہ گیری اور یوں
بھی غرض وغایت پر نظر رکھ کر مختلف مذہبوں کے رکنسائل کرنے کا ارادہ اس سے زیادہ کیا
کامیاب ہو سکتا تھا جیسے کوئی شخص طبِ یونانی اور طبِ انگریزی کو رکنسائل کرنا چاہے صرف
اتنی بات ہے کہ دونوں کی غرض وغایت دفع مرض اور حفظ صحت ہے۔ غرض وغایت کے متحد ہونے
سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مختلف ذریعے اس غرض وغایت کے حاصل کرنے کے لیے کام میں
لائے جا رہے ہیں وہ سب یکساں طور پر موصل الی المطلوب بھی ہیں۔ اگر صرف شرائع کا اختلاف
ہوتا تو شاید وہ چنداں پروا کرنے کے لائق نہ تھا اور شرائع کا حسن وقبح شاید ہم دنیا میں بھی معلوم
کر سکتے تھے مگر مذہب کے ساتھ ایک دوسرا جزو اہم اصلاح معاد کا بھی لگا ہوا ہے اور جو طریقے اصلاحِ
معاد کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں اُن کی صحت اور غلطی ہم پر اس ہستی میں منکشف ہو نہیں سکتی
وہ طریقے متعلق ہیں اُس ہستی سے جس کو آخرت یا عاقبت کہتے ہیں۔ اس آنے والی ہستی کے
بارے میں ہماری ذاتی معلومات کچھ بھی نہیں۔ روئے زمین کی وسعت پر نظر کریں تو اس کا
بہت ہی تھوڑا حصہ ہمارا چشم دید ہے اس پر بھی علم جغرافیہ کے ذریعے سے ہم زمین کے چپے چپے کا
حال معلوم کر سکتے ہیں کیوں کہ اگر ہم ساری زمین کا احاطہ نہیں کر سکتے تو کسی حصے میں زید کسی
میں خالد کسی میں ولید پہنچا ہے اور ان لوگوں کے مشاہدات کتابوں میں مدون ہیں اُس آنے والی ہستی
میں گئے تو بے شمار آدمی مگر کسی کو لوٹ کر آنا نصیب نہ ہوا ؎

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے رفتگاں پہ کیا | کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی

سرے سے اس ہستی کا ہمارے پاس کچھ ثبوت نہیں اور ہے تو بس اسی قدر کہ ہمارا دل گواہی دیتا
ہے کہ ہماری روح فانی نہیں اور دنیا کا انتظام متقاضی ہے کہ انسان کو اس زندگی کے بعد ایک
طرح کی ہستی ہو اور اُس ہستی میں اُس کو اپنے کیے کا بدلہ ملے۔ مذہب کی اتنی بڑی وسیع عمارت بس
ایک خیال پر مبنی ہے اس خیال کو اگر کوئی واہمہ سمجھے تو یہ ایسا واہمہ ہے کہ دنیا میں کوئی یقین اس کے
درجے کو نہیں پہنچتا الیقینیات کا انحصار ان ہی چیزوں میں تو نہیں ہے جو ہم کو اپنے حواسِ ظاہری

لیئے ہم کو کسی ثبوت کی بھی ضرورت ہی جس طرح ہم کو ایک چیز سفید دکھائی دیتی ہو اور ہم یقین کرتے ہیں کہ واقع میں وہ سفید ہی جس طرح ہزاروں عقلی باتیں ہم کو سوجھتی ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ واقع میں وہ ویسے ہی ہیں جیسے ہم نے سمجھیں تو کیوں ہم خدا کے ہونے اور روح کے باقی رہنے اور آخرت کے آنے کا یقین نہ کریں۔ ہماری فطرت۔ ہماری بناوٹ۔ ہماری ہستی جیسے مشاہدات کا ثبوت ہی ویسے ہی ادراکاتِ عقلی کا بھی ثبوت ہی فرق صرف اتنا ہی کہ مشاہدہ مابعد سے دوسرے ادراکات عقلی کی تصدیق ممکن ہی اِن ادراکات مذہبی کے لیئے دنیا میں ایسی تصدیق کا موقع نہیں اور جب تصدیق کا وقت آئے گا تو اُلٹ کر اس متقدم زندگی دنیا پر اپنا اثر نہیں ڈال سکے گا یَوْمَ یَأْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِھَا خَیْرًا (جس دن پروردگار کی نشانیوں میں سے قیامت کی نشانی آموجود ہوگی تو اگر کوئی شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا یا اُس نے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہیں کی اب اِس وقت اُس کو ایمان لانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا) دنیا میں مذہبی ادراکات عقلی کی تصدیق مشاہدہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے بہت سے لوگ لگے عاقبت سے انکار کرنے۔ مگر اِن کا یہ انکار من چاہے منڈیا ہلائے کیا مستند ہو سکتا ہی جب کہ اندر سے اِن کے دِل لول رہے ہیں کہ قیامت آنی ہی۔ وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیْبَ فِیْھَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَۃُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (اور جب کہا جاتا ہو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہی اور قیامت کے آنے میں ذرا شک نہیں تو تم اِس کا جواب دیتے ہو ہم کو تو معلوم نہیں۔ ہاں ایک یوں ہی سا خیال تو ہم کو بھی ہی مگر جس کو یقین کہتے ہیں وہ نہیں، ذرا ان لفظوں پر خیال کرنا اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا انکار نہیں ہی مگر ویسی تسلیم بھی نہیں جو ایک ادراکِ عقلی کی نسبت ہونی چاہیئے جس جس پہلو سے دیکھتے ہیں انسان حقیقت میں عجائب المخلوقات ہی اِس کے ارادے اِس کے حوصلے اِس کی ہمت کو دیکھو تو عرصۂ زمین و آسمان اس پر تنگی کر رہا ہی اور جیسے آپ ضعیف البنیان ہیں معلوم ہستی مختصر بے ثبات قوتیں ناقص ناتمام ؎

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہی شور	فرش سے تا عرش تک کر رہا ہی اپنا زور

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (جن جن باتوں میں تم لوگ اختلاف کر رہے ہو قیامت کے دن خدا سب کو بتا
دے گا) غرض اگرچہ اختلافِ مذہب تا قیامت رفع ہونے والا نہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا
چاہیئے کہ ہم رفع اختلاف میں کوشش نہ کریں۔ اس اختلاف کے خطرناک نتیجے عاقبت میں تو
جب ظاہر ہوں گے تب ہوں گے کہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ
وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ
فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا
دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي
الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔
(یہ وہ دن ہے جس میں سب آدمی ایک جگہ جمع کیئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہے جس کو سب آدمی
دیکھ لیں گے اور ہم اس کے لانے میں دیر بھی کر رہے ہیں تو معدودے چند دنوں کی جس وقت
وہ دن آموجود ہوگا کسی کو بات کرنی کی مجال نہ ہوگی مگر خدا کے حکم سے۔ پھر لوگ بعض بدبخت
ہوں گے اور بعض خوش نصیب تو بدبخت لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں چلائیں اور دھاڑیں گے
اور اسی حالت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں مگر جو خدا کو منظور ہو خدا
جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور جو خوش نصیب ہیں وہ بہشت میں ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے
جب تک آسمان و زمین قائم ہے مگر جو خدا کو منظور ہو یہ بخشش ہیں جن کو انقطاع نہیں) غرض اختلاف
مذہب کے خطرناک نتیجے عاقبت میں تو جب ظاہر ہوں گے تب ہوں گے۔ اس اختلاف نے
دنیا ہی کے برباد کرنے میں کیا اٹھا رکھا ہے سب سے بڑا جرم جس کا انسان مرتکب ہوسکتا ہے قتل اور
خونریزی ہے اور خونریزی کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں لیکن تمام اسباب کثیر الوقوع اور نادر الوقوع ایک طرف اور
اختلافِ مذہب ایک طرف اس پر بھی اختلافِ مذہب ہی کا پلہ بھاری رہے گا۔ میرا خیال تو
یہ ہے کہ جتنے خون ابتدائے دنیا سے آج تک اختلافِ مذہب کی وجہ سے ہوئے ہیں اگر سب کا
جمع کیا جانا ممکن ہوتا تو ایک دریا سے خون بہتا ہوتا لیکن مذہب ایسا سفاک ہے کہ وہ اس کو بھی بکھیر

اِمْتَلَأْتِ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کچھ اور بھی ہے) بات یہ ہو کہ لوگ اس قدر مستعجل ہیں کہ قیامت کے فیصلے
کا انتظار نہیں کر سکتے اور ہر مذہب والا چاہتا ہو کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کو صفحۂ ہستی
سے معدوم کر دے۔ مسلمان تو ناحق میں بدنام ہیں گو دی ڈاگ اے بیڈ نیم اینڈ ون گٹ ہم
اوٹ (کتے پر ناحق الزام لگاؤ اور لات مار کر باہر کرو) کوئی ایک مذہب والا تو کہے کہ اس نے
موقع پاکر ٹالریشن (تحمل) دکھایا ہو عیسائی جن کے مذہب کا یہ اصول ہو کہ اگر تیرے ایک گلّے پر
کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے کر دے کہ اس پر بھی دستِ شفقت پھیر اور جب تک
آدمی ایسی ہو مٹی نہ بن جائے آسمانی باپ کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔
کروسیڈ (عیسائیوں کے جہاد) کے ہاربل کانسیکوئنسز (خوفناک نتائج) سے قطع نظر کرو عیسائی
اگر ایسا مزاج رکھتے ہوتے تو انڈیا میں دوا کو ڈھونڈے نہ ملتے۔ مین ازدی میں آل دی ورلڈ اوور
(تمام دنیا کے آدمی کچھ ایک ہی طرح کے نہیں ہیں)

ہر۔ ناصح برائے دیگراں	ناصح خود یافتم کم در جہاں

الغرض مذہب کا یہ بڑا خطرِ عاجل ہو کہ وہ لوگوں میں التیام وارتباط قایم نہیں ہونے دیتا اور نااتفاقی
ایسی بدبلا ہو کہ شخصوں شخصوں میں ہو تو اور قوموں قوموں میں ہو تو دونوں ہی فریق اس سے نقصان
اٹھاتے ہیں تو اگر ہم اس آگ کو بالکل بجھا نہ سکیں کم سے کم اتنا تو کریں کہ اس کو اور زیادہ نہ بھڑکنے
دیں مگر سخت افسوس کی بات ہو کہ جن لوگوں نے اس آگ کو بجھانا چاہا پانی کی جگہ لگے کروسن
آئل (مٹی کے تیل) کی بھرمار کرنے پس اب وہ آگ ایسے زوروں پر ہو کہ شاید سمندر کا پانی بھی
اس کو نہیں بجھا سکتا۔ آپ سمجھے کہ کروسن آئل سے میں نے کیا مراد رکھی ہو کروسن آئل سے میری مراد
ہو مذہبی مناظرے۔ کہ مناظرے کے جو طریقے مناظرین نے اختیار کیے دلوں کے دکھانے
والے اور ضد اور مخالفت کے پیدا کرنے والے تھے۔ اور بجائے اس کے کہ مناظرے سے
التیام کی کوئی صورت پیدا ہو عداوتیں قائم ہوگئیں۔ وہی جیسا ابراہیم ع نے فرمایا تھا۔ بَدَا
بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا (ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے کھلی دشمنی ہوگئی) اگر

مذہب دنیا سے سروکار نہ رکھتا ہوتا تو کچھ بھی بات نہ تھی موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود۔ مگر بڑی مشکل یہ آکر پڑی ہی کہ بے مذہب کے دنیا کا کام چل نہیں سکتا۔ انسان اِس طرح کا مُنھ زور ٹٹو ہو کہ مذہبی لگام کے بدون کسی ڈھب سے قابو میں آنے والا نہیں۔ یہ جو اتنا امن دنیا میں دیکھتے ہو گو سلطنت اور حکومت کو بھی اِس میں کسی قدر دخل ضرور ہی مگر بڑا دخل مذہب کا ہی۔ ایک ملک فرض کرو جس کے باشندوں کو نہ خدا کا خوف ہو نہ عاقبت کا اندیشہ پھر دیکھیں تو کوں سے منتظم گو وہ انگریز ہی کیوں نہ ہوں اِس کا انتظام کئے لیتے ہیں۔ غرض مذہب سے تو کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ آدمی ہی تو جس طرح وہ بادی البشرہ مستقیم القامہ عریض الاظفار ہی ریلجن (مذہبی) بھی ضرور ہی اور ریلجن (مذہب) ہی تو ریلجن کے اختلاف بھی ضرور ہی اور اختلاف ہی تو اس کے ساتھ کشمکش بھی ضرور ہی۔ یہ کشمکش ہمارے اِس بدنصیب ملک میں چند روز سے بہت ہی اشتداد پکڑ گئی ہی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ہندو مسلمان جن کا چولی دامن کا ساتھ ضرب المثل تھا۔ اب ایک جگہ امن سے نہیں رہ سکتے اور سچ بھی تو ہی جب تک انگرکھے تھے چولی اور دامن کی ضرورت تھی اب نئی قسم کے کوٹ چل پڑے ہیں جو چولی اور دامن دونوں سے بے نیاز ہیں۔ کبھی آپ صاحبوں نے اِس بات میں غور کیا ہی کہ برغم ماضی ہندو مسلمانوں کے جھگڑے کیوں از سر نو تازہ ہو گئے ہیں ہم کو تو یہ توقع تھی کہ انگریزی تعلیم ٹالریشن سکھاتی اور تعصب جہالت کی ظلمتوں کو دور کرتی ہی عجب نہیں رفتہ رفتہ ہندو مسلمان ایک ہو جائیں۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ ایک ہونا کیسا ہندو مسلمان دو خط ہیں متنفر الملاقات لیکن ہندو مسلمان اِس ملک میں کوئی نئے آکر نہیں بسے دونوں مذہبوں میں کوئی انوکھی بات پیدا نہیں ہوئی سلطنت جس کے پیچھے ایک کو ایک کھائے جاتا تھا خدا نے دونوں سے لے کر تیسرے حق دار کے حوالے کر دی پھر یہ بیٹھے بٹھائے ہوا تو کیا ہوا کہ کبھی کی اگلی بھولی بسری خصومتیں از سر نو تازہ ہو گئیں۔ ہاں تو ہوا یہ کہ انگریزوں نے دونوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ آزادی کے خبط سے تو کوئی انگریزی دماغ خالی نہیں اپنی ولایت میں اُنھوں نے دیکھا تھا کہ دنیا میں لاکھ دولتوں کی ایک دولت آزادی ہی

اور یورپ میں ساری رونق اور خوش حالی اسی آزادی کے دم قدم سے ہو رعیت
پروری کے جوش میں آکر اس بات پر تو نظر کی نہیں کہ نیٹوز کو اس نشے کی سہار بھی ہو یا نہیں۔
بے سوچے سمجھے سب کو خود مختار کر دیا۔ پس انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ویسی ہی مثال ہو گئی
کہ ایک نادان ماں نے دودھ پیتے ننھے بچے کو قوی قوی غذائیں کھلانی شروع کیں کہ جلدی سے
بڑا ہو جائے۔ بچہ قوی غذاؤں کو ہضم نہ کر سکا اور آخر کار ہلاک ہو گیا۔ انگریزوں کی سلطنت کو
ایسے کون سے قرن گزر گئے تھے چندے اور صبر کیا ہوتا ہندوستانیوں میں انگریزی مذاق اچھے
طرح سے رچ جاتے تو بتدریج ان کو آزادی دینے کا مضایقہ نہ تھا۔ انگریزی مذاقوں کا حال یہ ہو
کہ معدودے چند کو توڑالو بھاڑ میں ہندو اپنے سوائے سبھی کو بھرشٹ (ناپاک) سمجھتے ہیں از آں جملہ
انگریزوں کو بھی رہے مسلمان سو ان کے مذاقوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہو کہ فقیر اپنی اسی پرانی
وضع کو نباہے چلا جاتا ہو اور مجھکو اسی میں آسائش بھی ملتی ہو اس پر صرف اتنے تعلق سے کہ کانفرنس
میں برسویں دن آکر لکچر دے دیتا ہوں وہ بھی طوعاً نہیں بلکہ کرہاً اور ما اپنے زعم میں سید احمد خاں
کی لاگ لپیٹ کی بھی کوئی بات نہیں کہتا مگر چوں کہ کانفرنس کی ابتدا سید احمد خاں سے ہو
اور سید احمد خاں مسلمانوں میں انگریزی کا رواج دینا چاہتے ہیں اور انگریزی انگریزوں کی
زبان ہو اور انگریز نصاریٰ ہیں اور نصاریٰ مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں اور کافر مستوجب
نار ہیں اتنے تعلق سے اگر اس کو تعلق کہہ سکتے ہیں تو فقیر کو لوگ کافر بتاتے ہیں اور کافر نہ بھی
کہیں مگر قسم کھانے کی بات ہو کہ مسلمان تو نہیں سمجھتے ؎

ایک مومن باصفا او ہم کافر [illegible] پس در ہمہ ملک یک مسلمان نبود

کفر تو آپ نے بہت سنے ہوں گے مگر میرے کفر مسلسل کو دیکھیے گا کہ کیسا درجہ بدرجہ [illegible]
ہوتا چلا آیا ہو۔ کافر بہت مگر کوئی ایک آدھ کفر کا ایسا شجرہ دکھائیے۔ مجھکو اپنے کفر کے سلسلے پر
بچوں کی ایک حکایت یاد آئی کہ ایک چڑیا کہیں سے ایک دانہ اناج کا اٹھا لائی اور وہ دانہ
اس نے لا کر کسی ایک لکڑی پر رکھا کہ اطمینان سے بیٹھ کر کھائے لکڑی میں تھا شگاف وہ دانہ

کسی میں ٹالرشین کا نام نہیں جتنے آدمی وتنے مذہب اور ہر شخص بجائے خود مطلق العنان کہ دوسرے مذہب والوں کی بد تر سے بد تر مذمت لکھے اور مشتہر کرے سربازار پکار پکار کر لیکچر دے کسی طرح کی ممانعت نہیں ۔ ایسے ملک کے امن کا خدا حافظ ۔ مگر ایک بار میں آپ صاحبوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہم ہندوستانیوں کے یہ مذاق بگڑے تو کیوں بگڑے ۔ بگڑے انگریزی تعلیم سے ۔ اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں انگریزی تعلیم کا مخالف ہوں میں کچھ کرتا نہیں اور مجھ سے کچھ ہو نہیں سکتا اور مجکو انگریزی آتی بھی نہیں ۔ یہ باتیں تو ہیں دوسری ۔ میں انگریزی تعلیم کی ضرورت کو مسلمانوں کی تمام دنیاوی ضرورتوں پر مقدم رکھتا ہوں بشرطیکہ اس کی تعلیم علی گڈھ کالج کے طور پر ہو کہ لوگ انگریزی بھی پڑھیں اور بھلے مانس بھی رہیں ۔ نہ تو گورنمنٹ کو ان کی طرف سے کسی طرح کا کھٹکا ہو اور نہ ہمسایوں کو ان سے کسی قسم کی ایذا پہونچے لکچر پر خود بخود اینٹی کانگرس کا سا رنگ آگیا اگرچہ میرا یہ مقصود نہ تھا ۔ لیکن میں اس کو کانفرنس کا لجٹمٹ (باقاعدہ) کام سمجھتا ہوں کہ وہ تعلیم مروجہ کے نتائج میں غور کرے ۔ میں نے علی گڈھ کالج کی تعلیم کے علاوہ عموماً تمام تعلیم کو کنڈمن (تقبیح) کر دکھایا ہے ۔ سو یہ کچھ سید احمد خاں کی مونھ دیکھے کی بات نہیں ہے ۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو سر آکلنڈ کالون جیسا سٹیٹسمین (مدبر) اس کی تصدیق کر گیا ہے اور سب سے بڑی تصدیق تو ان طالب العلموں کا ٹریننگ (تربیت) ہے کہ پڑھانے لکھانے کے علاوہ ان کے اخلاق ان کی تہذیب چال چلن کی نگرانی اور خیالات کی اصلاح کی جاتی ہے اور مجکو پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ یہ لوگ سید احمد خاں کی سرپرستی میں تعلیم پا کر ایجوکیٹڈ جنٹلمن (تعلیم یافتہ شریف) کے عمدہ نمونے ہوں گے اور کالج کی ناموری کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھیں گے ۔ آمین ۔ اب میں انگریزی خوان طالب العلموں کو عموماً اور علی گڈھ کالج کے طالب العلموں کو خصوصاً تعلیم کے ایک اور خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں ۔ طالب العلمو ذرا متوجہ ہو کر سنو ۔ میں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی مذہبی اختلاف کو آگ سے اور مذہبی مناظرے کو کروسن آئل سے تشبیہ دی تھی اگر مذہبی اختلاف آگ اور مذہبی مناظرہ کروسن آئل ہے تو جس خطر کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں گن پاؤڈر کے سواے میں ہی اس کا دوسرا نام تجویز کر نہیں سکتا ۔ سر جارج ایڈمنسٹن کے زیر نظر انڈین پینل کوڈ کے

مجموعہ تعزیرات ہند کے ترجمے میں شریک مغلوب میں بھی تھا اس وقت [illegible] ایشر کا ورنیکولر
اکوئیولینٹ (مرادف اُردو) رکھا گیا تھا بھک سے اُڑ جانے والا مادہ [illegible] اور اسی بے تعلقی کے سبب
اور تو سارا ترجمہ بھول گیا مگر اب لفظ کی وجہ سے جب کبھی کمبسٹبل نظر سے گزرتا ہی فوراً اُس کا ترجمہ
بھک سے اُڑ جانے والا" یاد آجاتا ہو۔ پہلے ہی سے ہمارے ملک میں خدا کے فضل سے مذہبوں
کی کچھ کمی نہ تھی معلوم نہیں اور ملکوں کا کیا حال ہو مگر یہاں تو مذہب انڈے بچے دیئے بلا جاتا ہو ہمارے
دیکھتے دیکھتے بہت سے نئے مذہب پیدا ہو گئے بلکہ یہ عملداری مذہب کو کچھ ایسی سازگار آئی ہو کہ
مذہب کی اس حال کی نسل میں کچھ اُچھل کود زیادہ معلوم ہوتی ہو یا تو بچپن کا تقاضا ہو یا جہاں
سب چیزیں اپنی اپنی جگہ ترقی کر رہی ہیں مذہب نے بھی نسل میں ترقی کی ہو۔ نئے مذہبوں میں جس نے
بڑی اودھم مچا رکھی ہو سائنٹفک مذہب یعنے فلسفہ ہو جس کو لوگ نیچیر کے نام سے پکارتے
ہیں سائنٹفک کہو یا نیچر مطلب ایک ہی ہو اتنا فرق ضرور ہو کہ لوگ [illegible] نیچری کی بڑی مٹی پلید کر چکے
ہیں اور اب تک بھی کر رہے ہیں اور یہ لفظ بتقاضائے بشریت نیچریوں کے سامنے پر ضرور گراں
گزرتا ہوگا۔ لفظ سائنٹفک میں سوائے اس کے کہ انگریزی ہو اور کوئی عیب نہیں۔ اختلاف مذہب
تو ایسی بدبلا ہو کہ اتنے بڑے ہندوستان میں صرف دو ہی مذہب ہوتے اور ایک دوسرے
سے اختلاف کرتے تو سارے ہندوستان کو بے چین رکھنے کے لیئے بس کرتے تھے نہ کہ کوڑیوں
مذہب اور سب میں پھوٹ۔ اس پر تشریف لائے نئے سائنٹفک صاحب کہ بڑے میاں
سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ انھوں نے تو آتے کے ساتھ کل مذہبوں پر جھاڑو
پھیرنی شروع کی۔ مسلمان جو انگریزی سے بدکتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہو۔ انگریزی میں کیا دھرا
[illegible]انہ کہا۔ گاڈ کھا۔ بس کی گانٹھ تو سائنس ہو اور یہ جیسا اسلام کا دشمن ویسا ہی ہندوؤں کے
مذہب کا۔ اور مسلمان یہ سن کر بڑا تعجب کریں گے ویسا ہی بلکہ سب سے بڑھ کے خود انگریزوں
کے مذہب عیسائیت کا۔ اگر مسلمان سائنس کو جانتے ہوتے تو ایسے لغو اور بے اصل بات کبھی
منھ سے نہ نکالتے کہ لوگوں کو عیسائی کرنے کی غرض سے انگریزی پڑھوائی جاتی ہو انگریزی

کیوں مستثنیٰ کروں خدا گناہوں کو معاف کرے کبھی نہ کبھی نیچریوں کی سی کوئی نہ کوئی بات
میرے قلم سے بھی ضرور نکلی ہوگی یہ سب ملا کر نیچریوں کے مذہبی لٹریچر کا بجائے خود ایک کتاب خانہ
ہو اُس سب کو کریدنے اور ڈھونڈنے کے لیئے تو مدتیں چاہئیں مگر میں اس مقام پر صرف ایک یادگار
ریمارک کرنی چاہتا ہوں مجکو خوب معلوم ہو کہ یہ کانفرنس مذہبی کانفرنس نہیں ہو اور یہاں دین و مذہب
کی گفتگو آنی چاہیئے نہیں۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ مسلمان ہر ایک بات میں مذہب کو لے دوڑتے ہیں
اور تعلیم پر تو ساری بھرمار مذہبی توپ خانے ہی سے ہو رہی ہو۔ میں نے اپنے نزدیک مذہب حق کی شناخت
یہ قرار دے رکھی ہو کہ اس کے احکام ناممکن التعمیل نہ ہوں اور مذہب اسلام کی حقانیت کی طرف سے
جو میرے دل کو تسلی ہوئی ہو تو زیادہ تر اسی سے ہوئی ہو کہ میں اسلام کے کسی حکم کو ناممکن التعمیل
نہیں پاتا۔ اسلام نے نیکی کا ایسا اسٹینڈرڈ رکھا ہو کہ آدمی وقتی ضرورتوں اور خواہشوں کی بلاؤں میں
مبتلا رہ کر بھی آسانی کے ساتھ اُس درجے پر پہنچ سکتا ہو۔ انسان کی ایک خاص طرح کی بناوٹ ہو
اور گو وہ اشرف المخلوقات ہو پھر بھی معذوریاں ہیں مجبوریاں ہیں کمزوریاں ہیں خُلِقَ الْاِنْسَانُ
ضَعِیْفًا انسان کو ضعیف بنانا اور اُس پر احکام سخت کا اتنا بوجھ لادنا جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے ظلم
صریح ہو۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِیْدِ۔ وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔ پھر ناممکن التعمیل کے پیرائے
ہیں دو۔ عملیات میں یہ کہ ہم تعمیل نہ کر سکیں۔ مثلاً فرض کرو کوئی مذہب ہم کو ایسے روزہ کا حکم دے کہ
ایک ہفتے تک نہ کچھ کھاؤ نہ پیو تو یہ روزہ خودکشی کا مرادف ہوا۔ پھر ایسے روزہ کا حکم سن کر ہم کو یقین کر لینا
چاہیئے کہ نہ یہ حکم خدا کا حکم ہو اور نہ یہ مذہب مذہب حق اسی طرح معتقدات میں کوئی بات ناممکن الیقین تو
ہم اس کو بھی ناممکن التعمیل ہی کہیں گے اور وہ ناممکن التعمیل ہو بھی۔ مثلاً فرض کرو کوئی مذہب تعلیم
تا ہو کہ زمین گول نہیں ہو تو مجرد اتنی ہی بات سے ہم سمجھ لیں گے کہ یہ مذہب خدائی مذہب نہیں ہو۔
سائنس اور اسلام میں جو تنازع آکر قایم ہوا ہو۔ وہ اکثر اسی قسم کا ہو کہ جو باتیں سائنس کی رو سے پایۂ
تحقیق کو پہونچی ہیں۔ اسلام جیسا کہ عموماً لوگوں نے سمجھ رکھا ہو ان کے خلاف ظاہر کرتا ہو اور مشکل

اگر چہ یہی کہ سائنس کے مسائل مبنی ہیں مشاہدات پر جس سے لازم آتا ہے کہ اسلام کو ناممکن الیقین سمجھا جائے۔ اب سمجھے سائنس اور اسلام یعنی اسلام متعارف میں کیا جھگڑا ہے۔ اس روداد سے تو ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ سائنس برسرحق ہے کیونکہ سائنس جو بات کہتا ہے اُس کا مشاہدہ کرا دیتا ہے اور مشاہدے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ثبوت ہو نہیں سکتا جب تم نے سائنس اور مذہب دونوں کی حقیقت کو سمجھا اور دونوں کی نزاع کو بھی سمجھا تو اب تم کو نیچریوں کی قدر آئے گی کہ یہ ملعون فرقہ اسلام کی کیسی خدمت کر رہا ہے۔ فیکٹس (واقعات نفس الامری) کو تو کوئی ریزسٹ (دفع) کر ہی نہیں سکتا تھا اور بدیہی ہوئی بات تھی کہ سائنس کے مقابلے میں اسلام متعارف کی ڈفیٹ (شکست) ہو نیچریوں نے اپنی تدبیر سے اس ڈفیٹ کو آنریبل رٹریٹ (عزت کے ساتھ لوٹ جانا) بنا دیا کہ اس کو بھی ایک طرح کی ظفر ہی سمجھو۔ تاکہ تم ڈفیٹ اور رٹریٹ میں فرق کر سکو میں قرآن کی ایک آیت مناسب مقام پڑھتا ہوں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ (اے مسلمانو جب کافروں سے سب مل کر لڑو تو دشمن کے سامنے سے بھاگو مت اور جو بھاگے گا تو خدا کے غضب میں آگیا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ میں ڈفیٹ یعنے ہزیمت کی طرف اشارہ ہے اور مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ رٹریٹ ہے۔ مسلمانوں کی ابتدائی لڑائیوں میں احد کی لڑائی بگڑ گئی تھی اور اس کے بگڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ پیغمبر صاحب نے مسلمانوں کے ایک دستے کو ایک ناکے پر متعین فرما کر حکم دے دیا تھا کہ لڑائی بنے یا بگڑے تم اسی جگہ جمے رہنا۔ دوسرے دستے نے دشمنوں کو بھگا دیا ناکے والے سمجھے کہ بس لڑائی جیت لی جگہ سے ٹل گئے دشمنوں نے ناکہ خالی دیکھ مسلمانوں پر ایسا دباؤ ڈالا کہ سب کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایسے بدحواس ہو کر بھاگے کہ پیغمبر صاحب کی بھی خبر نہ لی۔ یہی وہ لڑائی تھی جس میں پیغمبر صاحب زخمی ہوئے اور دشمنوں نے تو یہاں تک اڑا دی تھی کہ مارے گئے چند مسلمان جو پیغمبر صاحب کے ساتھ سے الگ نہیں ہوئے تھے اُن میں حضرت عباسؓ بھی تھے اور یہ کہ جھی

جہیر الصوت تھے انھوں نے بھاگتوں کو ڈانٹا کہ لوگو کدھر چلے جا رہے ہو پیغمبر صاحب تو یہ موجود ہیں
بارے پھر مسلمان سمٹ آتے اور لڑائی سنبھل گئی مگر چوں کہ مسلمانوں کے بہت آدمی ضائع گئے
تھے کچھ شکست ہی سی سہی جس کی وجہ سے مسلمان بہت ہی شکستہ خاطر ہوئے لڑائی کا شکست
ہو جانا چنداں پروا کی بات نہ تھی مثل مشہور ہے اَلحَربُ سِجَالٌ (لڑائی کنوئیں کا ڈول ہے اس سے کبھی
کوئی پانی بھرتا ہے کبھی کوئی) مگر دلوں کا شکست ہو جانا غضب تھا چنانچہ جب لوگ جھینپتی ہوئی توتیں
لے کر پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مواعظِ بلیغ سے ان کی بڑی تسلی کی اور یہ
بھی فرمایا کہ تم نے حکم لَا تُوَلُّوهُمُ الْاَدْبَارَ کا نقض نہیں کیا بلکہ تمہارا جگہ سے ٹل جانا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ
مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ کی قسم کا تھا۔ سو جس طرح لوگوں نے جنگ احد کے نتیجے کو اسلام کی ڈفیٹ سمجھا
اور پیغمبر صاحب نے اس کو ریسشن قرار دیا۔ یہی حال سائنس و اسلام کی لڑائی کا ہے کہ عام مسلمان نیچریوں
کی تاویل اور توفیق کو اسلام کی ڈفیٹ سمجھتے ہیں مگر وہ ڈفیٹ ہی نہیں بلکہ ریسشن ہے اور ریسشن
بھی آنربل ریسشن۔ با ایں ہمہ نیچریوں کی کارروائی کی نسبت میرا ایک خیال ہے جس کا ظاہر کر دینا
اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ لوگ خیر خواہی اسلام کے جوش میں کسی قدر حدِ اعتدال سے اکسیڈ
(متجاوز) ہو گئے ہیں اور ان کا اکسیڈ ہونا میرے نزدیک اسلام کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ یہاں
اسلام سے میری مراد اسلام متعارف نہیں کہ وہ تو اگر نیچری لاکھ جتن بھی کرتے سائنس کے زد سے
محفوظ رہ نہیں سکتا تھا بلکہ وہ سچا اسلام وہ خالص اسلام ہے پورا خالص ساؤنڈ (محکم) اینڈ پرفیکٹ (کامل) اسلام مراد ہے
جس کی بنیاد اس قدر محکم اور مضبوط اور استوار اور مشیّد ہے کہ سائنس کے کیسے ہی جھکڑ چلا کریں اس کو
خبر بھی تو نہیں ہوتی۔ دو مخالفوں میں التیام کرانے کا یہ دستور ہوتا ہے کہ کچھ اس کو دبایا کچھ اس کو دبایا
دونوں مخالف ایک بات پر رضامند ہو گئے مگر میں دیکھتا ہوں نیچری ہر ایک بات میں اسلام
ہی کو دبائے چلے جاتے ہیں۔ پس یہ حکم کا ہے کے ہیں خاصے سائنس کے وکیل ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے
کہ سائنس اور اسلام کے نزاع کی روداد یک طرفہ ہے اس لیے کہ سائنس کی طرف ثبوت میں
ناممکن التردید۔ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ سائنس کے بعض مسائل قطعی طور پر ثابت ہو چکے ہیں اور

اگر کسی ایسے ایک مسئلے سے بھی اسلام مخالفت کرے اور اسلام تو کیوں مخالفت کرنے لگا تھا اگر یوں کہو کہ
اسلام متعارف جس کو لوگوں نے اسلام سمجھ رکھا ہی مخالفت کرے بے شک بے تامل سائنس کی جانب داری کرو اور عوام کو پڑا بکنے
لیکن سائنس اسی حساب اور جبر و مقابلے اور اقلیدس کا نام تو نہیں ہی سائنس ایک دریاے ناپیدا
کنار ہی جس کی نسبت سائنس کا گُرو مشتاق سر آئزک نیوٹن (تعجب ہی کہ تم لوگ اس شخص کا نام
سن کر تعظیماً کھڑے نہیں ہو گئے نہ کسی نے نعرۂ خوشی بلند کیا اور نہ ہتیلیوں کے پٹنے کی آواز آئی)
یہ سر آئزک نیوٹن کھہ رہا ہی کہ میری اور سائنس کی ایسی مثال ہی کہ ایک نادان لڑکا سمندر کے کنارے
بیٹھا گھونگے اور سیپیاں جمع کر رہا ہی اور اپنے جی میں خوش ہی کہ حاصل بھر بھی چند گھونگے اور سیپیاں ہیں
اس کو ان بیش بہا موتیوں کی خبر ہی نہیں جو قعر دریا میں مدفون ہیں۔ زمانہ ترقی کر رہا ہی اور نئی نئی
باتیں نکلتی چلی آتی ہیں۔ بہت سی باتیں ہنوز زیر تحقیقات ہیں لوگ اٹکلیں دوڑا رہے ہیں دیکھئے گوہر
مقصود ہاتھ لگتا بھی ہی یا نہیں۔ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (ان کو اس کا علم
نہیں مگر نرا گمان ہی گمان ہی) یہ کہاں کا انصاف ہی کہ ہم ان لوگوں کی تخمین و تحری کو بھی قطعی الثبوت
میں داخل کر لیں۔ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ دنیا میں تاریخ کی سینکڑوں ہزاروں کتابیں ہیں نہ تو
اُن کے مصنفوں کا حال معلوم نہ اُن کی صداقت کا یقین نہ اُن کا ماخذ متعین۔ با ایں ہمہ ان کے
رطب و یابس کو کان دبا کر تسلیم کر لیا جاتا ہی اور انگریزی خوانوں کو ہم ان کی روایات سے استشہاد
کرتے دیکھتے ہیں۔ اور ایک مذہبی تاریخ ہم مسلمانوں کی حدیث ہی جس کے پیچھے بڑے بڑے متقی پرہیزگار
لوگوں نے عبادت سمجھ کر عمریں صرف کر دی ہیں اُن کی اتنی بھی تو وقعت نہیں جتنی انگریزی ناولوں
(افسانوں) کی۔ اس واسطے کہ ان نیک بندوں نے صرف حدیث کی تنقید کے لیئے دور دراز ملکوں کے
سفر کیئے ہزاروں راویوں کے لائف تحقیق کی کہ ان کی دیانت کیسی تھی ان کا حافظہ قوی تھا یا ضعیف
پھر جس سے روایت کرتا ہی اُس سے اس کو ملنے اور حدیث سننے کا اتفاق بھی ہوا تھا یا نہیں پھر روایت
کے وقت دونوں کی عمر کیا تھی اس طرح ایک بات کی بال کی کھال نکالی جائے گی تو اس میں ایسا لوگ
کہا ہی کہ اختلاف نہ ہو تو جو اختلافات تحقیق ہوئے وہ بھی ان بزرگواروں نے بے کم و کاست ظاہر

کردیئے۔ اب ان ہی اختلافات کی وجہ سے حدیث بے اعتبار ہے۔ ایک مجسٹریٹ تھا اور اُس کو
گواہوں کی طرف سے تھی بے اعتباری جب کوئی گواہ اس کی روبرو پیش ہوتا وکیل خصم کی طرح
اس کے پیچھے پڑجاتا اور گواہ سے ایسے ایسے سوال کرتا کہ تم اس مکان میں گئے تو اس کی چھت پر
کڑیاں کتنی دیکھیں۔ تم کہتے ہو کہ یہ لوگ دری بچھائے جوا کھیل رہے تھے تو دری میں کس رنگ کی
کتنی دھاریاں تھیں زید کا منہ کس طرف کو تھا۔ دروازے میں سادہ کام دار کتنی جوتیاں تھیں سولھویں کتنی
ساڑھے سولھویں کتنی۔ بعض گواہ جو واقع میں سچے ہوتے کہتے کہ ہم نے اِن باتوں کا خیال نہیں کیا یا ہم کو یاد نہیں
یا جو جس کو یاد ہوتا بیان کرتا تو گواہوں میں ہوتا اختلاف مجسٹریٹ اس اختلاف کو رد شہادت کی
دلیل قرار دیتا حالآں کہ اس قسم کے اختلاف کو گواہوں کے صدق کی دلیل ہونا چاہیئے۔ قریب
قریب ایسا ہی حال ہے اختلاف احادیث کا۔ لوگ اختلاف سے گھبراتے ہیں اور میں بھی اختلاف
دیکھ کر حدیث کا گرویدہ ہوتا ہوں کہ نہ ہونا اختلاف کا دلالت کرتا ہے تصنع پر۔ تو مطلب یہ ہے کہ سائنس
کی تحری کو جو یقین کی سی وقعت دی جاتی ہے۔ یہ ایک عامۃ الورود غلطی ہے جس کی وجہ سے اسلام
کی بڑی حق تلفیاں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ اب مثلاً ابتدائے آفرینش کی بحث جو چھڑی ہوئی ہے
کہ پہلے اجزاے صغار دمیاطیسی (مجکو تو کم بخت نام بھی یاد نہیں کہ دمیاطیسی ہے یا دقیانوسی) رہے
ہوں گے پھر ان کے اجتماع سے پانی ہوا ہو گا پھر پانی کے تموج سے کف اور کفوں کے منجمد ہو جانے
سے زمین اور اجزاے ارضی کے اجتماعات خاص سے نباتات اور حیوانات اور از جملہ حیوانات بندر
اور بندر سے آدمی اور یہ انقلابات کہیں لاکھوں کروروں برسوں میں جا کر ہوئے ہوں گے یہ
ایسے منصوبے ہیں کہ میں تو ان کو تحری کہتے ہوئے بھی شرماتا ہوں۔ پھر اس بنیاد پر اس بنیاد ضعیف پر
جزئیتوں کی عمارت کھڑی کی جائے اس کا استحکام دیکھنے کے لائق ہے کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ
بَیْتًا وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ (جیسے مکڑی کہ اُس نے ایک گھر بنایا اور سب
گھروں سے زیادہ بودا مکڑی کا) ؎

مذہب ان کا سیر کے قابل	ذ کیجے ڈیرے کے قابل

ایک زمانہ پری ہسٹارک کہلاتا ہی یعنی تاریخ منضبط کرنے کا دستور تو بہت بعد کو چلا ہی۔ آدمی پر
کتنی صدیاں گزری ہیں بلکہ کتنے ہزار برس کہ کسی نے ان وقتوں کی تاریخ نہیں لکھی تو اس زمانے
کے حالات مرور دہور کی وجہ سے غیب بن جاتے ہیں جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔
لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ جب ہم پری ہسٹارک ایج (ضبط تاریخ کے پہلے کے زمانے) کا حال معلوم
نہیں کرسکتے تو ابتدائے آفرینش کے اسرار کیا ہم خاک معلوم کرسکیں گے۔ اہرام مصر کیسے کچھ عجیب
اور بلند امینار ہیں کہ ہزار ہا برس سے کھڑے ہیں اور آج تک ان کی ساخت سمجھ میں نہیں آئی
باوجودیکہ ان پر کتبے بھی ہیں مگر صفحۂ ہستی سے ان کے بنانے والے معدوم۔ پیغمبر صاحب کیسے نام و
نمود کے شخص ہو گزرے ہیں کہ آج چھبیس کرور آدمی ان کا کلمہ بھرتے ہیں ان کی ولادت میں اختلاف
عمر میں اختلاف وفات میں اختلاف اور ابتدائے آفرینش کے مقابلے میں یہ گویا کل کی بات ہی۔
عرب کے لوگوں کو انساب پر بڑا فخر تھا اور کسی قوم نے عرب کی طرح انساب کو محفوظ نہیں رکھا۔
اس پر پیغمبر صاحب عدنان تک اپنے نسب نامے کو صحیح فرماتے ہیں اُس سے اوپر مخدوش۔ جب
گزشتہ واقعات کے دریافت کرنے میں انسان عاجز ہی تو آیندہ کے واقعات کو اس کا علم کیوں کر
احاطہ کرسکتا ہی اور آیندہ کے واقعات بھی وہ واقعات جو اس کے مرے بعد واقع ہوں گے جیسے
قیامت کے حالات جنت اور دوزخ کی کیفیت۔ ثواب وعقاب کی نوعیت۔ بے شک انسان
کی قوتوں میں سے ایک قوت کیوری آسٹی (تفحص استعجاب) بھی ہی کہ وہ ہر ایک چیز کی کُنہ کو دریافت
کرنا چاہتا ہی اور یہی قوت ہی جو پرواز ترقی کے لیئے بال و پر کا حکم رکھتی ہی اگر یہ قوت نہ ہوتی تو انسان
بھی دوسرے جانوروں کی طرح فطری حالت سے ایک انچ بھی آگے نہ سرک سکتا قطعہ

مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد | آدمی زادہ ندارد خبر از عقل و تمیز
آں بناگاہ کسی گشت و بچیزے نرسید | ویں بتمکیں و فضیلت بگزشت از ہمہ چیز

لیکن مارل فلاسفی (علم اخلاق) کی کتابوں میں بجائے خود ثابت کر دکھایا گیا کہ انسان کی
کسی بھی قوت جب تک درجۂ اعتدال میں ہی فضیلت ہی اور درجۂ اعتدال سے گھٹی بڑھی اور رذیلت

عمل کا مبیع لوگ کیا باز آنے والے تھے شروع سے غیب کے پیچھے پڑے ہیں۔ نجوم اور رمل اور
جفر یا ہمارے زمانے کے مثلاً میڈیم لاجکل آبزرویشنز وغیرہ یہ سب کیا ہیں اسی غیب کی جستجو اور
تلاش ہی جس کو خدا فرما چکا کہ تمھارے بس کا نہیں سائنس کی شوخیاں تو اس حد کو پہنچیں کہ مینھ کے
برسنے کا وقت تو وقت لوگ خود مینھ کو اپنا تابع فرمان کرنا چاہتے تھے کہ جب چاہا اور جہاں چاہا اور جتنا
چاہا برسا لیا اس سے بڑھ کر یہ سنا کہ لوگوں نے مرغی کو انڈے سیتے دیکھ کر سمجھا کہ مرغی اس کے سوا
کرتی کیا ہی کہ ایک وقت خاص تک دن رات انڈوں کو دبائے بیٹھی رہتی ہی تو انھوں نے پہلے
اس حرارت کا اندازہ کیا جو مرغی کے جسم سے انڈوں کو پہنچتی ہی پھر چاہا کہ کسی تدبیر سے ویسی ہی حرارت
خارج سے انڈوں کو پہنچا کر چوزے پیدا کرلیں۔ بہتیرے جتن کیئے جس انڈے پر خارج سے عمل
ایصال حرارت کیا گندہ۔ مطلب یہ کہ نہ پانی برسا سکے اور نہ چوزے پیدا کر سکے مگر ہاں لوگوں پر یہ ظاہر
کردیا کہ انسان کے خبط کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں۔ ان سے کچھ تعجب نہ سمجھو کہ مرغی کے سیئے۔ بدون انڈوں
سے چوزے نکلوانے کی جگہ کوئی تجویز سوچیں کہ آپ ہی انڈے بھی دے لیا کریں تو مجکو سائنس کی
بے قدری کرنی منظور نہیں اور سائنس کی بے قدری کر نہیں سکتا۔ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ مگر ہاں
نوجوان انگریزی خوانوں کو یہ بات سمجھا دینی ضرور ہی کہ سائنس کی اس قدر وقعت نہ کریں جس کا
وہ مستحق نہیں اور یہ بھی نہ سمجھیں کہ ہر جگہ سائنس چل سکتا ہی

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن	کہ جا ہا سپر باید انداختن

مذہب میں اکثر باتیں ایسی پاؤ گے جو سائنس کی رسائی کی حد سے باہر ہیں۔ مذہب میں زیادہ تر
ایسے حالات ہیں جو انسان کو بعد مرگ پیش آئیں گے۔ مذہب ان مستقبلات کی پیشین گوئی کرتا ہی
جو قیامت کے وقت یا اس سے کچھ پہلے اشراط الساعہ کے طور پر آئندہ واقع ہوں گے مذہب
خدا کے صفات کے متعلق کچھ عقیدے تعلیم کرتا ہی اور یہ سب معاملات ایسے ہیں کہ عقل کی
عینک سے ہم کو دکھائی دیتے ہیں مگر اس قدر دھندلے کہ دیکھے نہ دیکھے برابر۔ ہم اپنی فطرت کی
رو سے اتنا تو بے دلیل جانتے ہیں کہ ہم کو مرے پیچھے ایک طرح کی ہستی ہوگی مگر کیسی کم ہوگی۔ اور

اور کیسی ہوگی یہاں عقل کچھ کام نہیں کرتی اور یہی توجہ داعی ہوئی ہی کہ مذہب ہو اور نور وحی ہم کو
اس ورطۂ حیرت سے نکالے۔ اب جو کچھ ہم کو خدا نے بتایا اس میں چون وچرا کرنا یا اُس سے زیادہ
کا حوصلہ کرنا ہی کرپڑی ہی۔ اور سائنس اس طرح کی غذا ہی کہ کرپڑی کی غلط فاسد کی طرف کو جلد
مستحیل ہو جاتی ہی۔ سائنس سے ثبوت دیکھئے دیکھئے ان لوگوں کا بنٹ آف مائنڈ (رجحان طبع)
اس طرح کا ہو جاتا ہی کہ بدون اس قسم کے ثبوتوں کے ان کو تسلی نہیں ہوتی۔ اور یہ تو نہ آج تک کوئی
کر سکا ہی اور نہ کر سکتا ہی اور نہ آیندہ کوئی کر سکے گا۔ یہ اسی قبیل کا سوال ہی جو یہود نے موسیٰ سے کیا تھا
اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (ہمیں خدا کو سامنے لاکر دکھاؤ) لیکن موسیٰ یہود کو کیا خدا کا دیدار دکھاتے جب ان کا
اپنا وہ حال ہو گیا تھا جس کا بیان سورۂ اعراف میں ہی وَلَمَّا جَاءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ
قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي
فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَ
أَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ (اور جب ہمارے وعدے پر آ حاضر ہوئے اور خدا نے ان سے باتیں کیں تو
موسیٰ نے عرض کیا ای خدا اتنی اجازت دے کہ میں تجکو ایک نظر دیکھ لوں خدا نے فرمایا تم مجکو
نہیں دیکھ سکو گے مگر ہاں سامنے کے پہاڑ پر نظر کرو کہ اس پر میں جلوہ گر ہوں گا اگر پہاڑ اپنی جگہ جما رہا تو
عجب نہیں تم مجکو دیکھ سکو۔ پھر جب خدا پہاڑ پر جلوہ فرما ہوا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ غش کھا کر
گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو بول اُٹھے کہ تو قید جسمانیت سے پاک ہی اور میں تیری جناب میں توبہ کرتا
ہوں اور سب سے پہلے تجہیر ایمان لایا) نہ میں اپنی طرف سے مذہب کے بارے میں تحقیقات کو
نہیں بلکہ کرپڑی کو منع کرتا ہوں قرآن میں اس کی سخت ممانعت ہی ایک جگہ فرماتے ہیں هُوَ الَّذِي
أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ
فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا
اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (ای پیغمبر
خدا وہ ذات پاک ہی جس نے تم پر قرآن اُتارا اس میں بعض آیتیں تو صاف ہیں اور وہی اصل کتاب

ہیں اور دوسرے مشتبہ ہیں۔ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فساد کی تلاش اور تاویل کی جستجو
کے لیے مشتبہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں حالاں کہ ان کی تاویل خدا کے سوا کسی کو
معلوم نہیں اور جن لوگوں کی معلومات غائر یعنی گہری ہے وہ بول اٹھتے ہیں ہمارا اس پر ایمان ہے
یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کے یہاں سے اترا ہے اور خردمند لوگ ہی نصیحت مانتے ہیں) بات یہ ہے کہ
مذہب اصل مذہب تو محتاج کاوش و تخیل ہے نہیں یہ سب خدع نفس ہے کہ لوگ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات
کی ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس کمال دینداری یہی ہے۔ جیسے کوئی بڑا شاطر
گھر میں بیٹھا بیٹھا شطرنج کے مشکل مشکل نقشے حل کیا کرے اور جانے کہ میں بڑا جنرل ہوں۔
دین اور دین سے میری مراد ہے اسلام اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ چند خیالات ہیں فطری
ان کو نہ بہت ساری عقل درکار ہے اور نہ بڑی معلومات کی ضرورت ہے۔ مولانا ے روم فرماتے ہیں

گر باستدلال کار دیں بدے	فخر رازی راز دار دیں بدے

اور حدیث شریف میں پیغمبر صاحب نے دین العجائز و الکتاب کی مدح فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ دین داروں کی نظر میں استدلال کی کیا وقعت ہے انسان عقل رکھتا ہے تو استدلال اس کا خاصہ
طبیعی ہے مگر میرا مطلب یہ ہے کہ اس خاصے کو حد سے زیادہ کلٹیویٹ (تختۂ مشق) نہ کیا جائے نہ کہ
آپ ہی آپ شکوک پیدا کرنا جن کی طرف معمولی ذہن خواب و خیال میں بھی منتقل نہیں ہوتے
اور آپ ہی ان کے جواب دینا۔ اور پھر جواب کا مرتبہ تاویل کا مرتبہ ہے اور بسا اوقات تاویل
سے پوری تسکین نہیں بھی ہوتی اور شبہے کا کچھ نہ کچھ اثر طبیعت میں رہ ہی جاتا ہے اور جب بار بار
اور کثرت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں تو شک کو ترقی ہوتے ہوتے آدمی صاف و صریح
باتوں میں بھی بے اصل شبہات کرنے لگتا ہے یہ وہ خطرناک حالت جس کو بے دینی اور لامذہبی
کی تمہید کہنا چاہیے اور جس سے متنبہ کرنا میرا مقصود ہے فَکُوْنُوْا عَلٰی حَذَرٍ۔ وہ شیطان اور فرشتوں کا
جھگڑا جس کا بیان قرآن میں ہے تمثیل ہی سہی مگر اس سے جو بڑے کام کی بات مستنبط کی جاتی ہے
ہے کہ اسی استدلال اسی کرتب بازی اسی کٹ حجتی کی وجہ سے شیطان راندہ جا چکا ہے اس کو حکم دیا گیا کہ آدم کو

سجدہ کرے اور وہ لگا بحث کرنے اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ علم جس کے
ہے جو کوئی فضیلت نہیں باقی کرتی ہی کے رنگ میں آکر ایسی منقصت بن جاتا ہی جس سے [illegible]
رذیلت نہیں اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اَکْبَرُ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحاب کو
بڑی سختی اور تاکید کے ساتھ ایسی باتوں سے روکتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ کچھ
صحابی صفہ میں بیٹھے ہوئے قضا و قدر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اتنے میں حضرت برآمد
ہوئے اور یہ معلوم کر کے کہ قضا و قدر میں بحث ہو رہی ہی سخت ناخوشی ظاہر فرمائی کہ کیا میں ایسے
ہی جھگڑے تمھارے لیئے لے کر آیا ہوں ایسی ہی باتوں میں پڑکر تم سے پہلے بہت سی اُمتیں ہلاک
ہو چکی ہیں تم بھی لگے ان ہی کی سی ریس کرنے خبردار جو آگے کبھی میں کسی کو ایسا کرتے دیکھا ہو گا۔
ایک ایمان وہ تھے کہ پیغمبر نے کہا رات ہم ساتوں آسمان کی سیر کر آئے ان کی اس بات کا ایسا
یقین کر لیا کہ اُلٹا کر یہ بھی تو نہ پوچھا کہ کیوں کر گئے اور کس طرح پر آئے اور جو کسی نے دریافت کیا کہ
تم کو کیوں کر یقین آگیا ہو گا تو کیسے کھلے دل سے کہتے ہیں پیغمبر کے فرمانے سے ایک ایمان وہ تھے
کہ کسی نے کلیلہ و دمنہ کی سی حکایت بیان کرتے کرتے بھیڑیوں اور بکریوں کی کچھ گفتگو نقل کی
نیچریوں کی بھی بڑی پرانی کھوپریاں ہیں مستمعین میں کوئی نیچری طبیعت کا بھی آدمی رہا ہو گا اس نے
تعجب سا کیا تو پیغمبر صاحب نے فرمایا خدا کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں میرا تو یہی عقیدہ ہی اور
ایسا ہی عقیدہ ابوبکر اور عمر کا بھی ہی۔ اور ایک ایمان یہ ہیں کہ گزشتہ اور موجودہ واقعات بھی نہیں۔
واقعات مستقبل یعنے عاقبت کے متعلق خلاف عادت ذری سی کوئی بات سن پائیں تو مارے
اعتراضوں کے اُلّو کر دیں۔ پچھلی گرمیوں میں جو سید احمد خاں کے ساتھ پنجاب جانے کا اتفاق ہوا
تو [illegible] کو ایک دن کے لیئے جالندھر میں مقام تھا۔ ایک بنگلہ ہم لوگوں کے لیئے خالی کرا لیا گیا
تھا اس میں ہم سب لوگوں کے سینگ نہ سماتے تو میں اور مولوی ذکاء اللہ پاس کے پاس ایک
دوسرے بنگلے میں جا پڑے جس میں صاحب مکان بھی رہتے تھے اور وہ تھے عیسائی۔ اور
عیسائی میں بھی پادری اور ہم کو ایسا ویسا مسلمان۔ اپنے یہاں ٹھہرنے بھی کیوں دینے لگا تھا۔

صاحب خانہ کو تو یہ معلوم تھا کہ ہم لوگ سید احمد خاں کے ساتھ ہیں تو یہ بھی ضرور جانا ہوگا کہ نیچری ہیں اور نیچری ہیں تو آدھے کرسٹان بھی ہوں گے رات کے وقت مجھسے باتیں ہونے لگیں تو اُنھوں نے اسلام پر وہی معمولی بودے بُھسپُھسے اعتراض کرنے شروع کیے جو عیسائی کیا کرتے ہیں ازاں جملہ اُنھوں نے بہشت کا بھی تذکرہ کیا کہ مسلمانوں کی کیسی لغو اور بیہودہ بہشت ہی خدا کے تقدس کے بالکل خلاف۔ میں نے تو چلتا ہوا سا یہ جواب دے دیا تھا کہ دنیا ہی کے پیدا کرنے سے خدا کے تقدس میں کون سا فرق آگیا ہی کہ بہشت کی وجہ سے آجائے گا۔

مضمون میں نے ایسا وسیع اختیار کیا ہی کہ میں اس پر بہت کچھ لکھ سکتا ہوں اور مجکو بہت کچھ کہنا چاہیئے بھی۔ مگر وقت وسیع نہیں اور لوگ مذہبی باتوں سے جلد ملول بھی ہو جاتے ہیں میں نے اس قسم کے خیالات میں ایک ناول لکھا ہی اور اُس کا نام ہی رویائے صادقہ وہ پبلک کے روبرو پیش ہوگا۔ اور لوگ آپ اپنی جگہ فیصلہ کرلیں گے کہ میرے مذہبی خیالات درست ہیں یا نادرست۔ طبیعت میری بھی نیچریوں ہی کی سی واقع ہوئی ہی۔ اتنا فرق ہی کہ نیچری حتی الوسع سائنس کی طرفداری کرتے ہیں اور میں حتی الوسع اسلام کی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

اکیسواں لکچر

یہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے دسویں سالانہ جلسے میں ۱۸۹۴ء میں دیا گیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

یہ گولڈن رول یعنی قاعدۂ کلیہ جو آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہی آپ صاحبوں نے سُنا تو ہوگا

مگر دیکھنا یہ ہے اس موقع پر اُس کو کیوں کر عمل میں لایا جائے۔ مکان تو انجمن حمایت اسلام کا مکان ہے۔ اور وقت اُس کا سالانہ جلسہ ہے تو جو کچھ کہا جائے ضرور ہے کہ اس مکان اور اس وقت کے مناسب ہو۔ یعنی ہر ایک بات سے اسلام کی حمایت نکلے لیکن اسلام کی حمایت کے پیرائے ہیں مختلف۔ ایک وقت تھا کہ لوگ اسلام کے نام کو صفحۂ روزگار سے نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔[1] اُس وقت اسلام کو فوجی قوت کی ضرورت تھی اور اسلام کی حمایت اسی میں منحصر تھی کہ فوجی طاقت سے اُس کی تائید کی جائے چنانچہ ایسا ہی حکم بھی تھا وَاَعِدُّوْا لَہُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْہِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ لَا تَعْلَمُوْنَہُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُہُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔[2]

ابھی دو منٹ لکچر دیتے ہوئے نہیں گزرے کہ میں لگا عربی بگھارنے۔ یہ وقت مجکو ہر جگہ اور ہمیشہ پیش آتی ہے۔ کیا کیا جائے کہ یہی ٹوٹی پھوٹی عربی تو اپنی ساری عمر کا سرمایہ ٹھیری اور لکچر دینے پڑتے ہیں اسلام پر مسلمانوں کی تعلیم پر مسلمانوں کی انجمنوں پر۔ تو چار و ناچار قرآن و حدیث سے استشہاد کرنا ہوتا ہے اتنا وقت نہیں ملتا کہ پہلے عربی پڑھوں پھر اُس کا ترجمہ کروں۔

اِس پر مجکو اسد اللہ خاں غالب یاد آئے۔ کہ وہ بڑے مشہور گو شاعر تھے۔ وہ ابتدا میں فارسی کہا کرتے تھے بلکہ فارسی بھی نہیں پارسی اور پارسی بھی ناآمیختہ بتازی اس پر انوکھے استعارات اچھوتی تشبیہات لفظی تعقیدات تو ان کا کلام مشکل ہوا ہی چاہے۔ کوئی شخص کہتا تھا کہ ایک مرتبہ اُن ہی کے شعر کے اُن سے معنی پوچھے تو کچھ دیر تامل کرنے کے بعد فرمایا بھئی اِس وقت تو کچھ سمجھ میں

[1] کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا ہی کر کے رہے گا۔ اس میں کافروں کو برا لگے تو لگے۔

[2] اور کافروں کے مقابلے کے لیے جہاں تک تم سے بن پڑے زور بہم پہنچاؤ اور گھوڑے باندھو کہ ایسا کرو گے تو دشمنانِ خدا اور تمھارے دشمن اور اِن کے سوائے دوسرے مخالف جن کو تم نہیں جانتے اللہ خوب جانتا ہے تم سے ڈریں گے اور جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے قیامت کے دن تم کو پورا پورا بھر دیا جائے گا اور کسی طرح تمھاری حق تلفی نہ ہوگی۔

نہیں آتا کہ کیا کہا تھا۔ ان کو اپنی فارسی پر بڑا ناز تھا۔ اور ریختہ گوئی کو مبتذل اور دون مرتبہ سمجھتے
تھے چنانچہ ایک ریختہ گو معاصر کی طرف اشارہ کرکے ایک قصیدے میں تعریضاً فرماتے ہیں ع

آنچہ فخر تست در گفتار آں ننگ من ست

لیکن انگریزی عملداری کی وجہ سے جو انقلاب عظیم واقع ہونے والا تھا اُس کی صبح نمودار ہو چکی تھی
اور زمانہ کہہ رہا تھا کہ مرزا صاحب اس بساط کو تہ کیجئے کہ زبان فارسی نہ تو ہندوستان کی ملکی زبان
ہے اور نہ اس میں علوم ہیں۔ کیوں آپ اس کے پیچھے اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اگلے لوگ
کچھ مستقل مزاج بھی زیادہ ہوتے تھے مرزا صاحب مدتوں تک اسی فارسی کو پکڑے رہے۔ مگر زمانے
کے ساتھ کسی کی ضد کیا چلے خاص کر شاعری تو پیٹ بھرے کے مشغلے ہیں۔ اُس وقت جیسا کچھ
شاہی دربار تھا وہاں ریختے ہی کی قدر تھی۔ ناچار مرزا صاحب نے بھی بادل ناخواستہ ریختے کا
مونھ چڑانا شروع کیا۔ میں صرف نمونے کے طور پر اُن کے اس وقت کے چند شعر پڑھتا ہوں اشعار

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے	دعوئ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل	یک جہاں زانو تأمل در قفائے خندہ ہے
کلفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابی حرام	ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

ایک اور۔ تاکہ یہ خیال نہ ہو کہ میں قصداً اتفاقی بندشوں کو چھانٹ کر لایا ہوں ؎

لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا	زیارت کدہ ہوں دلِ آزردگاں کا
ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی	میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

مرزا صاحب کی شاعری اس بات کا نمونہ ہے کہ زمانہ کیوں کر اپنی جنتری میں سے لوگوں کو نکالتا ہے
وہ مرزا جو ریختہ گوئی کو ننگ سمجھتے تھے آخر آخر اپنی اُردوئے معلّٰی پر فخر کیا کرتے تھے مرزا کے مونھ سے
اُردو کے ساتھ معلّٰی کا لفظ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِی الْاَبْصَار۔ خیر تو جن دنوں اُن کی مشکل گوئی کی مشق زوروں پر تھی۔
اُس کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل	سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش	گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

قریب قریب ایسا ہی حال میرا ہی۔ لکھ دوں گا تو عربی ضرور ہو گی سمجھو یا نہ سمجھو۔ مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ بھئی عربی پڑھو تو وہ اُلٹا بُرا مانتے ہیں۔ کیوں جی آج کسی ادنیٰ درجے کے حاکم کا سمن آتا ہی یا کوئی ادنیٰ درجے کا حاکم کسی کے مقدمے میں فیصلہ صادر کرتا ہی تو کوئی تم میں ایسا بے پرواہی کہ پڑھنا جانتا ہو اور اُس کو نہ پڑھے یا پڑھنا نہ جانتا ہو اور اُس کو پڑھوا کر نہ سُنے۔ اور سمن اور فیصلے کو بھی چولھے میں ڈالو۔ کبھی تار آجاتا ہی تو اُس کے پڑھنے اور پڑھوانے تک گھر کے سارے کام بند ہو جاتے ہیں۔ ایک پیسے کے کارڈ کی بھی کچھ حقیقت ہی بے پڑھے نہیں رہا جاتا۔ لیکن قرآن احکم الحاکمین کا فرمان تیرہ سو برس کا آیا ہوا رکھا ہی اب اپنی اپنی جگہ سمجھ لو۔ کس کس نے پڑھا اور کس کس نے پڑھوا کر سُنا اور اس پر اسلام کے لمبے چوڑے دعوے اور بڑے جوش و خروش۔ اور اگر کسی مسلمان بھائی کا دل جلے ع

دل ہی تو ہی نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

اور وہ تم کو سختی سے عربی کے پڑھنے کو کہے تو تم اُس کا مونھ کھسوٹنے کو موجود ہو جاؤ۔

تم ہندو کیا خوش ہوئے۔ آخر ہو تو اسی ہندوستان کے مسلمانوں نے عربی کی قدر جانی تو تم نے سنسکرت کی۔ اور افسوس ہی کہ دونوں زبانیں کلاسیکل (اُمّ الالسنہ) تھیں اور کلاسیکل ہونے کے علاوہ غضب یہ ہی کہ مذہبی۔ اب حال یہ ہی کہ سنسکرت کے لیئے جرمن جاؤ اور عربی کے لیئے فرانس اس سے بڑھ کر بے عزتی اور مصیبت کی کوئی اور بات بھی ہو سکتی ہی۔ نتیجہ کیا ہی کہ ہندو اپنے وید سے بالکل بے خبر ہیں اور یہی حال مسلمانوں کا ہونے والا ہی کہ اگر عربی کی طرف سے یہی غفلت رہی تو اَلْحَمْدُ اور اَلْحَمَدُ پر لڑا کریں گے اور کوئی اتنا کہنے والا نہ ہو گا کہ صحیح لفظ اَلْحَمْدُ ہی۔ تم بوڑھے طوطے تو اب کیا پڑھ سکتے ہو لیکن اپنی نسلوں کو کیوں برباد کر رہے ہو۔ اچھا بھائیو جو تمھاری سمجھ میں آئے سو کرو۔ اپنا کام تو کہہ دینا ہی وہ بھی اِس سبب سے کہ بُلا بُلا کر کہلواتے ہو۔ تمھارے سبب سے میں تو اپنی وضع کو چھوڑنے والا نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایک وقت تھا کہ لوگ اسلام کے نام کو صفحۂ روزگار سے

نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے اُس وقت اسلام کو فوجی قوت کی ضرورت تھی اور اسلام کی حمایت اسی پر منحصر تھی کہ فوجی طاقت سے اُس کی تائید کی جائے چنانچہ ایسا ہی حکم بھی تھا۔ وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ۔ میں اس آیت کے جزو اخیر کی طرف آپ صاحبوں کی توجہ کو زیادہ تر مصروف کرنا چاہتا ہوں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ اُس وقت جہاد ہی سبیل اللہ تھا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے یہی ایک معنی تھے کہ جس کو جتنا مقدور ہو ساز و سامان حرب کے بہم پہنچانے میں خرچ کرے ہتیار خریدے اونٹ گھوڑے مول لے جو مسلمان بھائی آپ جہاد کی طیاری نہیں کر سکتے اُن کے لیئے ضرورت کی چیزیں مہیا کر دے۔ چنانچہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فدک وغیرہ سے جو کچھ آپ کی ذاتی آمدنی ہوتی وہ اور جو کچھ مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات کا وصول ہوتا وہ سب اسی تجہیز جیش کی مد میں صرف فرما دیا کرتے تھے زکوٰۃ اور صدقات کا وصول ہوتا سن کر یہ خیال نہ کر لینا کہ پیغمبر صاحب ان رقموں میں سے کچھ اپنے خرچ میں لاتے ہوں گے۔ حاشا و کلا۔ ان کو آپ فرماتے تھے لوگوں کے مال کا میل۔ اور زکوٰۃ و صدقات نہ صرف اپنے اور اپنی نسل کے لیئے حرام قطعی کر رکھا تھا بلکہ تمام بنی ہاشم یعنے اپنے جدی قرابت مندوں کے لیئے بھی زکوٰۃ و صدقات کے مصرف معین تھے[۱] إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ وہ پکارے کہتے تھے لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا میں خدا کا حکم پہنچا دینے کے صلے میں تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں، تو کیوں کر

---

[۱] صدقات تو بس فقیروں اور محتاجوں کے لیئے ہیں اور ان لوگوں کے لیئے جو صدقات کی تحصیل وصول پر مامور ہوں اور اُن لوگوں کے لیئے جن کے مانوس کرنے کو مد خرچ دیا جائے اُن کے علاوہ صدقات کو خرچ کیا جائے۔ غلاموں کے آزاد کرانے میں لوگوں کا قرض چکانے میں اور اللہ کے رستے یعنی جہاد میں اور مسافروں کی امداد میں۔ مصرف اللہ کے ٹھیرائے ہوئے ہیں اور اللہ سب کے حال سے واقف اور تدبیر والا ہی ۱۲۔

ہوسکتا تھا کہ زکوۃ وصدقات کو اپنی معاش کا ذریعہ قرار دیتے۔ یہی زکوۃ وصدقات ہیں یہی لوگوں کے
مالوں کے مَیل ہیں جن کو علماء اور مشائخ کے مذھبی گروہ نے اپنی وجہ معاش ٹھیرا رکھا ہی۔ پیغمبر صاحب کا
اس دروازے کو اپنے اور اپنی نسل اور اپنے قرابت مندان جدی پر نہایت مضبوطی کے ساتھ ہمیشہ
ہمیشہ کے لیئے بند کردینا کچھ تھوڑی بات نہیں۔ اس میں ہم کو پیغمبر صاحب کی صداقت اور راستبازی
اور دیانت کی بڑی عمدہ اور مستحکم دلیل ملتی اور بے چون وچرا تسلیم کرنا پڑتا ہی کہ دعویٰ رسالت کرنے
میں اُن کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی۔ بہرکیف زکوۃ وصدقات میں سے تو پیغمبر صاحب کبھی ایک کوڑی
ایک حبہ اپنے صرف میں نہیں لائے۔ اپنی ذاتی آمدنی میں سے بھی صرف ضرورت کی قدر گھر کا
خرچ نکال لیا کرتے تھے۔ سو کتنا خرچ۔ برس بھر کا غلہ جو زمین میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ بھی اس جزرسی
کے ساتھ کہ اُمہات المومنین ہمیشہ عسرت کی شاکی رہا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک بار اسی بات پر
ناخوش ہوکر ان لوگوں میں رہنے کی قسم کھالی تھی جس کو اصطلاح شرع میں ایلا کہتے ہیں اور اسی تقریب
میں وہ آیت اُتری تھی عَسٰی رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ
قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْکَارًا[۱]۔ ایلا بھی ایک قسم کا ترک ہی مگر ترک موقت۔
مطلب یہ ہی کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو ایسا ضروری سمجھتے تھے کہ گھر میں تنگی ہو گھر والے لڑیں۔
جھگڑیں کچھ پروا کی بات نہیں خدا کا کام کسی طرح اٹکا نہ رہے۔ پیغمبر صاحب کے غزوات میں اخیر غزوہ
تبوک کا تھا۔ تبوک ملک شام کا ایک شہر تھا جس پر پیغمبر صاحب چڑھ کر گئے تھے۔ لڑائیاں دو قسم کی
ہوتی ہیں۔ ڈِفِنسِو کہ دشمن چڑھ کر آئے اور اُس کو مار کر ہٹا دیا جائے۔ دوسری آفنسو کہ ہم کسی پر
چڑھ کر جائیں۔ غزوہ تبوک ظاہر میں آفنسو معلوم ہوتا ہی مگر نہیں وہ بھی پیغمبر صاحب کے تمام غزوات
کی طرح ڈفنسو تھا۔ ملک شام میں بادشاہ روم کی عملداری تھی اور وہ تھا عیسائی۔ دشمنوں نے وہاں

[۱] پیغمبر کی گھر والیو اس کو کچھ دور نہ سمجھنا کہ اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو تمھارے بدلے میں خدا ان کو تم سے بہتر
بیبیاں عنایت کرے۔ مسلمان ایمان والیاں۔ حکم بردار خدا کی جناب میں توبہ کرنے والیاں اُس کی عبادت کرنے
والیاں۔ روزے رکھنے والیاں دوہاجنیں اور کنواریاں ۱۲۔

یہ مشہور کر دیا تھا کہ پیغمبر صاحب نے تو انتقال فرمایا اور ملک عرب میں قحط پڑ رہا ہے اس سے بادشاہ
روم کو حوصلہ پیدا ہوا اور اُس نے عرب کی طرف اپنا لشکر روانہ کرنا چاہا پیغمبر صاحب کو اس کی خبر
لگی تو آپ نے مناسب سمجھا کہ ہم ہی سبقت کریں تو اُس کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہو۔ اُن دنوں سخت
گرمی پڑ رہی تھی اور مدینے کے نخلستان کہ یہی اُن لوگوں کی معاش تھی پکتے ہوئے طیار تھے۔
بے سامانی اس درجے کی کہ سواری کیسی ہیں نہیں سپاہیوں میں اور سپاہی کون یہی صحابہ بار برداری
کا مشکل سے ایک اونٹ۔ رسد کا پتہ نہیں۔ درختوں کے پتے کھا کھا کر رہ جاتے۔ مگر ہمتیں ایسی قوی
تھیں کہ فوج روم پر چڑھ کر گئے تھے جس سے بہتر آراستہ اور باسامان فوج اُس وقت روئے
زمین پر کسی کی نہ تھی۔ کیوں جی ذرا انصاف کرو اگر ہم ہی جیسے مسلمان اُن وقتوں کے بھی ہوتے تو
آج شاید اسلام کا کوئی نام بھی نہ سُنتا۔ یہ اُن ہی مسلمانوں کا طفیل ہے کہ خدا کے فضل سے آج تیس
اکتیس کروڑ آدمی روئے زمین پر اسلام کا کلمہ بھرتے ہیں۔ کیا اُن بزرگوں کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہم ادب
اور احسان مندی سے اُن کا ذکر خیر کریں۔ شاید اٹاوے کا اٹاوہ شریف کا مذکور ہی اور ۱۸۵۷ء کے
غدر سے پہلے کا۔ میں نے اٹاوے کو شریف اس وجہ سے کہا کہ محب الاسلام محسن القوم نواب محسن الملک
بہادر کا وطن ہے جن کو میں آڈینس (حاضرین) میں دیکھ کر مارے خوشی کے جامے میں نہیں سماتا۔
اٹاوے کو میں نے اٹاوہ شریف کہا تو سہی مگر بعد کو خیال آیا کہ ایک بار دلّی میں فتویٰ نکلا تھا۔
کہ اجمیر اور کچھوچھہ اور تونسہ کو شریف کہنا درست بھی ہے یا نہیں ایک شخص نے مجھ سے بھی یہ مسئلہ
پوچھا میں تو اُس کو یہ جواب دے دیا تھا کہ اگر مزاج شریف کہنے میں شرعاً مضائقہ ہو سکتا ہے تو
بے شک اجمیر شریف میں تامل ہے بہرکیف شاید اٹاوہ شریف کا مذکور ہی اور ۱۸۵۷ء کے غدر سے
پہلے کا کہ وہاں شیعہ سُنی مدتوں سے اس طرح ملے جلے ہوئے ہیں جیسے کھچڑی میں دال چاول۔
ایک ہی گھر میں میاں سُنی بی بی شیعہ۔ ایک باپ کے چار بیٹے دو شیعے دو سُنی بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا
کہ اٹاوے کا ایک ہی شخص ایک وقت شیعہ ایک وقت سنی۔ یہ ہمارے نواب محسن الملک بہادر ہی پہلے شیعہ تھے
پھر سُنی ہوئے اور اب شیعہ سُنی دونوں سے بڑھ کر نیچری (اس کے بعد لکچرار نے اپنے ایک [illegible]

چار انگلیاں پھیلا کر لوگوں سے کہا کہ یہ ویسی انگلیاں نہیں ہیں ایک ستھیا کسی اندھے کی آنکھیں
بنا کر پوچھا کرتا ہے کہ بتاؤ کے انگلیاں ہیں میری یہ انگلیاں مذہبی نردبان ہیں۔ سب سے نیچے کی انگلی
بنصر مطلق مذہب ہے۔ اس سے اوپر کی خنصر مذہب اسلام اس سے اوپر کی وسطیٰ وہابیت اور سبابہ جو
سب سے اوپر ہے وہ نیچریت کی جگہ کو دکھاتی ہے۔ یعنی پہلے آدمی مطلق مذہب کا خیال کرتا ہے پھر مذہبی
خیال میں ترقی کرتا ہے تو اسلام میں آتا۔ پھر اسلام میں ترقی کرتا ہے تو وہ اس طرح کے عقائد بہم پہنچاتا ہے جن کو لوگ
(نعوذاً جل کر) وہابی کہتے ہیں۔ پھر وہابیت میں ترقی کرتا ہے تو آخرکار نیچری ہوتا ہے اس کے بعد
دخل الجنت کا مرتبہ ہے۔ مگر نیچریت سے وہ نیچریت مراد ہے جو اسلام اور دین حق کی مرادف ہے اور جس کی
صراحت میں تھوڑی دیر بعد کروں گا۔ اور میں نواب محسن الملک کو اسی طرح کا نیچری خیال کرتا ہوں
اور اسی سے ان کی عظمت میرے ذہن میں ہے خیر تو آمادہ شریف میں شیعے سنی ملکوں سے اس طرح
ملے جلے ہوئے ہیں جیسے کھچڑی میں دال چاول۔ ایک ہی گھر میں میاں سنی بی بی شیعہ۔
ایک باپ کے چار بیٹے دو شیعے دو سنی۔ شیعوں کی مجالس میں سنی شریک۔ سنیوں کی
مذہبی تقریبات میں شیعے موجود ایسے اختلافات ہوں تو مسلمانوں میں بہتر نہیں بہتر ہزار فرقے صبح بہتر
ہزار فرقے شام چشم ما روشن دل ما شاد۔ یہاں تو بڑی مصیبت ہے کہ تل برابر مذہبی اختلاف ہوا
اور ایک دوسرے کی آبرو کا دولت کا جان کا لاگو بنا۔ اور جب تک ہندوستانیوں کا یہ حال ہے
ہندو ہوں یا مسلمان عیسائی ہوں یا برہمو یا آریے کوئی بھی ہوں اور کسی شان میں بھی ہوں

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش	کہ من آن قد رعنا می شناسم

جب تک ہندوستانیوں کا یہ حال ہے اور جب تک مذہب کے پنجۂ آہنی میں یہ لوگ موم کی
ناک ہیں جدھر کو چاہا پھیر دیا ان میں سے کسی ایک کو نہ فلاح ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ انگریزی نہیں
تم خود انگریز بھی بن جاؤ۔ تاہم جیسے بدنصیب اب ہو ویسے ہی بدنصیب انگریزی پڑھ کر انہیں
(انگریز بن کر) بھی رہو گے ○

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل	کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اِن اٹاوے کے سُنی شیعوں کا سا اختلاف رکھ گئے کہ عقائد مختلف اور پھر ایک سے ایک تو مبارک
تم مبارک تمھارے اختلاف خیر تو اٹاوے کے سُنی شیعے آپس میں ملے جلے رہتے تھے کبھی کسی
نے یہ بھی نہ جانا کہ اِن کے دو مذہب ہیں۔ بدنصیبی سے کہ یہ بلا مدتوں سے مسلمانوں کے سر پر
سوار ہی کوئی ڈپٹی صاحب اس شہر میں بدل کر آئے اور وہ تھے شیعہ اور شیعہ بھی متعصب۔ ڈپٹی
صاحب کو بدلے ہوئے تھوڑی ہی مدت ہوئی تھی کہ وہ جو کہتے ہیں کوڑھ میں کھاج محرم آ پہنچا
انھوں نے دُلدل نکالنا چاہا جو کبھی نہیں نکلا تھا جنگلی بجوانی چاہی جو کبھی نہیں بجی تھی۔ بھوسا اُڑوانا
چاہا جو کبھی نہیں اُڑا تھا مجالس میں علی الاعلان تبرا کرانا چاہا جو کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ تدبیریں ابھی
چُپکے چُپکے ہو رہی ہیں حکام انگریزی کو کچھ خبر نہیں۔ اور نہ اچھی طرح سنیوں ہی کو معلوم۔ مگر ہاں چند
ناعاقبت اندیش نوجوان شیعے زیادہ تر ڈپٹی صاحب کی خوشامد اور کسی قدر مذہبی خیال سے
سے بھی ڈپٹی صاحب کے ساتھ ہیں اور منصوبوں کی کھچڑیاں پک رہی ہیں۔ اور اس طرح کے
ہنگاموں کا کچھ دستور بھی ہو کہ اِن کی ابتدا ایسے ہی بدعقل لوگوں کی طرف سے ہوا کرتی ہو۔ چنانچہ بمبئی
کے ہندو مسلمانوں میں جو فساد حال میں ہوا تھا اُس کے بارے میں گورنر لارڈ ڈھیرس نے
یہی رائے قائم کی تھی۔ اور لارڈ ڈھیرس اس رائے میں منفرد نہ تھے ہر جگہ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوا
کرتا ہو۔ کہ جو لوگ فرضوں کی پروا نہیں کرتے نفلوں کے لیئے لڑنے مرنے پر طیار ہو جاتے ہیں۔
ابھی چند روز کی بات ہو۔ ہماری دلّی میں آمین پر مقلدوں اور غیر مقلدوں میں خوب سر پھٹول ہوئی۔
لوگوں پر جرمانے ہوئے مچلکے لیئے گئے اور مقدمات شاید لاہور تک آئے۔ اور میں نے سُنا
ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے بھول کر بھی خدا کو سجدہ نہیں کیا۔ اسی طرح ایک
شخص رمضان میں روزے تو رکھتا نہ تھا مگر سحری اور افطاری کا بڑا اہتمام کرتا۔ کسی نے کہا کہ تم کو
سحری اور افطاری کی کیا ضرورت ہو تو کہتے کیا ہیں۔ واہ روزے نہیں رکھتے تو کیا سحری و افطاری
بھی نہ کریں نرے کافر ہی ہو جائیں۔ غرض ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں بات کچھ بھی نہیں ہوتی
لوگ نادانی سے اُس کا بتنگڑ بنا لیا کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ہنگاموں کی کون کہے ۱۸۵۷ء

بڑے ہنگامے کا سمان میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ بازاری خلقت نے اُس آگ کو سُلگایا اور آخر کار ایسی بھڑکی کہ ہزاروں ناکردہ گناہ خاندان کے خاندان اُس کی لپیٹ میں آگئے۔ ایسا ہی ایک واقعہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد میں بھی ہوا تھا کہ فتح مکّہ کے چند روز بعد حُنین کی لڑائی ہوئی اُس میں مالِ غنیمت بہت کثرت سے آیا تھا اور جیسا کثرت سے آیا تھا ویسا ہی پیغمبر صاحب نے خوب جی کھول کر لوگوں کو دیا بھی تھا۔ مکہ تھوڑے دن ہوئے تھے کہ فتح ہوا تھا اور وہاں کے لوگوں کے تالیفِ قلوب کی ضرورت تھی شدید پیغمبر صاحب نے مصلحتِ وقت سمجھ کر اہلِ مکہ کو یا یوں کہو کہ قریش کو مالِ غنیمت سے زیادہ حصہ دیا۔ تالیفِ قلوب کے معنی ہیں استمالت پرچانا۔ ملانا۔ یہ ہندی کی چندی میں نے اِس غرض سے کی کہ اب اِس طرح کے الفاظ مسلمانوں کی ڈکشنری میں ڈھونڈے نہیں ملتے اور مسلمان سازگاری کے مفہوم ہی کو نہیں سمجھتے۔ خیر تو حنین کی غنیمت سے قریش کو زیادہ حصہ ملا تو اِس پر بعض انصار کو حسد ہوا اور انھوں نے ایسا خیال کیا کہ پیغمبر صاحب اپنی قوم کی رعایت فرماتے ہیں۔ لگے کہنے قریش کو مالِ غنیمت سے زیادہ حصہ دیا جاتا ہے حالاں کہ اِن لوگوں کے خون ابھی تک ہماری تلواروں سے پڑے ٹپک رہے ہیں۔ یہ ماجرا پیغمبر صاحب کے سمعِ مبارک تک پہنچا اور آپ نے روسائے انصار کو جمع کر کے پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم میں بعض نادان نوجوانوں نے ایسی شکایت کی تو ہے مگر آپ ان کی بات پر نہ جائیں ہم میں جو صاحب الرائے ہیں اُن کو تو کسی طرح کی شکایت ہے نہیں۔ بات دب دبا گئی۔ تو جس طرح کے سفہاؤ القوم نے انصار اور مہاجرین میں فساد ڈلوانا چاہا تھا اسی طرح کے سفہاؤ القوم نے بمبئی کے ہندو مسلمانوں کو لڑا مارا۔ اور اسی طرح کے سفہاؤ القوم اٹاوے کے ڈپٹی صاحب کے بھڑے میں آگئے ضلع کا مجسٹریٹ خالی الذہن۔ کبھی سُنّی شیعوں میں تکرار ہوا ہو تو خیال میں بھی آئے۔ کسی تازہ ولایت اسسٹنٹ کو چارج دے شکار کو تشریف لے گئے۔ یہاں جوں جوں محرم نزدیک آتا جاتا ہے سُنّی شیعہ دونوں اپنی اپنی جگہ طیاریاں کر رہے ہیں اگر دُلدُل۔ اور جُلوس اور جھکیوں کے ارادے از خود شیعوں کے دل سے پیدا ہوتے تو سنی شاید جنبش بھی پیدا

ـنکرتے مگر چوں کہ ڈپٹی صاحب محرک تھے سینوں نے جانا کہ حکومت کے بل بوتے پر سنیوں کے
چھیڑنے کے لیئے یہ تجویزیں کی گئی ہیں۔ دنیا میں کوئی چیز حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر مذہب
پسا زبردست ہی کہ جب کبھی اس کا اور حکومت کا مقابلہ آپڑا ہی ہمیشہ حکومت کو ہارتے دیکھا ہی
ـٹش گورمنٹ نے جو نیوٹریلٹی (بے تعلقی) کی دانش مندانہ پالسی (تدبیر) اختیار کر رکھی ہی کہ اس کو
کسی کے دین و مذہب سے کچھ بحث ہی نہیں وہ بھی ایسی پرنسپل (اصول) پر مبنی ہی۔ کہ کیوں
مذہب سے چھیڑ چھاڑ کی اور کیوں اپنی ہٹی کرائی۔ میں تو کسی نیٹو (ہندوستانی) رئیس کا رعیت
ہوں نہیں۔ مگر مجکو معلوم ہی کہ پنجاب میں نیٹو ریاستیں بہت ہیں اور عجب نہیں ان ریاستوں
کے باشندے بھی آڈینس میں ہوں تو جس سے بن پڑے اور جس طرح بن پڑے اپنے رئیس کے
گوش گزار کر دینا اور رعیت گری کا حق ادا کرنے کا اس سے بہتر کوئی پیرایہ نہیں کہ اور باتوں
میں برٹش گورمنٹ کی پیروی کرو یا نہ کرو مگر مذہبی نیوٹریلٹی سے بال برابر ادھر اُدھر کھسکے اور
ریاست پر زوال آیا۔ افسوس ہی کہ اٹاوے کے ڈپٹی صاحب نے مذہبی تعصب کے جوش
میں آکر اتنا بھی نہ سمجھا ڈپٹی کلکٹری کیا خاک کرتے رہے ہوں گے۔ مگر انگریزی عملداری میں وہ زمانہ
جاہلیت تھا جیسے سیدھے سادے ہندوستانی حکام ہوتے تھے ویسے ہی بھولے بھالے انگریز۔
ـارے کوتوال شہر نے تاڑا کہ لوگوں کے تیور بگڑے ہوئے سے ہیں اور چوں کہ وہ تھا سُنی ڈپٹی صاحب
کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ وہ اور تو کیا کر سکتا تھا مگر اُس نے روزنامچے رنگنے شروع کیئے اور اسسٹنٹ
صاحب ہیں کہ سمجھتے بوجھتے خاک نہیں۔ آخر اُس نے شاگرد پیشوں کی معرفت صاحب کے کان میں
ڈالا کہ شہر میں بڑا بھاری بلوا ہونے والا ہی تب تو صاحب بڑے سٹ پٹائے اور وہ جو کہتے
ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانڈے کوتوال کے سر ہوئے کہ تم نے ہم کو اطلاع کیوں نہیں کی۔
کوتوال نے عرض کیا کہ حضور میرے روزنامچے منگوا کر دیکھیں ہیں دو دو ہفتے سے برابر لکھ رہا ہوں
صاحب کو اُس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سُنی شیعوں میں کیا اختلاف ہی۔ انگریزی عملداری میں
سب خوبیاں ہیں مگر رعایا کے اندرونی حالات سے حکام انگریزی کا ناواقف ہونا بڑا غضب ہے

بیچارے نلسن کے دانت اُکھاڑ لیے گئے ہوں۔ اس پر بھی لوگوں نے نلسن کی ایسی قدر کی کہ کسی کو
اس کا جھوٹا یا سچا دانت ہاتھ آگیا تو اُس کو تبرک کی طرح محفوظ رکھا۔ قوم اس طرح پر قدردانی کرتی ہے تو
لوگ قوم پر اپنی جانیں نثار کر دیتے ہیں۔ ایک ہماری قوم ہے کہ جو شخص ان کے فائدے میں کوشش
کرے اُلٹے اُسی کے سر ہوں گالیاں دیں کافر بنائیں مرتد ٹھیرائیں تاکہ آگے کو کوئی ان کے فائدے
کا نام نہ لے۔ میں نے اٹاوے کے اسسٹنٹ کی حکایت کچھ اس غرض سے بیان نہیں کی کہ مجھ کو
سنیوں کے حق میں ایک انگریز اسسٹنٹ کی رائے سے استشہاد کرنا منظور تھا۔ یہ بیچارہ اسسٹنٹ
تو کس شمار میں تھا۔ میں تو ایسی طبیعت کا آدمی ہوں کہ ڈیوپورٹ اور لائل اور گبن اور کولیم اور ویب جیسے
لوگوں سے استشہاد کرنے کو بھی وہن اسلام سمجھتا ہوں۔ استشہاد کا بھی خیال بھی آتا ہے تو ذہن
منتقل ہوتا ہے بی بی خدیجہؓ کی طرف۔ بلالؓ کی طرف۔ عمارؓ بن یاسر کی طرف۔ یا ایسے ہی دوسرے
بزرگوں کی طرف مگر خیال میں یہ کھر رہا تھا کہ اسلام پر ایک وقت ایسا گزرا کہ وہ فوجی قوت کا محتاج
تھا اور اُس وقت جہاد ہی ایک متعین پیرایہ اسلام کی حمایت کا تھا۔ اس ضمن میں غزوۂ تبوک اور
لشکر اسلام کی بے سامانی کا خیال آگیا۔ مسلمانوں کا لشکر جو تبوک پر چڑھ کر گیا تھا بے سامانی کی وجہ سے
جیش العسرہ (لشکر بے سامان) اور غزوۂ تبوک ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے۔ اول تو اُن دنوں
مسلمان ہی کتنے تھے اور جو تھے اکثر بے مقدور۔ اس پر بھی جتنا جس سے بن پڑا اپنے او پر کشش کی۔
اور خدائی لشکر کا بھرنا بھرا سب سے بڑا چندہ حضرت عثمانؓ کا تھا کہ اُنھوں نے بھلا آج کل کے بڑے
مقدور مسلمانوں کی ہمتوں پر قیاس کر کے بتاؤ تو سہی کیا دیا ہوگا۔ اور یہ بھی خیال کر لینا کہ
تبوک ہی کی ایک ضرورت نہ تھی ایسی ایسی ضرورتیں ہر روز پیش آتی رہتی تھیں۔ آئے دن خدا کے نام
سے قرض مانگا جاتا تھا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً جس کو سن سن کر
یہود کہتے تھے یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ قومی کاموں کا سرانجام ایسا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ تم اپنی اس انجمن

---

۱ وہ لڑائی جس میں سپاہی چھوڑے بیٹھے ہوئے تھے ۱۲ ۲ کون ہے جو خدا کو قرض حسن دے کہ خدا قیامت کے دن
اس کے قرض کو کئی گونا کر کے ادا کرے ۱۲ ۳ خدا کا ہاتھ تنگ ہو رہا ہے ۱۲

حمایت اسلام ہی کیوں نہیں دیکھتے کہ جتنا دیتے جاتے ہو اِن کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں اور ابھی
یہ کیا بس کرتے ہیں۔ اور پھر یہ انجمن اُن وقتوں کی ضرورتوں کے آگے کیا چیز ہے۔ بہرکیف حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ نے دس بیس پچاس نہیں ایک دم سے تین سو اونٹ باساز و سامان لشکر تبوک کی تجہیز میں
دیئے اور صحیح روایت کے مطابق ایک ہزار اشرفیاں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں لاکر
ڈال دیں۔ اشرفیاں دیکھ کر آں حضرت کا تو یہ حال ہوا کہ مارے خوشی کے آپ کا چہرہ چمک اُٹھا۔
آپ اُن اشرفیوں کو اُچھالتے اور فرماتے جاتے تھے بس عثمانؓ کو اب کسی عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔
کوئی بھائی[1] شمس دین کو اشرفیاں دے تو ہم بھی دیکھیں کہ یہ کیوں کر خوش ہوتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے
کہ جس طرح آدمی کی شخصی ضرورتوں کا کچھ ٹھکانا نہیں بھوکا ہے تو محتاجِ غذا ہے ننگا ہے تو محتاجِ لباس ہے بیمار
ہے تو محتاجِ دوا ہے پیادہ ہے تو محتاجِ سواری ہے۔ اور جس کی جو ضرورت ہے اُس کا رفع کر دینا اُس کی امداد
و حمایت ہے۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً اسلام کی ضرورتیں مختلف ہوتی رہی ہیں اور جو لوگ اسلام کے
فدائی اور خیرخواہ رہے ہیں اُنھوں نے اِن ضرورتوں کو رفع کر دیا ہے تو ایک وقت اسلام کی فوجی مدد
کا تھا اور اُن وقتوں کے مسلمان فوجی طاقت سے اُس کی مدد کو کھڑے ہوئے۔ اور ایک وقت وہ تھا
کہ فلسفۂ یونانی نے اسلام کو بیخ و بن سے مستاصل کرنا چاہا تو اُن وقتوں کے علما نے علمِ کلام سے
اِس کی مدد کی۔ اور ایک وقت اسلام پر ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اسلام کی خصوصیت نہیں
ہر ایک مذہب پر یہ وقت ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کہ اُس کے ماننے والے جادۂ اعتدال سے
منحرف ہوتے رہتے ہیں سو اِس مرض کی دوا بھی معلوم ہے مگر ذرا پُرانی ہو گئی ہے اور اُس میں اگلی سی
قوت نہیں رہی۔ وہ دوا کیا ہے یہی ہمارے مذہبی پیشوا۔ مولوی۔ واعظ۔ مشائخ۔ دنیا کے اعتبار
سے دیکھا جائے تو ملک کے امن میں فتور ڈالنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو بیرونی
دشمن جو باہر سے چڑھ کر آئے اُس کے دفع کے لیئے شاہی فوج ہوتی ہے۔ دوسرے اندرونی دشمن
چور اُچکے ڈاکو قطاع الطریق جن کی سرکوبی کے لیئے پولیس اور عدالت ہے۔ یہی حال مذہب کا ہے

[1] پنجابی لہجے کی نقل ہے ۱۲

کہ اُس پر خارج سے بھی حملے ہوتے ہیں اور داخل سے بھی۔ اور مصیبت یہ ہی کہ دوہرے دوہرے
حملے اور اُن کو دفع کرنے والے ایک علما ر۔ اور ہی کاش علما سوچ سمجھ کر حملوں کا مقابلہ کریں
سو خارج کے حملوں میں سے بڑا زبردست حملہ سائنس (علوم جدیدہ) کا ہی۔ بیچارے علما کو اِس کی
خبر ہی نہیں کہ سائنس ہی کیا چیز۔ اور وہ کہتا کیا ہی پس سائنس نے خالی میدان پالیا ہی۔ اسلام پر
بے محابا وار چلا رہا ہی۔ اِدھر سے کوئی جواب دینے والا نہیں۔ رہے اندرونی حملے۔ سو اِن کو
دفع کرنے کی عوض علما باہم اختلاف کرکے خود ہنگاموں کو اشتعال دیتے ہیں کیا حال ہو ملک کا
جب کہ پولیس جس کا کام ہنگاموں کا روکنا دبانا ہی آپ ہنگامے برپا کرنے لگے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا
ہی کہ اسلام کی حالت کیا ہی آیا وہ اچھا چنگا تن درست ہی یا اِس کو کچھ روگ ہی اور وہ کیا روگ ہی۔
اور اِس کا کیا سبب واقع ہوا ہی اور اِس کا علاج کیا ہی۔ اور اِن باتوں کے معلوم کرنے کی ضرورت
اِس وجہ سے ہی کہ اگر واقع میں اسلام محتاج مدد و حمایت ہو تو ہم اُس کی ویسی ہی مدد و حمایت
کرسکیں جیسی مدد و حمایت کی اِس کو حاجت ہی ورنہ وضع الشئی فی غیر محلہ کرنے سے ہماری محنت
ناحق رائگاں جائے گی۔ اور اسلام کو بھی ہم کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ سو معلوم ہی کہ اسلام نہ
صرف بیمار ہی بلکہ بیمار محتضر۔ ہر چند بعض لوگ اِس کا سبب زوال سلطنت کو ٹھیراتے ہیں مگر اپنی تو
میں کہتا ہوں کہ مجھکو سلطنت کے جاتے رہنے کی اتنی بھی تو پروا نہیں جتنی کسی کو مٹی کے ایک
کلھڑے کے ٹوٹ جانے کی ہوتی ہی جو حلوائی ایک پیسے کے دودھ دہی کے ساتھ مفت دے دیا
کرتے ہیں۔ سلطنت کے ساتھ اگر اختیارات ہیں تو اختیارات کے ساتھ ذمہ داریاں بھی ہیں
اب وہ زمانے نہیں رہے کہ حق ناحق جو کچھ بادشاہ کے دل میں آیا گزرا کوئی اُس سے بازپرس
کرنے والا نہیں۔ زمانے نے ڈسپاٹک گورنمنٹ یعنی شخصی سلطنت کا بیخ مار دیا ہی اور پبلک اوپینین
(عام لوگوں کی رائے) کی ایک قاہرہ حکومت قائم ہو گئی ہی۔ کہ دنیا کی مجموعی سلطنتیں بھی اُس کی
مقاومت نہیں کرسکتیں۔ یہاں تک کہ جن سلطنتوں سے ہم کو کچھ بھی تعلق نہیں ہم اُن کے معاملات
میں بھی آزادی کے ساتھ رائے زنی کرتے ہیں۔ روئے زمین پر ایسا کوئی بادشاہ نہیں جس کے افعال پر

بات کا دن کر دیا ہی سالِڈ سِلوَر (ٹھوس چاندی) کی قبعون کا دور چل رہا ہی۔ بینڈ کی آواز دلوں کو لدگدا رہی ہی ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی ہیں کھانے کے بعد بن بن کے پٹاخے چھوٹ رہے ہیں۔ پھر تھیٹر کا تماشا ہی۔ آتش بازی ہی۔ انگریزی ہندوستانی ناچ ہی۔ یہ سُن کر سب کے دل تو ضرور مچھر مچھرائے ہوں گے۔ مگر نہیں ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ تو جس وقت میں مُڑ مُڑ کر سر سالار جنگ کو دیکھتا تھا۔ نواب محسن الملک بہادر سے کہ میں اور یہ دونوں ایک ہی میز پہ تھے کہتا جاتا تھا کہ اِس وقت کوئی سرکار کے دل کو دیکھے مارے خوشی کے ڈبل سائز (دو چند مقدار کا) ہو گیا ہوگا۔ الله الله سر سالار جنگ مرحوم و مغفور کس بلا کے تاڑنے والے سٹیٹسمین (مدبر) تھے۔ اُس مجمع میں میرے بار بار دیکھنے کو دیکھا اور اگلے دن نواب محسن الملک سے پوچھا اُنھوں نے بے کم و کاست عرض کر دیا تو فرمائے کیا ہیں ہاں جی آدمی دوسرے کی حالت کے اندازہ کرنے میں ہمیشہ غلطی کیا کرتا ہی۔ اِن کے نزدیک میں دکن میں سب سے زیادہ خوش ہوں اور میرا حال یہ ہی کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں مجھے چوبیس منٹ بھی کبھی بے فکری نصیب نہیں ہوتی۔ یہ حال تھا اُس شخص کا جو تھا تو وزیر۔ مگر خود مختاری کے اعتبار سے اُس کو بادشاہ کہا جا سکتا تھا کیوں کہ حضور پُر نور نے ہنوز زمامِ سلطنت دستِ مبارک میں نہیں لی تھی اور امیر کبیر کو ریجنٹ انتظام میں کسی طرح کا دخل نہیں دیتے تھے۔ پس اتنی بڑی ریاست میں کہ آج ہندوستان میں اِس کا ثانی نہیں۔ سر سالار جنگ جو چاہتے تھے سو کرتے تھے۔ سلطنت اور حکومت کی یہ چند دقتیں جو میں نے بیان کیں دنیاوی خرخشوں کے لحاظ سے بیان کیں اور اگر مواخذۂ عاقبت کی نظر سے دیکھا جائے تو شاید سلطنت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مصیبت نہیں۔ اور جن لوگوں نے مواخذۂ عاقبت کا صحیح صحیح اندازہ کیا وہ ہمیشہ اِس سے نفور رہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا حال تو سنا ہوگا کہ خلیفۂ وقت نے اُن کو قاضی القضات بنانا چاہا اُن دنوں کی قضا ایسی تھی جیسی آج کل کی مدار المہامی کیوں کہ کل معاملات شرع شریف کے مطابق تصفیہ پاتے تھے۔ امام نے انکار کیا۔ خلیفہ بدگمان ہوا۔ امام نے قید کی سختی

لہ یہ دنیا کی زندگی کے چند روزہ مزے ہیں اور عاقبت کا اچھا ٹھکانا تو اللہ کے یہاں ہی ۱۲۔

ذلت ضرور انگیز کرنی پڑتی ہی۔ مثلاً نوکری کہ ایک دم سے کوئی اکسٹرا اسسٹنٹ یا اسسٹنٹ کمشنر نہیں ہوا کرتا۔ ہر ایک کو پہلے چھوٹی سی چھوٹی نوکری ملتی ہی پھر بتدریج ترقی کرتے کرتے لوگ بڑے درجوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ اگر اس وقت فرض کرو کوئی لفٹنٹ گورنر یا چیف کورٹ کا جج ہی تو وہ ابتدا میں ضرور ادنیٰ درجے کا اسسٹنٹ کمشنر رہا ہوگا اسی طرح جن نیٹوز کو ڈپٹی کمشنر یا ڈسٹرکٹ یا ڈویژنل جج دیکھتے ہو وہ شروع میں شاید نقل نویس ہوئے ہوں گے یا ہنگامی محرر جو عارضی طور پر ردی چھانٹنے کے لیئے مقرر کر لیے جاتے ہیں۔ غرض ابتدائی نوکریوں میں پتّے کو بہت مارنا پڑتا ہی اور مسلمان اگر نالیاقتی کی وجہ سے بڑی نوکریوں سے محروم ہیں تو شیخی کی وجہ سے وہ چھوٹی نوکریوں میں رہ نہیں سکتے۔ ممالک مغربی و شمالی میں ایک ضلع ہی جون پور اور اُس کا ایک پرگنہ ہی مچھلی شہر۔ یہ مچھلی شہر ایک مشہور مقام ہی اور اس کی شہرت کی وجہ علما کا ایک خاندان ہی یہ لوگ علماے مستند ہونے کے علاوہ دنیاوی عروج بھی ایسا کچھ رکھتے تھے کہ مولوی شکور اور مولوی ظہور چار بھائی ایک دم سے چاروں صدر الصدور اتفاق سے ایک مسلمان تحصیلدار گورکھپور کا ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوا اور گورکھپور جاتے ہوئے اُس کو مچھلی شہر سے ہو کر گزرنا تھا۔ اور وہ مچھلی شہر سے ہو کر گزرا ممکن نہ تھا کہ مسلمان ڈپٹی کلکٹر مچھلی شہر سے ہو کر گزرے اور ان بزرگوں سے نہ ملے۔ ایک زمانے وہ تھے اور ایک وقت یہ آیا ہی کہ دو صاحب حج کو گئے میں ایک کو وہابی کہنا چاہتا تھا دوسرے کو بدعتی۔ مگر نہیں ایک تھے غیر مقلد یا اہل حدیث اور دوسرے مقلد یا حنفی۔ ابھی جہاز ہی میں تھے کہ مدینہ طیبہ جانے کی صلاح کرنے لگے کہ حج سے پہلے ہو آئیں یا حج کے بعد چلیں۔ غیر مقلد نے کہا کہ مدینے جانا کچھ داخل ارکان حج تو ہی نہیں۔ میں نہ پہلے جاؤں نہ پیچھے۔ مقلد۔ ای کاش یہ کہتا کہ بندۂ خدا مدینے جانا داخل ارکان حج نہ سہی مگر کب اِس ملک میں آنا نصیب ہوتا ہی۔ اس سے بڑھ کر بے مروتی اور حق ناشناسی اور ناشکری اور کیا ہو سکتی ہی کہ ہم عرب آئیں اور اُس پیغمبر کے مرقدِ مبارک کی زیارت نہ کریں جس کی جوتیوں کے صدقے میں ہماری دنیا اور آخرت دونوں درست ہوئیں۔ لیکن غیر مقلد کی ضد میں آ کر مقلد نے یہ کیا کہ جہاز سے اُتر سیدھا مدینہ پہنچا اور وہیں سے بے حج کیئے گھر کو لوٹ گیا۔ شاباش ہی ہمارے دوست

ڈپٹی کلکٹر کو کہ بزرگان مجلی شہر کو علاء الدین کہ کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک بزرگ سے یہ بھی
درخواست کی کہ مجکو دنیا اور دین کے متعلق نصیحت فرمائیے دین کے متعلق جو کچھ فرمایا ہو معلوم نہیں مگر
دنیا کے بارے میں ارشاد کیا کہ حتی الوسع ہندو عملے رکھنا۔ اس ڈپٹی کلکٹر کو حیرت ہوئی کہ مولوی صاحب
پیشوائے اسلام ہو کر ہندوؤں کی سفارش فرماتے ہیں۔ نہ رہ سکا اور پوچھا ہی پوچھا کہ اس میں کیا
مصلحت ہی فرمایا اَلْمُسْتَشَارُ مُؤتَمَنٌ۔ میری بہت سی عمر نوکری میں گزری ہی۔ اور جتنی عمر نوکری میں گزری
ہی اُس کا اکثر حصہ حکومت کی نوکری ہیں۔ تو مجکو عملوں سے بہت سروکار رہا ہی اور میں نے ہندوؤں کو
منقاد اور جفاکش پایا ہی مولوی صاحب نے اپنی ایک حکایت بیان کی کہ میں فلاں جگہ صدر الصدور
تھا۔ اتفاق سے صدر دیوانی عدالت (ہائی کورٹ) کے حکام نے ایک بڑا طویل الذیل نقشہ طلب کیا
اور یہ اعلیٰ درجے کے حاکم خالی بیٹھے بیٹھے اکثر ایسے ہی خواب پریشان دیکھا کرتے ہیں۔ اور کام کی یہ
کثرت کہ بیچارے معمولی عملوں کو سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ میں تو بہت گھبرایا کہ عملۂ زائد کی درخواست
کرتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہی۔ یہ نقشے کا کام کیسے سرانجام ہوگا۔ مگر سررشتہ دار نے کہا کچھ تردد کا
محل نہیں۔ یہ امیدوار لوگ جو حاضر رہتے ہیں ان سے مدد لی جائے گی۔ غرض نقشے کے کئی ٹکڑے
کرکے امیدواروں کو تقسیم کر دیئے گئے۔ ازاں جملہ ایک ٹکڑا ایک ہندو امیدوار کو دیا جانے لگا تو اُس
خود درخواست کرکے ایک ٹکڑا اور لیا اور میں نے دیکھا کہ اُسی وقت سے اُس نے کمر سے قلمدان
نکال ہاتھ بھر کے زنگ آلود چاقو سے سرکنڈے کا قلم بنا اپنا کام شروع کر دیا۔ باوجودے کہ دو
ہفتے کی مہلت تھی مگر اُس نے کوئی چوتھے پانچویں ہی دن اپنے حصے کے دونوں نقشے نہایت
صحت اور صفائی کے ساتھ بنا پیش کر دیئے اور اُلٹا منت پذیر ہوا۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنم	منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

سررشتہ دار نے ایک چھوٹا اور آسان سا ٹکڑا ایک مسلمان بھائی کے لیئے بھی رکھا تھا اُن کو بھی
پہلے سے اس بیگار کی خبر لگ گئی۔ اب بلاتے ہیں تو ٹلے ٹلے پھرتے ہیں۔ بارے لوگوں کے سمجھانے

۵ جس سے صلاح پوچھی جائے وہ ایک طرح کا امانت دار ہوتا ہی ۱۲۔

سنے آئے تو آتے کے ساتھ کڑاک کر سررشتہ دار سے بولے کیوں منشی جی یہ کس جرم کے بدلے میرے
نام کا وارنٹ جاری ہوا ہے۔ عرضیاں ہوں تو لالہ بھائی گھر سے بلائے جائیں اور بیگار ہو تو ہم پکڑے
پکڑے پھریں۔ اور میں اجلاس کے کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تجویز لکھ رہا ہوں۔ میں نے سررشتہ دار کو
کہتے سنا کہ ارے برائے خدا ذرا آہستہ آہستہ بولو صدر اعلیٰ صاحب تجویز لکھ رہے ہیں۔

مسلمان امیدوار۔ تم نے تو صدر اعلیٰ کو خدا سے بھی بڑھا دیا کہ اُس کے یہاں بھی پانچ نمازوں میں
سے تین جہری ہیں۔ سن لیں گے تو بندہ کچھ اِن کا دیا نہیں کھاتا۔

سررشتہ دار۔ ارے یار کیوں ناشکری کرتے ہو ابھی اِسی مہینے میں تم کو اُس تقسیم کے مقدمے
میں بیٹھے بٹھائے تیس روپے مل گئے یہ تو میں جانتا ہوں نوکروں سے اچھے پڑ رہتے ہو۔ بھلا خیر یہ
ایک چھوٹا سا نقشہ ہے مہربانی فرما کر ذری اِس کو تو بنا دیجئے۔

امیدوار۔ بس مجھ کو تو ایسے اخلاص سے معاف فرمائیے۔

سررشتہ دار۔ یہ تو آپ کو ہماری خاطر سے بنانا ہی پڑے گا۔

امیدوار۔ منشی جی تم تو ہم کو بہت ہی ستاتے ہو۔ (نقشہ دیکھ کر) اف نقشہ ہے کہ شیطان کی آنتڑی
ہے نہ صاحب یہ میرے بوتے کا نہیں۔

سررشتہ دار۔ ذرا صبر تو کیجئے یہ سارا نقشہ آپ کو نہیں بنانا پڑے گا۔ یہ صرف چار خانے آپ کو
بھر دینے ہیں بستہ بردار مثلیں لا لا کر آپ کے سامنے رکھ دے گا۔ آپ اِن چار مدوں کی کھتونی کر ڈالئے۔

امیدوار۔ آپ نے تو ایک ٹکا بھر کی جنبش زبان) ہلا دی آپ سمجھتے بھی ہیں کہ یہ چار خانے کا
تھان گز کا لمبا ہو گا۔ بھلا کتنے دنوں میں نقشہ درکار ہو گا۔

سررشتہ دار۔ بہت سے بہت چار پانچ دن۔

امیدوار۔ کیا خوب آپ کو خبر بھی ہے آج کے پندرھویں دن رمضان شریف کا پہلا روزہ ہے
سو روزے میں تو بندے کے حواس برجا رہتے نہیں۔ بعد رمضان بات سو بات۔

امیدوار تو نقشے کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا لیکن لوگوں نے کہا ارے میاں کیوں عذر کرتے ہو کچھ کام بھی ہو

جھوٹی شیخی اور بے جا تعظیم طلبی کی عادت ترک کرائیں۔ بڑا مشکل کام ہے کہ طبیعت میں ذہانت اور تیکی
بھی نہ آنے پائے یعنی خودداری رہے اور غرور بھی نہ ہو۔ سو مجھکو مسلمانوں کے پچھلے کارنامے سُن کر ہمیشہ
یہ خدشہ واقع ہوا کرتا ہے کہ کہیں مسلمان شیخی میں نہ آجائیں۔ میں نے بھی سلطنت اسلام کا تذکرہ کیا مگر اُس کے
زوال کا اور وہ بھی اِس پیرائے میں کہ سلطنتیں جاتے رہنے کی ہیں اتنی بھی تو پروا نہیں کرتا جتنی کہ
ایک مٹی کے کلھڑے کے ٹوٹ جانے کی ہوتی ہے جو حلوائی دودھ دہی کے ساتھ مفت دیا کرتے
ہیں۔ سلطنت کے ساتھ اقتدار ہے تو ویسے ہی اُس کے ساتھ بکھیڑے بھی ہیں۔ دنیا اور دین کی
عافیت تو اسی میں ہے کہ نہ سلطنت کے جاتے رہنے کا افسوس ہو اور نہ اُس کے حاصل ہونے کی
آرزو۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ سلطنت خوشی کا صرف ذریعہ نہ تھی تو بڑا ذریعہ ضرور تھی۔ اب علم و ہنر
کا دور دورہ ہے۔ اسی کی سلطنت ہے اسی کی حکومت اسی کی دولت اسی کی خوش حالی اسی کی عزت
غرض اسی کی دنیا اور میں پکارے کہتا ہوں اسی کا دین۔ اب سلطنت بھی بے علم و ہنر کے نہیں
چل سکتی۔ اور نہ صرف سلطنت بلکہ سچ پوچھو تو بے علم و ہنر زندگی حرام ہے اور جیسی زندگی ہم لوگ
بسر کر رہے ہیں۔ کہ سوئی اور چاقو اور دیاسلائی یعنی ضرورت کی کل چیزوں کے لیے یورپ کے
دست نگر ہیں میں تو اِس کو زندگی نہیں سمجھتا۔ جن کو جینے کا سلیقہ نہیں ایسے نااہلوں کو اوّل تو
سلطنت ملنے ہی کیوں لگی ع

دولت نہ دہد خدائے کس را بگزاف

اور بفرضِ محال مل بھی جائے تو جانو کہ ملک کے حصے کی قیامت آگئی۔ تو مجکو مسلمانوں کی سلطنت کے
جاتے رہنے کا ذرا بھی افسوس نہیں وہ ایک جانے والی چیز تھی اور گئی تو خوب ہوا اچھا ہوا بہتر ہوا
ہاں افسوس ہے تو اس کا ہے کہ مسلمانوں میں علم و ہنر نہیں یعنے وہ علم و ہنر جس نے یوروپ کو
حضیضِ ذلت سے اُٹھا کر معراج الکمال عزت پر پہنچا دیا ہے۔ اور نہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایسا
علم و ہنر نہیں سر پیٹ لینے کی بات ہے کہ اُس علم و ہنر کے حاصل کرنے کا جیسا چاہیے شوق
بھی نہیں اور شوق ہو تو کہاں سے ہو۔ ابھی انھوں نے اس کی ضرورت ہی کو نہیں سمجھا۔

بعد اس کے کہ مسلمانوں میں تعلیم کی کچھ تحریک ہو رہی ہے میں نہیں مانتا کہ ان کو شوق ہو جیسا شوق
ہونا چاہیئے اور انھوں نے علم کی ضرورت کو سمجھا ہو جیسا سمجھنا چاہیئے۔ ہمارے خاندان کا دستور ہے
کہ جب تک بچوں کو صرف لکھ دینا کافی ہوتا ہے ان کو لکھ لکھ کر نماز پڑھوائی جاتی ہے۔ پھر جب وہ عمر کی
اس حد کو پہنچتے ہیں کہ صرف کہنا بس نہیں کرتا تو ان کو لالچ دیا جاتا ہے یعنی پیسہ یا لکا نماز مقرر کر دیا
جاتا ہے۔ اور وہ پیسوں کی طمع سے نماز پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بڑے ہو کر خدا کے فضل سے بڑے
پکے نمازی ہو جاتے ہیں۔ اور بعض صاحب ترتیب بھی ہوئے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اور
ہاں پیسوں کا لالچ دینے کے علاوہ ہم اُن کو اپنا نمونہ بھی دکھاتے ہیں ورنہ ہم بے نماز ہوں تو
کہنا اور لالچ دکھانا کچھ بھی کام نہ آئے۔ تو اگر مسلمانوں کو یعنے بعض مسلمانوں کو تعلیم کا شوق ہے بھی
تو وہ اسی قسم کا شوق ہے جیسا لالچی بچوں کو نماز کا۔ جس طرح وہ نماز پیسوں کے لالچ سے پڑھتے ہیں اسی
طرح یہ لوگ نوکری کے لالچ سے تعلیم پا رہے ہیں نہ ان کی نماز نماز ہے نہ ان کی تعلیم تعلیم۔ شوق ہمیشہ نتیجہ ہوتا
ہے قدر کرنے کا جو بچے لالچ سے نماز پڑھتے ہیں۔ اگر کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے نماز کی قدر جانی۔ اگر کہا جا سکتا ہے کہ
اُن کو نماز کا شوق ہے تو جو لوگ نوکری کے لالچ سے تعلیم پاتے ہیں اُن کو بھی کہا جائے گا کہ انھوں نے تعلیم کی قدر جانی
کہا جائے گا ان کو تعلیم کا شوق ہے۔ نوکری اول تو اس کثرت سے ہے نہیں اور ہو سکتی بھی نہیں۔ اور ہو
بھی تو وہ ایک نہایت مبتذل منفعت ہے جو تعلیم پر متفرع ہو سکتی ہے بشرطیکہ تعلیم تعلیم ہو یعنے اعلیٰ درجے
کی۔ اور یہ تعلیم جو ہو رہی ہے شاید نوکری کے لیئے تو کافی ہو بھی مگر قومی ترقی کے لیئے تو میں اس کو
تعلیم کی ابجد سے بڑھ کر نہیں سمجھتا۔ انسان کی طبیعت ایسی تنگ چشم واقع ہوئی ہے کہ یہ ساری فضیلتوں
ساری برکتوں ساری نعمتوں کو اپنے لیئے اور خاص اپنے ہی لیئے سمیٹنا چاہتا ہے[۱] وَاُحْضِرَتِ
الْاَنْفُسُ الشُّحَّ تو مشکل سے اُس کے ذہن نشین کیا جا سکتا ہے کہ شخصی فائدوں سے قومی فائدے
کہیں زیادہ سودمند اور قابل قدر ہیں۔ مثلاً اہل یوروپ کے حال پر نظر کرو کہ ایک گورا ایک لوہار
ایک موچی یہاں تک کہ ایک لوفر (گدا) بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بڑے شہروں کے

۱ه اور بخل تو سبھی کے نفوس کے ساتھ لگا ہوا ہے

بڑے بازاروں میں شام کے وقت لوگوں کا یہ ہجوم ہوتا ہی کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہوتا ہی اور رستہ
چلنا دشوار ہیں۔ نے ایک نواب صاحب کو دیکھا کہ دو گھوڑوں کی بگھی پر سوار ہیں۔ دو سوار آگے دو
پیچھے۔ سائیس اور سوار بیتیرا ابھیڑ کو ہٹانا چاہتے ہیں لوگ ہٹو بڑھو کا غل سن کر پیچھے کو مڑ کر دیکھ تو لیتے ہیں
مگر جگہ سے نہیں ٹلتے۔ اتنے میں تو ایک گورا آتا ہوا دکھائی دیا۔ اکیلا۔ موںھ میں ٹیپ اور ہاتھ میں
تین چار فٹ کا بید۔ وہ نہ ہٹو کہتا ہی اور نہ بڑھو کہتا ہی۔ اور مزہ یہ ہی کہ سیٹی بھی نہیں بجاتا۔ مگر لوگ ہیں کہ
آپ سے آپ کائی کی طرح پھٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیا۔ قومی حکومت قومی رعب پھر ان کی قوم کا
چمار بھی ہی تو بھی کہلائے گا صاحب ہی۔ یہ کیا۔ قومی عزت قومی ادب۔ پھر ہمارے فقیر پھرول
کھڑے چلایا کریں۔ دعائیں دیں۔ مناجاتیں سنائیں جسمانی روگ دکھائیں کسی نے بہت دیا تو ایک
پیسہ۔ وہ بھی جمعہ رات کے دن۔ لیکن اگر انگریز لوفر جا کھڑا ہو تو دور سے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوں اور
بے دریغ کم سے کم ایک ابیض منقوش اُن کی نذر کریں۔ یہ کیا۔ قومی اقبال قومی تمول۔ تو معلوم ہوا
کہ جب ایک قوم کی اکثر افراد کو ایک نعمت حاصل ہوتی ہی۔ اُس قوم کی ساری افراد پر کما بیش
اُس نعمت کا اثر پڑتا ہی۔ اگرچہ مجکو ساری عمر انگریزوں کی سوسائٹی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر
طالب العلمی کے زمانے میں نوکری کی حالت میں انگریزوں سے سابقہ پڑتا رہا ہی اور اب کہ مجکو اتنی
انگریزی آتی ہی کہ ہر قسم کی کتابیں اور اخبار سمجھ لیتا ہوں تو جتنی دیر انگریزی کتاب یا اخبار دیکھتا ہوں
تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ اتنی دیر انگریزی سوسائٹی میں ہوں اور یہاں نیچریوں سے ملاقات ہی دوستی ہی
گو کھان پان نہیں۔ ان کی سوسائٹی بھی من وجہ انگریزی سوسائٹی ہی بلکہ انگریزوں سے تو اٹیکٹ
(دوابِ مجلس) کا کوئی فریضہ متروک ہو بھی جائے نیچریوں سے کسی مستحب کا متروک ہونا بھی ممکن
نہیں۔ شریعت کی پابندی جیسی نو مسلم سے ہو سکتی ہی موروثی مسلمان سے نہیں ہو سکتی۔ غرض انگریزوں
کے حال سے مجکو پوری آگہی نہیں تو محض ناواقفیت بھی نہیں۔ میں نے بعض انگریز تو نہایت لائق
دیکھے اور اکثر ہماری طرح کے معمولی آدمی۔ تو مجکو حیرت ہوا کرتی تھی کہ یہی لوگ ہیں اور ایسے ہی
لوگ ہیں تو یورپ میں طوفان ترقی کہاں سے آگیا ہوگا۔ جیسا کہ ان لوگوں کی صنعت و ایجاد سے

ظاہر ہوتا ہی۔ آخر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ آدمی تو ہم جیسے ہی طرح کے ہیں کچھ ایسا بڑا تفاوت نہیں مگر
ان میں تعلیم یافتہ اکثر ہیں اور عموم تعلیم کا سوسائٹی پر ایسا اثر پڑا ہی کہ جو ان کا جاہل ہی وہ صرف اس وجہ
سے جاہل سمجھا جا سکتا ہی کہ اُس نے سبقاً سبقاً اسکول یا کالج میں تعلیم نہیں پائی۔ مگر وہاں کی سوسائٹی
بجائے خود معلم کا حکم رکھتی ہی اور چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے باتوں باتوں میں لوگ ایک دوسرے سے
بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ تم لوگ جو تعلیم کے لیے کوشش کر رہے ہو شخصی تعلیم کے لیے کر رہے ہو وہ
بھی سسک سسک کر قومی تعلیم کے نہ تم فائدے سمجھتے ہو نہ تم اس کی قدر کرتے ہو۔ اور جب
سرے سے قدر ہی نہیں کرتے تو اُس کے لیے کوشش کیوں ہو۔ ہم میں جو بڑا روشن خیال ہی وہ یہ تو کرے گا
کہ اپنے بیٹوں بھتیجوں رشتہ داروں کو تعلیم دلانا چاہتا ہی غرض اُس کی کوشش اُس کے گھر کے اندر
محدود ہی مگر قوم اُس کے گھر کے باہر تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہی اُس کا ذہن ہی اس طرف منتقل نہیں
ہوتا کہ اس کے عزیزوں کے تعلیم پا جانے سے قوم تعلیم یافتہ نہیں ہو جائے گی اور جب تک قوم تعلیم
یافتہ نہ ہو شخصی تعلیم کی برکتیں بھی محدود رہیں گی۔ جیسے وہ تعلیم خود محدود ہی۔ اس وقت کی تعلیم میں یہ بڑا
نقص ہی کہ اُس کی غرض و غایت نوکری ہی اور ابھی سے لوگوں نے بڑبڑانا شروع کر دیا ہی کہ تعلیم یافتہ
بھی بے معاش پڑے پھرتے ہیں۔ شکر ہی کہ بدمعاش نہیں پڑے پھرتے۔ اور یہ شکایت بالکل صحیح ہی
تعلیم کی گدگدی پیدا ہوتے دیر نہیں ہوئی تھی۔ کہ ری ایکشن (اُلٹا لوٹنا) شروع ہو گیا یعنی تعلیم کی طرف سے
لوگوں کو اُلٹی بے دلی ہوتی جاتی ہی اور اس کا علاج کرنا نہایت ضرور ہی۔ سو جس طرح سے جلے
ہوئے کو آگ سے سینکتے ہیں وہ بے دلی جو تعلیم کی طرف سے پیدا ہو چلی ہی اُسی کا علاج ہی تعلیم۔
میں اُس کی دو مذہبی سندیں رکھتا ہوں ایک شخص کو دستوں کی شکایت تھی وہ آں حضرت صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں دوا پوچھنے آیا۔ اُن لوگوں کو آں حضرت کے ساتھ عقیدت ہی اس قسم
کی تھی کہ دنیا اور دین دونوں میں پیغمبر کو اپنا راہ نما سمجھتے تھے اور واقع میں وہ تھے بھی۔ اب ایسے
مسلمان رہ گئے ہیں کہ پیغمبر کی دینی تعلیم میں بھی چون و چرا کرتے ہیں۔ نص صریح دیکھتے ہیں اور اُن کو
تسلی نہیں ہوتی خیر تو وہ شخص دستوں کی دوا پوچھنے آیا۔ آپ نے شہد کے پینے کو فرمایا اس واسطے

کہ خدا نے شہد کے حق میں فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ فرمایا تھا۔ شہد کا پینا تھا کہ دست اور بھی چھوٹ پڑے پھر دوڑا ہوا آیا۔ آپ نے فرمایا وہی شہد پیے جاؤ جوں جوں شہد پیتا تھا دست زیادہ ہوتے جاتے تھے اور وہ بار بار شکایت کرتا تھا اور ادھر سے شہد ہی کی ہدایت ہوتی تھی یہاں تک کہ آپ نے فرمایا تیرا پیٹ جھوٹا ہے۔ جا شہد ہی پیے جا۔ آخر کار جب کامل تنقیہ ہو چکا دست آپ سے آپ بند ہو گئے کسر کے رہتے شہد مسہل تھا مادۂ فاسد کے اخراج کے بعد وہی شہد قابض بن گیا۔

اسی طرح ایک شخص نے عسرت کی شکایت کی اور وہ تھا مجرد۔ آپ نے فرمایا نکاح کر لو وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ[۱] نکاح کیا تو جورو کے نان نفقے کا بوجھ بڑھا۔ اور تنگی ہوئی۔ پھر شکایت کی۔ فرمایا ایک نکاح اور۔ غرض آخر کار تعدد نکاح سے خدا نے اُس کو برکت دی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صد درجے کا کاہل رہا ہوگا۔ خانہ داری کی جنتری میں سے نکلا سیدھا ہو گیا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر تعلیم تنگی معاش کا سبب ہے تو اور پڑھو۔ یعنی ہزار نے پڑھ کر فائدہ نہیں اُٹھایا تو ہزار اور پڑھیں اور اسی طرح ہزار ہزار پڑھتے جائیں یہاں تک کہ سب پڑھ جائیں۔ پانی کو جمع ہونے دو وہ اپنا رستہ آپ کرے گا جب لوگ کثرت سے تعلیم یافتہ ہوں گے اور نوکری ملے گی نہیں تو وہ آپ معاش کے دوسرے دوسرے ذرائع ڈھونڈھ نکالیں گے اور تبھی قوم کو آسودگی اور ترقی ہوگی۔ کیوں دلائل عقلی کے منتظر ہو۔ سیدھی سی بات یہی کیوں نہیں دیکھتے کہ ہم میں اور یورپینز میں کوئی وجہ فارق نہیں۔ جیسے آدمی وہ ویسے آدمی ہم۔ اگر وہ سرد ملک کے رہنے والے گورے ہیں اور ہم گرم ملک کے رہنے والے اور کالے۔ تو مقام اور رنگ کے اختلاف کو ترقی میں کچھ بھی مدخل نہیں۔ پھر وہ کیا چیز ہے جو اُن میں ہے اور ہم میں نہیں۔ اور جو اُن کی ترقی اور ہماری پستی کا سبب واقع ہوئی ہے ہاں تو وہ چیز تعلیم ہے کہ وہ ایجوکیٹڈ (تعلیم یافتہ) اور ہم اَن ایجوکیٹڈ (جاہل) ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قوم ایک رستے پر پڑ لینے سے کامیابی کی منزلِ مقصود پر پہنچ گئی ہے تو ہم کو بھی آنکھ بند کر کے

[۱] اور اپنی رانڈوں اور اپنے رنڈوؤں اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں اُن کے نکاح کر دو اگر محتاج ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا ۱۲۔

ابھی سے پیدا ہونا چاہیئے - یعنی اس وقت اور اس زمانے میں اسلام کی حمایت کا یہی ایک معین پیرایہ ہو کہ مسلمانوں کی قوم کو تعلیم دینے کی کوشش کی جائے - سو کچھ کوشش ہو بھی رہی ہے مگر کوانٹٹی (مقدار) اور کوالٹی (درجہ) کے لحاظ سے ناکافی - کچھ خبر بھی ہے وہ وقت سر پر چلا آرہا ہے کہ جس علم کے حاصل کرنے کے لیئے تم سے کہا جاتا ہے - اور تم نہیں سنتے ایک دن وہی علم جہل کی طرح بے قدر ہوگا -
اس واسطے کہ دریافت اور ایجاد کے اعتبار سے اہل یورپ کا کچھ بہرہ سا کھل گیا ہے یورپ کے مقابلے میں تو خدا کی طرف سے اُس کو فیصل شدہ سمجھو کہ تم اُس کے غبار کو بھی نہیں پا سکتے اور کیوں کر پاسکو گے کہ تم ابھی جگہ سے کھسکے تک نہیں اور وہ لوگ تم سے سو برس یعنی کم سے کم دو نسل کے پہلے کے چلے ہوئے ہیں پہلے پیدل تھے پھر سوار ہوئے اور سوار ہوئے تو پہلے گام پھر دُلکی پھر سرپٹ اور اب تو اکسپرس (سب سے زیادہ تیز ریل) ٹرین لیے چلے جارہے ہیں کہیں وہی تو نہ ہو جائے جیسا عوام کو شبہہ ہوا تھا کہ تار میں اندر اندر جادو کی پتلیاں دوڑتی ہیں - اور جب ہم تار کی مشینری (کل) ہی سے واقف نہیں تو ہم سے عوام بہتر کہ اُنھوں نے آخر ایک ڈھکوسلا گھڑ تو لیا تھا - پس اگر کسی نے تعلیم کی غرض وغایت یہ سمجھی ہو کہ ہم اہل یورپ کی برابر ہو جائیں تو اس کی نسبت میں یہی کہہ سکتا ہوں ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

ہاں اہل یورپ تعلیم کے جس درجے پر اب ہیں اُس کے آدھے تہائی چوتھائی پر بھی ہم پہنچ جائیں تو ہمارے بدنصیب ملک ہماری بدنصیب قوم کے بھاگ کھل جائیں وہی جیسا خدا نے اہل کتاب کے لیئے فرمایا تھا وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ کہیں اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ رَّبِّهِمْ ہی معنی تو نہ تھے سائنس پڑھو کیوں کہ اَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ تو اس درجے کا ہے کہ خدا نکرے کہیں تخمہ نہ ہو جائے - غرض اسلام کی حمایت کا ایک پیرایہ تو انگریزی تعلیم کا رواج دینا ہے - سو اس لیکن

ف۱۵ اور اگر اہل کتاب یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل اور اُن صحیفوں کے حکموں پر قائم رہتے جو خدا کی طرف سے اُن پر نازل ہوئے تھے تو ان کے لیئے اوپر سے رزق برستا اور پاؤں کے تلے سے اُبلتا ۱۲-

(دیتے) ہیں جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہی وہ اِسی قدر ہی کہ نہ کرنے سے کچھ بہتر ہی مگر چاہو کہ اِس محفل
مدعا ہو سو ہوتا نہیں۔ اب اسلام کی حمایت کا ایک دوسرا پیرایہ اور ہی اور وہ تعلیم کے رواج دینے
سے کہیں زیادہ ضروری ہی۔ اور اگر یہ خود نئی بات نہیں تو جس پیرائے میں اس کو میں ادا کرنا چاہتا
ہوں وہ اتنا تو ضرور نیا ہی کہ میں نے نہ دیکھا نہ سُنا۔ میں پوچھتا ہوں دنیا میں اسلام کے جاری کرنے
سے خدا کا کیا مطلب تھا۔ بے شک پیغمبر صاحب آخر الزمان کی بعثت کے وقت ادیان کی بہت
ہی تباہ حالت تھی۔ مجمل تو رہے دوسرے درجے میں اہلِ کتاب تک کے معتقدات خراب ہو گئے
تھے اور معتقدات بھی جنت اور دوزخ اور آسمان اور فرشتوں اور شیطان کے بارے میں نہیں
بلکہ خود بڑی سرکار یعنی خدا کے بارے میں وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارٰى[۵۱]
مَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ اس سے زیادہ اہلِ کتاب کے معتقدات کا فساد معلوم کرنا ہو تو قرآن کی طرف
رجوع کرو۔ غرض تمام ادیان کیا اہلِ کتاب اور کیا غیر اہلِ کتاب سب جادۂ استقامت سے منحرف
تھے۔ اور خدا جو اپنے بندوں پر ہمیشہ سے مہربان ہی اور ہمیشہ مہربان رہے گا۔ كَتَبَ[۵۲] عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ
اِن کی یہ تباہ حالت دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اور زمانے کا رنگ پکار رہا تھا کہ کسی پیغمبر کا آنا ضروری ہی
اور وہ پیغمبر محمد صلعم تھے جنھوں نے ملکِ عرب میں ظہور کیا اس لیئے کہ عرب خرابی
اور تباہی اور فسادات کا سنٹر (مرکز) تھا۔ غرض اسلام کے جاری کرنے کا ایک مطلب یہ تھا۔
لیکن ایک مطلب اہم اور بھی مضمر تھا جس کی طرف میں آپ صاحبوں کی توجہ کو مصروف
کرنا چاہتا ہوں۔ میں ابھی اُس کو بیان کروں گا۔ لیکن لوگوں کے شوق کو ذرا مشتعل ہو لینے دو
(لکچرار نے اِس وقفے میں گلو تر کرنے کو چائے پی)

وہ مطلب یہ تھا کہ ساری دنیا میں ذرا ان لفظوں کو دھیان میں رکھنا ساری دنیا میں ایک کا
من برُدَرہُڈ (اخوتِ عامہ) قایم ہو تو تمام بنی آدم اس برُدَرہُڈ کے ممبر بنائے جائیں اور جملہ اختلافات

۵۱ اور یہود لگے کہنے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاری لگے کہنے مسیح اللہ کے بیٹے ہیں ۱۲ ۵۲ اللہ نے بندوں پر
مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہی ۱۲۔

وہ یہ ہو کر ساری دنیا میں امن آجائے عام لوگوں کا خیال یہ ہو کہ پیغمبر کو اپنی صداقت ثابت کرنے
کے لئے معجزوں کا دکھانا ضرور ہے۔ لیکن یہ ایک ادنیٰ درجے کا خیال ہے چشم بصیرت میں خدا نور ہے
تو خود پیغمبر اپنی صداقت کی دلیل ہے ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

در دل ہر قوم کش از حق مزہ ست	روی و آواز پیمبر معجز است

وہ حکایت تو سنی ہوگی جس دن پیغمبر صاحب ہجرت کرکے مدینے تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام
کہتے ہیں کہ سارے مدینے میں غل تھا اور لوگ جوق جوق حضرت کے دیکھنے کو چلے آتے تھے۔
میں اپنے نخلستان میں تھا۔ میں نے جو پیغمبر صاحب کا آنا سنا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بھی پیغمبر صاحب
کو دیکھنے گیا۔ بس دیکھنا تھا کہ میرے دل نے گواہی دی وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِوَجْہِ کَذَّابٍ[1]۔
اور فی الحقیقت خدا نے آدمی کے دل اور اُس کے بشرے میں ایک تعلق رکھا ہے کہ بشرے
سے دل کے حالات معلوم ہوجاتے ہیں اور اسی پر مبنی ہے علم قیافہ اور اسی سے فرمایا ہے[2] اِتَّقُوْا مِنْ
فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ تو جس طرح عبداللہ بن سلام نے پیغمبر صاحب کو دیکھتے
ہی جان لیا تھا کہ اِس شکل و صورت کا آدمی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ میں نے بھی معجزات سے قطع نظر
کرکے دوسری دوسری وجوہ سے پیغمبر صاحب کی صداقت کی طرف سے اپنے تئیں مطمئن کر لیا ہے
ازاں جملہ یہ کہ تمام دنیا میں کامن برادرہڈ قائم کرنے کا عمدہ اور وسیع خیال پیغمبر کے سوا ماوشما
کسی کے دل میں آ ہی نہیں سکتا ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اُن کا سینہ خدا نے کھول دیا تھا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ[3] تو ویسے ہی عالی اُن کے خیالات تھے
اب رہی یہ بات کہ پیغمبر صاحب نے اسلام کے جاری کرنے سے ساری دنیا میں ایک کامن برادرہڈ

[1] خدا کی قسم اس شخص کا مونھ جھوٹے آدمی کا سا مونھ نہیں ہے ۱۲ [2] ایمان دار کی اٹکل سے ڈرتے رہو کیوں کہ وہ نور خدا کی روشنی
سے دیکھتا ہے ۱۲ [3] اے پیغمبر کیا ہم نے تمہارے خیالات وسیع نہیں کیے ۱۲

تعلیم کرنی چاہی تھی اس کا ثبوت۔ ہاں تو اس کا ثبوت ہی عموم رسالت ہو۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ
اور قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ساری دنیا کا ایک خدا ایک پیغمبر اور ساری دنیا کا ایک دین ہو اور اُس دین کی
اصل الاصول ہو اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تو یہی ساری دنیا کی کامن بردرہڈ ہی۔ اب میں دکھانا
چاہتا ہوں کہ پیغمبر صاحب نے اس کامن بردرہڈ کے قایم کرنے کے لیئے کیسی کیسی تدبیریں اختیار کی
تھیں سب سے بڑی تدبیر تو یہ تھی کہ اُنھوں نے اسلام کی بنیاد ایسے آسان اور سلیس اور عام فہم عقیدے
پر رکھی جس سے کسی فرد بشر کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ اور وہ عقیدہ ساری دنیا کا مجمع علیہ ہی۔ وہ کیا عقیدہ
ہی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کے لیئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہی اور نہ یہ کسی ثبوت کا محتاج ہی ممکن نہیں کہ
کوئی شخص جامۂ بشریت پہنے اور لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معتقد نہ ہو۔ انسان کی خلقت ہی اسی طرح
کی واقع ہوئی ہی کہ اُس کا دل خود بخود لا آلہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہی از بسکہ اسلام غیر مذہب بلکہ مذہب
مخالف سمجھا گیا ہی۔ اور لا آلہ الا اللہ ٹھیرا اسلام کا ماٹو (شعار) بلکہ اسلام کا مرادف اس وجہ سے لوگ
لا آلہ الا اللہ سے بھڑکتے ہیں۔ ورنہ جتنے خدا کے ماننے والے ہیں سب لا آلہ الا اللہ کے قائل ہیں۔
لا آلہ الا اللہ کے معنی یہی ہیں کہ خدا ہی اور خدا ہی تو وہ اپنی ذات اور صفات میں یگانہ بھی ہی۔ ورنہ وہ خدا
ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند۔ اسی قاعدے کو ذرا اور پھیلاؤ۔ ذرا
اس میں اور تعمیم کرو تو کیا ہو جائے گا۔ دو خدا در عالمے نگنجند لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا بات
وہی ہی دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند کا سکیل چھوٹا ہی اور لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کا
سکیل بڑا۔ غرض خدا ہی تو وہ اکیلا ایک بھی ہی۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ وہی ہمارا پیدا کرنے والا جلانے
والا اور روزی دینے والا ہی۔ یہ سب لوازم خدائی ہیں۔ اور پیدا کرنے والا جلانے والا روزی دینے والا

؎ اے پیغمبر ہم نے تو تم کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہی ۱۲ ؎ اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف
خدا کے یہاں سے بھیجا گیا ہوں وہ خدا جو آسمان و زمین کا مالک ہی اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا
ہی ۱۲ ؎ مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں ۱۲ ؎ زمین و آسمان میں کئی خدا ہوتے تو دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے

تو وہ ہماری سب سے بڑی تعظیم سب سے زیادہ احسان مندی اور شکر گزاری کا مستحق ہی - اور
حق عبادت ہی یہی پرستش ہی اور یہی پوجا ہی - بس یہ اسلام ہی اور یہ لا آلہ الا اللہ ہی جس کا اتنا
سارا غل پڑا ہوا ہی - اس وقت آڈینس میں سبھی قسم کے لوگ موجود ہیں کوئی ایک تو اپنی نسبت کھڑا ہو کر
کہے کہ میں خدا کو نہیں مانتا یا مانتا ہوں تو اس کو مستحق تعظیم نہیں جانتا اور اس آڈینس پر کیا موقوف ہی -
اس سرے سے اُس سرے تک ساری دنیا چھان مارو ایک متنفس کو منکرِ خدا نہ پاؤ گے - مگر یہ
کہ اُس کے دماغ میں فتور ہو - کون کہہ سکتا ہی کہ وہ اپنے ارادے سے پیدا ہوا اپنے ارادے سے
زندہ ہی اور اپنے ارادے سے مرے گا - وہی پانی برساتا وہی مخلوق کو روزی دیتا ہی اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا[۵]
فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ادنی تامل میں انسان کو اپنی درماندگی اور بے اختیاری کا قائل
ہونا پڑتا ہی - اور یہی درماندگی اور بے اختیاری خدا کو منواتی ہی - حقیقت میں میری سمجھ میں نہیں آتا -
کہ جو شخص خدا کا قائل ہو وہ کیوں اسلام کا قائل نہ ہو - کیوں اپنے تئیں مسلمان نہ سمجھے اور کیوں اپنے
مسلمان نہ کہے اور کیوں مسلمان اس کو مسلمان نہ سمجھیں بے شک اسلام میں خدا کے ماننے کے
علاوہ اور بھی باتیں ہیں مسلمانوں کی عبادت کے خاص طریقے ہیں - مسلمانوں میں بعض چیزیں حلال
ہیں اور بعض چیزیں حرام - غرض مسلمانوں کی شریعت ایک علیحدہ شریعت ہی - لیکن اصل اسلام
وہی لا آلہ اللہ یعنی خدا کا ماننا ہی اور بس - اگر کسی مسلمان بھائی کو اس میں عذر ہو تو مہربانی کر کے ذرا
تکلیف کریں اور کھڑے ہو کر مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ کے معنی سمجھائیں جو لوگ
اصل نسل کے مسلمان ہیں ان میں بھی بعض خدا کے بندے بلکہ اکثر خدا کے بندے نماز نہیں پڑھتے
روزے نہیں رکھتے اور بہت سے کام خلافِ شرع کرتے ہیں - با ایں ہمہ وہ مسلمان سمجھے جاتے
اور اُن کے ساتھ مسلمانوں کی سی مدارات کی جاتی ہی - لیکن ہم نے دوسروں کو اپنے ساتھ شامل کرنے
میں ہمیشہ مضائقہ کیا ہی گویا ہم ایک طرح کے ہندو ہیں - میں نے کہا تھا کہ کوئی فرد بشر منکر خدا ہو نہیں
سکتا مگر یہ کہ اُس کے دماغ میں فتور ہو سو لاپروائی اور غفلت اور غلط فہمی کو کہیں انکار نہ سمجھ لیجئے گا -

[۵] کیا لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر نظر نہیں کی ہی [۶] جو لا آلہ الا اللہ کا قائل ہی جنتی ہی ۱۲

قرآن میں انسان کی فطرت کا بیان کئی جگہ ہو انہاں جملہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ھُوَ الَّذِی یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِھَا جَآءَتْھَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِیْطَ بِھِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ ھٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ فَلَمَّآ اَنْجٰھُمْ اِذَا ھُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اس سے کیا معلوم ہوا کہ آدمی خوش حالی میں خدا کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ ہاں جب اُس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اُس کی اصلی فطرت کھل پڑتی اور وہ خدا کے آگے ناک رگڑنے لگتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ بزرگان دین نے بڑی مصیبت مند زندگیاں بسر کی ہیں۔ اور نہیں تو ریاضات اور مجاہدات کی مشقتیں اختیار کرکے اپنے تئیں تکلیف میں رکھا ہے ہم تو منکر خدا اُس کو سمجھیں کہ حتّٰی اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ کا وقت ہو اور یہ اپنی ہیکڑی پر جما رہے ورنہ

قطعہ

شب دلارام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے		صبح اُٹھ جام سے گزرتی ہے اب تو آرام سے گزرتی ہے

یہ سازو سامان ہیں تو خدا کاہے کو یاد آنے لگا۔ یہی حال تو فرعون کا بھی ہوا تھا کہ ساری عمر اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی

لہ وہی خدا تم کو خشکی میں اور پانی میں چلاتا پھراتا ہے چنانچہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ تم کو بادِ موافق کی مدد سے لے کر چلتی ہے اور لوگ خوش ہوتے ہیں کہ یکایک بادِ سخت کا جھونکا کشتی کو آ کر ٹکراتا ہے اور لہریں ہیں کہ ہر طرف سے لوگوں پر آنے لگتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ اب تو بے اگھرے تو بے دین دار بن کر خدا کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر ہم کو اس بلا سے نجات دے تو ہم بیچ شکر گزار بندے ہو کر رہیں گے پھر جب خدا ان کو بچا لیتا ہے تو خشکی پر پہنچ کر ناحق نا روا بغاوت کرنے لگتے ہیں لوگو اس بغاوت کا وبال تم ہی پر پڑے گا دنیا کی زندگی کے چند روزہ فائدے اٹھا لو پھر تو تم کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اُس وقت ہم تم کو بتا دیں گے کہ دنیا میں تم کیسے عمل کرتے رہے ہو ۱۲ لہ یہاں تک کہ جب جان بدن سے نکل کر ہنسلی گردن میں آ اٹکے بچنے اور مرنے والے کے بیمار دار چلا اٹھیں کہ کسی کو ایسا منتر بھی یاد ہے کہ بیمار کو بچائے اور خود بیمار کو یقین ہو جائے کہ لیں اب دنیا سے مفارقت ہوئی۔ اور ایک پاؤں کی پنڈلی دوسرے پاؤں کی پنڈلی سے مل کر گئے اینٹھنے ۱۲ لہ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں ۱۲

حتی کہ ڈوبنے کو ہوا تو ساری شیخی بھڑ گئی حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اور فرعون کی کیا تخصیص ہے

ہیچ کس از ما کم ز فرعون نیست		لیکن اورا عون ما را عون نیست	

ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیان

خدا جو انسان کی فطرت بیان کرے وہی صحیح اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ فرماتا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ اور حدیث میں آیا ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ اَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ تو قرآن اور حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ تمام آدمی فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اور فطرتِ اسلام وہی خدا کا ماننا ہے اور بس۔ اور فطرت بدلی نہیں جاتی۔ اور جو خدا کو مانے وہ جنتی ہے۔ ذرا ان مقدمات کو ذہن میں جمع کرو تو نتیجہ کیا نکلے گا کہ سب آدمی جنتی ہیں۔ مگر یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ ایک مرتبہ بڑا غل مچا کہ پہاڑ بچہ دینے والا ہے یہ سن کر تمام خلقت ٹوٹ پڑی کہ ماں کا یہ پھیلاو ہے تو دیکھیں بچہ کتنا بڑا ہوتا ہے آخر انتظار بسیار کے بعد چوہیا نکلی۔ لوگ کھسیانے ہو اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔ مذہبی دنیا میں ایسی تہلکہ کی مچا رکھی ہے اور ڈھول لاؤ بات کیا نکلی کہ دین اسلام دین قیم ہے اور انسان اس پر مجبول و مفطور ہے لیکن میں نے کوئی آیت نہیں بنائی اور میں بچارہ کم سواد کیا آیت بناتا جب بڑے بڑے فصحائے عرب دم نہ مار سکے تو میں نے کوئی آیت نہیں بنائی کوئی حدیث وضع نہیں کرلی۔ مجکو مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ الخ

ف یہاں تک کہ جب اس کو ڈوبنے نے آ دبایا تو لگا کہنے کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اب میں بھی اس پر ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوائے کوئی دوسرا خدا نہیں اور اب میں اسی کا حکم مانوں گا ۱۲ ف۲ کیا ہو سکتا ہے کہ جو خدا مخلوق کو پیدا کرے وہی مخلوق کے حال سے واقف نہ ہو ۱۲ ف۳ تو اے پیغمبر ایک خدا کے ہو کر اس دین الٰہی کی طرف کو اپنا رخ کر لو یہ خدا کی بنائی ہوئی ساخت ہے جس کے مطابق لوگوں کو بنایا ہے اللہ کی ساخت کو کوئی نہیں بدل سکتا یہی پکا دین ہے مگر اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں ۱۲ ف۴ جتنے لوگ پیدا ہوتے ہیں سب اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں پھر ان کے ماں باپ جا ہیں ان کو یہودی بنائیں یا نصرانی بنائیں یا مجوسی بنائیں ۱۲ ف۵ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے وہ پہلے دوزخ میں اپنا ٹھکانا کرے ۱۲

اَمَّنْ یَّھْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَی اللّٰهُ
عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ دیکھو تو خدا کی ہستی اور توحید کیسی ساتھ ساتھ چلی ہی ہیں۔
اگر اس قسم کی آیتیں بالاستیعاب پڑھ سُنانی چاہوں تو اس سے کہیں زیادہ آسان ہوگا کہ پرسوں
اترسوں سے رمضان شروع ہونے والا ہی۔ جابجا حفاظ نماز تراویح میں قرآن سُنائیں گے تم اُن کے
پیچھے دھیان کرتے جانا کہ کس کس ڈھب سے خدا اپنی ہستی قدرت اور اپنی وحدانیت کے ثبوت
دیتا ہی مگر ماحصل سب کا وہی ہی جیسا میں نے کہا کہ خدا انسان کی فطرت سے گواہی دلوا کر اپنی ذات
اور صفات کا اقرار کراتا ہی لیکن عربی نہیں سمجھتے تو حافظ کے پیچھے دھیان ہی کیا کروگے مجھ سے ترجمہ پوچھنا
چاہوگے اول تو میں ٹھیرنے والا نہیں اور ٹھیرتا بھی تو نہ بتاتا میں نے تو اُس کو اپنی چڑ بنا رکھا ہی کہ
مسلمان کو عربی کے معنی سمجھاؤں۔ کوئی شخص مسلمان ہوکر عربی کیوں نہیں پڑھتا۔ بے شک تم عربی
سُن کر ترجمے کے لیئے بے قرار ہوتے ہو۔ مگر بلا سے۔ میرے اختیار میں تو تمھارے عربی نہ جاننے کی اتنی ہی
سزا ہی۔ وہ تو میں دے کر رہوں گا۔ بُرا مانو یا بھلا مانو۔ غرض اسلام کے فطری ہونے میں تو کچھ بھی
کلام نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اسلام فطری ہی تو ساری دنیا مسلمان کیوں نہیں ہوگئی۔ اس میں
زیادہ تر اُن ہی لوگوں کا قصور ہی جن کو اسلام سے گریز ہی۔ اور کسی قدر خود مسلمانوں کا بھی۔ واقع میں
بڑی حیرت کا مقام ہی کہ کیوں لوگوں نے اسلام سے گریز کیا اور کیوں ابھی تک گریز کر رہے ہیں۔
اگر لوگ دو اور دو کا چار ہونا بلا عذر تسلیم کرتے ہیں تو کیوں نہیں اسلام کا دینِ حق ہونا تسلیم کرتے میں تو
دونوں باتوں میں کچھ بھی فرق نہیں پاتا جیسا دو اور دو کا چار بدیہی ویسے ہی اسلام کا دینِ حق ہونا بدیہی

لہ بھلا کون ہی جو تم کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھائے اور کون بارانِ رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بارش کی
خوش خبری سنانے کے لیئے بھیجتا ہی کیا اس پر بھی اللہ کے ساتھ دوسرا خدا ہی تمھارے شرک سے اللہ کی شان بہت بلند ہی ۱۲
لہ بھلا کون پہلی بار پیدا کرتا اور پھر مارے پیچھے دوبارہ پیدا کرتا ہی اور کون آسمان و زمین سے تم کو روزی دیتا کیا اس پر بھی
اللہ کے ساتھ دوسرا خدا ہی اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ سچے ہو تو اپنی دلیل لا پیش کرو ۱۲

مگر یہیں سے تو انسان کی اصل حقیقت کھلتی ہے کہ وہ کیسا متعصب اور ضدی اور جھگڑالو اور خود پسند اور سوسائٹی اور رسم و رواج کا مغلوب ہے۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ جس دن خدا نے پیغمبر صاحب کو خلعتِ پیغمبری سے سرفراز فرمایا انھوں نے بتقاضائے بشریت ایسا سمجھا ہو تو عجب نہیں کہ جس خدمت پر میں مامور ہوا ہوں اس کا سرانجام ہونا کیا بڑی بات ہے۔ یہی نہ کہ لوگوں سے خدا کے ہونے کا اقرار کرا لیا جائے۔ سو ایسا کون کوڑ مغز ہوگا کہ ایسی موٹی بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ موتھ سے نکالنے کی دیر ہے لوگ تو اسلام پر ایسے گریں گے جیسے شہد پر مکھیاں یا شمع پر پروانے یا آج کل کی باتوں سے تو تعلیم انگریزی پر پارسی اور بنگالی بات تو واقع میں ایسی ہی تھی مگر جہاں سے اسلام شروع ہوا۔ یعنی عرب وہ لوگ تھے پرلے درجے کے اکھڑ حسد اور غرور اور بے رحمی اور ظلم اور مکر اور دغا اور جھوٹ اور بے حیائی اور فواحش اور چوری اور راہزنی اور شراب خواری اور قمار بازی اور بدکاری غرض جتنے عیب انسان میں ہو سکتے ہیں سبھی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے (لکچرار نے اپنے مسدس میں سے عرب کے حالات کے چند بند پڑھ کر سنائے۔ یہ مسدس لکچرار کی کتاب محصنات یعنی فسانہ مبتلا کے آخر میں جزوِ کتاب ہے اور علیحدہ بھی باضافہ چند بند اتمام حجت کے نام سے چھپ گیا ہے)

ایسے لوگوں کو دین سے کیا تعلق خدا سے کیا سروکار۔ باوجودیکہ ابھی نماز کو نہیں کہا روزے رکھنے کا حکم نہیں دیا زکوٰۃ کی چٹی نہیں ڈالی اس پر بھی مجرد خدا کا نام سننے کے ساتھ ساری بھڑیں چھتوں میں سے نکل پڑیں اور کمبختوں نے پیغمبر صاحب کی زندگی دشوار کر دی لیکن پیغمبر صاحب صرف اتنے آسرے پر کہ جو میں کہتا ہوں ان ہی کے فائدے کی کہتا ہوں۔ اور بات ہے معقول آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں سمجھیں گے پر سمجھیں گے تمام تکالیف کو حسبۃً للہ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہے لیکن لاتوں کے بھوت باتوں سے کیا ماننے والے تھے احمقوں نے پیغمبر صاحب کے افہام و تفہیم کو اپنی اور اپنے بڑوں کی تحمیق اور اپنے بتوں کی تذلیل سمجھا اور کہا جو کچھ موتھ میں آیا اور کیا جو کچھ اُن سے کرتے بن پڑا۔ یہ نہیں کہ ان کو دین اسلام کے

حق ہونے میں کچھ کلام تھا۔ اس میں کلام کی گنجائش ہی کیا تھی۔ مگر مارے حسد اور غرور کے وہ اس عار کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ہم اور دوسرے کے سمجھانے سے سمجھیں وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا وہ تو یوں کہو کہ پیغمبر صاحب قریش کے سب سے بڑے سرداروں کے خاندان کے آدمی تھے اور اس اثنا میں کچھ لوگ پیغمبر صاحب کے سمجھانے سے دین اسلام کے گرویدہ بھی ہو گئے تھے اور بڑی بات تو یہی ہے[۱]

چراغے را کہ ایزد برفروزد	کسے کو پف زند ریشش بسوزد

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ بہتیرے ہی ہاتھ پیر مارے پر وہ بڑھے آگے اسلام کی گاڑی تھی کہ نہ رُکی پر نہ رُکی۔ ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ تمام جزیرہ عرب میں قوم قریش کے لوگ بڑے معزز اور قابل ادب سمجھے جاتے تھے اس لئے کہ یہ لوگ بیت اللہ شریف کے مجاور تھے اور اگرچہ عرب بت پرستی کے ماتھ میں ڈوبے ہوئے تھے مگر ابراہیم کے بنائے ہوئے اس معبد کی تعظیم میں ان لوگوں نے کبھی کمی نہیں کی اور اسی معبد کی وجہ سے قریش کی بھی آؤ بھگت ہوتی تھی کہ یوں سارے ملک میں کسی مسافر کو امن نہ تھا لیکن قریش سے کوئی متعرض نہ ہوتا تھا[۲] لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ حاجیوں کو پانی پلانا ان کی مہمانداری خانہ کعبہ کی بست و کشاد یہ سب خدمتیں انہی لوگوں میں تھیں اور خود پیغمبر صاحب کے آبا و اجداد سربرآوردہ مجاوران بیت اللہ میں سے تھے سو ان لوگوں کو حسد اور غرور جو تھا سو تھا اس کا بھی تو بڑا اندیشہ تھا کہ اگر اسلام پھیلا تو بت پرستی موقوف اور بت پرستی نہیں تو خانہ کعبہ جو اس وقت سب سے بڑا بت خانہ تھا اور جس پر قریش کی عزت اور معاش کا انحصار تھا۔ کچھ چیز نہیں۔ مجردیہی روداد پیغمبر صاحب کی صداقت

[۱] اور باوجودیکہ کافروں کے دل خدا کی آیتوں کا یقین کر چکے تھے مگر انھوں نے براہ ظلم و زیادتی اُن سے انکار ہی کیا ۱۲۔

[۲] اگرچہ قوم قریش پر خدا کے چند در چند احسان ہیں لیکن ان کو چاہیئے کہ صرف ایک احسان کی شکرگزاری میں کہ اُن کو جاڑے گرمی کے سفر تجارت کا خوگر کر دیا ہی خانہ کعبہ کے خدا کی عبادت کریں کہ اُس نے اُن کو بھوک میں کھانے دیا اور لوٹ مار کے خوف سے امن دیا ۱۲

کے لیئے بس کرتی ہو کہ انھوں نے حق کے مقابلے میں اپنی خاندانی ذریعۂ عزت اور وسیلۂ معاش کی ذرا
بھی پروا نہ کی حضرت کے چچا ابوطالب کی معرفت لوگوں نے پیغمبر صاحب کو طرح طرح کے لالچ دکھائے
کہ ہمارے بتوں کے حال سے کچھ بحث نہ کریں اور ابوطالب نے بھتیجے کو سمجھایا بھی۔ مگر پیغمبر صاحب
نے صاف دوٹوک بات کہہ دی کہ چچا جان اگر یہ لوگ آفتاب کو بھی آسمان سے اُتار کر میری گود
میں لے آئیں گے تاہم میں خدائے واحد کی منادی کرنے سے تو باز آنے والا نہیں۔ جب اہل مکہ
نے دیکھا کہ اسلام چپکے چپکے پھیلتا چلا جاتا ہو اور لوگوں کے تیور کچھ بدلے ہوئے سے دکھائی دیتے
ہیں تو انھوں نے آخر الدواء الکی[۱] پر عمل کرنا چاہا۔ کہ بہت سے آدمی مل کر پیغمبر صاحب کو مار ڈالیں
بہت ہوگا تو دیت دینی آجائے گی۔ سب چندہ کرکے بھر دیں گے۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا[۲]
لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ مگر۔ وہی ہے

چراغے را کہ ایزد بر فروزد	کسے کو تف زند ریشش بسوزد

یہ موقع دیکھتے ہی سہے اور پیغمبر صاحب رات کے وقت چپکے سے نکل مدینے جا رہے۔ یوں
مسلمانوں میں اور مخالفین اسلام میں لڑائی کی بنیاد قائم ہوئی۔ مذہب دو طرح کے ہوتے ہیں
ایک اکسکلیوسو (مانع) جس میں غیر قوم کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا جیسے ہندوؤں کا مذہب۔ اور
دوسرا اس کے برخلاف۔ میں نہیں جانتا اُس کا کیا نام رکھوں مگر میں کہتا ہوں اوپن جس کا دروازہ
کھلا ہو۔ جو چاہے آئے۔ اسلام کو اکسکلیوسو بنانے کا پیغمبر صاحب کا ہرگز منشا نہ تھا اور نہ اسلام میں
اکسکلیوسو ہونے کی کوئی بات ہو۔ اس میں کھانے پینے کی چھوت نہیں۔ شریف و رذیل کا تفرقہ
نہیں۔ آقا اور نوکر کا امتیاز نہیں۔ [۳]يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ

[۱] زخم کا آخری علاج داغ دینا ہو ۱۲ [۲] اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو کہ کافر تمہارے لیئے تدبیریں کر رہے تھے کہ تم کو قید رکھیں
یا مار ڈالیں یا دیس سے نکال باہر کریں ۱۲ [۳] لوگو ہم نے تم کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا
کیا اور تمہارے گروہ اور جتھے بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں جو سب سے زیادہ
پرہیزگار وہی خدا کے یہاں سب سے زیادہ معزز ۱۲

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ - اور جب اسلام کو یونیورسل ریجن بنانا منظور تھا تو وہ

انکسکلیوسو ہو ہی نہیں سکتا تھا دنیا میں جتنی ایجادیں ہوا کرتی ہیں اکثر تنکے کے اوجھل پہاڑ ہوتا ہی ایک

ذری سی بات ہی میں کانپور میں تھا کہ سلف ایکٹنگ ٹٹی ایجاد ہوئی یعنے خس کی ٹٹی جو اپنے تئیں

آپ چھڑک لیا کرے۔ گرم ملکوں میں اُس کی سخت ضرورت ہوتی ہے میں بھی سلف ایکٹنگ ٹٹی

کو دیکھنے گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ دروازے کے اوپر کی طرف ڈیڑھ دو فٹ کا ایک چھجہ سا نکال دیا

ہی اُس میں سوراخ ہیں۔ سوراخوں پر پانی کے مٹکے رکھے ہیں۔ اُن سے پانی رستا ہی چھجے کے

کے تلے ٹٹی کی نالی لگی ہی مٹکوں کا پانی اُس نالی میں جمع ہوتا ہی۔ نالی کام کرتی اس طرح پر رکھا ہی

کہ جب نالی بھر جاتی ہی آپ سے آپ ٹٹی پر اُلٹ پڑتی ہی سلف ایکٹنگ ٹٹی بن گئی۔ میں دیر تک

خیال کرتا رہا کہ ایسی آسان بات آج تک کسی کا ذہن اس طرف کو کیوں نہیں منتقل ہوا یہی حال

تمدن اسلام کا کہ شروع سے دنیا میں امن کے قایم کرنے کی ضرورت ہی لوگ اس کی تدبیریں بھی سوچتے

اور کرتے ہیں لیکن یہ فخر ہمارے پیغمبر صاحب کے حصے کا تھا کہ ساری دنیا میں کامن برادرہڈ کے

قایم کرنے کی تدبیر نکالی۔ آسان اور آسان کے علاوہ مذہبی کہ کوئی فرد بشر مذہب سے بے نیاز

نہیں۔ خدا دل میں انصاف دے تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ اسلام کے سوائے ساری دنیا میں

کامن برادرہڈ کے قایم کرنے کی کوئی اور تدبیر ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلام ہی کا عقیدہ ایک عقیدہ

ہی جس پر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو سکتے ہیں۔ پیغمبر صاحب نے اپنی طرف سے بہتیری کہی کہ میں دنیا

میں کامن برادرہڈ قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں میری طرف سے کوئی بات اصل مطلب کے

خلاف نہیں ہونی چاہیے۔ دس برس مشرکوں اور بت پرستوں کے نرغے میں گزار دیے۔

ان کا تو مذہب ہی کیا تھا مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ

بَیْتًا وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ[1] - مذہب کچھ تھا تو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا

[1] جن لوگوں نے خدا کے سوائے دوسرے دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں اُن کی کہاوت مکڑی کی سی ہی اُس نے

ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے بودہ گھر مکڑی کا۔ ۱۲

تھا۔ سو پیغمبر صاحب نے یہاں تک اُن کے ساتھ اہتمام ر چاہا تھا کہ اُن کے پیغمبروں کو پیغمبر مانا
اُن کی کتابوں کا منزل من اللہ ہونا تسلیم کیا اور اس شد و مد کے ساتھ کہ توراۃ کے حق میں فرماتے
ہیں [۱] اِنَّآ اَنزَلنَا التَّورٰۃَ فِیہَا ھُدًی وَّنُورٌ پھر تھوڑی دور آگے چل کر انجیل کی نسبت [۲] وَقَفَّینَا
عَلٰٓی اٰثَارِھِم بِعِیسَی ابنِ مَریَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَینَ یَدَیہِ مِنَ التَّورٰۃِ وَاٰتَینٰہُ الاِنجِیلَ فِیہِ
ھُدًی وَّنُورٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَینَ یَدَیہِ مِنَ التَّورٰۃِ وَھُدًی وَّمَوعِظَۃً لِّلمُتَّقِینَ اس کے علاوہ مسلمانوں کو
تاکید کی [۳] وَلَا تُجَادِلُوٓا اَھلَ الکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِی ھِیَ اَحسَنُ اِلَّا الَّذِینَ ظَلَمُوا مِنہُم وَقُولُوٓا اٰمَنَّا
بِالَّذِیٓ اُنزِلَ اِلَینَا وَاُنزِلَ اِلَیکُم وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُم وَاحِدٌ وَّنَحنُ لَہٗ مُسلِمُونَ ۔ میں نہیں سمجھتا کہ
دوسرے مذہب والوں کے ساتھ سازگاری پیدا کرنے اور سازگاری رکھنے کے لیے پیغمبر صاحب
اس سے زیادہ کیا کرتے اور کیا کر سکتے تھے اور کوئی کیا کرتا اور کیا کر سکتا تھا۔ اُن کا معاملہ بت پرستوں
کے ساتھ اُس نہج پر تھا جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

دل نے ملا دیں خاک میں سب وضعداریاں ■ جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے

اور اہلِ کتاب کے ساتھ میل جول کی یہ کیفیت تھی ؎

مجھ میں اُس میں ربط ہے اے ذوق شکل بو و گل ■ وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

غرض اسلام اکسکلیوسو[۴] تھا اور نہ اکسکلیوسو بننا چاہتا تھا۔ مگر لوگوں نے زبردستی دھکے دے دے کر
اُس کو اکسکلیوسو بنایا۔ اسلام نے تھکنے کے لیے پٹھوں پر ہاتھ رکھنا ہی چاہا تھا کہ اُنھوں نے

[۱] ہم نے توراۃ اُتاری جس میں ہدایت اور نور ہے ۱۲ [۲] اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو مرسلین سابقین کے قدم بقدم چلایا
کہ وہ توراۃ کی جو اُن کے وقت میں موجود تھی تصدیق کرتے تھے اور اُن کو بھی انجیل عنایت کی جس میں ہدایت و نور ہے اور انجیل بھی توراۃ
کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے نزول کے وقت موجود تھی اور خود بھی پرہیزگاروں کے حق میں ہدایت و پند ہے ۱۲۔
[۳] اور مسلمانو! اہلِ کتاب کے ساتھ بحث بھی کرو تو عمدہ طور سے اور ان سے کہو کہ جو کتاب ہم پر اُتری (قرآن)
اور جو کتابیں تم پر اُتریں (توراۃ انجیل وغیرہ) ہمارا تو سبھی پر ایمان ہے اور ہمارا تمہارا خدا بھی ایک ہے اور ہم
اُسی کا حکم مانتے ہیں ۱۲ [۴] الگ تھلگ۔ مانع یعنی جس میں دوسرا داخل نہ ہو سکے ۱۲۔

سب طرح دولتیاں جھاڑنی شروع کیں۔ پیغمبر اور مسلمان بچارے اپنی جانیں بچا بچا کر گھر بار مال و اسباب
وطن دولت زن و فرزند چھوڑ چھوڑ کر مدینے نکل بھاگے اور لوگوں کے ساتھ میل ملاپ کی اُمیدیں منقطع
ہو گئیں اور اب اسلام پورا پورا اکسکلیوسو بنا۔ لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں۔ ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

غرض اس غرض سے کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیں اور اسلام اُس درخت کی طرح جو قلم کرنے سے
اور بڑھتا اور پھولتا پھلتا ہے۔ یوماً فیوماً اپنا احاطہ وسیع کرتا گیا۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ[1] مگر وسعتِ احاطہ کے ساتھ ساتھ کم بخت اکسکلیوسونس کا رنگ بھی گہرا ہوتا جاتا
تھا۔ یہاں تک کہ نبوت کی جگہ خلافت اور خلافت کی جگہ سلطنت آئی۔ اور سلطنت بھی آئی تو شخصی
اور بادشاہوں نے اشاعتِ اسلام کو ملک گیری کا حیلہ بنایا۔ وہ دن اور آج کا دن کہ لوگ ناحق
اسلام کی طرف سے بدگمان ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی سہی عداوت سہی بَیر سہی مخالفت سہی
اور مسلمانوں ہی کا ظلم سہی اُن ہی کی زیادتی سہی مگر اسلام نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ مسلمان دوسری چیز
اسلام دوسری چیز۔ کیا کسی دانشمند آدمی کا کام ہے کہ دوسرے کی ضد سے اپنی ناک کٹائے۔ وہی
جیسا شعیبؑ اپنی قوم سے کہتے تھے وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ
نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ[2] دنیا نے مسلمانوں کے ایجاد کیے ہوئے
علوم جبر و مقابلہ کیمیا۔ ہیئات۔ تاریخ وغیرہ سے فائدے اُٹھائے اور اب تک فائدے اُٹھائے
جا رہے ہیں۔ اسلام کو بھی اسی طرح کا مسلمانوں کا ایجاد کیا ہوا ایک علم سمجھا ہوتا۔ ناحق کی ضد اور
ہٹ دھرمی کا تو کوئی جواب نہیں جس آدمی کے سر میں عقل ہے کسی مذہب اور کسی قوم کا کیوں نہ ہو
وہ ضرور اتفاق کی منفعتوں سے واقف ہوگا وہ ضرور چاہتا ہوگا کہ دنیا میں امن رہے۔ مگر کوئی تو بولو

[1] اُسی خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ سب دینوں پر اُس کو غلبہ دے ۱۲۔
[2] لوگو میری ضد سے گناہ کے مرتکب نہ ہو مبادا تم پر وہ آفتیں نازل ہوں جو قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر نازل
ہوئیں اور یوں تو قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں بھی تم سے کچھ دور نہیں ۱۲۔

ازبرائے خدا کوئی تو بولو کہ اسلام کے سوا سے اتفاق اور امن کی کوئی اور بھی تدبیر ہے۔ دنیا میں مذہب ہی
تمام فسادات کی جڑ ہیں یہی وہ حضرت ہیں جنھوں نے خدا جھوٹ نہ بلوائے دنیا میں کروڑوں خون کرائے
ہیں۔ اور یہ ایک فیصل شدہ بات ہے اور اس کو گھر جاکر اپنی جگہ اچھی طرح سوچ لینا کہ جب تک دنیا کا ایک مذہب
نہیں ہوگا ممکن نہیں کہ لوگوں میں یک دلی اور اتحاد پیدا ہو۔ اچھا تو وہ کون سا مذہب ہے جس کو ساری دنیا
آسانی کے ساتھ قبول کرسکتی ہے۔ وہ نہیں ہے مگر اسلام۔ ازروئے فطرت مسلمان ہونا اختیاری بات
نہیں۔ آدمی ہے تو وہ عقل بھی رکھتا ہے اور عقل رکھتا ہے تو وہ خدا کو بھی مانتا ہے اور خدا کو مانتا ہے تو وہ مسلمان ہے
ہاں اختیاری کیا بات ہے کہ کامن برادرہڈ کی جو سوسائٹی پیغمبر صاحب نے قائم کی اور اُس کا نام رکھا
سوسائٹی اسلام۔ تم اس سوسائٹی کے ممبروں میں اپنا نام لکھواؤ یا نہ لکھواؤ۔ لیکن اگر تم اسلام کی سوسائٹی
کے ممبروں میں اپنا نام نہیں لکھواؤ گے یعنی موتیجھے مسلمان ہونے کا اقرار نہیں کروگے تو سوسائٹی تم کو اپنے ممبروں
میں شمار نہیں کرے گی۔ اور یہ بالکل واجبی بات ہے۔ لیکن تم عجب عقل کے آدمی ہوگے کہ ممبری کا چندہ
دو اور ممبر نہ بنو خدا کے معتقد ہو اور اپنے تئیں مسلمان نہ کہو۔ اور ہاں سمجھے رہنا کہ بدعقلی کے سوا تم پر خودسری
اور نااحسان مندی کا الزام بھی عائد ہوگا کہ ایک شخص نے ایسی عمدہ اور مفید سوسائٹی قائم کی تھی تم نے اس کے
شمول سے انکار کیا اور بانی سوسائٹی کا کچھ حق نہ مانا۔ آخر سر سید احمد خاں کو علی گڈھ محمڈن کالج کا بانی بھائی
شمس دین کو انجمن حمایت اسلام و ما یتعلق بہا کا بانی مانتے ہو اور غالباً احسان مندی سے مانتے ہو اور اب
نہیں بھی مانتے تو آیندہ چل کر مانو گے اور ضرور مانو گے تو پیغمبر صاحب ہی نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ ان کو اسلام کا
بانی امن عام کی تدبیر کا موجد اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن یعنی رحمۃ للعالمین تسلیم نہ کرو۔ لوگو انصاف
بھی کوئی چیز ہے۔ اور کامن برادرہڈ سوسائٹی یعنے اسلام کے ممبروں کی فہرست میں نام لکھوانے اور ممبر ہونے کا
اقرار کرنے کی ضرورت بھی اس وجہ سے واقع ہوئی کہ تم ہی لوگوں نے اس سوسائٹی کو اکسکلیو سوسائٹی
بنایا ورنہ بانی سوسائٹی نے تو سبھی کو سوسائٹی کا ممبر سمجھ لیا تھا۔ وہ جو میں نے کہا کہ اسلام فطری ہے تو ساری دنیا
مسلمان کیوں نہیں ہوگئی اس میں زیادہ تر اُن ہی لوگوں کا قصور ہے جن کو اسلام سے گریز ہے اور کسی قدر مسلمانوں
کا بھی سو لوگوں کا قصور تو سُن چکے مسلمانو اب اپنا قصور سنو تم نے پیغمبر صاحب کی رسالت کا اصلی مطلب کو یا تو

بجا نہیں بلکہ ان مقاصد کی تکمیل میں تم نے مدد نہیں دی۔ اُس رسالت کا اصلی مطلب کیا تھا۔ یہی کہ
اسلام یونیورسل ریلیجن ہو اور اُس کے ذریعے سے تمام دنیا میں ایک کامن برادرہڈ قایم کی جائے۔ اچھا
اسلام یونیورسل ریلیجن ہو گیا اور تمام دنیا میں ایک کامن برادرہڈ قایم ہو چکی؟ میں اس کے جواب میں تمہارے منہ
سے نہیں سننا چاہتا کہ یہ ہمارے اختیار سے خارج ہے۔ یہ فرماؤ کہ تم نے اس لین میں کیا کیا۔ برا ماننے کی
بات نہیں جہاں تک میں خیال کرتا ہوں تم نے تائید کے عوض اڑنگے لگائے۔ پیغمبر صاحب تم کو اپنا
نمونہ دکھا گئے تھے کہ اس مطلب کے حاصل کرنے کے لیے کیا تدبیریں کرنی ہوں گی۔ پیغمبر صاحب
کی ہجرت سے پہلے کی زندگی اور سیدھی بات یہی کیوں نہ کہوں رسالت کی عمر کا پہلا نصف ہم مسلمانوں
کے لیے ایک سبق ہے۔ جو ہر مسلمان کو ازبر ہونا چاہیے۔ خاص کر ان کو جو اسلام کی حمایت کا دم بھرتے
ہیں ہماری حالت کو پیغمبر صاحب کی ہجرت کی بعد کی زندگی کے ساتھ تو کچھ بھی مناسبت نہیں کہاں
اُس وقت کے مسلمان اور اُن کی فتوحات اور کہاں ہم۔ اوروں کی رعایا اور اوروں کے محکوم اور دوسرے
مستامن۔ مگر ہاں ہجرت سے پہلے کی زندگی میں ہم کو بہت سی ہدایتیں مناسب حالت ملتی ہیں۔ سو ہم
دیکھتے ہیں کہ جس قدر مخالف کھینچتے تھے پیغمبر صاحب ڈھیل دیتے چلے جاتے اور اُسی قدر اُن کی طرف
کو جھکتے تھے تاکہ ان کو گریز و وحشت نہو۔ شروع شروع میں ایک دم سے شرائع کا بوجھ نہ ڈالا۔ ہجرت
تک صرف خداشناسی کی تعلیم کرتے رہے۔ پھر جوں جوں اسلام کی خوبیاں لوگوں کے ذہن نشین
ہوتی گئیں طریق معاشرت میں اصلاح کی عبادت کی رغبت دلائی۔ اور شریعت میں اُس کے سوا
ہو کیا یہاں تک دل جوئی منظور تھی کہ حطیم کو جانتے تھے کہ جزو کعبہ۔ اور داخل کعبہ ہے۔ مگر چوں کہ ایک زمانے
میں خانۂ کعبہ کی تجدید کرتے وقت بے مقدوری کی وجہ سے قریش نے اتنی جگہ چھوڑ دی تھی آپ نے
بھی اُس کو چھوڑ ہی رکھا۔ نماز پڑھا رہے ہیں اور باہر سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی اس خیال سے
کہ ایسا نہ ہو اس کی ماں میرے پیچھے نماز میں ہو جلدی جلدی کر کے سلام پھیر دیتے تھے۔ ایک
مدت تک بیت المقدس کی طرف کو نماز پڑھا کیے تاکہ اہل کتاب تبدیل قبلہ سے چونکنے نہ ہوں۔
اب اس کے متوازی ہم نے کیا کیا کہ لوگ ہم سے کھنچے تو بھی اینٹھے۔ جتنے پیغمبر صاحب اہل کتاب کی آسمانی کتابوں سے

ضلال واستشہاد کرتے تھے فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا۔ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ۔ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ ہم نے ان کتابوں کو ردی سے زیادہ بے قدر سمجھا۔ کیا عہد عتیق اور عہد جدید کے ہزارہا نسخے چھوٹی
چھوٹی زبانوں میں نہیں صرف ہوتے اور مسلمان ان کتابوں کی ایسی بےحرمتی کو ثواب نہیں سمجھتے۔ ذرا
مسلمانوں کے علم کلام کی کتابیں دیکھو وہ کہتے ہیں کہ اصلی کتابوں کا کہیں پتہ نہیں اور یہ جو یہودی اور
عیسائی لیئے پھرتے ہیں یہ سب ان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں اس سے زیادہ دل کا دکھانے والا اور کون سا
الزام ہو سکتا ہے۔ جھوٹی دستاویز بنانے کی سزا سات برس کی قید ہے نہ کہ آسمانی کتاب اور کلام الٰہی میں
جعل کرنا۔ بے شک نہ صرف ہم مسلمانوں کو بلکہ میں کہتا ہوں ساری دنیا کو قرآن کے ہوتے کسی آسمانی
کتاب کی ضرورت نہیں اور جس نے عہد عتیق اور عہد جدید اور قرآن کو انصاف کے ساتھ پڑھا اور سمجھا ہوگا وہ خود بول اٹھے گا
کہ واقع میں قرآن عمدہ اور مؤثر ہونے کے علاوہ آدمی کو کامل دیندار اور نیک بنانے کے لیئے
کافی اور وافی ہے۔ مگر قرآن کی خوبیوں کا بیان کرنا اور چیز ہے اور دوسروں کی قابل ادب کتابوں کو
غلط اور جھوٹا اور نامعتبر اور جعلی کہنا بالکل دوسری چیز۔ کتاب جس قدر پرانی اُسی قدر نامحفوظ الا قرآن
کہ اس کی حفاظت کا خدا نے غیب سے ایک سامان مہیا کر دیا ہے۔ کہ مسلمانوں کو اس کے زبانی
یاد رکھنے کا شوق ہے۔ حافظ قرآن ہونا مسلمانوں میں ایک دینی فضیلت ہے۔ جیسے حاجی ہونا اور کہتے ہیں کہ
حافظ کی سات پشتیں بے حساب بخشی جائیں گی۔ پس مسلمانوں میں کثرت سے قرآن کے حافظوں کا
ہونا حقیقت میں ایک بڑا زبردست چیک (روک) ہے کہ قرآن میں نہ کوئی تصرف کر سکا ہے اور نہ
آیندہ کوئی تصرف کر سکے گا۔ مگر سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کو اور اس عموم میں پچھلی آسمانی کتابیں
بھی آگئیں یہ شرف یہ مزیت حاصل نہیں۔ کتاب جتنی پرانی اُسی قدر نامحفوظ۔ لوگ گلستان کو کہتے
ہیں کہ اس میں سعدی کا ایک لفظ بھی باقی نہیں۔ اور پھر ترجمے کو تبدیل اور تصحیف اور تحریف جو چاہو
کہہ سکتے ہو جو شخص ترجمے کی مشکلات سے واقف ہے وہ بے تامل اس کی تصدیق کرے گا کہ کتاب [illegible]

۱؎ توراۃ لے آؤ اور اُس کو پڑھ کر سناؤ ۱۲ ۲؎ جو کتاب تمہارے پاس ہے میں تو اُس کی تصدیق کرتا ہوں ۱۲ ۳؎ یہ پیغمبر
اُن کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اُس کے زمانے میں ہیں ۱۲

کی چیز ہی ایک جملے کے ترجمے میں کیا سے کیا ہو جاتا ہی- علاوہ بریں پیشین گوئیاں ہمیشہ مبہم ہوا کرتی
ہیں- اپنے ہی یہاں کے امام مہدی اور دجّال وغیرہ کی پیشین گوئیوں کو کیوں نہیں دیکھتے بغرض قدامت
اور ترجمہ اور ابہام کی وجہ سے پچھلی آسمانی کتابوں میں کچھ تصرف ہوا ہو تو عجب نہیں مگر ایک دم سے ان کو جعلی
بتانا اور یہ کہنا کہ لوگوں نے بے ایمانی سے جعل کیا دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی بات ہی- اسی پر چاہتے
ہو کہ اہلِ کتاب تمھاری طرف کو جھکیں- کچھ تو مسلمان بادشاہوں کی دست درازیوں نے اور رہا سہا
مسلمانوں کی ایسی دل خراش باتوں نے اسلام کو لوگوں کی نظروں میں مبغوض ٹھیرا دیا- میں نے
ابھی حال میں لارڈ براسی کی ایک تقریر انگریزی اخبار میں دیکھی ہی- اور وہ میرے دل پر اس طرح
نقش ہو گئی ہی جیسے کسی نے نوکِ نشتر سے گود دی ہو- ولایت سے ایک کمیشن اس بات کی تحقیق
کے لیے ہندوستان میں آیا تھا- کہ افیون کے استعمال نے لوگوں کی تن درستی اور اُن کے اخلاق پر
کیا اثر کیا ہی اور گورمنٹ نے جو افیون کی کاشت امانی کر رکھی ہی مناسب ہی یا نامناسب لارڈ براسی
اس کمیشن کے پریزیڈنٹ تھے اور پریزیڈنسی کی حیثیت سے ہندوستان میں تشریف لائے اور کچھ چلے
پھرے بھی اور چندے ہندوستان میں مقیم رہے- اب وہ وکٹوریہ کالونی کے گورنر مقرر ہوئے ہیں-
دستور کے مطابق انکو لندن میں ڈنر دیا گیا- اور اس تقریب میں لوگوں نے تقریریں کیں- ازاں جملہ لارڈ
براسی نے بھی ایک تقریر کی جس میں اُنھوں نے فرمایا اور فرمایا بھی تو اس وثوق کے ساتھ کہ گویا وہ
ہندوستانیوں کے حال سے خوب واقف ہیں- اس واسطے کہ وہ ہندوستان میں چند سال نہیں
بلکہ چند روز رہ گئے ہیں- شکر ہی کہ لارڈ براسی نہ سکرٹری آف سٹیٹ ہیں نہ وایسرائے نہ ہندوستان
کے کوئی اور حاکم با اختیار- لیکن اگر برٹش گورمنٹ کو ایک دریا فرض کریں تو ہم مچھلیاں ہیں اور مچھلیوں
میں بھی جھینگے اور لارڈ براسی ایک مگرمچھ- اُنھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا محمڈنز ہیو نور بین اینڈ نور کین
بی فلی رکنسائلڈ ٹو اے کنڈشن آف سبارڈینیشن ٹو اے کرسچن پور یعنی مسلمان عیسائیوں کے ماتحت
ہو کر رہنے سے نہ کبھی پورے پورے رضامند ہوئے اور نہ آیندہ کبھی رضامند ہو سکتے ہیں-
لارڈ براسی کے یہ لفظ کانٹے کی طرح میرے دل میں چبھے اور میں تا بدیر سکتے کی حالت میں رہا کہ

یہ تو ایک طرح کا حملہ اسلام پر ہو کیوں کہ انھوں نے مطلقاً مسلمانوں کو الزام دیا۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ
ہم کانگرس تک کے پاس بھی جاکر نہیں کھڑے ہوئے نہ اس خیال سے کہ لارڈ ڈبراسی اور اُن کی طرح
کے دوسرے ناواقف انگریز کیا خیال کریں گے بلکہ کانگرس کی شرکت سے ہم کو خدا کا وہ فرمان روکتا تھا
اور اب بھی روکتا ہو جہاں اُس نے ارشاد کیا ہو اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ
ہم اگر برٹش گورنمنٹ کی دل سے قدر نہ کریں تو ہم مروت اور حق شناسی اور احسان مندی اور
انسانیت یعنے اسلام سے بے نصیب ہوں اور لارڈ ڈبراسی نے تو عام مسلمانوں کی دل شکنی
کرنے میں کوئی کسر نہیں کی مگر ہم بھی ان کو ایسا فضیحت کریں کہ وہ بھی یاد رکھیں یعنے پہلے سے
بھی برٹش گورنمنٹ کی دوگنی چوگنی خیرخواہی اور اطاعت گزاری اور فرماں برداری کر دکھائیں تو
سہی لیکن لارڈ ڈبراسی نے یہ خیال غلط کہاں سے پیدا کیا ہو نہ ہو یہ اُن کا مذہبی خیال ہو اور مسلمانوں
کی اُن ہی جلی کٹی باتوں سے پیدا ہوا ہو جو متکلمین علم کلام کی کتابوں میں لکھ مارا کرتے ہیں۔ نہ تو لارڈ ڈ
براسی ہی نے اوپیم کمیشن کے پریذیڈنٹ ہو کر اپنی بات کے نتائج پر نظر کی کہ عام مسلمانوں پر ایک
غلط اور بے اصل الزام لگا دیا۔ اور نہ مسلمان بھائی ہی اپنی اس بات کے نتائج پر نظر کرتے ہیں کہ
بے تامل پچھلی آسمانی کتابوں کو جھوٹا اور جعلی کہہ بیٹھتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی یہ حرکت بانی اسلام کے
منشا کے بالکل خلاف ہی۔ پھر قرآن نے اہل کتاب کے کھانے کو درست بتایا کتابیہ عورتوں کے
ساتھ نکاح کی اجازت دی۔ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ
وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ
اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ۔ یہ کیوں ہے اس لیے اور

ف۵ مسلمانو خدا اور رسول اور اپنے حاکموں کا حکم مانو ۱۲ ف۶ مسلمانو آج تمھارے لیے تمام ستھری چیزیں حلال
کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے اور تمھارا کھانا اہل کتاب کے لیے حلال اور مسلمان عورتیں اور
اور اُن لوگوں کی عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہی تم نکاح میں لا سکتے ہو بشرطیکہ ان عورتوں کے مہر دو اور
گھر بسانا منظور ہو نہ صرف مستی نکالنا اور آشنائی لگانا ۱۲۔

میں کہتا ہوں اسی لئے کہ اہل کتاب میں اور اہل اسلام میں اختلاط و ارتباط پیدا ہو مسلمانوں نے ہائے بھی کہنا پڑتا ہی۔ مسلمانوں نے اختلاط و ارتباط پیدا کرنا کیسا اہل کتاب کی طرح کھانے اہل کتاب کے سے لباس پہننے کو بھی حرام بلکہ موجب کفر سمجھا۔ یقین نہ ہو تو حرمت اور کفر دونوں کے فتوی سید احمد خاں کے پاس فرد محفوظ ہوں گے کہ وہی تو اُن کے سچے مسلمان ہونے کے سرٹیفکٹ ہیں لے کر دیکھو۔ پیغمبر صاحب کو بڑی تمنا تھی کہ مسلمان کثرت سے ہوں اور فرمایا کرتے تھے اُبَاھِیْ بِکُمُ الْاُمَمَ[1]۔ سو مسلمانوں نے اچھا اس تمنا کو نباہا کہ غیروں کو اپنے میں ملانے کی کوشش تو درکنار اگلوں کی منت سے جو صورتیں اسلام میں دکھائی دیتی ہیں ان ہی کے نکالنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ اس وقت اسلام میں جتنے فرقے ہیں نیچریوں کو چھوڑ کر کہ تم بھی ان کو مسلمان نہیں سمجھتے اور وہ بھی اس سے خوش ہیں۔ ہر ایک فرقے کے مولوی کو سامنے بٹھاؤ اور مسلمانوں کی مردم شماری کا رجسٹر رکھوا گے اور جس جس کو کافر کہتا جائے کاٹتے چلے جاؤ۔ انجام یہ ہوگا کہ خدا نے چاہا سارے ہندوستان میں ایک متنفس مسلمان باقی نہیں رہے گا سنیوں کو شیعے کافر کہیں گے۔ شیعوں کو سنی۔ وہابیوں کو بدعتی بدعتیوں کو وہابی۔ مقلدوں کو غیر مقلد غیر مقلدوں کو مقلد۔ مجکو تم کو ہیں۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[2] وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا[3] کی کیا خوب تعمیل ہی۔ کیوں جی وَلَا تَفَرَّقُوْا کے معنے کیا ہیں مسلمانوں میں جو تفرق واقع ہوا ہی اختلاف رائے کی وجہ سے واقع ہوا ہی اور رائے اپنی ہو یا غیر کی اختیاری بات نہیں۔ تو کیا لَا تَفَرَّقُوْا معاذ اللہ حکم مہمل ہی یا خدا ہم سے طلب محال کرتا ہی۔ نہ حکم مہمل ہی اور نہ طلب محال ہی بلکہ لَا تَفَرَّقُوْا کے یہ معنے ہیں کہ گو تم میں اختلاف ہوں بھی تاہم تم ایک کو دوسرے سے جدا نہ سمجھو ان اختلافات سے نفس اسلام میں کوئی خلل نہیں آتا۔ پیغمبر صاحب نے تو بس ایک ہی بات پکڑ رکھی تھی لا الٰہ الا اللہ اور وہ اہل کتاب سے پکارے کہتے تھے تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ[4]۔

[1] میں تمہاری وجہ سے دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا ۱۲ [2] اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار [illegible] کرو ۱۲ [3] اور اُن لوگوں جیسے نہ ہو جنھوں نے آپس میں پھوٹ ڈالی اور اختلافات پیدا کیے ۱۲ [4] اے اہل کتاب آؤ ہم تم یکساں طور پر ایک بات تسلیم کریں کہ خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ خدا کے سوائے

(بقیہ حواشی صفحہ ۶۶۲)

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ - ایک صحابی نے کسی قصور پر اپنی لونڈی کو طمانچہ مار دیا۔ پیغمبر صاحب کو خبر ہوئی اور اُس لونڈی کا کفر و اسلام بھی مشتبہ تھا آپ نے اُس لونڈی کو بلوا کر پوچھا کہ تو خدا کو بھی جانتی ہے اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں۔ بولی آپ اُسی کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اس پر پیغمبر صاحب نے اُن صحابی سے فرمایا یہ تو اچھی خاصی مسلمان ہے اِس کو آزاد کرو سبحان اللہ اسلام کا کیا آسان امتحان تھا خدا نہ کرے کہ آج کل کے مولوی اگزیمینر (ممتحن) ہوں تو یہ مجھ جیسے جید مسلمان کو بھی فیل کر دیں۔ یہ مجھ سے کہلوا کر دیکھیں دواد اور ذواد تو میں کیا بتاؤں۔ دواد اور ذواد تو کیا ادا ہوگا ہم سے تم پنجابیوں کی طرح بھائی تو کہا ہی نہیں جاتا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا حضرت میں کاشتکاری کرتا ہوں دن بھر کھیتی کے کام کاج میں لگا رہتا ہوں رات کو تھکا ماندہ آتا ہوں تو صبح سویرے میری آنکھ نہیں کھلتی یعنی نماز صبح قضا ہو جاتی ہے اور یوں بھی مجھ سے پانچ نمازیں نہیں ہو سکتیں۔ فرمایا ایک دو جو تم سے ہو سکے۔ کیا اس سے یہ نکلا کہ پانچ وقت کی نماز ضروری نہیں نہیں بلکہ یہ بھی پرچانے کی ایک تدبیر تھی کہ مطلق نماز کا خوگر ہوگا تو رفتہ رفتہ اُس کو نماز میں مزہ آنے لگے گا اور مزہ آئے پیچھے پانچ نمازیں کیسی یہ تو پڑھے گا صلوٰۃ التسبیح تمہارے ذہن ان تدبیروں اور حکمتوں سے آشنا ہی نہیں جب دیکھو جنت کے دروازے پر لٹھ لئے کھڑے ہو کسی نے اندر جانے کا نام لیا اور تم نے لٹھ سہی کیا۔ یہ تو تم نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ دین اسلام کا لب لباب ہے لا الٰہ الا اللہ یعنی خدا شناسی۔ لیکن عالم اسباب میں اس خیال کا قایم رکھنا ذرا ہی مشکل۔ اور یہی تو پانی کے مرنے کی جگہ ہے اور یہیں سے شرک اور بت پرستی نے نشو و نما پایا ہے سو یہ بھی انسانی طبیعت کا ایک ضعف ہے اور ہمارے وقتوں کے مسلمان خود کب اس ضعف سے خالی ہیں یہی وہ جگہ ہے جہاں میں توحید کے بارے میں ہر سال کچھ نہ کچھ کہہ جاتا ہوں اور یہی وہ مضمون ہے جس کے صلے میں تمہارے اسی شہر سے مجکو نیچری بھانڈ کا خطاب عطا ہوا تھا یاد ہے یا نہیں۔ وقت نہیں ہے۔ ورنہ اُسی مضمون کو میں اور شد و مد کے ساتھ پھر بیان کرتا اور پھر تم سے

کوئی آدمی کسی آدمی کو خدا مانے اس پر بھی اہل کتاب بگڑیں تو ان سے کہدو کہ سن رکھو کہ ہم تو اُسی ایک خدا کے فرماں بردار ہیں ۱۲۔

ہوئی اور پھر کتا ہوا ساخطاب لیتا اور عدالت میں مقدمہ دائر کرکے اُس کی جسٹری کراتا۔ میں نے بلیاء کہا ہی اور پھر کہتا ہوں اور جب تک مقدمہ دائر کرنے کے لئے میری جیب میں پیسے ہیں نہیں بلکہ جب تک زندہ ہوں کہا کروں گا کہ ہم مسلمانوں کی نبی موحد کا کلمہ بھرنے والوں کی توحید بھی ویسی ہی اور اُسی کے قریب قریب متزلزل ہی جیسی اہل کتاب کی اور جیسی اُن لوگوں کی جن کو ہم مشرک اور بُت پرست بتاتے ہیں۔ فرق اگر ہی تو اسی قدر کہ اُنھوں نے اپنے بزرگوں کو بڑھایا چڑھایا اور ہم نے اپنے بزرگوں کو وہ بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ہم بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ بھلا اس ہیکڑی کا کہیں ٹھکانا ہی کہ جن افعال کی وجہ سے ہم دوسروں کو مشرک اور بُت پرست قرار دیں وہی اور ویسے ہی افعال ہم کریں اور پھر پکے مسلمان پکے موحد۔ کیوں کہ اسلام نہیں ہی مگر توحید اور توحید نہیں ہی مگر اسلام۔ بات یہ ہی کہ ہم آدمی آدمی سب یکساں ہیں خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا کلیئے سے جیسے ہم خارج نہیں اور لوگ بھی خارج نہیں اسباب کے جال ہیں جیسے ہم پھنسے ہیں اور بھی پھنسے ہیں۔ اور خدا کا پتہ لگانا ہی جس کو آج تک کسی فرد بشر نے اور نہ صرف فرد بشر نے بلکہ فرشتوں نے بھی دیکھا تک نہیں جبرئیل جیسے فرشتے مقرب حامل وحی کی نارسائی تو سعدی کے بیان سے ظاہر ہی کہ وہ فرماتے ہیں نظم۔

چناں گرم در تیہ قربت براند	کہ جبریل در سدرہ زو باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام	کہ ای حامل وحی برتر خرام
کہ چوں در طلب صادقم یافتے	عنانم ز صحبت چرا تافتے
بگفتا فراتر مجالم نماند	بماندم کہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سر موے برتر پرم	فروغ تجلی بسوزد پرم

اور ہم بنی آدم میں سے تو ایک حضرت موسیٰ نے ایسی حرکت کی تھی رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ سوان کو بھی ٹلانے پہلے ایک ڈانٹ بتائی لَنْ تَرٰىنِيْ پھر اُن کا اصرار دیکھا تو فرمایا وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى ۔۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ

۵۱ خطلے یہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں ۱۲ ۵۲ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہی ۱۲ ۵۳ ای خدا مجھے ایک نظر اپنے تئیں دیکھ لینے دے ۱۲ ۵۴ تم ہرگز ہم کو نہیں دیکھ سکو گے ۱۲ ۵۵ لیکن پہاڑ کی طرف نظر کرو اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو شاید تم بھی ہم کو دیکھ سکو گے ۱۲

تاب لائے اس پر بھی موسیٰ اَرِنی رب سے تو دیکھا جو دیکھا فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا
اپنی جرات کا خمیازہ بھگت لیا تو آگے کو کان اینٹھا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُؤْمِنِيْنَ غرض انسان کی درماندگی کا یہ حال اور منزل دور کچھ تو اپنے ابنائے جنس کے حال پر
رحم کرنا چاہیئے۔ اپنی چھاچھ کو اپنے مونھ میٹھا کہنے سے چھاچھ میٹھی نہیں ہو جائے گی۔ ہم کو تیرہ سو
برس سے اسی ایک بات کی مشق کرائی جا رہی ہو اور خدا جیسی چاہیئے آج تک رواں نہیں ہوئی
تو دوسروں میں ایسا کہاں کا سرخاب کا پر لگا ہو کہ سننے کے ساتھ اور سننا بھی اس طرح کا سننا کہ فل غپاڑے
میں کان پڑی آواز نہ سنائی دے۔ کیونکر توقع کی جا سکتی ہو کہ دوسرے لوگ جن کو بھڑکانے میں ہم نے
کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا سننے کے ساتھ باون تولے پاؤرتی کے ٹکسالی مسلمان ٹکسالی موحد
ہو جائیں۔ میرا مستحکم عقیدہ ہو کہ مسلمان جتنی رعایت اپنی قوم کے ساتھ کرتے ہیں زیادہ نہیں تو اتنی ہی
رعایت دوسروں کے حق میں جائز رکھیں تو اس کا من بردھڑ کو جس کا قایم کرنا بانی اسلام کا اصلی
مقصود تھا کیسی کچھ ترقی ہو۔ لیکن جو روش مسلمانوں نے اختیار کی ہو وہ یقیناً امن بردھڑ کو توڑ پھوڑ
کر ایک نہ ایک دن معدوم کر کے رہے گی ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی	کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

ابھی تو میں تمھاری سہار ٹٹولتا ہوں جب ان باتوں سے تمھارے کان آشنا ہو جائیں گے تو مجکو تم سے
بہت کچھ کہنا ہی۔

بائیسواں لکچر جو مدرسۂ طبیہ دہلی کے چھٹے سالانہ جلسے میں ۱۸۹۵ء کو دیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ کیا شور و غوغا ہی کاہے کا غل ہی	نہ آواز نے ہو نہ بانگِ دُھل ہی
نہ کچھ ساز و سامان دل بستگی ہی	نہ رقاص ہی اور نہ ساقی نہ مُل ہی

؎ جب خدا پہاڑ پر جلوہ افروز ہوا تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے ۔۔ موسیٰ کو ہوش آیا تو لگے کہنے
اے خدا تیری ذات پاک ہی اور میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور تجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا ۱۲۔

سنا تھا کہ دل قوم کے مر گئے ہیں
ان ہی میں کسی مرنے والے کا قل ہے

محرم کی مجلس ہی ہیں اُس کا ذاکر؟
و یا بزم میلاد ختم الرسل ہے

نہ یہ ہے نہ وہ ہے تو پھر کیا سبب ہے
کہ اتنا بڑا صحن لوگوں سے فل ہے

اگر بے سبب ٹوٹ آئی ہے خلقت
تو کیا ان کے پیروں میں ناحق کی چُل ہے

نہیں - مدرسے کا ہے سالانہ جلسہ
یہ تقریب معمول و معلوم کل ہے

طبابت میں فصلِ بہار آ رہی ہے
بھلا اس کے گلشن میں یہ تازہ گل ہے

یہ بستی ہے اِک بحرِ امواجِ آفت
طب اُس پہ سے ہو کر گزرنے کا پل ہے

مگر کون طب جس کا ماخذ ہے یوناں
کہ محفوظ و مامون و خیر السبل ہے

نہ وہ طب کہ جس سے ذرا آنکھ چوکی
تو یہاں مشعلِ زندگانی ہی گُل ہے

جس طرح ہاتھی کے کھانے کے دانت اَوْر ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور - اِسی طرح یہ کالج ہوئے سکول ہوئے اِن کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں اندرونی اور بیرونی - اندرونی حالت کو پروفیسر پرنسپل کے سوائے کوئی جان نہیں سکتا خصوصاً اِس مدرسے کی اندرونی حالت کہ اُس کے سب سے بہتر جج صرف عبد المجید خاں صاحب ہیں اور بس - کیوں کہ یہ بانی اور پروفیسر اور سکرٹری یعنے مدرسے کے ہمہ اوست اور ہمہ ازوست ہیں - ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

سو عبد المجید خاں صاحب نے اپنے ذہن میں ایک آئیڈل (خیالی) مدرسہ بنا رکھا ہے اور چاہتے ہیں کہ ویسا ہی مدرسہ خارج میں بھی موجود ہو جائے - ویدکی اور یونانی اور انگریزی طبابتوں کا جامع علم طبابت اور عمل طبابت دونوں پر حاوی کہیں اِس لڑائی کی تقریب میں جو اِن دنوں ہو رہی ہے اِن کو چین اور جاپان کے علاجوں کی خبر نہ لگ گئی ہو کہ اُن کو بھی اپنے مدرسے کے کورس میں شامل کر بیٹھیں اور بیچارے طالب العلموں کی جان پر مصیبت پڑے ع

چہ است درسر ایں مردم محال اندیش

تھیوریٹکلی دیکھنے کے طور پر تو یہ آئیڈیل سکول نہایت عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر پریکٹیکلی دعملاً) بہت لوگ
اس کو شیخ چلی کا منصوبہ ہی سمجھتے ہیں لیکن دنیا میں جتنے بڑے نام و نمود کے کام ہوئے ہیں۔ ابتدا میں
شیخ چلی کے منصوبے ہی سمجھے گئے ہیں اور ہمت والے لوگوں نے اُن کو اپنے استقلال سے واقعات کر دکھایا
ہی۔ کیا عجب ہی کہ یہ مدرسہ بھی فی علم اللہ ایسے ہی بڑے کاموں میں سے ہو۔ تاہم بہت بڑا فرق ہی امکان
وقوع اور وقوع میں ہم لوگ۔ توقعات سننے کے لیئے نہیں آئے واقعات دیکھنے کے لیئے آئے ہیں
سو توقعات کے مقابلے میں واقعات ہماری ہی نظر میں نہیں جنچتے تو عبد المجید خاں صاحب کی نظر
میں کیا جنچتے ہوں گے۔ ہم نے سید احمد خاں کو دیکھا ہی کہ علی گڈھ محمڈن کالج میں سحر کر دکھایا۔
مگر اُن سے پوچھو تو ابھی آٹے میں نمک بھی نہیں عبد المجید خاں بھی سید احمد خاں ہی کے ٹائپ
(طرز) کے آدمی ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی چند قدم آگے بڑھے ہوئے کیوں کہ سید احمد خاں نے ولایت
جا کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کو دیکھا اور ان ہی کے نمونے پر علی گڈھ محمدن کالج جاری کیا۔ عبد المجید خاں
نے یہیں بیٹھے بیٹھے اپنے ذہن سے ایک بات ایجاد کی جو کسی کو بھی نہیں سوجھی کہ مختلف زمانوں اور
مختلف ملکوں کی طبابت کو ملا کر ایک معجون طبابت بنائی جائے۔ تو سید احمد خاں پھر بھی مقلد ہیں
اور عبد المجید خاں موجد و شتّان بینہما ہاں ایک مزیت عبد المجید خاں کو اور بھی ہی کہ انھوں نے
اپنی وضع نہیں بدلی۔ مگر ان کے افتاد مزاج سے تو ڈر لگتا ہی جب سید احمد خاں کے سر میں
اس طرح کے خیالات گونجنے شروع ہوئے تو وہ بھی ہماری ہی وضع رکھتے تھے غرض سید احمد خاں اچھے
عبد المجید خاں [illegible] ہیں دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔ تو جب سید احمد خاں نے باوجودیکہ
علی گڈھ محمدن کالج میں ونڈرز (عجائبات) کر دکھائے اور اُن کو آٹے میں نمک بھی نہ سمجھا کیوں کر
اطمینان ہو سکتا ہی کہ عبد المجید خاں سے ہم کو مدرسے کی اندرونی حالت ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گی
یعنے ٹروتھ ہول ٹروتھ نتھنگ بٹ ٹروتھ (سچ اور بالکل سچ اور سچ کے سوائے کچھ نہیں) بات یہ ہی
کہ یہ زمانہ ناولٹی (جدّت) کا زمانہ ہی۔ ہزاروں نئی نئی چیزیں دریافت اور ایجاد ہوتی چلی جاتی ہیں۔
اسی طرح نئی نئی بیماریاں چل پڑی ہیں۔ ساٹھ برس کی عمر تو میری ہونے آئی۔ ہم نے تو انفلوئنزا کا کبھی

نام بھی نہیں سنا تھا اب یہ حال ہی کہ تمام روئے زمین پر انفلوئنزا کا تہلکہ مچا ہوا ہی۔ زندگی اور تندرستی کا مسئلہ کچھ ایسا دقیق کہ آج تک کوئی اس کو اچھی طرح حل نہیں کر سکا۔ جتنا چھانو کرا جس قدر فلسفہ کرو گدلا۔ کاوش و تفتیش سے وہم کو ترقی ہوتی جاتی ہی ہوتا ہوا تا کچھ بھی نہیں میں ایک انگریزی اخبار کا مدتوں سے سبسکرائبر (خریدار) ہوں۔ اُس میں جہاں اور مضامین ہوتے ہیں ایک کالم برتھس میریجز اینڈ ڈیتھس (پیدائش شادی بیاہ اور موت) کا بھی ہوتا ہی تو میں اوبد اکر اسمات کو اکثر دیکھا کرتا ہوں اس خیال سے کہ انگریزوں نے فن طبابت میں بڑی ترقی کی ہی دیکھیں اِن لوگوں کی زندگی کتنی دراز ہوتی ہی۔ میں سچ کہتا ہوں میں نے تو آج تک ان لوگوں میں کوئی غیر معمولی بات پائی نہیں یہی ساٹھ ستر برس گھسیٹ کر علی الاکثر ہم بھی مرتے ہیں یہ بھی مرتے ہیں۔ ہاں جس نزاکت سے یہ لوگ مرتے ہیں وہ البتہ عجیب ہی۔

شاید لارڈ رے گورنر بمبئی کی بی بی کا مذکور ہی کہ وہ ہیضہ کر کے مریں۔ یا ان کے مرے پیچھے اس کی تحقیقات ہونے لگی کہ انھوں نے کیوں ہیضہ کیا۔ اِن لوگوں میں یہی تو بڑی صفت ہی کہ ہر ایک واقعے کے سبب کے پیچھے پڑجاتے ہیں۔ بے شک یہ تحقیقات اُن مرنے والے کے حق میں تو کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی تھی مگر بعد الوقوع بہت سے اسباب دریافت ہوئے ہیں انسداد پذیر اور اُن سے باقی ماندگان نے بڑے فائدے اُٹھائے ہیں ہزاروں جانیں مرگ بے ہنگام سے محفوظ رہیں۔ ہماری طرح نہیں کہ رو ئے دھوئے تقدیر پر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہے۔ غرض لیڈی صاحبہ کے مرے پیچھے تحقیقات ہونے لگی کہ اُنھوں نے کیوں ہیضہ کیا۔ آخر معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ہُوس میں جس گھوسی کے یہاں سے چائے کے لئے دودھ آتا تھا اُس کی بھینسیں کسی گانوں کے تالاب میں پانی پینے جایا کرتی تھیں اور ان لیڈی صاحبہ کے مرنے سے کوئی دو یا تین مہینے پہلے اس گانوں میں چند آدمی ہیضے سے مرے تھے۔ اول تو سرے سے ہیضے کے متعدی ہونے ہی میں ڈاکٹروں کا اختلاف ہی اور کوارنٹاین (قرنطینہ) کے بارے میں اس پر بڑی بحث ہو چکی ہی۔ مگر خیر ہم ہیضے کو کنٹیجیس (متعدی) مانے لیتے ہیں تو اب ذرا اس تسلسل کو دیکھئے کہ ایک گانوں میں چند آدمیوں نے ہیضہ کیا۔ مہینوں پیچھے اُن کے ہیضے کا اثر تالاب میں آیا۔ پھر تالاب سے پانی میں پھر پانی سے بھینسوں میں۔ پھر

بھینسوں سے دودھ میں۔ پھر دودھ سے لیڈی صاحبہ میں۔ خیر لیڈی صاحبہ تو بڑی آدمی تھیں لیکن
ہیضے کی ریشہ دوانیاں پہلے سے معلوم ہوتیں تو وہ شاید اِس کا انسداد کر بھی سکتیں تھیں مگر یہ تو فرمائیے کہ ہم
جیسے غریب آدمیوں سے بھی ایسا تحرز ممکن ہی ہرگز نہیں۔ لیکن جیسے تحرز ممکن نہیں ویسے ہی خدا کے فضل
سے ہم چوہی موئی بھی نہیں۔ مجھ کو اگر ان بھینسوں کا دودھ پینے کو ملا ہوتا تو مرنے کی جگہ پی پی کر ایسا موٹا
ہوتا کہ پہچان بھی نہ پڑتا۔ اب تو یہاں تک نوبت پہنچی ہی کہ یہی پانی جس کو پیتے اور یہی ہوا جس کو تنفس کرتے
اور جس پر ہر ایک ذی حیات کی زندگی کا مدار ہی۔ اِن میں بھی زہر گھلا ہی۔ پیا اور مرے سانس لیا اور ٹیں ہوئے
ڈاکٹروں سے لڑے کون۔ بے شک جو یہ فرماتے ہیں بجا اور جو یہ تجویز کرتے ہیں درست۔ مگر زمین و آسمان کے
درمیان سے کدھر نکل جائیں۔ کہاں جا کر بسیں۔ غرض ڈاکٹروں نے بات بات میں بال کی کھال
نکال کر زندگی کو ورتھ لِونگ (جینے کے قابل) نہیں رکھا۔ تو جہاں اور نئی نئی بیماریاں جیسی ٹی بی ہیں اسی طرح
سُنا تھا کہ ڈراپسی (استسقا) ایک بیماری ہوتی ہی جتنا پانی پیے جاؤ اور پیاس لگتی چلی آتی ہی۔ پھر اُس کی قسمیں
سُنی تھیں کہ زقی ہوتا ہی لحمی ہوتا ہی اور شاید اور بھی قسمیں ہوں۔ مگر اِن دنوں ایک نئی قسم کا استسقا چلا ہی
استسقا درمی کہ آدمی اپنے لیئے نہیں دوسروں کے لیئے روپیہ جمع کرتا ہی اور جس قدر روپیہ جمع کرتا جاتا ہی اُس کی
حرص بڑھتی جاتی ہی اِس مرض کا اگر اِس کو مرض سے تعبیر کیا جائے نشو و نما اِس طرح ہوتا ہی کہ خدائے تعالیٰ
اپنے کسی خاص بندے پر اپنی رحمتِ عامہ کا پرتو ڈالتا ہی ع خاص کند بندہ مصلحت عام را بدوہ سب سے
پہلے اپنی قوم کی حالت پر نظر کرتا پھر دوسری قوموں کی حالت سے اُس کا مقابلہ کرتا اور اپنی قوم کو پاتا
مفلس بے ہنر بے وقعت کاہل جاہل انسانیت سے دور حیوانیت سے نزدیک اور وہ قوم کی مصیبت
کو دیکھ کر بے قرار ہوتا اور اُس کے دفع کرنے کی تدبیر کرنا چاہتا چوں کہ قوم کی حالت کو قوم ہی کی کوشش درست
کر سکتی ہی وہ قوم کو ملامت کرتا اور قوم کے لیئے قوم سے لڑتا اِس مرض کا اصلی نام تو ہی رفارم اور استسقا
درمی جس کا میں نے تذکرہ کیا اِس کے لوازم میں سے ہی ہم کو خدا نے نہ تو رفارمروں کے سے دل دیئے
نہ اُن کا سا دور نہ اُن کی سی ہمت نہ اُن کا سا استقلال۔ ہم کسی رفارمر کے کام کو کیا سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کیا کرنا
چاہتا ہی اور کیا کر رہا ہی۔ پس میں اِس مدرسے کے ریَل وَرتھ (اصلی اندازہ) کے بارے میں کوئی رائے

نہیں دے سکتا۔ اِس واسطے کہ میں پروفیشنل مین (طبابت پیشہ) نہیں مجکو اِس مدرسے کی رِیل ورتھ
کے جانچنے کی لیاقت نہیں۔ ہاں ظاہر کی اوپری چند موٹی موٹی باتیں ہیں جن کی نسبت میں کچھ
رننگ ریمارکس (دبیان سرسری) کر سکتا ہوں۔ مدرسوں کی کامیابی خاص چند باتوں سے جانچی جاتی
ہے۔ سب سے پہلے مالی حالت کیوں کہ تمام کامیابیاں متفرع ہیں اسی منقوش پر۔ فنڈز نہ ہوں تو کسی کی حکمت
بھی پیش نہیں جاتی۔ سو خدا کا فضل ہے کہ مدرسے کی مالی حالت اگرچہ عبد المجید خاں کے آئیڈیل
سکول پر نظر کرتے تو پیاسے کے لیئے اونس ہے مگر قوم کی حالت کے اعتبار سے غنیمت ہے اور سچی بات تو
یہ ہے کہ مجکو اِس مدرسے کے فنڈز کی طرف سے کبھی بھی تردد نہیں ہوا۔ ہمارے حکیم صاحب کو عمل مقناطیسی
ہی ایسا یاد ہے کہ ذرا دبا کر اُس سے کام لیں تو روپیہ آپ سے آپ گھسٹا ہوا چلا آئے۔ چندہ بھی تو آدمی ہی
دیں گے اور آدمی بھی با مقدور۔ اور گو یہ لوگ مدرسے کی قدر نہ بھی کریں اپنی زندگی اور تندرستی کی تو
سب سے زیادہ قدر کرتے ہیں۔ اور آدمی ہیں تو مارٹل (فانی) بھی ہیں اور مارٹل ہیں تو کبھی نہ کبھی حکیم صاحب کے
قابو میں آئیں گے ضرور بشرطے کہ مجھ جیسے گراں جان نہ ہوں مگر نہ کوئی میری طرح وقت اور عادت کو
ضبط کرے گا اور نہ اِس عمر میں تنا کرارا ہوگا جتنا کہ ماشاء اللہ چشم بد دور میں ہوں۔ ہمارے ہاں روگی ہونا
تمغائے امارت ہے۔ موجبات ترغیب جو خدا نے امیروں کو دے رکھے ہیں وہ ان کو رزسٹ (مدافعت)
کر نہیں سکتے۔ اور اِن کا بیمار ہونا بلکہ بیمار رہنا تعجب کی بات نہیں بلکہ اِن کا تن درست رہنا بلکہ مطلق
جینا تعجب کی بات ہے۔ غرض فنڈز کے جمع ہونے میں دیر ہو تو ہو وہ بھی اِس سے کہ عبد المجید خاں
صاحب اِس رسی کو ڈھیلا چھوڑتے رہیں مگر فنڈز تو جمع ہوں گے اور ضرور جمع ہوں گے اور خاطر خواہ
جمع ہوں گے۔ فنڈز کا جمع کر لینا کچھ مشکل نہیں فنڈز کا ہینڈل (ضبط و انتظام) کرنا البتہ مشکل ہے اور وہ
عبد المجید خاں صاحب کا کام ہے بے شک سب سے زیادہ اِن ہی کو زحمت ہے مگر جیسی زحمت ہے ویسی ہی
ناموری ہے ویسا ہی اجر عاقبت ہے بشرطے کہ نیت بخیر ہو۔ اور چشم بد دور ان کے استغنا سے ظاہر ہے کہ نیت
کے بخیر ہونے میں تو ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ فنڈز کے بارے میں عبد المجید خاں صاحب کی مسلمہ حذاقت
کے علاوہ حکام کی توجہ بھی اطمینان کا بڑا ذریعہ ہے ؂

آنان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند	آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

تمام تر کوششیں ایک طرف اور اِن کا برسوں دن تھوڑی دیر کے لئے شریک ہونا ایک طرف۔ اگرچہ سمجھنے والوں کو
اتنا اشارہ بھی بس تھا کہ یہ مدرسہ نافع اور مفید اور ضروری نہ ہوتا تو یہ بڑے بڑے حاکم شریک جلسہ ہونا کیسا ادھر
توجہ بھی تو نہ کرتے۔ مگر سب گھوڑے ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ بعض نے تو دیکھا کہ اگاڑی پچھاڑی کھولی
گئی اور سمجھ گئے کہ چلنا ہی اور بے عذر چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ بعض زین کسنے سے پہچان جاتے ہیں بعض رکاب
میں پانو رکھنے سے۔ بعض باگ کے اشارے کے منتظر ہوتے ہیں۔ بعض ٹنکاری کے بعض ایڑ کے۔
بعض ایڑ اور ٹنکاری دونوں کے۔ بعض چابک کے اور بعض شاید اوگھی کے۔ مقصود تو یہ ہی کہ ٹٹو چلے۔
مگر کیوں کر چلے یہ ہانکنے والے کے امتیاز پر موقوف ہی۔ سرکار کو کام ہی ایسی رعایا سے پڑا ہی جن کو اپنے
نفع و نقصان کی بھی تمیز نہیں۔ اگر واقع میں سرکار کو ہم لوگوں کی حالت درست کرنی ہی تو لادے لادے
لادنے والا ساتھ دے یعنے آپ ہی سوچے کہ ہم کو کیا درکار ہی۔ اور آپ ہی اُس کا سامان بھی مہیا کرے۔
سب ہم ہماری ہی بڑی کارگزاری ہی کہ اس میں اڑنگے نہ لگائیں اور اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ بھلا بے سرکار
کے کئے ستی کی رسم اس ملک سے موقوف ہوتی۔ ہرگز نہیں بے سرکار کے کئے دخترکشی کا انسداد ہوتا۔
ہرگز نہیں۔ بے سرکار کے کئے چیچک کا ٹیکہ رواج پاتا۔ ہرگز نہیں۔ اِن ہی چند باتوں سے معلوم ہو سکتا ہی کہ
ہم لوگ اپنی زندگی اور تن درستی کی کہاں تک حفاظت کرنے پر آمادہ ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ سرکار نے
طب جیسی ضروری چیز کو جو زندگی کا مدار اور تن درستی کا موقوف علیہ ہی کیوں ایسی خراب میں چھوڑ رکھا ہی۔
ہاں واٹر ورکس کے اہتمام ہوتے ہیں۔ جب لوگ کسی مرضِ وبائی سے مرنے لگتے ہیں تو حلال خوروں کی فوج
گلی کوچوں میں صبح و شام اپنی ڈرل۔ قواعد کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہی۔ سرکار نے پینل کوڈ کے جاری کرنے
سے جسم و جان کی پوری پوری حفاظت کر دی ہی مگر کچھ خبر بھی ہی کہ طب کی بدانتظامیوں سے کتنی جانیں ضائع
اور کتنے خون ہدر ہوتے ہیں جس طرح لوگوں کے مزاجوں میں خفیف سے ہرج مرج کا پیدا ہونا کچھ بڑی بات
نہیں۔ اسی طرح خفیف سے ہرج مرج کا علاج کی بے تدبیری سے اشتداد پکڑ جانا کچھ بڑی بات نہیں۔ اور
مرض کا اشتداد پکڑے پیچھے مریض کا ہلاک ہو جانا کچھ بڑی بات نہیں ہی تو وہ کام ہی جس کا بیڑا عبد المجید خاں نے

اُٹھایا ہو تو اِن کو کافی مدد کیوں نہ دی جائے - اجی وہ عبدالمجید خاں کا آئیڈیل سکول یعنی - نری
طب یونانی ہی ایسی کہاں کی گئی گزری ہی - اب تک تو طب انگریزی اُس کو شکل (متزلزل) نہیں کر سکی -
اور شیکی کرتی ہوئی معلوم ہوتی بھی نہیں - اب بھی سو میں شاید ننانوے آدمی اُس کے گرویدہ ہیں - اور
سُنے سنائے گرویدہ نہیں بلکہ سینکڑوں برس کے متوارث تجربے کے بعد گرویدہ ہوئے ہیں - تو جب طب
یونانی کی جڑ ایسی مضبوط ہی کہ وہ کسی کے اُکھاڑے اُکھڑ نہیں سکتی اور وہ جیسی مفید ہی ویسی ہی اصلاح طلب
بھی ہی تو اُس کی اصلاح گورنمنٹ کا عین فرض ہی - کیوں کہ گورنمنٹ نے رعایا کی ہر طرح کی حفاظت
اپنے ذمے لی ہی - ازاں جملہ رعایا کی الصحۃ (تن درستی) کی بھی اور حفاظت اپنے ذمے لی ہی تو کچھ مفت نہیں
لی اِس کے بدلے ہم خراج بھرتے ہیں ٹیکس دیتے ہیں اور باوجودیکہ سرکار ہماری ہم وطن نہیں ہم قوم نہیں
ہم مذہب نہیں ہزاروں کوس دور بیٹھے ہم اُس کی جَے مناتے ہیں - کم سے کم اتنا تو چاہیئے کہ گورنمنٹ اِس
سکول کو رکگنائز (تسلیم) کرے - ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ڈاکٹر نیٹوز ہسپتال یورپینز امتحان دے کر ڈپلوما حاصل کرتے پھر
اُن کو سرکاری نوکری مل جاتی اور کام پر مسلط ہوتے ہی لوگ بے تامل اُن سے علاج کرانے لگتے ہیں -
ہمارے اِن طالب العلموں کو یہ مشکل درپیش ہی کہ پڑھا بھی اور مطلب بھی کیا امتحان بھی دیا پاس بھی ہوئے
اور شاید تمغے اور انعام بھی پائے اور آخر میں سند بھی ملی مگر چوں کہ وہ سند سرکاری سند نہیں اُس میں
اُن کے پُش کرنے (آگے بڑھانے) کی قوت نہیں - ان بیچاروں کو دوہری مصیبت ہی امتحان کا پار
کرنا ایک مصیبت اور امتحان کے پاس کیے پیچھے پریکٹس (مطب) کا جمانا دوسری مصیبت - امتحان کا
پاس کرنا تو پھر بھی اختیاری بات ہی - مگر پریکٹس کا جمانا لوگوں کے دلوں میں اپنی عقیدت کا بٹھانا محض بخت و
اتفاق پر موقوف ہی مگر یہ کہ خوش نصیبی سے وہ شخص طبیب زادہ ہو لیکن طبیب زادہ ہو کر اُس دشمن عقل نے
پڑھنے کی تکلیف بھی ناحق ہی کی وہ نہ پڑھتا تو بھی طبیب مانا جاتا - اور یہ جو نیٹو ڈاکٹر بلا ڈپلومہ اپنا پریکٹس
آسانی سے ایسٹبلش (قایم) کر لیتے ہیں اور تمام شہروں میں [illegible] اُن کی کثرت ہوتی چلی جاتی ہی -
اِس میں کچھ اِن کا کمال نہیں یہ دواؤں کے انگریزی ناموں کا شرف ہی - طبابت کی بھی کیا ہی مٹی خوار
ہی ہزارہا آدمی ابھی تک گنڈے تعویذ ٹونے ٹوٹکے جھاڑ پھونک چڑھاوے اُتارے جھو منتر کے طبی خواص کے

متعصبین ان کو پانی کی جگہ اگوا اور بوند کی جگہ ڈراپ کہہ کر پھسلا لینا کیا بڑی بات ہے۔ ہاں پانی کو پانی اور
بوند کو بوند کہیں اور بیچاروں کو ہم سے توڑے جائیں تو جانیں۔
فنڈ کے بعد سکول کی کامیابی کا ٹسٹ (معیار) ہے طالب العلموں کی تعداد ان کا اوسط حاضری ان کا
نتیجہ امتحان۔ سو اگر یہاں کے طالب العلم عمدہ طبیب ہو کر نکلتے ہیں تو ان کا شمار کم اور بہت کم ہے۔ اور
اگر نیم حکیم بن کر نکلتے ہیں تو ان کا شمار زیادہ اور بہت زیادہ ہے۔ اور اس کے فیصلے کو مدتیں چاہئیں۔

بحمد اللہ والمنۃ کہ مجموعہ لکچر کی جلد اول تمام ہوئی۔ حجم کے اعتبار سے جلد دوم بھی اسی کے قریب قریب
ہے۔ جنگ یورپ سے پہلے کاغذ کوڑیوں کے مول تھا اور اب ڈھونڈے نہیں ملتا۔ کہاں ڈیڑھ
دو آنے پونڈ کہاں آٹھ ساڑھے آٹھ آنہ پونڈ ہو گئے کا فرق غرض اس زمانے میں کتاب چھپوانا ایک
ایسی مصیبت ہے جو دھری جائے نہ اٹھائی جائے مگر دنیا کے کام بند نہیں ہوتے کسی نہ کسی طرح
چلے ہی جاتے ہیں۔ پہلے جو کتاب چار آنے کو ملتی تھی اب منافع گھٹا کر کم سے کم بھی رکھو تو آٹھ آنے تو
کہیں گئے نہیں۔ باوجود علم ان مصائب کے لوگ گرانی قیمت کی شکایت کرتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں
کہ کاغذ تو خیر زیادہ تر آسٹریا سے آتا تھا لیکن وہ چیزیں جو روزمرہ کے استعمال کی ہیں اور یہیں پیدا ہوتی
ہیں ان کو بھی تو آگ لگی ہوئی ہے۔ ایک گھی ہی کو لیجئے سیروں کی جگہ چھٹانکوں پر آ گیا۔ روئی کو دیکھئے
کہاں چوسیری اور کہاں پورے سیر بھر کی بھی نہیں۔ غرض ع

زندگی ہے کہ اک طوفان ہے
ہم تو اب جینے کے ہاتھوں مر چلے

غریبوں کی کچھ نہ پوچھئے امیروں کی مقررہ آمدنی بھی روزمرہ کے خرچ کو مکتفی نہیں ہوتی۔ ہر شخص
اپنی حالت میں گرفتار ہے۔ خدا اس عذاب کو اپنے گنہگار بندوں کے سر پر سے دفع کرے جب جان میں
جان آئے ابھی تو آج سے کل اور کل سے پرسوں بدتر ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔

اللّٰہم احفظنا من کل بلاء الدنیا فقط الملتمس خاکسار بشیر الدین احمد عفی عنہ
دہلی ستمبر ۱۹۱۸